إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

کتاب مستطاب

سیرۃ النبی

یعنی

سوانح اقدس حضرت سرورِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حصہ اول

مجلد اول — از ولادت تا ختم سلسلہ غزوات مع مقدمہ مشتمل بر نقد فن سیرۃ و تاریخ عرب قبل ظہور بعثت

تالیف

حجۃ الملۃ والدین شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۲۸ ذی الحجہ سنہ ۱۳۳۱ھ

باہتمام محمد ۔۔۔ اللہ زعد

نوٹ برقی سے

نامی پریس کانپور میں چھپی

دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوئی

سنہ ۱۳۳۶ھ

۱۹۱۸ء

فہرست مضامین سیرۃ النبیؐ، حصہ اول

ہجرت سنہ ۱

۱۹۶-۲۱۸

سنہ ۲ھ

۲۱۹ - ۲۶۹

۹ھ

ایلاء اور تخییر، غزوہ تبوک، مسجد ضرار حج الاسلام

۳۹۸ - ۴۱۵

غزوات پر دوبارہ نظر

۴۱۶ - ۴۵۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرۃ نبوی، جسکے غلغلہ سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ گونج رہا ہے، آج ۷ سال کے بعد اُسکی پہلی جلد شایقین کے ہاتھ مین جاتی ہے، مین اپنا دل اس وقت مسرت آمیز اطمینان سے لبریز پاتا ہون، کہ اُستاد مرحوم نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ مین جو فرض میرے سپرد کیا تھا، الحمد للہ کہ اُس کے ایک حصہ سے آج سبکدوش ہوتا ہون، ع

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

لیکن اس مسرت اور اطمینان کے ساتھ یہ حسرتناک منظر بھی سامنے ہے، کہ مصنف اپنی چار سال کی جانکاہ محنت کا ثمرہ خود اپنے ہاتھ سے قوم کی نذر نہ کر سکا، اور حسنِ عقیدت کے جو پھول سیکڑون چمن کدون سے چُنکر اُسکے ہاتھ آئے تھے اُنکو آستانۂ **نبوت** پر وہ خود نہ چڑھا سکا،

مصنفِ مرحوم کو سیرۃ نبوی کے لکھنے کا خیال **الفاروق** کے بعد ہی پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ ۱۳۲۳ھ مین اسکا ایک مختصر سا حصہ یعنی غزوۂ اُحد تک وہ لکھ بھی چکے تھے[۱]، کہ بعض مشکلات کی بنا پر رک گئے، لیکن ملک کا تقاضاے شوق برابر جاری رہا، بالآخر اُنہون نے ۱۳۳۰ھ مین اس بارِ امانت کے اُٹھانے کا آخری فیصلہ کر لیا، چنانچہ پچاس ہزار روپے کے سرمایہ کے لیے اُنہون نے قوم مین مرافعہ پیش کیا، سیکڑون مسلمان اس خدمت کے لیے آگے بڑھے، ان مین فقراے امت بھی تھے، اور امراے ملت بھی، لیکن یہ سعادتِ اُخروی ازل ہی سے خَادِمَۃُ المِلَّۃِ النَّبَوِیَۃِ مُحْسِنَۃُ الاُمَّۃِ المُحَمَّدِیَۃ نواب **سلطان جہان** بیگم تاج الہند فرمان فرماے بھوپال مَتَّعَ اللّٰہُ المُسْلِمِیْنَ بِطُوْلِ بَقَائِہَا وَدَوَامِ مُلْکِہَا، کے لیے مقدر تھی، اسلیے وہ سب کے آگے بڑھین اور سوانح نگارِ نبوت کو دوسرے آستانون سے

[۱] یہ مسودہ اب تک موجود ہے،

بے نیاز کرکے اس سرمایۂ سعادت کو اپنے خزانۂ عامرہ مین شامل کرلیا، فرمانروا خواتین اسلام نے جو مذہبی کارنامے ابتک انجام دیے ہین آیندہ مورخ غالباً اس کارنامہ کو ان مین سب سے بڑا قرار دیگا، کہ اس کا تعلق اُس ذاتِ اقدس سے ہے، جو اسلام کی تاریخ مین کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہی،

مصنّف مرحوم کی وفات کے بعد شاید دوبارہ اس خدمت گذاری کے لیے مسلمانون مین قرعہ اندازی ہوتی لیکن فرمانفرماے **بھوپال** نے مصنّف کے جانشینون کے لیے بھی سلسلۂ فیض کو برابر جاری رکھا، مصنّف مرحوم کے منشا کے مطابق[1] اس موقع پر منشی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ بھوپال کا نام لینا بھی ضروری ہے جنکی مروحہ جنبانی سے نسیم سعادت کے یہ جھونکے اس باغ قدس مین دوبارآئے،

مصنّف مرحوم نے جو مسودہ چھوڑا تھا اُس مین اس حصّہ تک مبیّضہ صاف تھا، البتہ تین چار مقامات پر اضافہ کی علامت بنی تھی اور مطالب کا اشارہ تھا، اُن کو بڑھا دیا گیا، معلوم ہوتا ہے کہ اس حصّہ کی تکمیل کے بعد اُن کو خیال آیا کہ قدیم مورخین کی طرح سنہ وار واقعات کی ترتیب رکھکر ہر سنہ کے آخر مین جزئی حالات" واقعات متفرقہ" کے عنوان سے لکھدیے جائین، چنانچہ مبیّضہ پر ۵ھ تک اپنے قلم سے وہ لکھ سکے، یہ امانت جب میرے سپرد ہوئی تو مین نے بقیہ سنین کے آخر مین اُسی قسم کے جزئیات متفرقہ کا اضافہ کردیا، حواشی یا حوالے کہین کہین چھوٹ گئے تھے، وہ ڈھونڈھکر لکھے، لیکن اسکی کامل احتیاط کی گئی کہ جامع کا کوئی لفظ بلکہ کوئی حرف جامع کی عبارت مین نہ ملنے پائے، چنانچہ ان تمام جزئی اضافون کو توسین کے اندر جگہ دیگئی ہے، اِس بنا پر لفظ "صلعم" یا "جملہ ہاے معترضہ" کے سوا جو چند فقرے اور عبارتین توسین مین ہین وہ اضافہ ہین،

یہ پہلے خیال تھا کہ جلد اوّل کو وفات تک وسعت دیجائے، لیکن جب کتابت شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ ضخامت ... صفحہ کو پہنچ جائے گی اور اس سے جلد کی نفاست کو صدمہ پہونچے گا، سامان طبع کی گرانی سے جو تعویق پیدا ہورہی تھی، اُسنے بھی مجبور کیا کہ اس کو دو جلدون مین تقسیم کردیا جائے، چنانچہ پہلی جلد سلسلۂ جنگ و غزوات پر

[1] مکاتیب شبلی جلد اول صفحہ ۲۶۱

ختم کردی گئی، اور دوسری جلد اسلام کی امن کی زندگی تنظیم و تنسیق، اشاعت اسلام، وفات اور اخلاق کی الگ کردی گئی، خداوند تعالےٰ سے دعا ہے کہ اس کی طبع و اشاعت کی بھی توفیق عطا فرمائے، حَسْبِیَ اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ،

مصنف مرحوم کتاب کا سرنامہ لکھنے نہ پائے تھے، اُن کے سودات مین اتفاقاً یہ تحریر بے تسلمزدہ مل گئی، اُسی کو غنیمت سمجھکر تبرکاً داخل کتاب کیا جاتا ہے،

جَامِعُ

سید سلیمان ندوی

دار المصنفین اعظم گڈھ، ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ

سرنامہ

ایک گداے بے نوا، شہنشاہِ کونین کے دربار

مین، اخلاص و عقیدت کی نذر لیکر آیا ہے،

زچشمم آستین بردار و گوہر را تماشا کن

شبلی،

شوال سنہ ۱۳۳۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن

سیرت نبوی کی تالیف کی ضرورت

عالم کائنات کا سب سے بڑا مقدم فرض، اور سب سے زیادہ مقدس خدمت یہ ہے کہ نفوس انسانی کے اخلاق وتربیت کی اصلاح وتکمیل کی جاے، یعنی پہلے ہر قسم کے فضائل اخلاق، زہد وتقویٰ، عصمت وعفاف، احسان وکرم حلم وعفو، عزم وثبات، ایثار ولطف، غیرت واستغنا کے اصول وفروع نہایت صحیح طریقہ سے قائم کئے جائین، اور پھر تمام عالم مین اُن کی عملی تعلیم رائج کی جاے۔

اِس مقصد کے حصول کا عام طریقہ وعظ وپند ہے، اس سے زیادہ متمدن طریقہ یہ ہے کہ فنِ اخلاق مین اعلےٰ درجہ کی کتابین لکھی جاکر تمام ملک مین پھیلائی جائین، اور لوگون کو اِن کی تعلیم دلائی جاے، ایک طریقہ یہ ہے کہ لوگون سے بہ جبر محاسنِ اخلاق کی تعمیل کرائی جاے اور رذائل سے روکے جائین۔

یہی طریقے ہین جو ابتدا سے آج تک تمام دنیا مین جاری ہین، اور آج اس انتہائی ترقی یافتہ دور مین بھی اس سے زیادہ کچھ نہین کیا جا سکتا، لیکن سب سے زیادہ صحیح، سب سے زیادہ کامل، سب سے زیادہ عملی طریقہ یہ ہے کہ نہ زبان سے کچھ کہا جاے، نہ تحریری نقوش پیش کئے جائین، نہ جبر وزور سے کام لیا جاے۔ بلکہ فضائلِ اخلاق کا ایک پیکرِ مجسم سامنے آجاے جو خود ہمہ تن آئینۂ عمل ہو، جس کی ہر جنبشِ لب ہزارون تصنیفات کا کام دے اور جس کا ایک ایک اشارہ، اوامرِ سلطانی بن جاے، دنیا مین آج اخلاق کا جو سرمایہ ہے، سب انہی نفوسِ قدسیہ کا پرتو ہے، دیگر اور اسباب، صرف ایوانِ تمدن کے نقش ونگار ہین۔

لیکن اس وقت تک، دنیا کی جس قدر تاریخ معلوم ہے اُس نے اِس قسم کے نفوس قدسیہ جو پیش کیے ہین وہ فضائلِ اخلاق کی کسی خاص صنف کے نمونے تھے، مثلاً جناب مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکتبِ درس مین صرف حلم وتحمل، صلح وعفو، قناعت وتواضع کی تعلیم ہوتی تھی، حکومت وفرمانروائی کے لیے جو فضائلِ اخلاق درکار ہین مسیحی تعلیم کی بیاض مین ان سطرون کی جگہ سادی ہے۔ حضرت موسےٰ، اور نوح علیہما السلام کے اوراقِ تعلیم مین عفوِعام کے صفحے خالی ہین، اس بناپر ہر ہر قدم پر نئے رہنما کی ضرورت پیش آئی اور اس لئے عالمِ انسانی اپنی تکمیل کے لیے ہمیشہ ایسے جامع کامل کا محتاج رہا جو صاحب شمشیر و نگین بھی ہو اور گوشہ نشین بھی، بادشاہ کشورکشا بھی ہو اور گدا بھی، فرمان روائے جہان بھی ہو اور سبحہ گردان بھی، مفلس قانع بھی ہو اور غنیِ دریادل بھی، یہ برزخ کامل یہ ہستیِ جامع، یہ صحیفۂ یزدانی، عالمِ کون کی آخری معراج ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

عالمِ فانی کی کوئی چیز ابدی نہین، اس لیے یہ ہستیِ جامع، دنیا مین آکر ہمیشہ نہین رہ سکتی، اِس لیے ضرور ہی کہ اُس کی زبان کا ایک ایک حرف، اُس کی حرکات وسکنات کی ایک ایک ادا، اُس کے حلیۂ وجود کے ایک ایک خط وخال کا عکس لے لیا جاے کہ مراحلِ زندگی مین جہان ضرورت پیش آے رہنمائی کے کام آے لیکن یہ عجیب اتفاق ہی کہ جس طرح دیگر تمام بانیانِ مذہب جامعیتِ کبریٰ کے وصف سے خالی تھے، اُن کے کارنامۂ زندگی کی تصویرین بھی ناتمام لی گئین، جناب مسیح کی ۳۳ سالہ زندگی مین سے صرف ۳ برس کے حالات معلوم ہین، فارس کے مُصلحانِ دین، صرف شاہنامہ کے ذریعہ سے روشناس ہین ہندوستان کے پیغمبر افسانون کے حجاب مین گم ہین حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت آج جو کچھ معلوم ہے اُس کا ذریعہ صرف موجودہ توراۃ ہے، جو حضرت موسیٰ کے ۳۰۰ برس بعد عالمِ وجود مین آئی، یہ قدرت کی طرف سے اِشارہ تھا کہ ان کے کارنامے، اور اصولِ تعلیم ابدی نہ تھے، اِس لیے نقل وروایت کے آئینہ مین جس قدر اُن کا ناتمام عکس اُترا اُس سے زیادہ ضروری بھی نہ تھا، قدرت، خود ضرورت کی اندازہ دان ہی اور جب جس چیز کی

ضرورت ہوتی ہے وہ خود مہیا کردیتی ہے۔

تمام ارباب مذاہب مین سے ہر ایک کو اپنا مذہب اُسی قدر عزیز ہی جس قدر دوسرے کو ہے اِس لیے اگر بے پردہ یہ سوال کیا جاے کہ دنیا مین کون ہستی تھی جس مین جامعیّتِ کبری کا وصف نمایان تھا؟ تو ہر طرف سے مختلف صدائین آئین گی، لیکن اگر یہی سوال اس پیرایہ مین بدل دیا جاے، کہ دنیا مین وہ کون شخص گزرا ہے جس کا کارنامۂ زندگی، اِس طرح قلمبند ہوا کہ ایک طرف توصحت کا یہ انتظام تھا کہ کسی صحیفۂ آسمانی کے لیے بھی نہ ہوسکا، اور دوسری طرف وسعت اور تفصیل کے لحاظ سے یہ حالت ہی کہ اقوال وافعال، وضع وقطع، شکل و شباہت، رفتا وگفتار، مذاقِ طبیعت، اندازِ گفتگو، طرزِ زندگی، طریقِ معاشرت، کھانے پینے، چلنے پھرنے، اُٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ رہ گئی، تو اس سوال کے جواب مین صرف ایک صدا بلند ہوسکتی ہے، (محمد عربي فديته بأبي و أمي)

علمی حیثیت

یہ جو کچھ کہا گیا، مقصدِ تصنیف کا مذہبی پہلو تھا، اسی مسئلہ کو علمی حیثیت سے دیکھو، علوم وفنون کی صف مین سیرت (بیاگرفی) کا ایک خاص درجہ ہے، ادنے سے ادنے آدمی کے حالات زندگی بھی حقیقت شناسی اور عبرت پذیری کے لیے دلیل راہ ہین، چھوٹے سے چھوٹا انسان بھی کیسی عجیب خواہشین رکھتا ہے، کیا کیا منصوبے باندھتا ہے، اپنے چھوٹے سے دائرۂ عمل مین کس طرح آگے بڑھتا ہے، کیونکر ترقی کے زینون پر چڑھتا ہے، کہان کہان ٹھوکرین کھاتا ہے، کیا کیا مزاحمتین اُٹھاتا ہے، تھک کر بیٹھ جاتا ہے، سستاتا ہے اور پھر آگے بڑھتا ہے، غرض سعی وعمل، جد وجہد، ہمت وغیرت کی جو عجیب وغریب نیرنگیان سکندرِ اعظم کے کارنامۂ زندگی مین موجود ہین، بعینہٖ یہی منظر ایک غریب مزدور کے عرصۂ حیات مین بھی نظر آتا ہی،

اس بنا پر اگر سیرت اور سوانح کا فن، عبرت پذیری اور نتیجہ رسی کی غرض سے درکار ہے تو "شخص" کا سوال نظر انداز ہوجاتا ہے، صرف یہ دیکھنا رہ جاتا ہے کہ حالات اور واقعات جو ہات آتے ہین، وہ کس وسعت اور استقصا وتفصیل کے ساتھ ہات آتے ہین، تاکہ مراحلِ زندگی کی تمام راہین اور اُن کے پیچ وخم ایک ایک

کر کے نظر کے سامنے آجائین، لیکن اگر خوش قسمتی سے فردِ کامل، اور استقصاے واقعات، دونون باتین جمع ہوجائین تو اس سے بڑھکر اس فن کی کیا خوش قسمتی ہوسکتی ہے،

وُجوہِ مذکورہُ بالا کی بنا پر کون شخص انکار کر سکتا ہے کہ صرف ہم مسلمانون کو نہین بلکہ تمام عالم کو اُس وجودِ مقدس کی سوانح عمری کی ضرورت ہی جس کا نامِ مبارک "محمد" (رسول اللہ) ہی، اللّٰھم صلّ علیہ وسلّم صلوۃً کثیراً کثیراً، یہ ضرورت، صرف اسلامی یا مذہبی ضرورت نہین ہے، بلکہ ایک علمی ضرورت ہے، ایک اخلاقی ضرورت ہے، ایک تمدنی ضرورت ہے، ایک ادبی ضرورت ہے، اور مختصر یہ ہے کہ مجموعۂ ضروریات دینی و دنیوی ہے،

مین اس بات سے ناواقف نہ تھا کہ اسلام کی حیثیت سے میرا فرضِ اوّلین یہی تھا کہ تمام تصنیفات سے پہلے مین سیرۃ نبوی کی خدمت انجام دیتا، لیکن یہ ایک ایسا اہم اور نازک فرض تھا کہ مین مُدّت تک اس کے ادا کرنے کی جرأت نہ کرسکا، تاہم مین دیکھ رہا تھا کہ اس فرض کے ادا کرنے کی ضرورتین بڑھتی جاتی ہین،

علم کلام کی حیثیت سے سیرۃ کی ضرورت

اگلے زمانہ مین سیرۃ کی ضرورت، صرف تاریخ اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے تھی، علم کلام سے اس کو واسطہ نہ تھا، لیکن معترضینِ حال کہتے ہین کہ اگر مذہب، صرف خدا کے اعتراف کا نام ہے تو بحث یہین تک رہ جاتی ہے، لیکن جب اقرارِ نبوت بھی جزوِ مذہب ہی تو یہ بحث پیش آتی ہے کہ جو شخص حاملِ وحی، اور سفیرِ الٰہی تھا، اُسکے حالات، اخلاق اور عادات کیا تھے؟

یورپ کے مورخین، آنحضرت کی جو اخلاقی تصویر کھینچتے ہین، وہ (نعوذ باللہ) ہر قسم کے معائب کا مرقع ہوتی ہے، آج کل مسلمانون کو جدید ضرورتون نے عربی علوم سے بالکل محروم کردیا ہی، اس لیے اس گروہ کو اگر کبھی پیغمبر اسلام کے حالات اور سوانح کے دریافت کا شوق ہوتا ہے تو اُنھی یورپ کی تصنیفات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہی، اس طرح یہ زہر آلود معلومات آہستہ آہستہ اثر کرتی جاتی ہین، اور لوگون کو خبر تک نہین ہوتی یہانتک کہ ملک مین ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا ہے جو پیغمبر کو محض ایک مُصلح سمجھتا ہے جس نے اگر مجمع انسانی مین

کوئی اصلاح کردی تو اُس کا فرض ادا ہوگیا، اس بات سے اُس کے منصبِ نبوت مین فرق نہین آتا کہ اُس کے دامنِ اخلاق پر معصیت کے دھبے بھی ہین۔

یہ واقعات تھے جنھون نے مجھکو بالآخر مجبور کیا، اور مین نے سیرۃ نبوی پر ایک مبسوط کتاب لکھنے کا ارادہ کرلیا، یہ کام بظاہر نہایت آسان تھا، عربی زبان مین سیکڑون کتابین موجود ہین، اُن کو سامنے رکھ کر ایک ضخیم اور دلچسپ کتاب لکھدینا، زیادہ سے زیادہ چند مہینون کا کام تھا، لیکن واقعہ یہ ہو کہ کوئی تصنیف اس تصنیف سے زیادہ دیرطلب اور جامع مشکلات نہین ہوسکتی،

آگے چل کر ہم تفصیل سے بیان کرین گے کہ خاص سیرت[1] پر آج تک کوئی ایسی کتاب نہین لکھی گئی جسمین

---

[1] اس موقع پر ایک نہایت ضروری بحث طے کردینے کے قابل ہے جو آج کل کی قلتِ علم اور ناآشنائیِ فن نے پیدا کردی ہے، بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہین کہ سیرت فنِ حدیث ہی کی ایک خاص قسم کا نام ہو یعنی احادیث مین سے وہ واقعات الگ لکھدیئے گئے جو آنحضرت کے اخلاق وعادات سے متعلق ہین تو یہ سیرت بنگئی اور چونکہ حدیث مین متعدد کتابین ایسی موجود ہین جن مین ایک حدیث بھی ضعیف نہین مثلاً صحیح بخاری، مسلم، تو یہ کہنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہو کہ "سیرت مین کوئی کتاب آج تک صحت کے التزام کے ساتھ نہین لکھی گئی" اس بحث کے ذہن نشین کرنے کے لیے امور ذیل پیش نظر رکھنے چاہئین۔

(۱) پہلی بحث یہ ہو کہ سیرت کا اطلاق کس چیز پر ہوتا ہے، محدثین اور ارباب رجال کی اصطلاح قدیم یہ ہو کہ آنحضرت کی خاص غزوات کو مغازی اور سیرت کہتے تھے۔ چنانچہ ابن اسحاق کی کتاب کو مغازی بھی کہتے ہین اور سیرت بھی، حافظ ابن حجر فتح الباری کتاب المغازی مین یہ دونون نام ایک ہی کتاب کے لیے استعمال کرتے ہین۔ فقہ کی بھی یہی اصطلاح ہو، فقہ مین جو باب کتاب الجہاد والسیر باندھتے ہین، اسمین سیرت کے لفظ سے غزوات اور جہاد کے احکام مراد ہوتے ہین۔

کئی صدی تک یہی طریقہ رہا چنانچہ تیسری صدی تک جو کتابین سیرت کے نام سے مشہور ہین مثلاً سیرت ابن ہشام، سیرت ابن عائذ، سیرت اُموی وغیرہ، ان مین زیادہ تر غزوات ہی کے حالات ہین، البتہ زمانہ مابعد مین، مغازی کے سوا، اور اور چیزین بھی داخل کرلی گئین مثلاً مواہب لدنیہ مین غزوات کے علاوہ سب کچھ ہو۔

اس بنا پر محدثین کی اصطلاح مین مغازی اور سیرت، عام فن حدیث سے ایک الگ چیز ہے۔ یہان تک کہ بعض موقعون پر ارباب سیر اور محدثین دو مقابل کے گروہ سمجھے جاتے ہین، اور بعض واقعات کے متعلق یہ صورت پیدا ہوتی ہے کہ تمام ارباب سیر ایک طرف ہوتے ہین اور امام بخاری ومسلم ایک طرف، ایسے موقع پر بعض لوگ امام بخاری کی روایت کو اس بنا پر تسلیم نہین کرتے کہ تمام ارباب سیر کے خلاف ہو؛ لیکن محققین کہتے ہین کہ حدیث صحیح تمام ارباب سیر کی متفقہ روایت کے مقابلہ مین بھی قابل ترجیح ہے، ہم اس موقع پر ایک دو واقعہ مثال کے طور پر لکھتے ہین۔

غزوات مین ایک غزوہ **ذوقرد** کے نام سے مشہور ہو، انکی نسبت ارباب سیر متفق ہین کہ صلح حدیبیہ کے قبل واقع ہوا تھا لیکن صحیح مسلم مین

صرف صحیح روایتون کا التزام کیا جاتا، حافظ زین الدین عراقی جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے، سیرۃ نبوی مین لکھتے ہین

ولیعلم الطالب ان السیرا   یجمع ما صح وما قد انکرا

یعنی طالب فن کو جاننا چاہئے کہ سیرۃ مین ہر قسم کی روایتین نقل کی جاتی ہین صحیح بھی اور قابل انکار بھی

یہی سبب ہو کہ مستند اور مسلّم الثبوت تصنیفات مین بھی بہت سی ضعیف روایتین شامل ہوگئین، اس بنا پر ضرور تھا کہ نہایت کثرت سے حدیث و رجال کی کتابین بہم پونہچائی جائین، اور پھر نہایت تحقیق و تنقید سے ایک مستند تصنیف طیار کی جاے، لیکن سیکڑون کتابون کا استقصا کے ساتھ دیکھنا، اور اُن سے معلومات کا اقتباس کرنا، ایک شخص کا کام نہ تھا، اس کے ساتھ ایک ضرورت یہ بھی تھی کہ یورپ مین آنحضرتؐ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵) سلمۃ بن الاکوع سے جو روایت ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد اور خیبر سے تین دن قبل کا واقعہ ہے۔ اس حدیث کی شرح مین علامۂ قرطبی نے لکھا ہے۔

لا یختلف اهل السیر ان غزوة ذی قرد کانت قبل الحدیبیة فیکون ما وقع فی حدیث سلمة من وهم بعض الرواة

اہل سیر مین سے کسی کو اس امر مین اختلاف نہین ہے کہ غزوۂ ذی قرد، حدیبیہ سے پہلے واقع ہوا تھا تو سلمہ کی حدیث مین جو مذکور ہے، وہ کسی راوی کا وہم ہوگا۔

حافظ ابن حجر فتح الباری (ذکر غزوۂ ذی قرد) مین قرطبی کے اس قول پر بحث کر کے لکھتے ہین۔

فعلی هذا ما فی الصحیح من التاریخ لغزوة ذی قرد اصح مما ذکره اهل السیر

تو اس بنا پر صحیح (مسلم) مین غزوۂ ذی قرد کی جو تاریخ مذکور ہے وہ اس سے زیادہ صحیح ہے جو مصنفین سیرت نے بیان کی ہے۔

دمیاطی ایک مشہور محدث ہین انھون نے سیرت مین ایک کتاب لکھی ہی جو آج بھی موجود ہے، اس مین انھون نے اکثر موقعون پر ارباب سیر کی روایت کو ترجیح دی تھی، لیکن جب زیادہ تتبع کیا تو ان کو معلوم ہوا کہ احادیث صحیحہ کو سیرت کی روایتون پر ترجیح ہے، چنانچہ اپنی کتاب مین ترمیم کرنی چاہی، لیکن اس کے نسخے کثرت سے شائع ہوگئے تھے اس لئے نہ کر سکے۔

حافظ ابن حجر خود دمیاطی کا قول نقل کر کے لکھتے ہین۔

ودل هذا علی انه کان یعتقد الرجوع عن کثیر مما وافق فیه اهل السیر وخالف الاحادیث الصحیحة وان ذلک کان به قبل تضلعه منها ولخروج نسخ کتابه وانتشاره لم یتمکن من تغییره

(زرقانی بر مواہب جلد ۳ صفحہ ۱۱)

اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ (یعنی دمیاطی) قصد کر چکے تھے کہ جن موقعون پر انھون نے ارباب سیر سے اتفاق کر کے احادیث صحیحہ کی مخالفت کی ہے ان سے رجوع کرین گے، اور یہ کہ یہ امر اُن سے مہارت فن کے قبل صادر ہوا، لیکن چونکہ کتاب کے نسخے شائع ہو چکے تھے۔ اس لیے وہ اپنی کتاب کی اصلاح نہ کر سکے۔

۲- ایک غزوہ ذات الرقاع کے نام سے مشہور ہے اس کی نسبت اکثر ارباب سیر کا اتفاق ہے کہ جنگ خیبر کے قبل واقع ہوا تھا۔ لیکن امام بخاریؒ نے

اس سے واقفیت حاصل کی جائے، مین بدقسمتی سے یورپ کی کوئی زبان نہین جانتا، اس لئے ایک محکمہ تصنیف کی ضرورت تھی، جس مین قابل عربی دان اور مغربی زبانون کے جاننے والے شامل ہون، خدا نے جب یہ سامان پیدا کر دیئے تو اب مجھ کو کیا عذر ہوسکتا تھا، اب بھی اگر اس فرض کے ادا کرنے سے قاصر رہتا تو اس سے بڑھکر کیا بدقسمتی ہوسکتی تھی۔

مسلمانون کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہین ہوسکتا کہ انھون نے اپنے پیغمبر کے حالات اور واقعات کا ایک ایک حرف اس استقصا کے ساتھ محفوظ رکھا کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلمبند نہین ہوسکے، اور نہ آئندہ توقع کی جاسکتی ہے، اس سے زیادہ کیا عجیب بات ہوسکتی ہے کہ آنحضرت ؐ کے افعال اور اقوال کی تحقیق کی غرض سے آپ کے دیکھنے والون اور ملنے والون مین سے تقریباً تیرہ ۱۳ ہزار شخصون کے نام اور حالات قلمبند کئے گئے اور اُس زمانہ مین کئے گئے جب تصنیف وتالیف کا آغاز تھا، طبقات ابن سعد، کتاب الصحابۃ لابن السکن، کتاب لعبداللہ بن علے بن الجارود، کتاب العقیلی فی الصحابۃ، کتاب ابن ابی حاتم الرازی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶) تصریح کی ہے کہ خیبر کے بعد واقع ہوا، اس پر علامہ دمیاطی نے بخاری کی روایت سے اختلاف کیا۔ حافظ ابن حجر فتح الباری مین لکھتے ہین۔

واما شیخہ الدمیاطی فادعی غلط الحدیث الصحیح وان جمیع اھل السیر علی خلافہ (فتح الباری جزء ہفتم صفحہ ۲۴۰)

باقی اُن کے شیخ دمیاطی تو انھون نے حدیث صحیح کی نسبت اس بنا پر غلطی کا دعویٰ کیا ہے کہ تمام اہل سیر اس کے خلاف ہین۔

حافظ ابن حجر نے اس قول کو نقل کرکے اس کا رد بھی کیا ہے۔

اس تمام تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ سیرت ایک جداگانہ فن ہے، اور بعینہٖ فن حدیث نہین ہے، اور اس بنا پر اس کی روایتون مین اس درجہ کی شدت احتیاط ملحوظ نہین رکھی جاتی جو فن صحاح ستہ کے ساتھ مخصوص ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ فقہ کا فن قرآن اور حدیث ہی سے ماخوذ ہے، لیکن یہ نہین کہہ سکتے کہ یہ بعینہٖ قرآن، یا حدیث ہے، یا ان دونون کے ہم پلہ ہے،

۲- مغازی اور سیرت مین جس قسم کی جزئی تفصیلین مقصود ہوتی ہین، وہ فن حدیث کی اصلی بلند معیار کے موافق نہین مل سکتین، اس لیے ارباب سیر کو تنقید اور تحقیق کا معیار، کم کرنا پڑتا ہے، اس بنا پر سیرت ومغازی کا رتبہ فن حدیث سے کم رہا،

۳- جس طرح امام بخاری ومسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب مین درج نہ کرین گے، اس طرح سیرت کی تصانیف مین کسی نے یہ التزام نہین کیا، آج بیسون کتابین قدما سے لیکر متاخرین تک کی موجود ہین، مثلاً سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، سیرت ابن سید الناس، سیرت دمیاطی، حلبی، مواہب لدنیہ، کسی مین یہ التزام نہین،

تفصیل مذکورہ بالا سے ظاہر ہوا ہوگا کہ ہماری اس عبارت کا کہ سیرت مین آج تک کوئی کتاب، صحت کے التزام کے ساتھ نہین لکھی گئی، اس کا کیا مطلب ہے، اور کہان تک صحیح ہے۔

کتاب الازرق، کتاب الدولابی، کتاب البغوی[1]، طبقات ابن ماکولا، اسد الغابۃ، استیعاب، اصابۃ فی احوال الصحابۃ صرف انہی بزرگون کے حالات مین ہین، کیا دنیا مین کسی شخص کے رفقا مین سے اتنے لوگون کے نام اور حالات درج تحریر ہوسکے ہین؟

سیرۃ نبوی کے متعلق قدما نے جو ذخیرہ مہیا[2] کیا، اُس کی مختصر تاریخ اور کیفیت ہم اس غرض سے اس موقع پر درج کردیتے ہین کہ ایک کامل اور مستند کتاب کے مرتب کرنے کے لیے اس ذخیرہ سے کیونکر کام لیا جاسکتا ہے، اور کہان تک تحقیق و تنقید کی ضرورت ہے۔

فن سیرت کی ابتدا اور تحریری سرمایہ

عام طور پر یہ خیال ہو کہ چونکہ عرب مین لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا، اور اسلام مین تدوین و تالیف کا آغاز خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ سے (تقریبًا ۱۴۳ھ مین) ہوا، اس لیے اس زمانہ تک سیرت اور روایات کا جو کچھ ذخیرہ تھا، زبانی تھا، تحریری نہ تھا، لیکن یہ خیال صحیح نہین، عرب مین لکھنے پڑھنے کا رواج (گو، کم سہی) مُدت سے چلا آتا ہے، بہت قدیم زمانہ مین حمیری اور نابتی خط تھا جس کے کتبے آج نہایت کثرت سے یورپ کی بدولت مُہیا ہوگئے ہین، اسلام سے کچھ پہلے وہ خط ایجاد ہوا جو عربی خط کہلاتا ہے، اور جس نے بہت سی صورتین بدل کر آج یہ صورت اختیار کرلی ہے،

اس خط کی تاریخ اور اس کی ابتدا کے متعلق جو قدیم روایتین کتابون مین مذکور ہین اکثر افسانہ ہین، مثلاً ابن الندیم نے کلبی سے نقل کیا ہو کہ اوّل اوّل جن لوگون نے عربی خط ایجاد کیا، اُن کے نام یہ تھے، ابوجاد، ہواز، حطی، کلمون، صعفص، قرشیات، (یہی نام ہین جن کو ہم آج، ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت، کہتے ہین) اسی طرح کعب کا یہ قول کہ تمام خطوط حضرت آدم نے ایجاد کئے تھے۔ ابن الندیم نے حضرت عبداللہ بن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ سب سے

---

۱ ان کتابون کا ذکر استیعاب کے دیباچہ مین ہو۔

۲ یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ حدیث کی کتابون مین آنحضرت کے حالات اور اخلاق و عادات کے متعلق نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہین جو سیرت مین کافی مدد دے سکتے ہین، تاہم تنہا اُن سے ایک تاریخی تصنیف طیار نہین ہوسکتی، اس کے علاوہ اُن مین تاریخی ترتیب نہین ہو، یہان ہم نے جن کتابون کا ذکر کیا ہو، حدیث کی کتابین اِن کے علاوہ ہین۔

پہلے جس نے عربی خط لکھا وہ تین شخص قبیلۂ بولان (قبیلۂ طے کی ایک شاخ) کے تھے، جو انبار مین آباد تھے، ان کے نام

مرامر بن مرۃ، اسلم بن سدرۃ، اور عامر بن جدرۃ، تھے،

ان تمام روایتون مین جو قرین قیاس ہی وہ روایت ہی جو ابن الندیم نے عمر بن شبہ کی کتاب مکہ سے نقل

کی ہے، یعنی سب سے پہلے عربی خط ایک شخص نے ایجاد کیا جو بنو مخلد بن نضر بن کنانہ کے خاندان سے تھا، اور غالبًا یہ

وہ زمانہ ہی جب قریش نے عروج حاصل کر لیا تھا اور تجارت کے ذریعہ سے بیرونی ممالک مین آمد و رفت رکھتے تھے،

ابن الندیم نے لکھا ہے کہ مین نے مامون الرشید کے کتب خانہ مین ایک دستاویز دیکھی تھی، جو عبد المطلب بن

ہاشم (آنحضرت کے جد امجد) کے ہات کی لکھی ہوئی، اس کے یہ الفاظ تھے،

حقُّ عبد المطّلب بن هاشم من اهلِ مكّة على فلان	یہ عبد المطلب بن ہاشم (جو مکہ کا باشندہ ہے) کا قرضہ
ابن فلان الحميرى من اهلِ وَزَل صنعا عليه الفُ	فلان شخص پر ہے، جو صنعا کا رہنے والا ہے۔ یہ چاندی کے
درهمٍ فضّةٍ كيلًا بالحديدة ومتى دعاه بها	ہزار درہم مین، جب طلب کیا جائے گا تو وہ ادا کرے گا۔ خدا،
اجابه شهد الله والملكان۔	اور دو فرشتے اُس کے گواہ مین۔

اس دستاویز سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبد المطلب نے کسی حمیری شخص کو ہزار درہم قرض دیے تھے، خاتمہ مین دو فرشتون

کی گواہی لکھی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس زمانہ مین فرشتون کا (اور شاید کرام کاتبین کا) اعتقاد موجود تھا،

ابن الندیم نے لکھا ہی کہ اس دستاویز کا خط ایسا تھا جیسا کہ عورتون کا خط ہوتا ہے،

علامہ بلاذری نے تصریح کی ہی کہ آنحضرت کی جب بعثت ہوئی تو قریش مین ۱۷ شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے، یعنی

حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت ابو عبیدۃ، طلحۃ، زید، ابو حذیفہ، ابو سفیان، شفا بنت عبد اللہ[1]، وغیرہ

بدر کی لڑائی جو ۲ھ ہجری مین ہوئی، اس مین قریش کے جو لوگ گرفتار ہوئے اُن سے فدیہ لیا گیا، لیکن بعض

ایسے بھی تھے جو ناداری کی وجہ سے فدیہ نہین ادا کر سکے، آنحضرت نے اُن کو حکم دیا کہ ہر شخص دس دس بچون کو اپنے

[1] فتوح البلدان، ذکر خط، صفحہ ۴۷۱، مطبوعہ یورپ۔

ذمہ لیکر اُن کو لکھنا سکھادے، چنانچہ حضرت زید بن ثابت نے جو کاتب وحی ہین اسی طرح لکھنا سیکھا تھا،[1]

اِن واقعات سے معلوم ہوگا کہ عرب اور خصوصاً مکہ و مدینہ مین آنحضرت کے زمانہ ہی مین لکھنے پڑھنے کا کافی رواج ہوچکا تھا، البتہ یہ تحقیق طلب ہو کہ آنحضرت کے زمانہ مین روایتین اور حدیثین بھی قلمبند ہوئی تھین یا نہین؟ اور اس بنا پر سیرت کا کوئی تحریری سرمایہ بھی موجود تھا یا نہین، بعض حدیثون مین جن مین سے بعض صحیح مسلم مین مذکور ہین، تصریح ہو کہ آنحضرت نے حدیثون کے قلمبند کرنے سے منع فرمایا تھا، مسلم کے یہ الفاظ ہین،

لَا تَكْتُبُوا عَنِّي وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ

مجھ سے جو سنو اس کو قلمبند نہ کرو (بجز قرآن کے) اور کسی نے قلمبند کیا ہو تو اس کو مٹا ڈالنا چاہئے۔

آنحضرت کے زمانہ کی تحریرین

لیکن معلوم ہوتا ہو کہ یہ ابتدائی زمانہ کا ارشاد ہو، کیونکہ متعدد صحیح حدیثون سے ثابت ہو کہ آنحضرت ہی کے زمانہ مین بعض صحابہ آنحضرت کی اجازت سے آپ کے ارشادات قلمبند کرلیا کرتے تھے، صحیح بخاری (باب العلم) مین حضرت ابوہریرہ کا قول ہو کہ "صحابہ مین مجھ سے زیادہ کسی کو حدیثین محفوظ نہین، البتہ عبد اللہ بن عمرو مستثنےٰ ہین، کیونکہ وہ آنحضرت کی حدیثین لکھ لیا کرتے تھے، اور مین لکھتا نہ تھا" ایک روایت مین ہے کہ "حضرت عبد اللہ بن عمرو کی عادت تھی کہ آنحضرت سے جو سنتے تھے لکھ لیا کرتے تھے، قریش نے اِن کو منع کیا کہ آنحضرت کبھی غیظ کی حالت مین ہوتے ہین، کبھی خوشی مین، اور تم سب کچھ لکھتے جاتے ہو، عبد اللہ ابن عمرو نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا، اور آنحضرت سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے دہانِ مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ تم لکھ لیا کرو، اس سے جو کچھ نکلتا ہے[2] حق نکلتا ہی"، خطیب بغدادی نے اپنے رسالہ تقیید العلم مین روایت کی ہو کہ اُس بیاض کا نام جس مین عبد اللہ آنحضرت کی حدیثین قلمبند کرلیا کرتے تھے صادقہ تھا،[3]

ایک دفعہ آپ نے حکم دیا کہ جو لوگ اِس وقت تک اسلام لاچکے ہین اُن کے نام قلمبند کئے جائین، چنانچہ پندرہ سو صحابہ کے نام دفتر مین درج کیے گئے،[4]

---

۱ طبقات ابن سعد، غزوۂ بدر صفحہ ۱۴۔ ۲ ابوداود جلد ۲ صفحہ ۷۷۔ ۳ جامع بیان العلم للقاضی ابن عبد البر مطبوعہ مصر صفحہ ۳۶ مین صادقہ کا ذکر ہے۔ ۴ صحیح بخاری باب الجہاد۔

خطیب بغدادی نے تقیید العلم مین روایت کی ہو کہ جب لوگ کثرت سے حضرت انس کے پاس حدیثون کے سننے کے لیے جمع ہو جاتے تھے، تو وہ ایک جُنگ نکال لاتے تھے کہ یہ وہ حدیثین ہین جو مین نے آنحضرت سے سن کر لکھ لی تھین"۔

متعدد قبائل کو آپ نے جو صدقات اور زکوٰۃ وغیرہ کے احکام بھیجے وہ تحریری تھے، اور کتب احادیث مین بعینہا منقول ہین، اسی طرح سلاطین کو دعوتِ اسلام کے جو پیغام بھیجے گئے وہ بھی تحریری تھے،

صحیح بخاری (باب کتابۃ العلم) مین ہے کہ فتح مکہ کے سال جب ایک خزاعی نے حرم مین ایک شخص کو قتل کر دیا تو آنحضرت نے ناقہ پر سوار ہو کر خطبہ دیا، یمن کے ایک شخص نے آکر درخواست کی کہ یہ خطبہ مجھکو تحریر کرا دیا جائے، چنانچہ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ اس شخص کے لیے وہ خطبہ قلمبند کرا دیا جائے۔

غرض اس طرح آنحضرتؐ کی وفات تک حسب ذیل تحریری سرمایہ مُہیّا ہو گیا تھا،

(۱) جو حدیثین حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، یا حضرت علی و حضرت انس وغیرہؓ نے قلمبند کین،

(۲) تحریری احکام، اور معاہدات (حدیبیہ وغیرہ) اور فرامین، جو آنحضرتؐ نے قبائل کے نام بھیجے،

(۳) خطوط جو آنحضرتؐ نے سلاطین اور اُمرا کے نام ارسال فرمائے،

(۴) پندرہ سو صحابہ کے نام،

آنحضرتؐ کے بعد اس تحریری ذخیرہ کو اس قدر ترقی ہوتی گئی کہ (بنو العباس سے پہلے) ولید بن یزید کے قتل کے بعد جب احادیث و روایت کا دفتر، ولید کے کتب خانہ سے منتقل ہوا، تو صرف امام زُہری کی مَرویات اور تالیفات گھوڑون اور گدھون پر لاد کر لائی گئین،

مغازی عرب مین علوم و فنون نہ تھے، صرف خاندانی معرکے اور لڑائیون کے واقعات محفوظ رکھتے تھے،

۱؎ بخاری جلد (۱) صفحہ ۲۱ و ۲۲، صحیفہ علی و کتابۃ الرجل من الیمن۔ ۲؎ سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۳۰ - و ابوداؤد جلد (۱) صفحہ ۱۵۵ و ۱۵۶،
۳؎ بخاری جلد (۱) صفحہ ۵۔ و ایضاً صفحہ ۱۵۔ ۴؎ بخاری جلد (۱) صفحہ ۱۵۔ ۵؎ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی، تذکرہ امام زہری۔

اس لحاظ سے قیاس یہ تھا کہ آنحضرت کے واقعات اور افعال واقوال مین سب سے پہلے مغازی کی روایتین پھیلتین، اور سب سے پہلے اِسی فن کی بنیاد پڑتی، لیکن روایات کے تمام انواع مین مغازی کا درجہ سب سے متاخر رہا، خلفاے راشدین اور اکابر صحابہ نے زیادہ تر آنحضرت کے اُن اقوال وافعال پر توجہ کی، جن کو شریعت سے تعلق تھا اور جن سے فقہی احکام مستنبط ہوتے تھے،

امام بخاری نے غزوۂ اُحد کے ذکر مین سائب بن یزید سے یہ روایت نقل کی ہے،

صَحِبْتُ عبد الرحمٰن بن عوف وطلحة بن عبد الله والمقداد وسعدًا فما سمعت احدًا منهم يحدث عن النبي صلى الله عليه وسلم الا اني سمعت طلحة يحدث عن يوم اُحُد۔	مین عبد الرحمٰن بن عوف، اور طلحہ بن عبد اللہ اور مقداد اور سعد کی صحبت مین رہا، لیکن مین نے اُن کو کبھی آنحضرت کے متعلق حدیث بیان کرتے نہین سنا، بجز اس کے کہ طلحہ غزوۂ احد کا واقعہ بیان کرتے تھے

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، اور طلحہ ومقداد وسعد وقاص، اکابر صحابہ مین ہین، اور ان سے بہت سی حدیثین مروی ہین، اس لیے اس عبارت کے یہی معنی ہو سکتے ہین کہ یہ لوگ غزوات کے واقعات نہین بیان کرتے تھے، بجز اس کے کہ طلحہ جنگ اُحد کے واقعات بیان کیا کرتے تھے،

یہی وجہ تھی کہ علما مین جن لوگون نے مغازی کو اپنا فن بنا لیا تھا، وہ عوام مین جس قدر مقبول ہوتے تھے خواص مین اُس قدر مستند نہین خیال کیے جاتے تھے، اس فن کے اَساطین اور ارکان، ابن اسحاق، اور واقدی ہین، واقدی کو تو محدثین علانیہ کذّاب کہتے ہین، ابن اسحاق کو ایک گروہ ثقہ کہتا ہے، لیکن اُسی درجہ کا دوسرا گروہ ان کو بے اعتبار سمجھتا ہے، تفصیل آگے آئے گی،

امام احمد بن حنبل کا قول ہے،

ثلاثة كتب ليس لها اصول المغازي والملاحم والتفسير[1]	تین قسم کی کتابین ہین، جن کی کوئی اصل نہین، مغازی، اور ملاحم اور تفسیر،

[1] موضوعات ملا علی قاری، مطبع مجتبائی، صفحہ ۸۰۔

خطیب بغدادی نے اس قول کو نقل کرکے لکھا ہے کہ امام حنبل کی مراد اُن خاص کتابون سے ہوگی، جو بے اصل ہین،

پھر لکھا ہے،

اما کتب التفسیر فمن اشهرها کتابا الکلبی ومقاتل بن سلیمان — باقی تفسیر کی کتابین، تو ان مین سے کلبی اور مقاتل کی کتابین بہت

وقد قال احمد فی تفسیر الکلبی من اوله الی اخره کذب — مشہور ہین، امام احمد حنبل نے کہا ہے کہ کلبی کی تفسیر اول سے اخیر تک جھوٹ ہے،

پھر لکھتے ہین،

واما المغازی فمن اشهرها کتاب محمد بن اسحاق — باقی مغازی، تو اس فن کی مشہور کتاب محمد بن اسحاق کی کتاب ہے،

وکان یاخذ من اهل الکتاب وقد قال — اور وہ عیسائیون اور یہودیون سے روایت کرتے تھے، اور امام شافعی

الشافعی کتب الواقدی کذب — نے کہا ہے کہ واقدی کی کتابین جھوٹ ہین،

باوجود ان باتون کے یہ ناممکن تھا کہ یہ حصہ نظر انداز کر دیا جاتا، اس لیے اکابر صحابہ اور محدثین نہایت احتیاط کے ساتھ جو واقعات جہان تک خوب محفوظ ہوتے تھے روایت کرتے تھے،

تصنیف و تالیف کی ابتدا سلطنت کی وجہ سے ہوئی

صحابہ اور خلفاے راشدین کے زمانہ مین اگرچہ فقہ و حدیث کی نہایت کثرت سے اشاعت ہوئی بہت سے درس کے حلقے قائم ہوے لیکن جو کچھ تھا، زیادہ تر زبانی تھا، لیکن بنوامیہ نے حکماً علما سے تصنیفین لکھوائین، قاضی عبدالبر نے جامع بیان العلم مین امام زہری کا قول نقل کیا ہے،

كنا نكره كتاب العلم حتى اكرهنا عليه هؤلاء الامراء — ہم لوگ علم کا قلمبند کرنا پسند نہین کرتے تھے، یہان تک کہ امرا نے ہم کو مجبور کیا،

سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے عبید بن شریہ کو یمن سے بلا کر قدما کی تاریخ مرتب کرائی جس کا نام اخبار الماضیین ہے[1]، امیر معاویہؓ کے بعد عبدالملک بن مروان نے جو ۶۵ھ مین تخت نشین ہوا، ہر فن مین علما سے تصنیفین لکھوائین[2]، سعید بن جبیر جو اعلم العلما تھے، اُن کو حکم بھیجا کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھین، چنانچہ امام موصوف نے تفسیر لکھ کر بھیجی جو کتب خانہ شاہی

[1] مطبوعہ مصر صفحہ ۲۰۶ - [2] فہرست ابن الندیم صفحہ ۲۴۴

مین رکھی گئی، عطا ابن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہی انہی کی تفسیر ہے، عطا، کو خزانۂ شاہی سے یہ نسخہ ہات آگیا تھا اور اُنھون نے اپنے نام سے مشہور کر دیا[1]،

حضرت عمر بن عبد العزیز کا زمانہ آیا، تو اُنھون نے تصنیف و تالیف کو زیادہ ترقی دی، تمام ممالک مین حکم بھیجدیا کہ احادیث نبوی مدوّن اور قلمبند کی جائین، سعد بن ابراہیم جو بہت بڑے محدث اور مدینۂ منورہ کے قاضی تھے اُن سے دفتر کے دفتر حدیثون کے قلمبند کرائے، اور تمام ممالک مقبوضہ مین بھیجے، علامۂ ابن عبد البر جامع بیان العلم مین لکھتے ہین،

عن سعدِ بن ابراھیم قال امرنا عمر بن عبد العزیز بجمع السنن فکتبنا ھا دفترًا دفترًا فبعث الٰی کُلِّ ارضٍ لہ علیھا سلطانٌ دفترًا[2]

سعد بن ابراہیم کہتے ہین کہ عمر بن عبد العزیز نے ہم کو احادیث کے جمع کرنے کا حکم دیا، ہم نے دفتر کے دفتر لکھے، عمر نے جہان جہان اُن کی حکومت تھی، ایک ایک دفتر بھیجدیا،

ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری، جو اس زمانہ کے بہت بڑے محدث، اور امام زہری کے استاد اور مدینہ کے قاضی تھے، ان کو بھی خاص طور پر احادیث کے جمع کرنے کا حکم بھیجا[3]،

حضرت عائشہؓ کی روایتین

حدیث مین حضرت عائشہؓ کی مرویات کی ایک خاص حیثیت ہے، یعنی اُن سے اکثر وہ حدیثین مروی ہین جو عقائد یا فقہ کے مُہمات مسائل ہین، اس لیے عمر بن عبد العزیز نے اُن کی روایتون کے ساتھ زیادہ اعتنا کیا،

عمرۃ بنت عبد الرحمٰن ایک خاتون تھین، اُن کو حضرت عائشہؓ نے خاص اپنے آغوشِ تربیت مین پالا تھا، وہ بہت بڑی مُحدِثہ اور عالمہ تھین، تمام علما کا اتفاق ہی کہ حضرت عائشہؓ کی مرویات کا اُن سے بڑھکر کوئی عالم نہ تھا، عمر بن عبد العزیز نے ابو بکر بن محمد کو خط لکھا کہ عمرۃ کے مسائل اور روایات قلمبند کر کے بھیجدین[4]،

مغازی پر خاص توجہ

اب تک مغازی وسِیَر کے ساتھ اعتنا نہین کیا گیا تھا، حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس فن کی طرف خاص توجہ کی، اور حکم دیا کہ غزواتِ نبوی کا خاص حلقۂ درس قائم کیا جائے، عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری

---

[1] میزان الاعتدال، ترجمۂ عطا ابن دینار۔ [2] مطبوعۂ مصر، صفحہ ۳۶، [3] طبقات ابن سعد، جز ثانی، قسم ثانی، صفحہ ۱۳۴،
[4] تہذیب التہذیب، ترجمۂ ابو بکر بن محمد، و عمرۃ بنت عبد الرحمٰن و طبقات ابن سعد، جزء دوم حصۂ دوم، صفحہ ۱۳۴،

المتوفی سنہ ۱۲۱ھ اس فن مین خاص کمال رکھتے تھے، انکو حکم دیا کہ جامع مسجد دمشق مین بیٹھکر لوگون کو مغازی اور مناقب کا درس دین،

اسی زمانہ مین **امام زہری** نے **معازی** پر ایک مستقل کتاب لکھی، اور جیسا کہ امام سہیلی نے روض الانف مین تصریح کی ہے، یہ اس فن کی پہلی تصنیف تھی، امام زہری اس زمانہ کے اعلم العلما تھے، فقہ اور حدیث مین ان کا کوئی ہمسر نہ تھا، امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہین، انھون نے حدیث و روایت کے حاصل کرنے مین یہ محنتین اٹھائین کہ مدینہ منورہ مین ایک ایک انصاری کے گھر پر جاتے، جوان، بڈھے، عورت، مرد، جو مل جاتا، یہان تک کہ پردہ نشین عورتون سے جاکر **آنحضرت** کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلمبند کرتے، وہ نسباً قریشی تھے، ۵۰ھ مین پیدا ہوئے بہت سے صحابہ کو دیکھا تھا، ۸۰ھ مین عبد الملک بن مروان کے دربار مین گئے، اُس نے بہت قدر و منزلت کی، کتاب المغازی غالباً حضرت عمر بن عبد العزیز کی ہدایت کے موافق لکھی، یہ بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے کہ امام موصوف سلاطین کے دربار سے تعلق رکھتے تھے، اور مقربین خاص مین داخل تھے، ہشام بن عبد الملک نے اپنے بچون کی تعلیم ان کے سپرد کی تھی، ۱۲۴ھ مین وفات پائی،

امام زہری کے تلامذہ۔

امام زہری کی وجہ سے مغازی و سیرت کا عام مذاق پیدا ہوگیا، ان کے حلقۂ درس سے اکثر ایسے لوگ نکلے جو خاص اس فن مین کمال رکھتے تھے، ان مین سے یعقوب بن ابراہیم محمد بن صالح تمار، عبد الرحمن بن عبد العزیز فن مغازی مین خاص شہرت رکھتے تھے، چنانچہ تہذیب التہذیب وغیرہ مین، ان لوگون کا امتیازی وصف صاحب المغازی لکھا جاتا ہے،

زہری کے تلامذہ مین سے دو شخصون نے اس فن مین نہایت شہرت حاصل کی، اور یہی دو شخص ہین جن پر اس فن کا سلسلہ ختم ہوتا ہے، **موسی بن عقبہ** اور **محمد بن اسحاق**، موسی بن عقبہ خاندان زُبیر کے غلام تھے، حضرت عبد اللہ بن عمر کو دیکھا تھا، فن حدیث مین امام مالک ان کے شاگرد ہین، امام مالک ان کے نہایت مداح تھے،

۱ تہذیب التہذیب، ترجمۂ عاصم بن عمر بن قتادہ۔ ۲ تہذیب التہذیب، ترجمۂ امام زہری (محمد بن مسلم)،

اور لوگون کو ترغیب دیتے تھے، کہ فن مغازی سیکھنا ہو تو موسیٰ سے سیکھو، ان کے مغازی کے جو خصوصیات ہین، یہ ہین،

(۱) مصنفین، اب تک روایات مین صحت کا التزام نہین کرتے تھے، انھون نے زیادہ تر اس کا التزام کیا،

(۲) عام مصنفین کا یہ مذاق تھا کہ کثرت سے واقعات نقل کیے جائین، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ہر قسم کی رطب و یابس روایتین آجاتی تھین، موسیٰ نے احتیاط کی، اور صرف وہی روایتین لین جو ان کے نزدیک صحیح ثابت ہوئین، یہی وجہ ہے کہ اُن کی کتاب بہ نسبت اور کتب مغازی کے مختصر ہے،

(۳) چونکہ روایت حدیث کے لیے کسی عمر کی قید نہ تھی، اس لیے اکثر لوگ بچپن اور آغاز شباب ہی سے حلقۂ درس مین شامل ہو جاتے تھے، اور حدیثین سُنکر لوگون سے روایت کرتے تھے لیکن چونکہ اس عمر تک واقعات کا صحیح طور سے سمجھنا اور محفوظ رکھنا ممکن نہ تھا، اس لیے اکثر روایتون مین تغیر اور اختلاط ہو جاتا تھا، موسیٰ نے بخلاف اور لوگون کے کبر سن مین اس فن کو سیکھا تھا[۱]، سنہ ۱۴۱ھ مین وفات پائی،

موسیٰ کی کتاب آج موجود نہین، لیکن ایک مدت تک شائع و ذائع رہی، اور سیرت کی تمام قدیم کتابون مین کثرت سے اس کے حوالے آتے ہین،

محمد بن اسحاق نے فن مغازی مین سب سے زیادہ شہرت حاصل کی، وہ امام فن مغازی کے نام سے مشہور ہین، شہرت عام مین اگرچہ **واقدی** ان سے کم نہین، لیکن واقدی کی لغو بیانی مسلّمۂ عام ہے اور اس لیے اُن کی شہرت، بدنامی کی شہرت ہے، محمد بن اسحاق تابعی ہین، متعدد صحابہ کو دیکھا تھا، علم حدیث مین کمال تھا، امام زہری کے دروازہ پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے لیکن محمد بن اسحاق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہین چلے آئین، ان کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین مین اختلاف ہے، امام مالک ان کے سخت مخالف ہین، لیکن محدثین کا عام فیصلہ یہ ہے کہ **مغازی** اور سیر مین اُن کی روایتین استناد کے قابل ہین، امام بخاری نے صحیح بخاری مین اُن کی روایت نہین لی، لیکن جزء القراءۃ مین اُن سے روایت کی ہے،

[۱] تہذیب التہذیب، ترجمۂ موسیٰ بن عقبہ۔

اور تاریخ مین تو اکثر واقعات اِنھی سے لیتے ہین،

فن مغازی کو انھون نے اس قدر ترقی دی، اور اسقدر دلچسپ بنادیا کہ خلفاے عباسیہ، جو زیادہ تر اور قسم کی تصنیفات کا مذاق رکھتے تھے، ان مین مغازی کا مذاق پیدا ہوگیا، چنانچہ ابن عدی نے اُن کے اِس احسان کا خاص طرح پر ذکر کیا ہے، ابن عدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس فن مین کوئی تصنیف ان کی تصنیف کے رتبہ کو نہین[۱] پہونچی۔

ابن حبان نے کتاب الثقات مین لکھا ہے کہ محدثین کو محمد بن اسحاق کی کتاب پر اعتراض تھا تو یہ تھا کہ خیبر وغیرہ کے واقعات، وہ اُن یہودیون سے دریافت کرکے داخل کتاب کرتے تھے، جو مسلمان ہو گئے تھے، اور چونکہ یہ واقعات انھون نے یہودیون سے سنے ہون گے، اس لیے اُن پر پورا اعتماد نہین ہوسکتا، علامۂ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن اسحاق، یہود و نصارے سے روایت کرتے تھے اور اُن کو ثقہ سمجھتے تھے، ۱۵۱ھ مین وفات پائی،

محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی کا ترجمہ شیخ سعدی کے زمانہ مین ابوبکر سعد زنگی کے حکم سے فارسی مین ہوا، اس کا قلمی نسخہ الٰہ آباد مین ہماری نظر سے گزرا ہے،

محمد بن اسحاق کی کتاب کثرت سے پھیلی، اور بڑے بڑے مشہور محدثون نے اس کے نسخے مرتب کئے، اسی کتاب کو ابن ہشام نے زیادہ منقح اور اضافہ کرکے مرتب کیا جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہی، چونکہ اصل کتاب آج کم ملتی ہے، اس لیے آج اُس کی جو یادگار موجود ہی، وہ یہی ابن ہشام کی کتاب ہی،

ابن ہشام

ابن ہشام کا نام عبد الملک ہی، وہ نہایت ثقہ اور نامور محدث اور مؤرخ تھے، حمیر کے قبیلہ سے تھے، اور غالبًا اسی تعلق سے سلاطین حمیر کی تاریخ لکھی، جو آج بھی موجود ہی، انھون نے سیرت مین یہ اضافہ کیا کہ سیرت مین جو مشکل الفاظ آتے ہین اُن کی تفسیر بھی لکھی، ۲۱۳ھ مین وفات پائی،

---

[۱] تہذیب التہذیب،

سیرت ابن اسحاق کی مقبولیت کی بنا پر لوگون نے اس کو نظم کیا، چنانچہ ابو نصر فتح بن موسی خضراوی المتوفی ۶۶۳ھ و عبد العزیز بن احمد المعروف بہ سعدیری، المتوفی فی حدود ۶۰۰ھ و ابو اسحاق انصاری تلمسانی، و فتح الدین محمد بن ابراہیم معروف بہ ابن الشہید المتوفی ۷۹۳ھ نے منظوم کیا، اخیر کتاب مین قریبًا دس ہزار شعر ہین، اور اس کا نام فتح الغریب فی سیرۃ الحبیب ہے،

ابن سعد

واقدی خود تو قابل ذکر نہین، لیکن اُن کے تلامذۂ خاص مین سے **ابن سعد** نے آنحضرت اور صحابہؓ کے حالات مین ایسی جامع اور مفصل کتاب لکھی کہ آج تک اس کا جواب نہ ہو سکا،

ابن سعد مشہور محدث ہین، محدثین نے عمومًا لکھا ہے کہ گو اُن کے اُستاد (واقدی) قابل اعتبار نہین، لیکن وہ خود قابل سند ہین، خطیب بغدادی نے ان کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہین،

کان من اھل العلم والفضل والفھم والعدالۃ صنّف کتابًا کبیرا فی طبقات الصحابۃ والتابعین الی وقتہ فاجاد فیہ واحسن [۱]

یہ خاندان ہاشم سے تھے، بصرہ مین پیدا ہوے لیکن بغداد مین سکونت اختیار کر لی تھی، بلاذری جو مشہور مؤرخ ہین انہی کے شاگرد ہین، ۲۳۰ھ مین ۶۲ برس کی عمر مین وفات پائی،

اِن کی کتاب کا نام طبقات ہے، ۱۲ جلدون مین ہے، دو جلدین خاص **آنحضرت ﷺ** کے حالات مین ہین اور یہ حصّہ دراصل سیرت نبوی ہے، باقی جلدین صحابہ کے حالات مین ہین اور چونکہ صحابہ کے حالات مین ہر جگہ آنحضرت کا ذکر آتا ہے اس لیے اِن حصّون مین بھی سیرت کا بڑا سرمایہ موجود ہے،

یہ کتاب قریبًا ناپید ہو چکی تھی، یعنی دنیا کے کسی کتب خانہ مین اس کا پورا نسخہ موجود نہ تھا، شہنشاہ جرمن کو اس کی طبع و اشاعت کا خیال ہوا چنانچہ لاکھ روپے جیب خاص سے دئے، اور پروفیسر ساخو کو اس کام پر مامور کیا کہ ہر جگہ سے اُس کے اجزا فراہم کر کے لائین، پروفیسر موصوف نے قسطنطنیہ، مصر اور یورپ جا کر جا بجا

---

[۱] تہذیب التہذیب، ترجمہ محمد بن سعد،

سے تمام جلدین بہم پہنچائین۔ یورپ کے بارہ پروفیسرون نے الگ الگ جلدون کی تصحیح اپنے ذمہ لی، چنانچہ نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ یہ نسخہ لیدن (ہالنڈ) مین چھپ کر شائع ہوا،

اس کتاب کا بڑا حصہ واقدی سے ماخوذ ہے، لیکن چونکہ تمام روایتین بہ سند مذکور ہین، اس لیے واقدی کی روایتین بہ آسانی الگ کر لی جاسکتی ہین،

اس زمانہ مین سیرت پر اور بھی بہت سی کتابین لکھی گئین، چنانچہ کشف الظنون وغیرہ مین ان کے نام مذکور ہین، لیکن چونکہ نام کے سوا اُن کے متعلق اور کچھ معلوم نہین، نہ اُن کا آج وجود ہے، اس لیے ہم ان کے نام نظر انداز کرتے ہین،

تاریخ صغیر و کبیر امام بخاری

سیرت کے سلسلہ سے الگ، تاریخی تصنیفات ہین، ان مین سے جو محدثانہ طریقہ پر لکھی گئین، یعنی جنمین روایتین بہ سند مذکور ہین اُن مین آنحضرتؐ کے حالات اور واقعات کا جو حصہ ہے وہ بھی در اصل سیرت نبوی ہے، ان مین سب سے مقدم اور قابل استناد امام بخاری کی دونون تاریخین ہین، لیکن دونون نہایت مختصر ہین، تاریخ صغیر چھپ گئی ہے، اس مین سیرت نبوی کا حصہ کتاب کا دسوان حصہ بھی نہین، یعنی صرف ۱۵ صفحے ہین، اور اُن مین بھی کوئی ترتیب نہین، کبیر البتہ بڑی ہے، مین نے اس کا نسخہ جامع ایا صوفیہ مین دیکھا تھا، لیکن سوانح نبوی اس مین بہت کم ہین اور جستہ جستہ واقعات بلا ترتیب مذکور ہین،

امام طبری

تاریخی سلسلہ مین سب سے جامع اور مفصل کتاب **امام طبری** کی تاریخ کبیر ہے، طبری اس درجہ کے شخص ہین کہ تمام محدثین ان کے فضل وکمال، تفقہ اور وسعت علم کے معترف ہین، ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے، محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا مین، مین کسی کو اُن سے بڑھ کر عالم نہین جانتا، سنہ ۳۱۰ھ مین وفات پائی،

بعض محدثین (سلیمانی) نے اُن کی نسبت لکھا ہے کہ یہ شیعون کے لیے حدیثین وضع کیا کرتے تھے لیکن علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال مین لکھا ہے،

هذا ارجم بالظن الکاذب بل ابن جریر من — یہ جھوٹی بدگمانی ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریر، اسلام کے

کبار ایمۃ الاسلام المعتمدین — معتمد اماموں مین سے ایک بڑے امام ہین،

علامۂ ذہبی نے اسی موقع پر لکھا ہی کہ "ان مین فی الجملہ تشیع تھا، لیکن مضر نہین" تمام مستند اور مفصل تاریخین

مثلاً تاریخ کامل ابن الاثیر، ابن خلدون، ابو الفدا وغیرہ انہی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے

مختصرات ہین، یہ کتاب بھی ناپید تھی اور یورپ کی بدولت شایع ہوئی،

جو لوگ خاص فن سیرت کے ارکان اور معتمد ہین، اُن کا، اور اُن کی تصنیفات کا ایک مختصر نقشہ ہم اس مقام پر درج کرتے ہین[۱]،

نام مصنف	سنہ وفات	حالات
عروہ بن زبیر	۹۴ھ	حضرت زبیر کے بیٹے اور حضرت ابو بکر صدیق کے نواسے تھے، حضرت عایشہ کے آغوشِ تربیت مین پلے تھے، سیرت و مغازی مین کثرت سے اُن کی روایتین ہین، ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین اُن کے متعلق لکھا ہے کان عالما بالسیرۃ صاحب کشف الظنون نے مغازی کے بیان مین لکھا ہے کہ بعضون کی راے ہے کہ فن مغازی کی سب سے پہلی کتاب انہی نے تدوین کی،
شُعبی	۱۰۹ھ	مشہور محدث ہین اکثر فنون مین کمال رکھتے تھے، خلافتِ دمشق کی طرف سے سفیر بن کر قسطنطنیہ گئے تھے، فن مغازی و سیر مین ان کو اس درجہ واقفیت تھی کہ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے تھے کہ گو، مین اُن غزوات مین بذات خود شریک تھا مگر یہ مجھ سے زیادہ اِن حالات کو جانتے ہین،

[۱] ان مصنفین کی تصنیفات، اکثر ناپید ہین۔ (یہ فہرست تہذیب التہذیب وغیرہ سے مرتب کی گئی ہی) ان کے نام لکھنے سے یہ غرض ہے کہ آج جو تصنیفین ملتی ہین، ان مین سے اکثر ان کے حوالے آتے ہین، اس لیے ناظرین کو ان حوالون کی صحت و عدم صحت یا قوت و ضعف کے فیصلہ کرنے کا کچھ موقع حاصل ہوگا،

وہب بن منبہ	سنہ ۱۱۴ھ	یمن کے عجمی خاندان سے تھے، حضرت ابوہریرہ سے کچھ حدیثیں سنی تھیں، رسول اللہ کے متعلق کتب عہد قدیم کی بشارت اور پیشین گوئیاں کثرت سے انہی سے مروی ہیں،
عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری	سنہ ۱۲۱ھ	مشہور تابعی ہیں، حضرت انس اور اپنے باپ اور اپنی دادی رمیثہ سے روایت کرتے ہیں، مغازی اور سیر مین نہایت وسیع المعلومات تھے، خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے حکم سے مسجد دمشق مین بیٹھ کر اس فن کی تعلیم دیتے تھے،
محمد بن مسلم بن شہاب زہری	سنہ ۱۲۴ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہی،
یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن الاخنس بن شریق الثقفی	سنہ ۱۲۸ھ	نہایت ثقہ تھے، عمال اور گورنر انتظام ملکی مین ان سے مدد لیتے تھے، فقہاے مدینہ مین ان کا شمار تھا، سیرت نبوی کے عالم تھے، ان کا دادا اخنس بن شریق وہی شخص ہی جو رسول اللہ کا سب سے بڑا دشمن تھا،
موسی بن عقبۃ الاسدی	سنہ ۱۴۱ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے،
ہشام بن عروۃ بن زبیر	سنہ ۱۴۶ھ	زیادہ تر اپنے باپ سے روایت کرتے ہین، زہری کے بھی شاگرد ہین، علماے مدینہ مین ان کا شمار ہی، بغداد مین جو روایتین انھون نے لین محدثین کا بیان ہے کہ ان مین تساہل سے کام لیا ہے، سیرت کے ذخیرۂ روایات مین انکا بہت بڑا حصہ شامل ہے جن کو وہ اپنے باپ کے واسطہ سے حضرت عایشہ سے روایت کرتے ہین، فن سیرت مین ان کے متعدد نامور تلامذہ ہین،
محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی	سنہ ۱۵۰ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہی،
معمر بن راشد الازدی	سنہ ۱۵۲ھ	امام زہری کے تلامذہ مین امام مالک کے بعد ان کا دوسرا درجہ ہی، اساطین علم حدیث مین تھے، مغازی مین ایک کتاب ان کی ایک

		تصنیف ہی جس کا نام ابن ندیم نے کتاب المغازی لکھا ہی،
عبدالرحمن بن عبدالعزیز الاوسی	سنہ ۱۶۲ھ	زہری کے شاگرد تھے، مسلم نے ان سے ایک روایت کی ہے، محدثین کے نزدیک ضعیف الروایت ہین، فن سیرت کے عالم تھے، ابن سعد نے ان کے متعلق لکھا ہے کان عالمًا بالسیرۃ وغیرھا
محمد بن صالح بن دینار التمار	سنہ ۱۶۸ھ	زہری کے شاگرد اور واقدی کے استاد ہین، ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ سیرت ومغازی کے عالم تھے، اکثر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے، ابوالزناد جو بڑے پایہ کے محدث ہین، وہ کہتے ہین کہ اگر صحیح مغازی سیکھنا ہو تو محمد بن صالح سے سیکھو،
ابومعشر نجیح المدنی	سنہ ۱۷۰ھ	ہشام بن عروہ کے شاگرد تھے، ثوری اور واقدی نے ان سے روایت کی ہی، گو محدثین نے روایت حدیث مین اُن کی تضعیف کی ہی، لیکن سیرت ومغازی مین اُن کی جلالتِ شان کا اعتراف کیا ہے، امام ابن حنبل کہتے ہین کہ وہ اس فن مین صاحب نظر ہین، ابن ندیم نے اُن کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے، کُتب سیرت مین ان کا نام کثرت سے آتا ہے،
عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمن المخزومی	سنہ ۱۷۰ھ	مشہور صحابی مسور بن مخرمہ کے پرپوتے تھے، فن حدیث مین خاص پایہ رکھتے تھے، سیرت نبوی کے اکابر علما مین تھے، ابن سعد نے انکی شان مین یہ الفاظ لکھے ہین، من رجال اھل المدینۃ علمًا بالمغازی
عبدالملک بن محمد بن ابی بکر بن عمرو بن حزم الانصاری	سنہ ۱۷۶ھ	فن حدیث وسیر مین اِن کا خاندان ہمیشہ نامور رہا، ان کے دادا وہ شخص ہین جنھون نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے سب سے پہلے فنِ حدیث کی تدوین کی، ان کے رشتہ کی دادی، عمرۃ حضرت عایشہ کی تربیت یافتہ

		تھین، یہ خود سیر و مغازی کے عالم تھے، اپنے باپ اور چچا سے تعلیم پائی تھی، خلیفہ ہارون الرشید نے ان کو قاضی مقرر کیا تھا، لوگ ان سے **مغازی** سیکھتے تھے، اس فن مین ان کی ایک تصنیف کتاب المغازی بھی ہی،
علی بن مجاہد الرازی الکندی	بعد سنہ ۱۸۰ھ	ابو معشر نجیح کے تلامذہ مین تھے، امام حنبل نے ان سے روایت کی ہی، مغازی کے جامع اور مصنف ہین، لیکن ارباب نقد کے نزدیک ان کی تصنیف اعتبار کے قابل نہین،
زیاد بن عبد اللہ بن الطفیل البکائی	سنہ ۱۸۳ھ	ابن اسحاق کے شاگرد اور ابن ہشام کے اُستاد تھے، ان دونون بزرگوارون کے واسطۃ العقد یہی ہین، سیرت کے عشق مین گھر بار بیچ کر استاد کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے تھے، اور مدت تک سفر و حضر مین اُن کے شریک رہے، محدثین کی بارگاہ مین گو ان کا اعزاز کم ہے، لیکن کتاب السیرۃ کے سب سے معتبر راوی یہی سمجھے جاتے ہین،
سلمۃ بن الفضل الابرش الانصاری	سنہ ۱۹۱ھ	ابن اسحاق کے شاگرد اور اُن کی سیرت کے راوی ہین، رَے کے قاضی تھے، اہل نقد کے نزدیک قابل احتجاج نہین، لیکن ابن معین جو اسماے رجال کے بڑے ماہر ہین، مغازی مین ان کی توثیق کرتے ہین اور ان کی سیرت کو بہترین سیر تہای نبوی کہتے ہین، طبری مین ان کے واسطہ سے اکثر روایتین مروی ہین،
ابو محمد یحیی بن سعید بن ابان الاموی	سنہ ۱۹۴ھ	ہشام بن عروہ اور ابن جریج سے تلمذ تھا، ابن سعد نے لکھا ہی کہ گو قلیل الروایت ہین لیکن ثقہ ہین، صاحب کشف الظنون نے مصنفین مغازی مین ان کا نام بھی لیا ہے،

ولید بن مسلم القرشی	سنہ ۱۹۵ھ	شام کے مشہور محدث اور نہایت قوی الحافظہ تھے، شام مین ان کے زمانہ مین ان سے بڑا کوئی عالم نہ تھا، تاریخ و مغازی مین وکیع سے ان کا درجہ بڑا سمجھا جاتا تھا، ان کی تصنیفات کی تعداد ستر ہے، جن مین سے ایک کتاب المغازی ہی، کتاب الفہرست مین اس کا ذکر موجود ہے،
یونس بن بکیر،	سنہ ۱۹۹ھ	ہشام بن عروہ اور ابن اسحاق کے شاگرد ہین، فن روایت و حدیث مین انکا متوسط درجہ ہی، اکثر محدثین نے ان کی توثیق کی ہی، علامۂ ذہبی نے تذکرہ مین ان کا نام بہ لقب صاحب المغازی لیا ہی، انھون نے مغازی ابن اسحاق کا ذیل لکھا ہی (زرقانی مواہب جلد ۳ صفحہ ۱۰)
محمد بن عمر الواقدی الاسلمی	سنہ ۲۰۷ھ	سیرت نبوی کے متعلق ان کی دو کتابین ہین، کتاب السیرۃ اور کتاب التاریخ والمغازی والمبعث، امام شافعی فرماتے ہین کہ واقدی کی تمام تصانیف جھوٹ کا انبار ہی، کتب سیرت کی اکثر بیہودہ روایتون کا سرچشمہ انھین کی تصانیف ہین، ایک ظریف محدث نے خوب کہا ہی کہ اگر واقدی سچا ہے تو دنیا مین کوئی اس کا ثانی نہین، اور اگر جھوٹا ہی تب بھی دنیا مین اس کا جواب نہین،
یعقوب بن ابراہیم الزہری	سنہ ۲۰۸ھ	حضرت عبدالرحمن بن عوف کی اولاد مین تھے، زہری اور ان کے تلامذہ کے شاگرد ہین، مغازی مین ان کا یہ رتبہ تھا کہ ابن معین جیسا ناقدِ رجال ان سے اس فن کی تحصیل کرتا تھا۔
عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری	سنہ ۲۱۱ھ	ثقاتِ محدثین مین ان کا شمار ہی، مزاج مین کسی قدر تشیع تھا، ابن معین کہتے ہین کہ اگر عبدالرزاق مرتد بھی ہوجائے تب بھی ہم ان سے روایتِ حدیث ترک نہین کرسکتے، آخر عمر مین بصارت جاتی رہی تھی اس لیے اس زمانہ کی حدیثین

		ناقابل سند ہین، فن مغازی مین ان کی ایک تالیف ہی،
عبد الملک بن ہشام الحمیری	سنہ ۲۱۸ھ	ان کا ذکر گذر چکا ہے
علی بن محمد المدائنی	سنہ ۲۲۵ھ	ابو معشر نجیح، اور سلمۃ بن الفضل وغیرہ کے شاگرد تھے، تاریخ وانساب عرب مین نہایت وسیع المعلومات تھے، محدثین مین ان کا شمار نہین لیکن مؤرخین کے امام ہین، اغانی کے دفتر بے پایان کا مخزن یہی ہین، تاریخ وانساب مین انکی کثرت سے تصنیفات ہین، آنحضرتؐ کے حالات مین ان کی کتاب نہایت بسوط ہی، اور ابن الندیم کے بیان کے مطابق ہر قسم کے متعدد اور متنوع عنوان قائم کیے ہین،
عُمر بن شُبّۃ البصری	سنہ ۲۶۲ھ	حدیث، تاریخ، ادب، لغت، شاعری، اور نحو کے امام ہین، مکہ مبارکہ، مدینہ طیبہ اور بصرہ کی تاریخین لکھی ہین، علم سیر مین نہایت بلند پایہ تھے، حدیث مین ابن ماجہ اور تاریخ مین بلاذری اور ابو نعیم اِن کے شاگرد تھے،
محمد بن عیسے ترمذی	سنہ ۲۷۹ھ	مشہور محدث ہین جن کی کتاب صحاح ستہ مین تیسرا درجہ رکھتی ہی، سیرت نبوی مین اِن کا خاص رسالہ ہی جس کا موضوع گذشتہ تصانیف سے الگ ہی، اس رسالہ کا نام کتاب الشمائل ہی جس مین رسول اللہ کے ذاتی حالات وعادات واخلاق کا ذکر ہی، اِس بات کا التزام کیا ہی کہ تمام روایتین معتبر اور صحیح ہون، اِس رسالہ پر متعدد علمانے شروح وحواشی لکھے،
ابراہیم بن اسحاق ابن ابراہیم	سنہ ۲۸۵ھ	محدثین کبار مین شمار ہی، مُسندِ صحابہ ان کی تالیف ہی، جس کے آخر مین کتاب **المغازی** شامل ہی،
ابو بکر احمد بن ابی خیثمۃ البغدادی	سنہ ۲۹۹ھ	حدیث مین ابن حنبل اور ابن معین کے شاگرد، اور تاریخ وسیر کے جلیل القدر عالم تھے، تاریخ کبیر اِن کی تصنیف ہی، جس مین سیرت نبوی کا حصہ بھی شامل ہی

محمد بن عائذ دمشقی		ان کی مغازی معتبر خیال کی جاتی ہے، اور حافظ ابن حجر وغیرہ اکثر اس کے حوالے دیتے ہین،

یہ قُدما کی تصنیفات تھین، مابعد کی تصنیفات کا ہم ایک مختصر نقشہ ذیل مین درج کرتے ہین، یہ تصنیفات[۱] قدیم تصنیفات اور احادیث کی کتابون سے ماخوذ ہین، اس نقشہ مین ان کتابون کا ذکر بھی ہے جو قدما کی تصنیفات کے متعلق شرح کے طور پر لکھی گئی ہین، ان کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ یہ شروح فی نفسہ مستقل تصنیفات ہین اور ان مین جس قدر ذخیرۂ معلومات ہے خود اصل کتابون مین نہین،

روض الانف، سیرت ابن اسحاق کی شرح ہے، مصنف کا نام عبد الرحمن سہیلی ہے جنھون نے ۵۸۱ھ مین وفات پائی، یہ اکابر محدثین مین سے ہین اور تمام مصنفین مابعد سیرت نبوی کی تحقیقات اور معلومات کے متعلق ان کے خوشہ چین ہین، مصنف نے دیباچہ مین لکھا ہے کہ مین نے یہ کتاب ۱۲۰ کتابون کی مدد سے لکھی، اس کا قلمی نسخہ ہمارے استعمال مین ہے،

سیرت دمیاطی، حافظ عبد المومن دمیاطی المتوفی ۷۰۵ھ کی تصنیف ہے اکثر کتابون مین اس کے حوالے آتے ہین، اس کتاب کا نام المختصر فی سیرۃ سید البشر ہے، قریباً سو صفحون مین ہے، پٹنہ کے کتب خانہ مین اس کا ایک نسخہ موجود ہے،

سیرت خلاطی، علاء الدین علی بن محمد خلاطی حنفی کی تصنیف ہے، ۷۰۸ھ مین وفات پائی،

سیرت گازرونی، شیخ ظہیر الدین علی بن محمد گازرونی المتوفی ۶۹۴ھ کی تصنیف ہے،

سیرت ابن ابی طی، مصنف کا نام یحییٰ بن حمیدۃ المتوفی ۶۳۰ھ ہے، یہ کتاب ۲ جلدون مین ہے،

سیرت مغلطائی، مشہور کتاب ہے اور مصر مین چھپ گئی ہے، علامہ عینی نے اس کے ایک حصہ کی شرح لکھی ہے، جس کا نام کشف اللثام ہے،

[۱] ان تمام کتابون کا ذکر کشف الظنون مین سیرت کے عنوان مین ہے۔

شرف المصطفیٰ، حافظ ابو سعید عبد الملک نیشاپوری کی تصنیف ہی، آٹھ جلدون مین ہی، حافظ ابن حجر اصابہ مین اکثر اس کا حوالہ دیتے ہین لیکن جو روایتین حافظ موصوف نے نقل کی ہین ان مین بعض نہایت مہمل اور لغو روایتین ہین جس سے قیاس ہوتا ہے کہ مصنف نے رطب و یابس کی کوئی تمیز نہین رکھی ہی،

شرف المصطفیٰ، للحافظ ابن الجوزی،

اکتفاء فی مغازی المصطفیٰ والخلفاء الثلاثہ - حافظ ابو الربیع سلیمان بن موسیٰ الکلاعی المتوفی ۶۳۴ھ کی تصنیف ہی، اکثر کتابون مین اس کے حوالے آتے ہین،

سیرت ابن عبد البر، ابن عبد البر مشہور محدث اور امام ہین، اس کتاب کے حوالے اکثر آتے ہین،

عیون الاثر، ابن سید الناس کی تصنیف ہی، ابن سید الناس، اندلس کے مشہور عالم ہین ۷۳۴ھ مین وفات پائی، یہ کتاب نہایت متین اور جامع ہی، معتبر کتابون کو ماخذ قرار دیا ہے اور جس سے جو کچھ نقل کیا ہی سند بھی نقل کی ہے اس کا قلمی نسخہ (جلد دوم) کلکتہ کے کتب خانہ مین ہی اور ہمارے پیش نظر ہی،

نور النبراس، فی سیرۃ ابن سید الناس، عیون الاثر کی شرح ہے، مصنف کا نام ابراہیم بن محمد ہی، یہ کتاب نہایت محققانہ لکھی گئی ہی اور بے شمار معلومات کا گنجینہ ہی، دو ضخیم جلدون مین ہے، اور ندوہ کے کتب خانہ مین اُس کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہی،

سیرت منظوم، حافظ زین الدین عراقی نے جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے نظم مین لکھی ہی لیکن دیباچہ مین خود لکھ دیا ہے کہ اس مین رطب و یابس سب کچھ ہی،

مواہب لدنیہ، مشہور کتاب ہی اور متاخرین کا یہی ماخذ ہی، اسکے مصنف قسطلانی ہین، جو بخاری کے مشہور شارح ہین، حافظ ابن حجر کے شاگرد تھے، یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہی لیکن ہزارون موضوع اور غلط روایتین بھی موجود ہین،

زرقانی علی المواہب، یہ مواہب لدنیہ کی شرح ہی اور حقیقت یہ ہی کہ سہیلی کے بعد کوئی کتاب

اس جامعیت اور تحقیق سے نہین لکھی گئی، آٹھ ضخیم جلدون مین ہے، اور مصر مین چھپ گئی ہے،

سیرت حلبی، مشہور اور متداول ہے،

صحت ماخذ | سیرت نبوی کے واقعات جو قلمبند کیے گئے وہ تقریباً نبوت کے سو برس کے بعد قلمبند ہوئے، اس لیے مصنفین کا ماخذ کوئی کتاب نہ تھی، بلکہ اکثر زبانی روایتین تھین،

اس قسم کا موقع جب دوسری قومون کو پیش آتا ہے یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلمبند کیے جاتے ہین تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہین قلمبند کر لی جاتی ہین جن کے راویون کا نام و نشان تک معلوم نہین ہوتا، ان افواہون مین سے وہ واقعات انتخاب کر لیے جاتے ہین جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہین، تھوڑی دیر کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتی ہین۔ یورپ کی اکثر تاریخی تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہین،

اسلامی فن تاریخ کا پہلا اصول فن روایت

لیکن مسلمانون نے اس فن **سیرت** کا جو معیار قائم کیا، وہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا، اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اُس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویون کا نام بہ ترتیب بتایا جائے، اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کیا جائے کہ جو اشخاص سلسلۂ روایت مین آئے کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ، سطحی الذہن تھے یا دقیقہ بین، عالم تھے یا جاہل، ان جزئی باتون کا پتہ لگانا سخت مشکل بلکہ ناممکن تھا، لیکن سیکڑون ہزارون محدثین نے اپنی عمرین اسی کام مین صرف کر دین، ایک ایک شہر مین گئے، راویون سے ملے، اُن کے متعلق ہر قسم کے معلومات بہم پہنچائے۔ جو لوگ اُن کے زمانہ مین موجود نہ تھے اُن کے دیکھنے والون سے حالات دریافت کیے، اِن تحقیقات کے ذریعہ سے **اسماء الرجال** (بیوگرافی) کا وہ عظیم الشان فن تیار

اسماء الرجال کی تدوین

ہوگیا جس کی بدولت آج کم از کم لاکھ شخصون کے حالات معلوم ہو سکتے ہین، اور اگر ڈاکٹر اسپرنگر[1] کے حسن ظن کا

---

[1] ڈاکٹر اسپرنگر جرمن کے مشہور عربی دان فاضل ہین، مدت تک ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ مین کام کیا، اصابہ کا نسخہ انہین کی تصحیح سے کلکتہ مین چھپا، اسی کتاب کے دیباچہ مین صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ کوئی قوم دنیا مین ایسی گذری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانون کی طرح اسماء الرجال کا سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، (بقیہ حاشیہ صفحہ ۹ پر ملاحظہ)

اعتبار کیا جاے، تو یہ تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے،

محدثین نے حالات کے بہم پہونچانے مین کسی شخص کے رتبہ اور حیثیت کی پرواہ نہ کی، بادشاہون سے لے کر بڑے بڑے مقتداؤن تک کی اخلاقی سُراغ رسانیان کین، اور ایک ایک کی پردہ دری کی،

اس سلسلہ مین سیکڑون تصنیفات تیار ہوئین جن کی اجمالی کیفیت یہ ہے،

سب سے پہلے اس فن یعنی راویون کی جرح و تعدیل مین یحییٰ بن سعید القطان نے ایک کتاب لکھی، وہ اس رتبہ کے شخص تھے کہ امام احمد حنبل نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ "میری آنکھون نے ان کا نظیر نہین دیکھا" ان کے بعد اس فن کو زیادہ رواج ہوا اور کثرت سے کتابین لکھی گئین جن مین سے چند ممتاز تصنیفات حسب ذیل ہین،

نام مصنف	کیفیت
رجال عقیلی،	خاص ضعیف الروایہ لوگون کے حال مین ہے،
رجال احمد بن عبد العجلی المتوفی سنہ ۲۶۱ھ	اس کتاب کا نام کتاب الجرح والتعدیل ہے،
رجال امام عبد الرحمان بن حاتم الرازی المتوفی سنہ ۳۲۷ھ	بہت ضخیم کتاب ہے،
رجال امام دارقطنی،	مشہور محدث ہین، یہ کتاب خاص ضعیف الروایۃ اشخاص کے حال مین ہے،
کامل ابن عدی،	اس فن کی سب سے مشہور کتاب ہے اور تمام محدثین متاخرین نے اس کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے،

یہ کتابین قریباً آج ناپید ہین، لیکن بعد کی تصنیفات جو انہی سے ماخوذ ہین آج بھی موجود ہین،

اس سلسلہ مین سب سے زیادہ جامع اور مستند کتاب "**تہذیب الکمال**" ہے جو علامہ مزی (یوسف بن الزکی) کی تصنیف ہے، جنھون نے سنہ ۷۴۲ھ مین وفات پائی، علاؤ الدین مغلطائی المتوفی سنہ ۷۶۲ھ نے تیرہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸) جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصون کا حال معلوم ہو سکتا ہے"

جلدون مین، اس کا تکملہ لکھا۔

علامہ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے اس کا اختصار کیا، اور بہت سے محدثین نے اس کے خلاصے اور ذیل لکھے اور بالآخر حافظ ابن حجر نے ان تمام تصنیفات سے ایک نہایت ضخیم کتاب **تہذیب التہذیب** لکھی جو دس جلدون مین ہے اور آج کل حیدر آباد سے شایع ہوئی ہے، مصنف نے کتاب کے خاتمہ مین لکھا ہے کہ اس کی تصنیف مین آٹھ برس صرف ہوئے ہین، اس سلسلہ کی ایک اور سب سے زیادہ متداول اور مستند کتاب **میزان الاعتدال** ہے، جو علامۂ ذہبی کی تصنیف ہے، حافظ ابن حجر نے اس کتاب پر اضافہ کیا جس کا نام لسان المیزان ہے،

اسمار جال کی کتابین جو ہمارے پیش نظر ہین

اسماء الرجال کی کتابون مین سے تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب، لسان المیزان، تقریب، تاریخ کبیر بخاری، تاریخ صغیر بخاری، ثقات ابن حبان، تذکرۃ الحفاظ علامۂ ذہبی، مشتبہ النسبۃ ذہبی، انساب سمعانی تہذیب الاسماء ہماری نظر سے گذری ہین،

اس اصولِ تحقیق کی بنیاد خود **قرآن مجید** نے قائم کردی تھی،

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا، — مسلمانو! اگر تمھارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تم اچھی طرح اس کی تحقیق کرو۔

حدیث ذیل بھی اسی کی مؤید ہے،

کَفٰی لِلْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ — آدمی کے جھوٹے ہونے کی یہ کافی دلیل ہے کہ جو کچھ سنے، روایت کردے،

دوسرا اصول درایت

تحقیق واقعات کا دوسرا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے، عقلی شہادت کے مطابق بھی ہے، یا نہین؟

درایت کی ابتداء

یہ اصول بھی درحقیقت قرآن مجید ہی نے قائم کردیا تھا، حضرت عائشہ پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو اس طرح اس خبر کو مشہور کیا کہ بعض صحابہ تک مغالطہ مین آگئے چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم مین ہے کہ حضرت حسان بھی قاذفین مین شریک تھے اور اسی بنا پر ان پر حد قذف جاری کی گئی، قرآن مجید مین بھی اسکی

تصریح ہے،

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ — جن لوگون نے تہمت لگائی وہ تمھارے گروہ مین سے ہین،

تفسیر جلالین مین، منکم کی تفسیر حسب ذیل کی ہی،

جماعة من المومنين — یعنی یہ تہمت لگانے والے مسلمانون کا ایک گروہ ہی،

قرآن مجید کی آیتین حضرت عایشہ کی برارت اور طہارت کے متعلق جو نازل ہوئین، اُن مین سے ایک یہ ہی،

وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا — اور جب تم نے سنا تو یہ کیون نہین کہہ دیا کہ ہم کو ایسی بات بولنا

أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ — مناسب نہین، سبحان اللہ یہ بڑا بہتان ہی،

عام اصول کی بنا پر اس خبر کی تحقیق کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے راویون کے نام دریافت کیے جاتے پھر دیکھا جاتا کہ وہ ثقہ اور صحیح الروایۃ ہین یا نہین؟ پھر اُن کی شہادت لی جاتی، لیکن خدا نے اس آیت مین فرمایا کہ سننے کے ساتھ تم نے کیون نہین کہدیا کہ یہ بہتان ہی"

اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہی کہ اس قسم کا خلاف قیاس جو واقعہ بیان کیا جائے قطعاً سمجھ لینا چاہئے کہ غلط ہی،

اس طرز تحقیق یعنی **درایت** کی ابتدا، خود صحابہ کے عہد مین ہو چکی تھی،

فقہا مین بعض اس بات کے قائل ہین کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہی، حضرت ابوہریرہ نے حضرت عبداللہ بن عباس کے سامنے جب اس مسئلہ کو آنحضرت کی طرف منسوب کیا، تو عبداللہ بن عباس نے کہا اگر یہ صحیح ہو تو اُس پانی کے پینے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا جو آگ پر گرم کیا گیا ہو[1]، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابوہریرہ کو ضعیف الروایۃ نہین سمجھتے تھے، لیکن چونکہ اُن کے نزدیک یہ روایت درایت کے خلاف تھی اس لیے اُنھون نے تسلیم نہین کی اور یہ خیال کیا کہ سمجھنے مین غلطی ہو گئی ہوگی،

جب حدیثون کی تدوین شروع ہوئی تو محدثین نے **درایت** کے اصول بھی منضبط کئے جنمین سے بعض یہ ہین،

---

[1] صحیح ترمذی باب الوضوء،

قال[١] ابن الجوزی وکل حدیث رأیته یخالفه
العقول او یناقض الاصول فاعلم انه
موضوع فلا یتکلف اعتباره ای لا تعتبر
رواته ولا تنظر فی جرحهم او یکون مما
یدفعه الحس والمشاهدة او مباینا لنص
الکتاب والسنة المتواترة او
الاجماع القطعی حیث لا یقبل شیئ من
ذلک التاویل او یتضمن الافراط
بالوعید الشدید علی الامر الیسیر او
بالوعد العظیم علی الفعل الیسیر وهذا
الاخیر کثیر موجود فی حدیث القصاص
والطرقیة ومن رکة المعنی لا تاکلوا القرعة
حتی تذبحوها ولذا جعل بعضهم ذلک دلیلا
علی کذب راویه وکل هذا من القرائن
فی المروی وقد تکون فی الراوی کقصة غیاث
مع المهدی ..... او انفراده عمن لم یدرکه
بما لم یوجد عند غیرهما او انفراده
بشیء مع کونه فیما یلزم المکلفین

ابن جوزی نے کہا ہے کہ جس حدیث کو دیکھو کہ عقل یا اصول مسلمہ کے خلاف ہے تو جان لو کہ وہ موضوع ہے، اس کی نسبت اس بحث کی ضرورت نہین کہ اس کے راوی معتبر ہین یا غیر معتبر، اسی طرح سے وہ حدیث قابل اعتبار نہین جو محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو اور تاویل کی گنجایش نہ رکھتی ہو، یا وہ حدیث جس مین ذراسی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو، یا معمولی کام پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ ہو (اس قسم کی حدیثین واعظون اور سوقیون کے ہان بہت پائی جاتی ہین) یا وہ حدیث جس مین لغویت پائی جائے۔ مثلاً یہ حدیث کہ کدو کو بغیر ذبح کیے نہ کھاؤ، اس لیے بعض محدثین نے لغویت کو راوی کے کذب کی دلیل قرار دیا ہے، یہ تمام قرینے خود روایت سے تعلق ہین اور کبھی یہ قرائن راوی کے متعلق ہوتے ہین۔ مثلاً غیاث کا واقعہ خلیفہ مہدی کے ساتھ، یا جب کہ راوی کوئی ایسی حدیث بیان کرے جو اور کسی نے نہ بیان کی ہو اور خود راوی جس سے روایت کرتا ہے اس سے ملاقات نہ ہو، یا وہ حدیث جس کو ایک ہی راوی بیان کرتا ہے حالانکہ بات ایسی ہو کہ اس سے اوروں کو بھی مطلع ہونا ضرور تھا جیسا کہ خطیب بغدادی نے کتاب الکفایہ کے

[١] فتح المغیث مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ١١٤۔ افسوس ہے کہ یہ کتاب نہایت غلط چھپی ہے، اس لیے بعض عبارتین ہم نے اسی نسخہ کے موافق غلط نقل کی ہین، یہ اصول خود ابن جوزی کے قائم کردہ نہین ہین، بلکہ ابن جوزی نے محدثین کے اصول کو نقل کر دیا ہے،

علمه وقطع العذر فيه كما قرره
الخطيب في اول الكفاية او
بامر جسيم يتوفر الدواعي
على نقله كحصر عدو الحاج عن البيت

شروع مین اس کی تصریح کی ہو یا وہ روایت جس مین کسی
عظیم الشان واقعہ کا ذکر ہو کہ اگر وہ واقع ہوا ہوتا تو سیکڑون آدمی
اس کو بیان کرتے مثلاً یہ واقعہ کہ کسی دشمن نے حاجیون
کو کعبہ کے حج سے روک دیا،

اس عبارت کا ماحصل یہ ہو کہ حسب ذیل صورتون مین روایت اعتبار کے قابل نہوگی اور اس کے متعلق اس تحقیق کی ضرورت نہین کہ اس کے راوی معتبر ہین یا نہین،

روایت کے اصول،

۱ جو روایت عقل کے مخالف ہو،

۲ جو روایت اصولِ مسلمہ کے خلاف ہو،

۳ محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو،

۴ قرآن مجید یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو، اور اس مین تاویل کی کچھ گنجایش نہو،

۵ جس حدیث مین معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو،

۶ معمولی کام پر بہت بڑے انعام کا وعدہ ہو،

۷ وہ روایت رکیک المعنی ہو مثلاً کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ،

۸ جو راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہو کہ کسی اور نے نہین کی اور یہ راوی اس شخص سے نہ ملا ہو،

۹ جو روایت ایسی ہو کہ تمام لوگون کو اُس سے واقف ہونیکی ضرورت ہو باایں ہمہ ایک راوی کے سوا کسی اور نے اسکی روایت نکی ہو

۱۰ جس روایت مین ایسا قابل اعتنا واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع مین آتا تو سیکڑون آدمی اس کو روایت کرتے، باوجود اس کے صرف ایک ہی راوی نے اس کی روایت کی ہو،

ملا علی قاری نے موضوعات[1] کے خاتمہ مین حدیثون کے نامعتبر ہونے کے چند اصول تفصیل سے لکھے ہین،

---

[1] نسخہ مطبوعہ مجتبائی دہلی، صفحہ ۹۲، تا خاتمہ کتاب،

اور اُن کی مثالین نقل کی ہین، ہم اس کا خلاصہ اس موقع پر نقل کرتے ہین،

۱ جس حدیث مین فضول باتین ہون جو رسول اللہ کی زبان سے نہین نکل سکتین، مثلاً یہ کہ "جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہتا ہی خدا اس کلمہ سے ایک پرند پیدا کرتا ہے جس کے ستر زبانین ہوتی ہین، ہر زبان مین ستر ہزار لغت ہوتے ہین الخ"

۲ وہ حدیث جو مشاہدہ کے خلاف ہو مثلاً یہ حدیث "کہ بیگن کھانا ہر مرض کی دوا ہے"

۳ وہ حدیث جو صریح حدیثون کے مخالف ہو،

۴ جو حدیث واقع کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ "دھوپ مین رکھے ہوئے پانی سے غسل نہین کرنا چاہیے کیونکہ اس سے برص پیدا ہوتا ہی"،

۵ وہ حدیث جو انبیا علیہم السلام کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو، مثلاً یہ حدیث کہ "تین چیزین نظر کو ترقی دیتی ہین، سبزہ زار، آب روان، اور خوبصورت چہرہ کا دیکھنا"

۶ وہ حدیثین جن مین آئندہ واقعات کی پیشینگوئی بقید تاریخ مذکور ہوتی ہی، مثلاً یہ کہ "فلان سنہ اور فلان تاریخ مین یہ واقعہ پیش آئے گا"

۷ وہ حدیثین جو طبیبون کے کلام کی مشابہ ہین مثلاً یہ کہ "ہریسہ کھانے سے قوت آتی ہی" یا یہ کہ "مسلمان شیرین ہوتا ہی اور شیرینی کو پسند کرتا ہی"،

۸ وہ حدیث جس کے غلط ہونے کے دلایل موجود ہین، مثلاً، عوج بن عنق کا قد تین ہزار گز کا تھا،

۹ وہ حدیث جو صریح قرآن کے خلاف ہی، مثلاً "دنیا کی عمر سات ہزار برس کی ہی" کیونکہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو ہر شخص بتا دے گا کہ قیامت کے آنے مین اس قدر دیر ہی، حالانکہ قرآن سے ثابت ہی کہ قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہین،

۱۰ وہ حدیثین جو خضر علیہ السلام کے متعلق ہین،

۱۱ جس حدیث کے الفاظ رکیک ہون،

۱۲ وہ حدیثین جو قرآن مجید کی الگ الگ سورتون کے فضایل مین وارد ہین حالانکہ یہ حدیثین تفسیر بیضاوی اور کشاف وغیرہ مین منقول ہین،

اِن اصول سے محدثین نے اکثر جگہ کام لیا اور ان کی بنا پر بہت سی روایتین رد کردین، مثلاً ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہی کہ آنحضرت نے خیبر کے یہودیون کو جزیہ سے معاف کردیا تھا اور معافی کی دستاویز لکھوادی تھی" ملا علی قاری اس روایت کے متعلق لکھتے ہین، کہ یہ روایت مختلف وجوہ سے باطل ہی،

۱۔ اس معاہدہ پر سعد بن معاذ کی گواہی بیان کی جاتی ہی حالانکہ وہ غزوۂ خندق مین وفات پا چکے تھے،

۲ دستاویز مین کاتب کا نام معاویہ ہی، حالانکہ وہ فتح مکہ مین اسلام لائے،

۳ اس وقت تک جزیہ کا حکم ہی نہین آیا تھا، جزیہ کا حکم قرآن مجید مین جنگ تبوک کے بعد نازل ہوا ہی،

۴ دستاویز مین تحریر ہی کہ یہودیون سے بیگار نہین لی جائے گی" حالانکہ آنحضرت کے زمانہ مین بیگار کا رواج ہی نہ تھا،

۵ خیبر والون نے اسلام کی سخت مخالفت کی تھی ان سے جزیہ کیون معاف کیا جاتا،

۶ عرب کے دور دراز حصون مین جب جزیہ معاف نہین ہوا حالانکہ ان لوگون نے چندان مخالفت اور دشمنی نہین کی تھی تو خیبر والے کیونکر معاف ہو سکتے تھے،

۷ اگر جزیہ ان کو معاف کردیا گیا ہوتا تو یہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اسلام کے ہواخواہ اور دوست اور واجب الرعایہ ہین، حالانکہ چند روز کے بعد خارج البلد کردے گئے،

تبصرہ

سیرت کی یہ ایک اجمالی اور سادہ تاریخ تھی، اب ہم اس پر مختلف پہلوؤن سے نظر ڈالنا چاہتے ہین،

(۱) سیرت پر اگرچہ آج بھی سیکڑون تصنیفین موجود ہین، لیکن سب کا سلسلہ جاکر صرف تین چار کتابون پر منتہی ہوتا ہے،

سیرت ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد، طبری، انکے علاوہ جو کتابین ہین، وہ انسے متاخر

ہین، اور ان مین جو واقعات مذکور ہین زیادہ تر انھین کتابون سے لیے گئے ہین، (کتب حدیث کا جو ٹکڑا ہے

اُس سے اِس مقام پر بحث نہین) اس بنا پر، ہم کو مذکورہ بالا کتابون پر زیادہ تفصیل اور تدقیق سے نظر ڈالنی چاہیے،

ان مین سے **واقدی** تو بالکل نظر انداز کر دینے کے قابل ہے، محدثین بالاتفاق لکھتے ہین کہ وہ خود اپنے جی

سے روایتین گھڑتا ہے، اور حقیقت مین واقدی کی تصنیف خود اس بات کی شہادت ہے، ایک ایک جزئی واقعہ

کے متعلق جس قسم کی گوناگون اور دلچسپ تفصیلین وہ بیان کرتا ہے، آج کوئی بڑا سے بڑا واقعہ نگار چشم دید واقعات

اِس طرح قلمبند نہین کر سکتا،

واقدی کے سوا، باقی اور تینون مصنفین، اعتبار کے قابل ہین، ابن اسحاق کی نسبت اگرچہ امام مالک

اور بعض اور محدثین نے جرح کی ہے، تاہم انکا یہ رتبہ ہے کہ امام بخاری اپنے رسالہ "جزء القراۃ" مین انکی سند سے روایتین

نقل کرتے ہین، اور انکو صحیح سمجھتے ہین، ابن سعد، اور طبری مین کسی کو کلام نہین، لیکن افسوس ہے کہ ان لوگون کا مستند

ہونا، انکی تصنیفات کے مستند ہونے پر چندان اثر نہین ڈالتا، یہ لوگ خود شریک واقعہ نہین، اسلیے جو کچھ بیان

کرتے ہین اور اور راویون کے ذریعہ سے بیان کرتے ہین، لیکن انکے بہت سے رُواۃ، ضعیف الروایۃ، اور غیر مستند

ہین، اسکے علاوہ، ابن اسحاق کی اصلی کتاب (ہندوستان مین) موجود نہین، ابن ہشام نے ابن اسحاق کی

کتاب ترتیب اور تہذیب کے بعد جس صورت مین بدل دیا ہے، وہی آج موجود ہے، لیکن ابن ہشام نے ابن اسحاق

کی کتاب کو، زیاد بکائی کے واسطہ سے روایت کیا ہے، **بکّائی** اگرچہ رتبہ کے شخص ہین، تاہم محدثین کے اعلی معیار سے

فروتر ہین، ابن مدینی (امام بخاری کے اُستاد) کہتے ہین کہ "وہ ضعیف ہی، اور مین نے اُس کو ترک کر دیا"، ابو حاتم کہتے ہین "وہ استناد کے قابل نہین"، نسائی کہتے ہین "وہ ضعیف ہی"،

ابن سعد کی نصف سے زیادہ روایتین، واقدی کے ذریعہ سے ہین، اِسلیے ان روایتون کا وہی رتبہ ہی جو خود واقدی کی روایتون کا ہی، باقی رُواۃ مین سے بعض ثقہ ہین اور بعض غیر ثقہ،

طبری کے بڑے بڑے شیوخ روایت مثلاً سلمۃ الابرش، ابن سلمۃ وغیرہ ضعیف الروایۃ ہین،

اس بنا پر مجموعی حیثیت سے سیرت کا ذخیرہ، کُتب حدیث کا ہم پلہ نہین، البتہ ان مین سے تحقیق و تنقید کے معیار پر جو اُتر جاے وہ حُجت اور استناد کے قابل ہی،

کتب حدیث و سیرۃ مین فرق مراتب

سیرت کی کتابون کی کم پایگی کی بڑی وجہ یہ ہی کہ تحقیق او تنقید کی ضرورت احادیثِ احکام کے ساتھ مخصوص کردی گئی، یعنی وہ روایتین تنقید کی زیادہ محتاج ہین جن سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہین، باقی جو روایتین سیرت اور فضایل وغیرہ سے متعلق ہین، اُن مین تشدد اور احتیاط کی چندان حاجت نہین، حافظ زین الدین عراقی جو بہت بڑے پایہ کے محدث ہین، سیرت منظوم کے دیباجہ مین لکھتے ہین،

وَلیعلمِ الطَّالِبُ انَّ السِیَرا	طالب کو جاننا چاہیے کہ سیرت مین سبھی طرح کی روایتین ہوتی
یجمعُ ما صحَّ وما قد انکرا	ہین صحیح بھی، اور غلط بھی،

یہی وجہ ہے کہ مناقب اور فضایل اعمال مین کثرت سے ضعیف روایتین شائع ہوگئین، اور بڑے بڑے علمانے اپنی کتابون مین، ان روایتون کا درج کرنا جائز رکھا، علامہ **ابن تیمیہ** کتاب التوسل مین لکھتے ہین،

قد رواہ من صنف فی عمل یوم ولیلۃ کابن السنی	اس حدیث کو ان لوگون نے روایت کیا ہی جنھون نے رات دن کے عمال مین
وابی نعیم وفی مثل ہذہ الکتب احادیث کثیرۃ موضوعۃ لایجوز	کتابین تصنیف کی ہین مثلاً ابن السنی اور ابونعیم، اور اس قسم کی کتابون مین کثرت سے جھوٹی
الاعتماد علیہا فی الشریعۃ باتفاق العلماء	حدیثین موجود ہین جنپر اعتماد کرنا ناجائز ہی، اور اسپر تمام علما کا اتفاق ہی،

ؔ مطبوعہ مطبع المنار صفحہ ۹۹،

حاکم نے مستدرک مین یہ حدیث روایت کی ہو کہ جب حضرت آدم سے خطا سرزد ہوئی تو انھون نے کہا "اے خدا! مین تجھ کو محمد کا واسطہ دیتا ہون کہ میری خطا معاف کردے"، خدا نے کہا "تم نے محمد کو کیونکر جانا" حضرت آدم نے کہا "مین نے سر اٹھا کر عرش کے پایون پر نظر ڈالی تو یہ الفاظ لکھے ہوے دیکھے، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس سے مین نے قیاس کیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس شخص کا نام ملایا ہو وہ ضرور تجھ کو محبوب ترین خلق ہوگا"، خدا نے کہا "آدم! تم نے سچ کہا، اور محمد نہ ہوتے تو مین تم کو پیدا بھی نہ کرتا"، حاکم نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہو کہ یہ حدیث صحیح ہو، علامۂ ابن تیمیہ حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھتے ہین،

واما تصحيح الحاكم لمثل هذا الحديث وامثاله فهذا مما انكره عليه ائمة العلم بالحديث وقالوا ان الحاكم يصحح احاديث وهي موضوعة مكذوبة عند اهل المعرفة بالحديث ×× وكذلك احاديث كثيرة في مستدركه يصححها وهي عند ائمة اهل العلم بالحديث موضوعة

حاکم کا اس قسم کی حدیثون کو صحیح کہنا ایمۂ حدیث نے اس پر انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ حاکم بہت سی جھوٹی اور موضوع حدیثون کو صحیح کہتے ہین، اسی طرح حاکم کی مستدرک مین بہت سی حدیثین ہین، جن کو حاکم نے صحیح کہا ہے حالانکہ وہ ایمۂ حدیث کے نزدیک موضوع ہین،

علامۂ موصوف ایک اور موقع پر ابوالشیخ اصفہانی کی کتاب کا تذکرہ کر کے لکھتے ہین، (صفحہ ۱۰۵ و ۱۰۶)

وفيها احاديث كثيرة قوية صحيحة وحسنة واحاديث كثيرة ضعيفة موضوعة وهية وكذلك ما يرويه ابو خيثمة بن سليمان في فضائل الصحابة وما يرويه ابو نعيم الاصبهاني في فضائل الخلفاء في كتاب مفرد وفي اول حلية الاولياء، وما يرويه ابوبكر الخطيب وابو الفضل بن ناصر وابو موسى المديني وابو القاسم ابن عساكر والحافظ عبد الغني وامثالهم ممن له معرفة بالحديث

اور اس مین بہت سی حدیثین ہین جو قوی ہین اور حسن ہین اور بہت سی ضعیف اور موضوع اور مہمل ہین اور اسیطرح وہ حدیثین جو خیثمہ بن سلیمان، صحابہ کے فضایل مین روایت کرتے ہین اور وہ حدیثین جو ابونعیم اصفہانی نے ایک مستقل کتاب مین خلفاء کے فضایل مین روایت کی ہین اور اسی طرح وہ روایتین جو ابوبکر خطیب اور ابوالفضل اور ابوموسی مدینی اور ابن عساکر اور حافظ عبدالغنی وغیرہ اور انکے پایہ کے لوگ روایت کرتے ہین۔

١؎ کتاب التوسل مطبوعۂ المنار صفحہ ۱۰۱،

غور کرو ابونعیم، خطیب بغدادی، ابن عساکر، حافظ عبدالغنی وغیرہ حدیث اور روایت کے امام تھے باوجود اسکے یہ لوگ خلفا، اور صحابہ کے فضایل مین ضعیف حدیثین بے تکلف روایت کرتے تھے، اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ خیال عام طور پر پھیل گیا تھا کہ صرف حلال وحرام کی حدیثون مین احتیاط اور تشدد کی ضرورت ہی، ان کے سوا اور روایتون مین سلسلۂ سند نقل کردینا کافی ہی، تنقید اور تحقیق کی ضرورت نہین،

موضوعات ملا علی قاری مین لکھا ہی، کہ بغداد مین ایک واعظ نے یہ حدیث بیان کی کہ "قیامت مین خدا آنحضرت کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا" امام ابن جریر طبری نے سنا تو بہت برہم ہوے اور اپنے دروازہ پر یہ فقرہ لکھ کر لگا دیا کہ "خدا کا کوئی ہم نشین نہین" اس پر بغداد کے عوام سخت افروختہ ہوے اور امام موصوف کے گھر پر اسقدر پتھر برسائے کہ دیوارین ڈھک گئین[1]،

اس موقع پر ایک خاص نکتہ لحاظ کے قابل ہی، یہ مسلّم ہی کہ حدیث و روایت مین امام بخاری اور مسلم سے بڑھکر کوئی شخص کامل فن نہین پیدا ہوا، رسول اللہ کے ساتھ ان کو جو عقیدت اور خلوص اور شیفتگی تھی اس کے لحاظ سے بھی وہ تمام محدثین پر ممتاز تھے، باوجود اس کے فضایل ومناقب کے متعلق جس قسم کی مبالغہ آمیز روایتین بیہقی، ابونعیم، بزار، طبرانی وغیرہ مین پائی جاتی ہین بخاری اور مسلم مین اُن کا پتہ نہین لگتا، بلکہ اس قسم کی حدیثین جو نسائی، ابن ماجہ، ترمذی وغیرہ مین پائی جاتی ہین صحیحین مین وہ بھی مذکور نہین، اس سے ثابت ہوتا ہی کہ جس قدر تحقیق وتنقید کا درجہ بڑھتا جاتا ہے مبالغہ آمیز روایتین گھٹتی جاتی ہین، مثلاً یہ روایت کہ جب آنحضرت، عالم وجود مین آئے تو ایوان کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر پڑے، آتش فارس بجھ گئی، بُحیرہ طبریہ خشک ہوگیا، بیہقی، ابونعیم، خرائطی، ابن عساکر اور ابن جریر نے روایت کی ہے، لیکن صحیح بخاری اور صحیح مسلم بلکہ صحاح ستہ کی کسی کتاب مین اس کا پتہ نہین،

سیرت پر جو کتابین لکھی گئین وہ زیادہ تر اسی قسم کی کتابون (طبرانی، بیہقی، ابونعیم وغیرہ) سے ماخوذ ہین اس لیے

---

[1] موضوعات علی قاری صفحہ ۱۳، مطبوعہ دہلی،

اُن مین کثرت سے کمزور روایتین درج ہوگئین اور اسی بناپر محدثین کو کہنا پڑا کہ سیر مین ہر قسم کی روایتین ہوتی ہین،

محدثین نے جو اصول قرار دئے تھے سیرت کی روایتون مین لوگون نے اکثر نظرانداز کردئے، محدثین کا سب سے پہلا اصول یہ ہو کہ روایت کا سلسلہ اصل واقعہ تک کہین منقطع نہ ہونے پائے، لیکن آنحضرت کے حالاتِ ولادت کے متعلق جسقدر روایتین مذکور ہین اکثر منقطع ہین، صحابہ مین سے کوئی شخص ایسا نہین جسکی عمر آنحضرت کی ولادت کے وقت روایت کے قابل ہو، سب سے مُعَمَّر حضرت ابوبکر ہین وہ آنحضرت سے عمر مین دو برس کم تھے، اسی بناپر میلاد کے متعلق جسقدر روایتین ہین ان مین سے اکثر متصل نہین اور اسی بناپر بہت دور از کار روایتین پھیل گئین، مثلاً ابونعیم نے آنحضرت کی والدہ ماجدہ کی زبانی روایت کی ہو کہ جب آنحضرت پیدا ہوے تو بہت سے پرند آکر مکان مین بھر گئے جن کی زمرد کی منقار اور یاقوت کے پَر تھے، پھر ایک سفید بادل آیا اور آنحضرت کو اٹھالے گیا اور ندا آئی کہ اس بچہ کو مشرق و مغرب اور تمام دریاؤن کی سیر کراؤ کہ سب لوگ پہچان لین[1]

مغازی کا بڑا حصہ امام زہری سے منقول ہو لیکن ان کی اکثر روایتین جو سیرت ابن ہشام اور طبقات ابن سعد وغیرہ مین مذکور ہین منقطع ہین، یعنی اوپر کے راویون کے نام مذکور نہین،

تصانیفِ سیرت مین کتب احادیث کی طرف سے بے اعتنائی،

۲ نہایت تعجب انگیز بات یہ ہو کہ جن بڑے بڑے نامور مصنفین مثلاً امام طبری وغیرہ نے سیرت پر جو کچھ لکھا اس مین اکثر جگہ مستند احادیث کی کتابون سے کام نہین لیا،

بعض واقعات نہایت اہم ہین، اُن کے متعلق حدیث کی کتابون مین ایسی مفید معلومات موجود ہین جن سے تمام مشکل حل ہوجاتی ہو لیکن سیرت اور تاریخ مین ان معلومات کا ذکر نہین، مثلاً یہ امر کہ جب آنحضرت ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے تو لڑائی کی سلسلہ جنبانی کس کی طرف سے شروع ہوئی؟ ایک بحث طلب واقعہ ہو، تمام اربابِ سیر اور مورخین کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہو کہ خود آنحضرت نے ابتدا کی لیکن سُنَنِ ابی داؤد مین صاف اور صریح حدیث موجود ہے کہ جنگِ بدر سے پہلے کُفّارِ مکہ نے عبد اللہ بن اُبَیّ کو یہ خط لکھا کہ تم نے محمدؐ کو اپنے شہر مین پناہ دی ہو

[1] مواہب لدنیہ مین یہ روایت نقل کی ہو اس مین بے انتہا مبالغہ آمیز باتین ہین، مین نے معمولی ٹکڑا نقل کردیا ہو،

اُن کو نکال دو ورنہ ہم خود مدینہ آکر تمھارا اور محمدؐ دونوں کا استیصال کردینگے"؀۱ سیرت اور تاریخ کی کتابون مین یہ واقعہ سرے سے منقول نہین،

مصنفین سیرت مین سے بعض لوگون نے اس نکتہ کو سمجھا، اور جب احادیث کی زیادہ چھان بین کی، تو ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ سیرت کی کتابون مین بہت سی روایتین صحیح حدیثون کے خلاف درج ہوگئی ہین، لیکن چونکہ انکی تصنیف پھیل چکی تھی، اس لیے اسکی اصلاح نہ ہوسکی، حافظ ابن حجر ایک موقع پر دمیاطی کا ایک قول نقل کرکے لکھتے ہین،

وَدَلَّ هٰذَا عَلٰى اَنَّهٗ كَانَ يَعْتَقِدُ الرُّجُوْعَ عَنْ كَثِيْرٍ مِّمَّا وَافَقَ فِيْهِ اَهْلَ السِّيَرِ وَخَالَفَ الْاَحَادِيْثَ الصَّحِيْحَةَ وَاَنَّ ذٰلِكَ كَانَ مِنْهُ قَبْلَ تَضَلُّعِهٖ مِنْهَا وَلِخُرُوْجِ نُسَخِ كِتَابِهٖ وَانْتِشَارِهٖ لَمْ يَتَمَكَّنْ مِنْ تَغْيِيْرِهٖ؀۲	یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ اکثر واقعات جن مین دمیاطی نے اہل سیر کی موافقت، اور صحیح حدیثون کی مخالفت کی تھی، اپنی راے سے رجوع کیا، لیکن چونکہ کتاب کے نسخے پھیل گئے تھے اسلیے اسکی اصلاح نہ کرسکے،

مصنفین سیرت کی تدلیس

۳ سیرت مین اگلون نے جو کتابین لکھین، اُن سے، مابعد کے لوگون نے جو روایتین نقل کین اُنہی کے نام سے کین، اُن کے مستند ہونے کی بنا پر لوگون نے اُن تمام روایتون کو معتبر سمجھ لیا، اور چونکہ اصل کتابین ہر شخص کو ہات نہین آسکتی تھین، اس لیے لوگ راویون کا پتہ نہ لگا سکے، اور رفتہ رفتہ یہ روایتین تمام کتابون مین داخل ہوگئین، اس تدلیس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مثلاً جو روایتین واقدی کی کتاب مین مذکور ہین، ان کو لوگ عموماً غلط سمجھتے ہین، لیکن اُنھین روایتون کو جب ابن سعد کے نام سے نقل کردیا جاتا ہو، تو لوگ اُن کو معتبر سمجھتے ہین، حالانکہ ابن سعد کی اصلی کتاب ہات آئی تو پتہ لگا کہ ابن سعد نے اکثر روایتین واقدی ہی سے لی ہین،

اصول روایت سے ہر جگہ کام نہین لیا گیا۔

۴ روایت کے متعلق جو اصول منضبط ہوئے صحابہؓ کے متعلق اُن سے بعض بعض موقعون پر کام نہین لیا گیا، مثلاً اُصولِ روایت کی رُو سے رُواۃ کے مختلف مدارج ہین، کوئی راوی نہایت ضابط، نہایت معنی فہم، نہایت دقیقہ رس ہوتا ہو، کسی مین یہ اوصاف کم ہوتے ہین، کسی مین اور بھی کم ہوتے ہین، یہ فرق مراتب جسطرح

؀۱ غزوۂ بدر کے موقع پر ہم اس حدیث کے اصلی الفاظ نقل کرینگے ؀۲ زرقانی، جلد ۳، صفحہ ۱۱،

فطرۃً عام راویون مین پایا جاتا ہی، صحابہ بھی اس سے مستثنےٰ نہین، حضرت عایشہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت پر، اور حضرت عبد اللہ بن عباس نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت پر جو تنقیدین کین اور جنکا ذکر اوپر گذر چکا اسی بنا پر کین،

اختلافِ مراتب کی بنیاد پر بڑے بڑے معرکۃ الآرا مسائل کی بنیاد قائم ہے، مثلاً دو روایتون مین تعارض پیش آجاے تو اس بحث کے فیصلہ مین صحیح طریقہ یہ خیال کیا جاتا ہی کہ ایک روایت کے راویون کا دوسری روایت کے راویون سے زیادہ عالی رتبہ ہونا ثابت کر دیا جاے (گو دونون راوی ثقہ ہین) اور یہ اُس روایت کی ترجیح کا قطعی ذریعہ ہوگا، لیکن صحابہ مین اگر یہ اصول بیکار ہو جاتا ہی، فرض کرو ایک روایت حضرت عمر سے مروی ہے، اور دوسری کسی بدوی عرب سے مروی ہی جس نے عمر بھر مین صرف ایک دفعہ اتفاقاً آنحضرت کو دیکھ لیا تھا، تو اب دونون روایتون کا درجہ برابر ہو جاتا ہی، علامہ مازری مشہور محدث ہین، علامہ نووی شرحِ صحیح مسلم مین اکثر اُن سے استناد کرتے ہین، انھون نے اس تعمیم کی مخالفت کی تھی، چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ کے دیباچہ (صفحہ ۱۰ و ۱۱) مین ان کا یہ قول نقل کیا ہی،

لسنا نعنی بقولنا الصحابۃ عدول کل من راٰہ صلی اللہ علیہ وسلم او من راٰہ لماً ما او اجتمع بہ لغرضٍ و انصرف عن کثب وانما نعنی بہ الذین لازموہ و عزروہ و نصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئٰک ہم المفلحون،	یہ قول کہ صحابہ سب عادل ہین ہم اس سے ہر ایسے شخص کو مراد نہین لیتے جس نے آنحضرت کو اتفاقاً دیکھ لیا یا آنحضرت سے کسی غرض کے لیے ملا اور پھر فوراً واپس چلا گیا، بلکہ ہم اُن لوگون کو مراد لیتے ہین جو آنحضرت کی خدمت مین بہ التزام رہے اور آپ کی اعانت اور مدد کی اور اُس نور کی پیروی کی جو آنحضرت پر نازل ہوا، یہی لوگ کامیاب ہین،

لیکن محدثین نے مازری کے اس قول سے عام مخالفت کی، علامہ مازری نے بے شبہ یہ غلطی کی کہ عدالت کے وصف کو مطلقاً مُقربین صحابہ سے مخصوص کر دیا، اس بنا پر محدثین کی مخالفت اُن سے بیجا نہین، لیکن اس مین کیا شبہہ ہو سکتا ہی کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ و علیؓ کی روایتین، ایک عام بدوی کی روایت کے برابر نہین ہو سکتین، خصوصاً اُن روایتون

کے متعلق یہ فرق ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے جو فقہی مسایل، یا دقیق مطالب سے تعلق رکھتی ہین،

واقعات مین سلسلۂ علت ومعلول نہین قایم کیا گیا،

۵ ارباب سیر اکثر واقعات کے اسباب وعلل سے بحث نہین کرتے، نہ اُن کی تلاش وتحقیق کی طرف متوجہ ہوتے اگرچہ اس مین شبہ نہین کہ اس باب مین **یورپ** کا طریقہ نہایت غیر معتدل ہے، یورپین مورخ، ہر واقعہ کی علت تلاش کرتا ہے اور نہایت دور دراز قیاسات اور احتمالات سے سلسلۂ معلومات پیدا کرتا ہے، اس مین بہت کچھ اُسکی خود غرضی اور خاص مطمح نظر کو دخل ہوتا ہے، وہ اپنے مقصد کو ایک محور بنالیتا ہے، تمام واقعات اُسی کے گرد گردش کرتے ہین، بخلاف اسکے اسلامی مورخ نہایت سچائی اور انصاف، اور خالص بیطرفداری سے واقعات کو ڈھونڈتا ہے، اُس کو اس سے کچھ غرض نہین ہوتی کہ واقعات کا اثر اُسکے مذہب پر، معتقدات پر، اور تاریخ پر کیا پڑیگا، اُس کا قبلۂ مقصد صرف واقعیت ہوتی ہے، وہ اُسپر اپنے معتقدات، اور قومیت کو بھی قربان کردیتا ہے،

لیکن اس مین حد سے زیادہ تفریط ہوگئی، اس بات سے بچنے کے لیے کہ واقعات، راے سے مخلوط نہ ہوجائین، وہ پاس پاس کے ظاہری اسباب پر بھی نظر نہین ڈالتا، اور ہر واقعہ کو خشک اور ادھورا چھوڑ دیتا ہے، مثلاً اکثر لڑائیون کو اس طرح شروع کرتے ہین کہ **آنحضرت** نے فلان قبیلہ پر فلان وقت فوجین بھیجدین، لیکن اسکے اسباب کا ذکر مطلق نہین کرتے جس سے عام ناظرین پر یہ اثر پڑتا ہے کہ کفار پر حملہ کرنے، اور اُن کو تباہ وبرباد کرنے کے لیے کسی سبب اور وجہ کی ضرورت نہین، صرف یہ عام وجہ کافی ہے کہ وہ کافر ہین!، اسی سے مخالفین یہ استدلال کرتے ہین کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے، حالانکہ زیادہ چھان بین سے ثابت ہوتا ہے کہ جن قبایل پر فوجین گئین، وہ پہلے سے آمادۂ جنگ اور مسلمانون پر حملہ کی طیاریان کرچکے تھے،

نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار نہین قایم کیا گیا،

۶ یہ لحاظ رکھنا ضرور ہے کہ واقعہ کی نوعیت کے بدلنے سے شہادت اور روایت کی حیثیت کہان تک بدل جاتی ہے مثلاً ایک راوی جو ثقہ ہے ایک ایسا معمولی واقعہ بیان کرتا ہے جو عموماً پیش آتا ہے اور پیش آسکتا ہے تو بے تکلف یہ روایت تسلیم کرلی جاے گی، لیکن فرض کرو یہی راوی ایسا واقعہ بیان کرتا ہے جو غیر معمولی ہے، تجربۂ عام کے خلاف ہے، گرد وپیش کے واقعات سے مناسبت نہین رکھتا، تو واقعہ چونکہ زیادہ محتاج ثبوت ہے اس لیے اب راوی کا

معمولی درجہ ثقہ کافی نہین ہوسکتا، بلکہ اسکو معمولی درجہ سے زیادہ عادل، زیادہ محتاط، زیادہ نکتہ دان ہونا چاہیے،

مثلاً ایک بحث یہ ہے کہ روایت کرنے کے لیے کسی عمر کی قید ہے یا نہین؟ اکثر محدثین کا مذہب ہے کہ ۵ برس کا لڑکا حدیث کی روایت کرسکتا ہے، یا مثلاً اگر کسی صحابی نے ۵ برس کی عمر مین آنحضرت کے کسی قول یا فعل کی روایت کی تو قابل اعتبار ہوگی، محدثین کا استدلال ہے کہ محمود بن الربیع ایک صحابی تھے، آنحضرت کے وفات فرمانے کے وقت وہ پانچ برس کے بچے تھے، آنحضرت نے ایک دفعہ اظہار محبت کے طور پر ان کے منھ پر کُلّی کا پانی ڈال دیا تھا، اس واقعہ کو انھون نے جوان ہوکر لوگون سے بیان کیا، اورسب نے یہ روایت قبول کی، اس سے ثابت ہوا کہ پانچ برس کی عمر کی روایت قبول ہوسکتی ہے[1]،

اس کے برخلاف بعض محدثین کی راے ہے کہ کم سن کی روایت قابل حجت نہین فتح المغیث مین ہے،

ولکن قد منع قوم القبول ھنا ای فی مسئلة الصبیی خاصة فلم یقبلوا من تحمل قبل البلوغ لان الصبي مظنة عدم الضبط وھو وجه للشافعیة ××× ولکن اکان ابن المبارک یتوقف فی حدیث الصبي- (کتاب مذکور صفحہ ۱۶۴)	(لیکن ایک جماعت یہان قبول روایت سے منع کرتی ہے خصوصاً بچون کی روایت کے مسئلہ مین، بلوغ سے پہلے جو روایت کسی بچہ نے سنی ہو اُسکو وہ قبول نہین کرتی۔ شوافع کی یہی راے ہے، اسیطرح عبداللہ بن مبارک بھی بچہ کی روایت قبول کرنے مین توقف کرتے ہین)

لیکن اثبات ونفی، دونون پہلو بحث طلب ہین، بےشبہہ ۵ برس کا بچہ اگر یہ واقعہ بیان کرے کہ مین نے فلان شخص کو دیکھا تھا، اس کے سر پر بال تھے، یا وہ بوڑھا تھا، یا اس نے مجھ کو گودیون مین کھلایا تھا، تو اس روایت مین شبہہ کرنے کی وجہ نہین ہے، لیکن فرض کرو وہی بچہ یہ بیان کرتا ہے کہ فلان شخص نے فقہ کا یہ دقیق مسئلہ بتایا تھا تو شبہہ ہوگا کہ بچہ نے صحیح طور سے مسئلہ کو سمجھا بھی تھا یا نہین؟

فقہا نے اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے فتح المغیث مین شرح مہذب سے نقل کیا ہے،

---

[1] یہ پوری بحث فتح المغیث صفحہ ۱۶۶ تا صفحہ ۱۶۸ مین ہے،

قبول اخبار الصبي المميز فيما طريقه المشاهدة بخلاف ما طريقه النقل كالافتاء ورواية الاخبار ونحوه (نسخہ مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۲)

باتمیز لڑکے کی روایت ان واقعات کے متعلق مقبول ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہون لیکن جو باتین نقلیات مین داخل ہین مثلاً فتویٰ یا حدیث کی روایت ان مین انکی روایت مقبول نہین،

لیکن عام طور سے یہ اصول تسلیم نہین کیا گیا، فتح المغیث مین ہے،

ثم الضبط نوعان ظاهر وباطن فالظاهر ضبط معناه من حيث اللغة والباطن ضبط معناه من حيث تعلق الحكم الشرعي وهو الفقه ومطلق الضبط الذي هو شرط في الراوي هو الضبط ظاهرا عند الاكثر لانه يجوز نقل الخبر بالمعنى فيلحقه تهمة تبديل المعنى روايته قبل الحفظ او قبل العلم حين سمع ولهذا المعنى قلت الرواية عن اكثر الصحابة لتعذر هذا المعنى قال وهذا الشرط وان كان على ما بينا فان اصحاب الحديث قلما يعتبرونه في حق الطفل دون المغفل فانه متى صح عندهم سماع الطفل او حضوره اجازوا روايته (صفحہ ۱۲۱)

پھر ضبط[1] کی دو قسم ہے ظاہری اور باطنی، ظاہری کے یہ معنی ہین کہ لفظ کے لغوی معنی کا لحاظ رکھا جائے، باطنی کے یہ معنی کہ شرعی حکم جس بنا پر متعلق ہے اس کا لحاظ رکھا جائے اس کو فقہ کہتے ہین، لیکن مطلقاً جو ضبط راوی کے لیے شرط ہے اکثرون کے نزدیک وہ صرف ظاہری ضبط ہے کیونکہ ان لوگون کے نزدیک روایت بالمعنی جائز ہے، اسی بنا پر سنتے وقت قلت حفظ یا قلت علم کے سبب سے روایت کے ادا کرنے مین راوی پر مفہوم کے بدل دینے کا شبہ ہو سکتا ہے، یہ وجہ ہے کہ اکثر صحابہ نے بہت کم حدیثین روایت کین، کیونکہ مفہوم کا بعینہ روایت مین قایم رکھنا مشکل ہے، لیکن محدثین، بچہ کے حق مین (بے عقل کے حق مین نہین) اس کا اعتبار نہین کرتے بلکہ بچہ انکے نزدیک جب سننے اور مجلس مین شریک ہونے کے قابل ہو گیا تو اسکی روایت کو جائز سمجھتے ہین،

ایک یہ بحث ہے کہ جو صحابہ فقیہ نہ تھے اُن کی روایت اگر قیاس شرعی کے خلاف ہو تو واجب العمل ہوگی یا نہین؟ اس کے متعلق بحر العلوم، امام فخر الاسلام کا مذہب نقل کر کے لکھتے ہین،

ووجه قول الامام فخر الاسلام ان النقل

امام فخر الاسلام کے قول کی وجہ یہ ہے کہ روایت بالمعنی

[1] ضبط کا لفظ محدثین کی ایک اصطلاح ہے جس کے معنی ہین کسی روایت کے الفاظ اور مطلب کو اچھی طرح سمجھنا اور ادا کرنا،

بالمعنی شائع وقلما یوجد النقل باللفظ فان حادثة واحدة
قد رویت بعبارات مختلفة ثم ان تلك العبارات لیست
مترادفة بل قد روی ذلك المعنی بعبارات مجازیة
فاذا کان الراوی غیر فقیه احتمل الخطاء فی فهم
المعنی المرادی الشرعی ××× ولا یلزم منه نسبة
الکذب متعمد الی الصحابی معاذ الله عن ذلك
(شرح مسلم مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۳۲)

عام طور پر شایع ہی، ایک ہی واقعہ مختلف الفاظ مین ادا کیا گیا ہے اور یہ الفاظ باہم مرادف بھی نہین بلکہ کثر مجازی عبارتون مین مطالب ادا کیے گئے ہین، اس بنا پر جب راوی فقیہ نہ ہوگا تو احتمال ہوگا کہ اس نے مطلب مقصود (شرعی) کے سمجھنے مین غلطی کی ہو، اس سے معاذ اللہ یہ لازم نہین آتا کہ صحابی کی طرف جھوٹ کی نسبت کی جائے،

محدثین اس اصول سے کہ "واقعہ جس درجہ کا اہم ہو، شہادت بھی اُسی درجہ کی اہم ہونی چاہئے" بے خبر نہ تھے امام بیہقی کتاب المدخل مین ابن مہدی کا قول نقل کرتے ہین،

اذا روینا عن النبی فی الحلال والحرام والاحکام
شددنا فی الاسانید وانتقدنا فی الرجال واذا
روینا فی الفضائل والثواب والعقاب سهلنا
فی الاسانید وتسامحنا فی الرجال۔ (فتح المغیث صفحہ ۱۲۰)

جب ہم آنحضرت سے حلال وحرام اور احکام کے متعلق حدیث روایت کرتے ہین تو سند مین نہایت تشدد کرتے ہین اور راویون کو پرکھ لیتے ہین لیکن جب فضائل ثواب وعقاب کی حدیثین آتی ہین تو ہم سندون مین سہل انکاری کرتے اور راویون کے متعلق چشم پوشی کرتے ہین،

امام احمد بن حنبل کا قول ہی،

ابن اسحاق رجل تکتب عنه هذه الاحادیث یعنی
المغازی ونحوها واذا جاء الحلال والحرام اردنا
قوما هکذا وقبض اصابع یدیه الاربع
(فتح المغیث صفحہ ۱۲۰)

ابن اسحاق اس درجہ کے آدمی ہین کہ مغازی وغیرہ کی حدیثین اُن سے روایت کی جاسکتی ہین لیکن جب حلال وحرام کے مسایل آئین تو ہم کو ایسے لوگ درکار ہین یہ کہکر انھون نے چارون انگلیان بند کر کے دبالین،

اس سے ثابت ہوا کہ محدثین واقعہ کی اہمیت کی بنا پر راوی کے درجہ کا لحاظ رکھتے تھے، اسی بنا پر ابن اسحاق کی

نسبت امام ابن حنبل نے یہ تفریق کی کہ حلال و حرام مین اُنکی شہادت معتبر نہین لیکن مغازی مین اُن کا اعتبار ہو یہ وہی اصول ہے کہ جس درجہ کا واقعہ ہو اُسی درجہ کی شہادت ہونی چاہئے اور یہ کہ واقعہ کے بدلنے سے شہادت کی اہمیت بدل جاتی ہے لیکن واقعہ کی اہمیت، احکام فقہیہ کے ساتھ مخصوص نہین،

نوعیتِ واقعہ کی اہمیت کا خیال، فقہاے حنفیہ نے ملحوظ رکھا، اسی بنا پر اُنکا مذہب ہو کہ جو روایت، قیاس کے خلاف ہو اُس کی نسبت یہ دیکھنا چاہئے کہ راوی، فقیہ اور مجتہد بھی ہے یا نہین؟ منار مین ہو،

والراوی ان عرف بالفقه والتقدم فی الاجتهاد کالخلفاء الراشدین والعبادلة کان حدیثه حجة یترك به القیاس خلافا لمالك وان عرف بالعدالة والضبط دون الفقه کانس وابی هریرة ان وافق حدیثه القیاس عمل به وان خالفه لم یترك الا بالضرورة (نور الانوار صفحہ ۱۷۷)	راوی اگر فقہ اور اجتہاد مین مشہور ہو جیسے کہ خلفاے راشدین یا عبادلہ تھے تو اُنکی حدیث حجت ہوگی اور اُسکے مقابلہ مین قیاس چھوڑ دیا جاے گا (بخلاف امام مالک کے) اور اگر راوی ثقہ اور عادل ہے لیکن فقیہ نہین جیسے کہ حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ ہین تو اگر وہ روایت قیاس کے موافق ہوگی تو اُس پر عمل ہوگا ورنہ قیاس کو بغیر ضرورت ترک نہ کیا جاے گا،

حضرت ابوہریرہ کی مثال اگرچہ قابل بحث ہو کیونکہ اکثر علما کے نزدیک حضرت ابوہریرہ فقیہ اور مجتہد تھے، لیکن یہ جزوی بحث ہو، گفتگو اصل مسئلہ مین ہو،

۷ سب سے اہم اور سب سے زیادہ قابل بحث یہ بات ہو کہ راوی جو واقعہ بیان کرتا ہے اس مین کس قدر حصہ اصل واقعہ ہو اور کس قدر راوی کا قیاس ہو تفحص اور استقرا سے بعض جگہ یہ نظر آتا ہو کہ راوی جس چیز کو واقعہ کی حیثیت سے بیان کرتا ہو وہ اُس کا قیاس ہے، واقعہ نہین، اسکی بہت سی مثالین سیرت مین موجود ہین یہان ہم صرف ایک دو واقعہ پر اکتفا کرتے ہین،

روایت مین قیاس کا کسقدر حصہ شامل ہو

آن حضرت جب ازواج مطہرات سے ناراض ہوکر تنہا نشین ہوگئے تھے تو یہ مشہور ہوا کہ آنحضرت نے ازواج کو طلاق دیدی، حضرت عمرؓ نے یہ خبر سنی تو مسجد نبوی مین آے، یہان لوگ کہہ رہے تھے کہ آنحضرت نے ازواج

کو طلاق دیدی، حضرت عمر نے خود رسول اللہ کی خدمت مین حاضر ہوکر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ نہین مینے طلاق نہین دی،

یہ حدیث بخاری مین کئی جگہ بہ اختلاف الفاظ مذکور ہے، کتاب النکاح مین جو روایت ہے اسکی شرح مین حافظ ابن حجر لکھتے ہین،

وان الاخبار التی تشاع ولو کثر ناقلوھا ان لم یکن مرجعھا الی امر حسی من مشاھدۃ او سماع لا تستلزم الصدق فان جزم الانصاری وکذا جزم الناس الذین راھم عمر عند المنبر بذلک محمول علی انہ شاع بینھم ذلک من شخص بناہ علی التوھم الذی توھمہ من اعتزال النبی صلی اللہ علیہ وسلم نساءہ فظن لکونہ لم تجر عادتہ بذلک انہ طلقھن فاشاع انہ طلقھن فشاع ذلک فتحدث الناس بہ واخلق بھذا الذی ابتدأ باشاعۃ ذلک ان یکون من المنافقین کما تقدم (فتح الباری شرح بخاری طبع اول مصر جلد ۹ صفحہ ۲۵۰)

جو خبرین شائع ہوجاتی ہین گو اُن کے راوی کثرت سے ہون لیکن اگر اُن خبرون کی بنیاد امر حسی یعنی مشاہدہ یا استماع نہ ہو تو اُن کا سچا ہونا ضرور نہین، چنانچہ انصاری نے اور اُن صحابہ نے جن کو حضرت عمر نے ممبر کے پاس دیکھا تھا طلاق کا جو یقین کرلیا وہ یون ہوا ہوگا کہ کسی شخص نے آنحضرت کو دیکھا کہ آپ نے ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کرلی ہے اور چونکہ آنحضرت کی یہ عادت نہ تھی اس لیے اس نے یہ قیاس کیا کہ آنحضرت نے طلاق دیدی، اُس نے یہ خبر پھیلادی اور لوگ ایک دوسرے سے اس کو بیان کرنے لگے، اور قیاس یہ ہے کہ جس شخص نے اول یہ خبر پھیلائی وہ منافق ہوگا،

غور کرو، مسجد نبوی مین تمام صحابہ جمع ہین اور سب بیان کر رہے ہین کہ آنحضرت نے طلاق دیدی، صحابہ عموماً ثقہ اور عادل ہین اور اُن کی تعداد کثیر اس واقعہ کو بیان کر رہی ہے، باوجود اس کے جب تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعہ نہین بلکہ قیاس تھا، حافظ ابن حجر نے بڑی جرأت کرکے یہ خیال ظاہر کیا کہ راوی اول منافقین مین سے ہوگا، حضرت عائشہ صدیقہ کی نسبت بہت سے ایسے واقعات روایتون مین مذکور ہین جن مین سے ایک واقعہ افک ہے، ان کی نسبت بھی وہی قیاس ہونا چاہیے جو حافظ ابن حجر نے یہان ظاہر کیا یعنی یہ کہ منافقین نے انکی طرف

منسوب کر دیے ہونگے، پھر تمام مسلمانون مین چھیل گئے،

فن تاریخ و روایت پر خارجی اسباب کا اثر،

۵ فن تاریخ و روایت پر جو خارجی اسباب اثر کرتے ہین ان مین سب سے بڑا قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے، لیکن مسلمانون کو ہمیشہ اس پر فخر کا موقع حاصل رہے گا کہ اُن کا قلم تلوار سے نہین دبا، حدیثون کی تدوین بنوامیہ کے زمانہ مین ہوئی جنھون نے پورے ۹۰ برس تک سندھ سے ایشیاے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع مین آل فاطمہ کی توہین کی اور جمعہ مین سر منبر حضرت علی پر لعن کہلوایا، سیکڑون ہزارون حدیثین امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل مین بنوائین، عباسیون کے زمانہ مین ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیان حدیثون مین داخل ہوئین لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ عین اُسی زمانہ مین محدثین نے علانیہ مُنادی کردی کہ یہ سب جھوٹی روایتین ہین، آج حدیث کا فن اس خس و خاشاک سے پاک ہے اور بنوامیہ و عباسیہ جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے، اُسی مقام پر نظر آتے ہین جہان ان کو ہونا چاہیے تھا،

ایک دفعہ ایک شاعر نے مامون الرشید کے دربار مین قصیدہ پڑھا کہ "امیر المومنین! اگر تو آنحضرت کے انتقال کے وقت موجود ہوتا تو خلافت کا جھگڑا سرے سے نہ پیدا ہوتا، دونون فریق تیرے ہاتھ پر بیعت کر لیتے" وہین سر دربار ایک شخص نے اٹھ کر کہا تو جھوٹ کہتا ہے، امیر المومنین کا باپ (حضرت عباس جو عباسیون کے مورث اعلیٰ ہین) وہان موجود تھا، اُس کو کس نے پوچھا؟ مامون الرشید کو بھی اس گستاخانہ لیکن سچ جواب کی تحسین کرنی پڑی،

تاہم یہ عالمگیر مؤثر بالکل بے اثر نہین رہ سکتا تھا، اس لیے **مغازی** مین اس کے نشانات پائے جاتے ہین، تاریخ نگاری کا قدیم طریقہ یہ تھا کہ فتوحات اور رزمیہ کارنامون کو نہایت تفصیل سے لکھتے تھے، ملکی نظم و نسق اور تمدن و معاشرت کے واقعات یا تو بالکل قلم انداز کر جاتے تھے یا اس طرح پراگندہ اور بے اثر لکھتے تھے کہ اُن پر نگاہ نہین پڑتی تھی، اسلام مین جب تالیف و تصنیف کی ابتدا ہوئی تو یہی نمونے پیش نظر تھے، اس کا پہلا نتیجہ یہ تھا کہ سیرت کا نام مغازی رکھا گیا، جس طرح سلاطین کی تاریخین جنگ نامہ و شاہ نامہ کے نام سے لکھی جاتی ہین، چنانچہ سیرت کی ابتدائی تصنیف مثلاً سیرت موسیٰ بن عقبہ اور سیرت ابن اسحاق **مغازی** ہی کے نام سے مشہور ہین

ان کتابون کی ترتیب یہ ہے کہ سلاطین کی تاریخ کی طرح سنین کو عنوان بناتے ہین اور اسی ترتیب سے حالات لکھتے ہین یہ حالات تمام تر جنگی معرکے ہوتے ہین اور غزوات ہی کے عنوان سے داستانین شروع کی جاتی ہین،

یہ طریقہ اگرچہ سلطنت وحکومت کی تاریخ کے لیے بھی صحیح نہ تھا، لیکن نبوت کی سوانح نگاری کے لیے تو ناموزون ہی؛ پیغمبر کو ناگزیر طور پر جنگی واقعات پیش آتے ہین اس خاص حالت مین وہ بظاہر ایک فاتح یا سپہ سالار کے رنگ مین نظر آتا ہے لیکن یہ پیغمبر کی اصلی صورت نہین ہے، پیغمبر کی زندگی کا ایک ایک خط وخال، تقدس، نزاہت، حلم وکرم، ہمدردی عام اور ایثار ہوتا ہی؛ بلکہ عین اس وقت جب کہ اس پر سکندر اعظم کا دھوکا ہوتا ہے، ژرف بین نگاہ فوراً پہچان لیتی ہے کہ سکندر نہین بلکہ فرشتۂ یزدانی ہی؛

یہی وجہ ہی کہ مغازی کا انداز حدیث کی کتابون مین سیرت کی تصانیف سے بالکل الگ ہی؛

تمام ارباب سیر لکھتے ہین کہ آنحضرت نے جب بنو نضیر کا محاصرہ کیا تو حکم دیا کہ اُن کے نخلستان کاٹ ڈالے جائین (قران مجید مین بھی اس کا اجمالی ذکر ہی) ارباب سیر یہ بھی لکھتے ہین کہ یہودیون نے اس حکم کی نسبت یہ اعتراض کیا کہ "یہ انصاف اور انسانیت کے خلاف ہی"، لیکن مورخین یہ اعتراض نقل کرکے اس کا جواب نہین دیتے، اور یون ہی گذر جاتے ہین،

قیاس و درایت

۹ نہایت مہتم بالشان بحث یہ ہی کہ کوئی روایت اگر عقل، یا مُسلّمات، یا دیگر قرائن صحیحہ کے خلاف ہو تو آیا صرف اس بنا پر واجب التسلیم ہوگی یا نہین کہ رُواۃ ثقہ ہین اور سلسلۂ سند متصل ہی؟ علامہ ابن جوزی نے، اگرچہ لکھا ہے (جیسا کہ اوپر گزرچکا) کہ جو حدیث عقل کے خلاف ہو، اُسکے رواۃ کی جرح وتعدیل کی ضرورت نہین لیکن اس سے اصل بحث کا فیصلہ نہین ہوتا، عقل کا لفظ ایک غیر مشخص لفظ ہی، حامیان روایت لکھتے ہین کہ اگر اس لفظ کو وسعت دی گئی تو ہر شخص جس روایت سے چاہیگا انکار کردیگا کہ یہ میرے نزدیک عقل کے خلاف ہی؛

حقیقت یہ ہی کہ اس بحث کا قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہی، عام خیال یہ ہی کہ جس روایت کے رُواۃ ثقہ اور مستند ہون، اور سلسلۂ روایت کہین سے منقطع نہ ہو، وہ باوجود خلاف عقل ہونے کے انکار کے قابل نہین، ذیل کی مثالون سے

اس کا انداز ہوگا

(۱) تلك الغرانیق العلی کی حدیث کو جس مین بیان ہو کہ شیطان نے آنحضرت کی زبان سے وہ الفاظ نکلوا دیے جن مین بتون کی تعریف ہو، بعض محدثین نے ضعیف اور ناقابل اعتبار کہا تھا، اسکے باطل ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ بیان کی تھی،

لو وقع لارتد کثیر ممن اسلم ولم ینقل ذلك — اگر ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان، اسلام سے پھر جاتے حالانکہ ایسا ہونا مذکور نہین

حافظ ابن حجر فتح الباری مین، اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہین،

وجمیع ذلك لا یتمشی علی القواعد فان الطرق اذا کثرت وتباینت مخارجها دل ذلك علی ان لها اصلا[1] — یہ تمام اعتراضات اصول کے موافق چل نہین سکتے، اسلیے کہ روایت کے طریقے جب متعدد ہوتے ہین، اور ان کے ماخذ مختلف ہوتے ہین تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہو کہ روایت کی کچھ اصل ہو،

(۲) صحیح بخاری مین ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تین دفعہ جھوٹ بولے تھے، امام رازی نے اس حدیث سے اس بنا پر انکار کیا کہ "اس سے حضرت ابراہیم کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہو اسلیے زیادہ آسان صورت یہ ہو کہ ہم حدیث کے کسی راوی کا جھوٹا ہونا مان لین" علامہ قسطلانی امام رازی کا یہ قول نقل کر کے لکھتے ہین،

فلیس بشیء اذ الحدیث ثابت ولیس فیه نسبة محض الکذب الی الخلیل وکیف لسبیل الی تخطیة الراوی مع قوله انی سقیم، وبل فعله کبیرهم هذا وعن سارة اختی اذ ظاهر هذه الثلاثة بلا ریب غیر مراد[2] — امام رازی کا قول بالکل ہیچ ہو، اسلیے کہ حدیث ثابت ہو، اور اسمین محض کذب کی نسبت حضرت خلیل کی نسبت نہین ہو، اور راوی کی تخطیہ کیونکر ہو سکتا ہو جبکہ حضرت ابراہیم کا یہ قول موجود ہو انی سقیم اور بل فعله کبیرهم هذا اور سارة اختی، کیونکہ ان تینون جملون مین ظاہر لفظ قطعًا مراد نہین،

اس قسم کی بہت سی مثالین مل سکتی ہین، ہم نے اختصار کے لحاظ سے صرف دو مثالین نقل کین،

صحابہ مین دو گروہ

انکے مقابلہ مین ایک دوسرا گروہ ہو، جو دلائل عقلی، اور قرائن حالی کی بنا پر بعض حدیث کے تسلیم کرنے مین تامل

[1] فتح الباری جلد ۸، صفحہ ۳۳۳ مطبوعہ مصر، [2] قسطلانی جلد ۵، صفحہ ۱۰۰،

کرتا ہی، اور یہ طریقہ، خود صحابۂ کرام کے عہد مین شروع ہوگیا تھا اور محدثین کے اخیر دور تک قائم رہا، چونکہ یہ راے عام خیال کے خلاف ہی، اسیلیے ہم اسکی متعدد مثالین نقل کرتے ہین،

(۱) حضرت ابوہریرۃ نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے حدیث بیان کی، کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جس چیز کو آگ چھوئے، اُسکے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے" حضرت ابن عباس نے کہا "اسکی بنا پر تو لازم آتا ہی کہ ہم گرم پانی (کے استعمال) سے بھی وضو کرین! حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ "بھتیجے! جب تم آنحضرت کی کوئی حدیث سنو، تو کہا وتین نہ کہا کرو"[۱]

(۲) صحیح مسلم کے مقدمہ مین ہی کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباس کے سامنے حضرت علیؑ کے قضایا (یعنی مقدمات کے فیصلے) پیش کئے گئے، حضرت ابن عباس انکی نقل لیتے جاتے تھے اور بعض بعض فیصلے چھوڑتے جاتے تھے، اور فرماتے تھے، کہ

واللہ ما قضی بھذا علیؓ الا ان یکون ضلّ، — خدا کی قسم علی نے یہ فیصلہ کیا ہے تو گمراہ ہو کر کیا ہے (لیکن چونکہ وہ گمراہ نہ تھے، اسیلیے یہ فیصلہ بھی نہ کیا ہوگا)

اسی روایت کے بعد صحیح مسلم مین یہ روایت ہی کہ حضرت ابن عباس کے پاس لوگ ایک کتاب لائے، جس مین حضرت علیؓ کے فیصلے قلمبند تھے، حضرت عبد اللہ بن عباس نے ایک گز کے بقدر چھوڑ کر باقی کتاب مٹادی"[۲] اس سے ظاہر ہی کہ حضرت ابن عباس نے صرف اُن فیصلون کے مضمون سے یہ قیاس کر لیا کہ وہ صحیح نہین ہو سکتے، اس بات کی ضرورت نہین سمجھی کہ رُواۃ اور سند کا پتہ لگائین،

(۳) صحیح بخاری (باب صلوۃ النوافل جماعۃ) مین ہی کہ محمود بن ربیع نے ایک جلسہ مین یہ حدیث بیان کی کہ آنحضرت نے فرمایا ہی کہ "جو شخص خالصاً خدا کے لیے لا الٰہ الا اللہ کہیگا، خدا اسپر آگ حرام کر دیگا" اس جلسہ مین حضرت ابوایوب انصاری بھی موجود تھے، جنکے مکان مین آنحضرت نے ، مہینے تک قیام فرمایا تھا، حضرت ابوایوب نے یہ حدیث سنکر کہا،

واللہ ما اظن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما قلت قط — خدا کی قسم مین کبھی یہ خیال نہین کر سکتا کہ جو تم کہتے ہو آنحضرت نے فرمایا ہوگا

---

[۱] ابن ماجہ و ترمذی، حدیث الوضوء مما مست النار، [۲] نووی شرح صحیح مسلم مین لکھا ہی کہ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ کتاب، طومار کی شکل مین لکھی تھی، (جس طرح اگلے زمانہ مین خطوط کو لمبان مین جوڑ کر جمع کرتے تھے، اور لپیٹ کر رکھتے تھے،)

محمود بن الربیع، صحابی تھے، اور حضرت ابوایوب کو، انکے ثقہ ہونے مین کلام نہ تھا، تاہم چونکہ یہ حدیث ان کے نزدیک قرائن کے خلاف تھی، حضرت ابوایوب، اسپر یقین نہ لاسکے اور کہا کہ "آنحضرت نے ایسا نہ فرمایا ہوگا" اگرچہ صحیح بخاری مین ہو کہ محمود بن الربیع نے مدینہ آکر اس حدیث کی تصدیق اپنے راوی (عتبان) سے کر لی لیکن اس سے اصل مسئلہ پر اثر نہین پڑتا حضرت ابوایوب کو جن اسباب کی بنا پر، محمود بن الربیع کی روایت مین شبہہ پیدا ہوا، عتبان پر بھی وہی شبہہ پیدا ہوسکتا تھا، حضرت ابوایوب خدانخواستہ، محمود کو غلط گو نہین سمجھتے تھے، بلکہ سمجھتے تھے کہ انھون نے روایت کے مفہوم سمجھنے مین غلطی کی ہوگی، یہ احتمال بعینہ راوی اول کی نسبت بھی ہوسکتا ہو، جیسا کہ حضرت عایشہ نے بعض صحابہ سے کہا تھا کہ "تم لوگ سچے لوگون سے روایت کرتے ہو لیکن سامعہ غلطی کرجاتا ہو"،

(۴) حضرت عمار بن یاسر نے جب حضرت عمرؓ کے سامنے تیمم کی روایت بیان کی تو حضرت عمر کو یقین نہین آیا، بلکہ جیسا کہ صحیح مسلم باب التیمم مین ہے، یہ الفاظ کہے اِتَّقِ اللّٰہَ یَا عَمَّارُ، یعنی اے عمار خدا سے ڈرو، چنانچہ اسی بنا پر جب حضرت عبداللہ بن مسعود کے سامنے، حضرت ابوموسی نے اس روایت سے استدلال کیا، تو حضرت عبداللہ نے کہا ہان لیکن عمرؓ کو، عمار کی روایت سے تسکین نہین ہوئی[۱]،

(۵) حضرت عایشہ کے سامنے جب یہ حدیث بیان کی گئی کہ لوگون کے نوحہ کرنے سے مُردہ پر عذاب ہوتا ہو تو انھون نے اس بنا پر انکار کیا کہ یہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہو،

وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی — اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہین اُٹھائیگا،

(۶) اسی طرح جب اُنکے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی کہ آنحضرت نے کشتگانِ بدر کی نسبت فرمایا کہ مین جو کہتا ہون یہ سنتے ہین، حضرت عایشہ نے فرمایا کہ ابن عمر نے غلطی کی[۲]، اس روایت کے راوی اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمر تھے جو مشہور صحابی ہین، لیکن حضرت عایشہ نے اس بنا پر روایت کی صحت سے انکار کیا کہ اُنکے نزدیک وہ روایت قرآن مجید کے خلاف تھی،

---

[۱] صحیح بخاری، باب التیمم، [۲] صحیح مسلم کتاب الجنائز مین یہ روایتین متعدد طریقون سے مذکور ہین،

اکثر محدثین نے ان مباحث مین ثابت کیا ہی کہ روایت صحیح ہی، اور حضرت عایشہ کا اجتہاد جسکی بنا پر انھون نے روایت سے انکار کیا صحیح نہین، ہم کو اس سے بحث نہین اس موقع پر صرف یہ بحث ہی کہ اکابر صحابہ مین ایسے لوگ بھی تھے جو روایت کو، باوجود راوی کے ثقہ ہونے کے اس بنا پر تسلیم نہین کرتے تھے کہ وہ دلائل عقلی یا نقلی کے خلاف ہی،

(۷) ایک مختلف فیہ مسئلہ یہ ہی کہ عورت کو جب طلاق دیدی جاے، تو عدت کے زمانہ تک شوہر پر اُسکے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام، واجب ہی یا نہین، فاطمہ بنت قیس ایک صحابیہ تھین جنکو انکے شوہر نے طلاق دیدی تھی، انکا بیان ہی کہ وہ آنحضرت کے پاس گئین تو آپ نے انکو نفقہ اور مکان نہین دلوایا، انھون نے یہ حدیث، حضرت عمر کے سامنے بیان کی حضرت عمر نے فرمایا کہ ہم خدا کی کتاب اور آنحضرت کی سنت کو ایک عورت کے بیان پر چھوڑ نہین سکتے جسکی نسبت ہم کو معلوم نہین کہ اُسنے یاد رکھا یا بھول گئی، امام شعبی نے ایک مجلس مین فاطمہ کی یہ روایت بیان کی تو اسود بن یزید نے اُن کو کنکریان مارین، کہ تم ایسی حدیث بیان کرتے ہو! پھر حضرت عمر کا مذکورہ بالا قول نقل کیا[۱]،

صحابہؓ کے بعد بھی محدثین مین ایک ایسا گروہ موجود رہا، جو عقلی یا نقلی وجوہ کی بنا پر بعض روایات کے تسلیم کرنے مین تامل کرتا تھا گو اُنکے رُواۃ، ثقہ اور مستند ہوتے تھے،

(۱) ایک ضعیف حدیث ہی کہ "جس شخص نے عشق کیا اور پاک دامن رہا، اور وفات پائی، وہ شہید ہوا" حافظ ابن القیم زاد المعاد مین، اس حدیث کو دلائل عقلی سے باطل ثابت کرکے لکھتے ہین،

فلو کان اسناد ھذا الحدیث کالشمس کان غلطا و وھما — اگر اس حدیث کی سند آفتاب کی طرح بھی ہوتی، تب بھی وہ غلط اور وہم ہوتی[۲]،

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب الفئ، مین روایت ہی کہ حضرت عباسؓ اور علیؓ، حضرت عمرؓ کے پاس آے، حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا، کہ

اقض بینی و بین ھذا الکاذب الآثم الغادر الخائن — میرے، اور اس جھوٹے، مجرم، دھوکہ باز، خائن کے درمیان فیصلہ کیجیے،

---

[۱] صحیح مسلم کتاب الطلاق۔ [۲] زاد المعاد، مطبوعۂ کانپور، صفحہ ۹۷،

چونکہ حضرت علی کی شان مین یہ الفاظ کسی مسلمان کی زبان سے نہین نکل سکتے، اسلیے بعض محدثین نے اپنے نسخہ مین سے یہ الفاظ نکال دیے، علامۂ مازری اس حدیث کی نسبت لکھتے ہین،

اِذَا انسدّت طرق تاویلھا نسبنا الکذب الٰی رواتھا[1]	جب اس حدیث کی تاویل کے سب رستے رک جائین گے تو ہم راویون کو جھوٹا کہین گے۔

(۳) بخاری مین روایت ہے کہ خدا نے جب حضرت آدم کو پیدا کیا تو انکا قد ساٹھ گز کا تھا، حافظ ابن حجر اسکی شرح مین لکھتے ہین،

ویشکل علی ھذا ما یوجد الآن من آثار الامم السالفة کدیار ثمود، فان مساکنھم تدل علی ان قاماتھم لم تکن مفرطة الطول علی حسب ما یقتضیه الترتیب السابق + +	اور اسپر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ قدیم قومون کے جو آثار اسوقت موجود ہین مثلاً قوم ثمود کے مکانات، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے قد اس قدر بڑے نہ تھے، جیسا کہ ترتیب سابق سے ثابت ہوتا ہے، + +
ولم یظھر لی الآن ما یزیل ھذا الاشکال،[2]	اور اس وقت تک مجھکو اس اشکال کا جواب نہین معلوم ہوا،

(۴) صحیح بخاری مین روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا سے کہین گے کہ اے خدا تو نے مجھسے وعدہ کیا تھا کہ قیامت مین مجھکو رسوا نہ کرے گا، اس حدیث کی شرح مین حافظ ابن حجر لکھتے ہین،

وقد استشکل الاسماعیلی بھذا الحدیث من اصله وطعن فی صحته[3]	اور اسمٰعیلی نے اس حدیث پر اشکال وارد کیا ہے، اور اسکی صحت پر طعنہ کیا ہے،

اسمٰعیلی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر نے جواب دیا ہے لیکن اسمٰعیلی کا درجہ فن حدیث مین حافظ ابن حجر سے زیادہ ہے اسلیے گو اسمٰعیلی کا اعتراض غلط ہو لیکن قابل لحاظ ہو سکتا ہے کہ اُنکے نزدیک یہ حدیث، استدلال کے خلاف ہے،

(۵) عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ مین نے زمانۂ جاہلیت مین ایک بندر کو دیکھا جس نے زنا کیا تھا اس پر اور بندرون نے جمع ہو کر اس کو سنگسار کیا، حافظ ابن عبد البر نے، جو مشہور محدث ہین، اس بنا پر اس حدیث کی صحت مین تامل کیا کہ جانور مکلف نہین، اسلیے انکے فعل پر نہ زنا کا اطلاق ہو سکتا، نہ اس بنا پر انکو سزا دی جا سکتی

[1] نووی، شرح صحیح مسلم، ذکر حدیث مذکور، [2] نووی شرح صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب الفئ، [3] فتح الباری، مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۲۶۰، بدء الخلق، [4] فتح الباری، جلد ۸ مطبوعہ مصر صفحہ ۳۸۴،

حافظ ابن حجر لکھتے ہین،

وقد استنکر ابن عبد البر قصة عمرو بن میمون — ابن عبد البر نے عمرو بن میمون کے اس قصے سے انکار کیا ہو، اور کہا ہو

هذه وقال فیها اضافة الزنا الی غیر مکلف — کہ اس مین غیر مکلف کی طرف، زنا کی نسبت ہے، اور جانورون

واقامة الحد علی البهائم، — پر حد قائم کرنا بیان کیا گیا ہو،

حافظ ابن حجر نے یہ قول نقل کرکے لکھا ہو کہ اعتراض کا یہ طریقہ پسندیدہ نہین ہو، اگر سند صحیح ہو تو غالباً یہ بندر جن، رہے ہونگے

(۶) صحیح بخاری مین حضرت انس سے روایت ہو کہ ایک دفعہ، عبد اللہ بن اُبی کے طرفدارون اور آنحضرت کے صحابہ مین جھگڑا ہوگیا، اسپر یہ آیت اتری،

وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا، — اگر مسلمانون کے دو گروہ آپس مین لڑجائین، تو اُن مین صلح کرادو،

روایتون سے یہ ثابت ہو کہ اسوقت تک عبد اللہ بن اُبی اور اسکا گروہ ظاہر مین بھی اسلام نہین لایا تھا، اس بنا پر ابن بطال نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہو کہ آیت قرآنی، اس واقعہ کے متعلق نہین ہوسکتی، اسلیے کہ آیت مین تصریح ہو کہ جب دونون گروہ مومن ہون، اور یہان عبد اللہ بن اُبی کا گروہ علانیہ کافر تھا"

حافظ ابن حجر نے اس کا جواب دیا ہو کہ تغلیباً ایسا کہا گیا،

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہین جنسے ظاہر ہوتا ہو کہ بہت سے محدثین سلسلۂ سند کے ساتھ یہ بھی دیکھتے تھے کہ دوسرے شواہد اور قرائن بھی اسکے موافق ہین یا نہین،

۱۰ ۔ ایک بڑا مرحلہ روایت بالمعنی کا ہو، یعنی آنحضرت نے یا صحابہ نے جو الفاظ فرمائے تھے، بعینہٖ وہی ادا کرنے چاہئین، یا انکا مطلب ادا کردینا کافی ہو، محدثین اس باب مین مختلف الرائے ہین، اور اکثرون نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر راوی اپنے الفاظ مین اس طرح مطلب ادا کرتا ہو کہ اصل حقیقت مین فرق نہین پیدا ہوتا، تو الفاظ روایت بالمعنی

۱؎ فتح الباری، مطبوعۂ مصر جلد ۷، صفحہ ۱۲۲، ۲؎ صحیح بخاری کتاب العلم، روایت مین جھگڑے کی تفصیل ہو، ہم نے محض خلاصہ ذکر کردیا ہو،

کی پابندی ضرور نہین۔ لیکن اس کا فیصلہ کرنا کہ اصل مطلب ادا ہوا۔ یا بدل گیا۔ ایک اجتہادی بات ہے۔ اسی بنا پر بعض محدثین۔ مثلاً عبد الملک بن عمر، ابو زرعہ۔ سالم بن جعد، قتادہ، امام مالک۔ ایک ایک لفظ کی پابندی کرتے تھے[1] لیکن یہ ظاہر ہے کہ سیکڑون راویون مین صرف دو چار اشخاص ایسی پابندی کر سکتے تھے۔ اور وہ بھی اُس زمانہ مین کہ تحریر کا رواج ہو چکا تھا۔ عام حالت یہی تھی کہ راوی، حدیث کے مطلب کو، اپنے الفاظ مین بیان کرتے تھے صحیح ترمذی، کتاب العلل مین، سفیان بن عیینہ کا قول نقل ہے۔

ان قلت لکم انی احدثکم کما سمعت	اگر مین تم سے یہ کہون کہ مین جو سنتا ہون بعینہ وہی ادا کر دیتا ہون
فلا تصدقونی، انما ھو المعنے،	تو تم میری بات نہ مانو، مین صرف مطلب ادا کرتا ہون،

ترمذی نے اسی مضمون کے اور اقوال، واثلہ بن الاسقع، محمد بن سیرین، ابراہیم نخعی، حسن بصری، امام شعبی، وغیرہ سے نقل کیے ہین،

جو صحابہ بہت محتاط تھے، حدیث کی روایت کے وقت، اُن کی حالت متغیر ہو جاتی تھی،

سنن ابن ماجہ کے دیباچہ مین، عمرو بن میمون کا قول نقل کیا ہے کہ مین عبد اللہ بن مسعودؓ کی خدمت مین ہمیشہ جمعرات کی رات کو حاضر ہوتا، مین نے کبھی اُن کو یہ کہتے نہین سنا کہ "آنحضرت نے یہ فرمایا" ایک دن اُنکی زبان سے اتفاقاً یہ لفظ نکل گیا تو دفعۃً سر جھکا لیا، پھر میری نظر اُن پر پڑی تو دیکھا کہ کھڑے ہین، قمیص کی گھنڈیان کھلی ہین، آنکھون مین آنسو ڈبڈبا آئے ہین، گلے کی رگین پھول گئی ہین، اور کہہ رہے ہین کہ آنحضرت نے یون کہا یا یون یا اس سے کچھ زیادہ یا اس سے کچھ کم، یا اسکے مشابہ"

امام مالک کا یہ حال تھا کہ جب حدیث روایت کرتے تھے تو خوف زدہ ہو جاتے اور کہتے کہ "آنحضرت نے یہ فرمایا تھا، یا یون فرمایا تھا" امام شعبی کہتے ہین کہ مین حضرت عبد اللہ بن عمر کی خدمت مین، سال بھر حاضر رہا، لیکن مین نے انکو کبھی حدیث روایت کرتے نہین دیکھا" سائب بن یزید کہتے ہین کہ "مین نے سعد بن مالک

---

[1] صحیح ترمذی، کتاب العلل مین، ان لوگون کے متعلق یہ تصریح مذکور ہے،

کے ساتھ، مکہ مبارکہ سے مدینہ طیبہ تک سفر کیا لیکن اس تمام راہ مین انھون نے ایک حدیث بھی آنحضرت سے روایت نہین کی (حالانکہ وہ صحابی تھے) حضرت عبد اللہ بن زبیر نے اپنے والد سے پوچھا کہ مین نے آپکو اور صحابہ کی طرح حدیث روایت کرتے نہین دیکھا، انھون نے کہا مین جب سے اسلام لایا مین نے کبھی آنحضرت کا ساتھ نہین چھوڑا لیکن مین نے آنحضرت سے سنا ہی کہ جو شخص میری نسبت کوئی جھوٹی روایت بیان کرے، تو چاہیے کہ اپنا گھر آگ مین بنالے"

ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ خود آنحضرت نے منبر پر یہ ارشاد فرمایا تھا،

اِیَّاکم وکثرۃَ الحدیث عنّی، خبردار! مجھ سے زیادہ حدیثین نہ روایت کرو،

اس موقع پر یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہی کہ اس قسم کی حدیثون کے قبول کرنے مین جو تامل کیا جاتا ہی اس کو راوی کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے سے تعلق نہین، مستند اور ثقہ راویون کی دروغگوئی کا خیال نہین ہو سکتا لیکن ثقہ راوی سے بھی مطلب روایت کے سمجھنے یا ادا کرنے مین غلطی کا ہوجانا ممکن ہی اور ثقات کی روایت سے جب کسی موقع پر انکار کیا جاتا ہے تو اسی بنا پر کیا جاتا ہی، حضرت عائشہ صدیقہ کے سامنے جب حضرت عبد اللہ بن عمر کی یہ روایت بیان کی گئی،

اِنَّ المیّتَ لیُعذّبُ بِبُکاءِ الحَیِّ مُردون پر نوحہ کیا جائے تو اُنپر عذاب کیا جاتا ہی،

تو حضرت عائشہ نے فرمایا،

اِنّکم لتحدثون عن غیر کاذبین ولا مکذبین تم لوگ نہ خود جھوٹے ہو، نہ تمھارے راوی جھوٹے ہین، لیکن

ولکنّ السّمعَ یُخطئ کان غلطی کرجاتا ہی،

ایک اور روایت مین ہی کہ حضرت عائشہؓ نے عبد اللہ بن عمر کے متعلق فرمایا،

امَا انّہ لم یکذِب ولکنّہ نَسِیَ اَو اَخطأ ہان وہ جھوٹ نہین بولے لیکن بھول گئے یا خطا کی،

۱؎ یہ تمام اقوال صحیح ابن ماجہ دیباچہ کتاب مین مذکور ہین، دیکھو صفحہ ۴ و ۵، مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ، ۲؎ ابن ماجہ صفحہ ۵، ۳؎ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، ۴؎ مسلم کتاب الجنائز،

روایتِ احاد

(۱۲)- ایک اور بحث روایت احاد کی ہے، روایت احاد وہ ہی جسکے سلسلۂ اسناد مین کہین صرف ایک راوی پر مدار روایت ہو، یعنی کوئی دوسرا راوی اس کا مؤید نہو، اس قسم کی روایت کے تسلیم و انکار اور یقینی وظنی ہونے کے متعلق اہل فن کا اختلاف ہی، معتزلہ روایات احاد کی تسلیم سے قطعاً منکر ہین لیکن یہ درحقیقت انکارِ بداہت ہی، ہم روزمرہ واقعات زندگی مین اس قسم کی روایات پر اکثر بلا حجت و اصرار فوراً یقین کرلیتے ہین، ہم سے ایک شخص اگر کہتا ہی کہ "زید تمکو بلاتا ہی" اور ہم فوراً اُٹھکر چلے جاتے ہین، یہ نہین کہتے کہ یہ خبر احاد ہے اور ہم اسے تسلیم نہین کرتے، معتزلہ کے مقابل مین اکثر محدثین اسکی صحت وقطعیت کے قائل ہین لیکن یہ درحقیقت تفریط ہی، خود صحابہ کا طرزِ عمل اسکے مخالف ہی۔

ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عمر کی خدمت مین گئے، اور تین دفعہ اجازت طلبی کی، لیکن چونکہ حضرت عمر کسی کام مین مشغول تھے، کچھ جواب نہ ملا، وہ واپس چلے گئے، حضرت عمر نے کام سے فارغ ہوکر انکو بلوا بھیجا، اور واپسی کا سبب پوچھا، انھون نے کہا "مین نے رسول اللہؐ سے سنا ہی کہ تین دفعہ اجازت طلبی کے بعد جواب نہ ملے تو واپس جاؤ" حضرت عمرؓ نے کہا، اس روایت پر گواہ لاؤ، ورنہ مین تمکو سزا دونگا، ابوموسیٰ اشعری نے اسپر شہادت پیش کی تو حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا، حضرت عمر خدانخواستہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو غلط گو نہین جانتے تھے لیکن چونکہ حضرت عمرؓ بارگاہِ نبوت مین برسون رہے تھے اور انھون نے یہ حدیث آنحضرتؐ سے نہین سُنی تھی، حالانکہ حدیث ایسے امر کے متعلق تھی جو عموماً پیش آتا ہی، اسیلئے حضرت عمرؓ نے واقعہ کی اہمیت کے لحاظ سے، صرف ایک شخص کی شہادت، کافی نہین سمجھی،

حضرت ابوبکرؓ کے سامنے ایک عورت نے جو میّت کی دادی ہوتی تھی، میراث کا دعویٰ کیا، حضرت ابوبکرؓ نے کہا قرآن مین دادی کی میراث مذکور نہین، اور نہ آنحضرتؐ سے اس باب مین کوئی روایت، مجھکو معلوم ہی، مغیرہ بن شعبہ نے شہادت دی کہ آنحضرتؐ دادی کو چھٹا حصّہ دلایا کرتے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے انکی تنہا شہادت ایسے واقعہ کے متعلق کافی نہین سمجھی، اور جب ایک اور صحابی، محمد بن سلمہ، نے شہادت دی، تب حضرت ابوبکرؓ نے اس عورت کو، میراث دلائی،

اسی طرح جنین کی دیت کے متعلق حضرت عمرؓ نے مغیرہ کی تنہا شہادت کافی نہین سمجھی، اس قسم کی اور سیکڑون مثالین ہین،

(اسی بنا پر روایات احاد کے متعلق فقہاے احناف کا اصول ایک حد تک صحیح ہی، کہ یہ ظنی الثبوت ہین، اُن سے قطعیت نہین ثابت ہوتی ہی، اصل یہ ہی کہ روایات احاد کی صحت اور عدم صحت یا ظن و قطعیت رُواۃ کے ثقہ اور معتبر ہونے کے بعد، خود اصل روایت کی اہمیت و عدم اہمیت پر مبنی ہی، ایک شخص جب ہم سے کہتا ہی کہ "زید نے تمکو بلایا ہی" تو راوی کی ثقاہت و اعتبار کے مُسلّم ہونے کے بعد، ہمکو کبھی اس واقعہ کی تسلیم سے انکار نہین ہوتا، لیکن اگر یہی شخص یہ کہتا ہے، کہ "تمکو بادشاہ نے آج دربار مین بلایا ہی" تو ہم اس روایت کی تسلیم مین پس و پیش کرتے ہین، اور اس کے ثبوت کے لیے دوسرون کی شہادت تلاش کرتے ہین،

آنحضرت صلعم کے متعلق اگر کوئی تنہا راوی یہ بیان کرتا ہے کہ "آپ ایک بار سپید کرتہ پہنکر باہر تشریف لائے" تو ہمکو اسکی تسلیم مین عذر نہین، لیکن وہی راوی اگر یہ کہتا ہی کہ "ایک بار آپ برہنہ تن باہر نکل آئے" (اس قسم کی ایک روایت ہے) تو قطعاً ہم تنہا شہادت اسکے ثبوت کے لیے، کافی نہین سمجھین گے،

نتائج مباحث مذکورہ گذشتہ صفحات مین ہم نے روایت و حدیث کے متعلق صحابہ کبارؓ کا جو طرز عمل پیش کیا ہے اور علماے نقد حدیث کے جن قواعد و اصول کی تفصیل کی ہی، ذیل مین بترتیب، نتائج کے طور پر ہم اُن کا اعادہ کرتے ہین،

(۱) سب سے پہلے واقعہ کی تلاش قرآن مجید مین، پھر احادیث صحیحہ مین، پھر عام احادیث مین کرنی چاہیئے اگر نہ ملے تو روایات سیرت کی طرف توجہ کی جائے،

(۲) کتب سیرت محتاج تنقیح ہین، اور اُنکے روایات و اسناد کی تنقید لازم ہی،

(۳) سیرت کی روایتین باعتبار پایہ صحت، احادیث کی روایتون سے فروتر ہین، اسلیے بصورت اختلاف احادیث کی روایات کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی،

(۴) بصورت اختلافِ روایاتِ احادیث، رُواۃِ ارباب فقہ و ہوش کی روایات کو دوسرون پر ترجیح ہوگی،

(۵) سیرت کے واقعات مین سلسلۂ علت ومعلول کی تلاش نہایت ضروری ہے،

(۶) نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار قائم کرنا چاہئے،

(۷) روایت مین اصل واقعہ کس قدر ہے؟ اور راوی کی ذاتی راے وفہم کا کس قدر جز شامل ہے؟

(۸) اسباب خارجی کا کس قدر اثر ہے؟

(۹) جو روایت عام وجوہ عقلی، مشاہدۂ عام، اصول مسلمہ اور قرائن حال، کے خلاف ہوگی لائق حجت نہوگی،

(۱۰) اہم موضوع پر مختلف روایات کی تطبیق وجمع سے اسکی تسلی کرلینی چاہئے کہ راوی سے اداے مفہوم مین تو غلطی نہین ہوئی ہے؟

(۱۱) روایات احاد، کو موضوع کی اہمیت اور قرائن حال کی مطابقت کے لحاظ سے قبول کرنا چاہئے،

ان اصول کے تقرر وتفصیل کے بعد نظر آسکتا ہے کہ اسلامی فن، روایت عقل و درایت کی نگاہ سے کس قدر بلند پایہ ہے؟ علماے حدیث نے تصحیح روایت کے لیے کتنی محنت، کتنی جانفشانی، کتنی دیدہ ریزی، اور کتنی دقت رسی، صرف کی ہے؟ کیا اس اہتمام واعتنا کا دنیا کی دیگر قومون کے سرمایۂ تاریخ وروایت مین ایک ذرہ نشان بھی موجود ہے؟ کیا یورپ کے سیرت نگاران پیغمبر اسلام مین سے کسی نے بھی اس جانکاہی اور نکتہ سنجی کے ساتھ آنحضرت صلعم کی لائف کے لیے قلم اٹھایا ہے؟ اور کیا ایک غیر مسلم ان قواعد واصول کی مراعات کے ساتھ قلم اٹھا بھی سکتا ہے؟[1])

---

[1] زیادت، از ۶۰ تا ۶۱، س

یورپین تصنیفات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک پر جو یورپین تصنیفات ہین اُن پر پوری بحث تو حصۂ چہارم مین آے گی جس مین نہایت تفصیل سے بتایا جاے گا کہ یورپ مین اسلام کے متعلق سب سے پہلے یورپین مصنف بلدی برٹ سے لیکر جو ۱۳۰۹ع مین موجود تھا آج تک کیا سرمایہ مُہیا ہوا ہے؟ ان کا کیا عام انداز ہے؟ انکی مشترک اور عامۃ الورود غلطیان کیا ہین؟ اُنکے وسائلِ معلومات کس درجہ کے ہین؟ اغلاط کے مشترک اسباب کیا ہین؟ تعصب اور سوءظن کا کہان تک اثر ہے؟ یہان ہم ان تصنیفات پر صرف ایک اجمالی گفتگو کرتے ہین، کیونکہ اس حصہ مین بھی ہم کو جا بجا ان تصنیفات سے کام لینا، یا اُن سے تعرض کرنا پڑا ہے،

یورپ، ایک مُدت تک اسلام کے متعلق مطلق کچھ نہین جانتا تھا، جب اس نے جاننا چاہا تو مُدت دراز تک عجب حیرت انگیز مفتریانہ خیالات اور توہمات مین مبتلا رہا، ایک یورپین مُصنف لکھتا ہے،

"عیسائیت، اسلام کی چند ابتدائی صدیون تک اسلام پر نہ تو نکتہ چینی کرسکی اور نہ سمجھ سکی، وہ صرف تھراتی اور حکم بجالاتی تھی لیکن جب قلبِ فرانس مین عرب پہلے پہل روکے گئے تو اُن قومون نے جو اُن کے سامنے سے بھاگ ہی تھین مُنھ پھیر کر دیکھا جس طرح کہ مویشیون کا گلہ جب کہ اس کا ہنکا دینے والا کتا دور نکل جاتا ہے[۱]"

یورپ نے مسلمانون کو جس طرح جانا اس کو فرانس کا مشہور مصنّف ہنری دی کاستری جس کی تصنیف کا عربی زبان مین ترجمہ ہوگیا ہے، یون بیان کرتا ہے،

"وہ تمام قصص اور گیت جو اسلام کے متعلق یورپ مین قرون وسطی مین رائج تھے ہم نہین سمجھتے کہ مسلمان ان کو سُن کر کیا کہین گے؟ یہ تمام داستانین اور نظمین، مسلمانون کے مذہب کی ناواقفیت کی وجہ سے بغض و عداوت سے بھری ہوئی ہین، جو غلطیان اور بدگمانیان اسلام کے متعلق آج تک قائم ہین انکا باعث وہی قدیم معلومات ہین، ہر مسیحی شاعر مسلمانون کو مُشرک اور بُت پرست سمجھتا تھا اور حسب ترتیب

---

[۱] محمد اینڈ محمدنزم، از باسورتھ اسمتھ صاحب ایم اے، صفحہ ۶۳، BOSWORTH SMITH'S MOHAMMED & MOHAMMEDANISM · P. 63

درجات ان کے تین خدا تسلیم کیے جاتے تھے، ماہوم یا ماہون یا ماتومیڈ (یعنی محامد) اور اپلین اور تیسرا ٹرماگان، ان کا خیال تھا کو محمدؐ نے اپنے مذہب کی بنیاد دعوایٔ الوہیت پر قایم کی اور سب سے عجیب تر یہ ہو کہ محمدؐ (وہ محمدؐ جو بت شکن اور دشمنِ اصنام تھا) لوگون کو اپنے طلائی بُت کی پرستش کی دعوت دیتا تھا،

اسپین مین جب عیسائی مسلمانون پر غالب آئے اور ان کو سرقوسطہ کی دیوارون تک ہٹا دیا، تو مسلمان لوٹ کر آئے اور اپنے بُتون کو اُنھون نے توڑ ڈالا، اس عہد کا ایک شاعر کہتا ہو "اپلین مسلمانون کا دیوتا وہان ایک غار مین تھا، اُس پر وہ پل پڑے اور اسکو نہایت سخت سُست کہا اور اُس کو گالیان دین اور اُس کے دونون ہاتھ باندھ کر ایک ستون پر اُس کو سُولی دی اور اس کو پانون سے روندا اور لاٹھیون سے مار مار کر اُس کے ٹکڑے کر ڈالے، اور ماہوم کو (جو اُن کا دوسرا دیوتا تھا) ایک گڑھے مین ڈال دیا، اُس کو سُور، اور کُتّون نے نوچ ڈالا، اس سے زیادہ اس سے پہلے کسی دیوتا کی تحقیر نہین ہوئی، اس کے بعد ہی مسلمانون نے اپنے گناہون سے توبہ کی اور اپنے دیوتا اُن سے معافی مانگی اور از سرِنو تلف شدہ بُتون کو بنایا، اسی بنا پر جب شہنشاہ چارلس، سرقوسطہ مین داخل ہوا تو اُسنے اپنے ہمراہیون کو حکم دیدیا کہ وہ تمام شہر کا چکّر لگائین، وہ مسجدون مین گھُس گئے، اور لوہے کے ہتوڑون سے ماہومیڈ اور تمام بُتون کو توڑ ڈالا"

ایک دوسرا شاعر ریچر خدا سے دعا کرتا ہو کہ "وہ ماہوم کے بُت کے پُجاریون کو شکست نصیب کرے" اس کے بعد وہ اُمرا کو جنگ صلیبی کے لیے اِن الفاظ مین آمادہ کرتا ہو "اُٹھو اور ماہومیڈ، اور ٹرماگان کے بُتون کو اوندھا کر دو اور اُن کو آگ مین ڈالدو اور ان کو اپنے خداوند کی نذر کرو[1]"

اس قسم کے خیالات ایک مُدت تک قائم رہے (چوتھے حصہ مین ہم اس کو مفصل کہین گے)

سترھوین اور اٹھارھوین صدی

سترھوین صدی کے سنینِ وسطیٰ، یورپ کے عصرِ جدید کا مطلع ہو، یورپ کی جد و جہد سعی و کوشش اور حُریت و آزادی کا دور اِسی عہد سے شروع ہوتا ہو، ہمارے مقصد کی جو چیز اِس دور مین پیدا ہوئی وہ مستشرقینِ یورپ کا وجود ہو، جن کی کوشش سے نادر الوجود عربی کتابین ترجمہ اور شائع ہوئین، عربی

[1] ترجمہ کتاب ہنری دی کاستری زبان عربی مطبوعہ مصر، از صفحہ ۸ تا ۱۰

زبان کے مدارس علمی وسیاسی اغراض سے جابجا ملک مین قائم ہوے، اور اس طرح وہ زمانہ قریب آتا گیا کہ یورپ اسلام کے متعلق بخود اسلام کی زبان سے کچھ سُن سکا،

اس دور کی خصوصیت اول یہ ہو کہ نئے سنائے عامیانہ خیالات کے بجائے، کسی قدر تاریخ اسلام وسیرتِ پیغمبر کی بنیاد عربی زبان کی تصانیف پر قائم کی گئی، گو موقع بموقع معلومات سابقہ کے مصالح کے استعمال سے بھی احتراز نہین کیا گیا،

اس دور سے چونکہ یورپ نے مذہبی اشخاص کے شکنجہ سے نجات پائی اور اسکے مذہبی اور سیاسی امور الگ الگ ہوگئے اس بنا پر اسلام کے متعلق مصنفین کی دو جماعتین الگ ہوگئین، عوام اور مذہبی اشخاص، اور محقق و غیر متعصب گروہ، اسلام کے متعلق اِن دونون جماعتون نے جو کوششین کین وہ آج ہمارے سامنے ہین،

اس عہد مین عربی زبان کی تاریخی تصنیفات کا ترجمہ ہوگیا تھا، اِس سلسلہ مین سب سے پہلے اربی نیوس، گولیوس GOLIOUTH، ایڈورڈ پوکاک E. POCOCKE، اور ہاٹنجر HATTINJER، ذکر کے قابل ہین، لیکن یہ عجیب بات ہو کہ اتفاقاً یا قصداً ان مستشرقین نے ابتداءً جن عربی تاریخون کا ترجمہ کیا وہ اکثر اُن مسیحی مصنفین کی تصنیفات تھین جو قرون ماضیہ مین اسلامی ممالک کے باشندے تھے یعنی سعید بن بطریق اوٹیکوس المتوفی ۹۳۹ء جو اسکندریہ کا پیٹریارک تھا، اور ابن العمید المکین المتوفی ۱۲۷۳ء جو سلاطین مصر کا ایک درباری تھا اور ابو الفرج ابن العبری الملطی المتوفی ۱۲۸۶ء مصنف تاریخ الدول،

ابن العمید المکین کی تاریخ طبری اور ذیلِ طبری کا خلاصہ ہو، اربی نیوس نے جو ہولینڈ کا ایک مستشرق تھا، لاطینی ترجمہ کے ساتھ لیڈن سے اس کا ایک ٹکڑا شائع کیا جو ابتدائے رسالت سے دولت اتابکیہ تک کے واقعات پر مشتمل ہو، المکین کے نام سے اس کتاب کے حوالے، یورپ کی ابتدائی اسلامی تصنیفات مین نہایت کثرت سے آتے ہین،

اخیر اٹھارھوین صدی

یہ وہ زمانہ ہو جب یورپ کی قوت سیاسی، اسلامی ممالک مین پھیلنی شروع ہوگئی جس نے

"اورنٹیلسٹ" کی ایک کثیر التعداد جماعت پیدا کر دی جنھون نے حکومت کے اشارہ سے السنہ مشرقیہ کے مدارس کھولے، مشرقی کتب خانون کی بنیادین ڈالین، ایشیاٹک سوسائیٹیان قائم کین، مشرقی تصنیفات کی طبع واشاعت کے سامان پیدا کیے، اورنٹیل تصنیفات کا ترجمہ شروع کیا،

سب سے پہلے ہولینڈ نے اپنے مقبوضہ جزائر شرقی مین ۱۷۷۸ء مین ایک ایشیاٹک سوسائٹی قائم کی، اس کی تقلید مین انگریزون نے بمقام کلکتہ ۱۷۸۴ء مین جنرل ایشیاٹک سوسائیٹی اور ۱۸۳۲ء مین بنگال ایشیاٹک سوسائیٹی کی بنیاد ڈالی، اس کے بعد ۱۷۹۵ء مین فرانس نے مشرقی زندہ زبانون (عربی، فارسی، ترکی) کا دار العلوم قائم کیا اور آخر کار ان مدارس اور سوسائیٹیون کی تقلید سے تمام ممالک یورپ مین اس قسم کی درسگاہین اور انجمنین جاری ہو گئین، عام یونیورسٹیون مین عربی زبان کے پروفیسرون اور کتبخانون کا وجود لازمی سمجھا جانے لگا،

مسلمانون کے ہان عربی زبان مین سیرت و مغازی کی جو کتابین محفوظ تھین وہ ایک ایک کر کے باستثناے چند، اٹھارھوین صدی کے اواخر سے لے کر انیسوین صدی کے اختتام تک یورپ مین چھپ گئین اور ان مین اکثر کا، یورپین زبانون مین ترجمہ ہو گیا، سب سے پہلے رسک (REISKE,) المتوفی ۱۷۷۴ء نے تاریخ ابو الفدا مع ترجمہ لاطینی و حواشی پانچ جلدون مین شائع کی، ۱۸۰۹ء مین کیپٹن، اے متھوس (A.N. MATTHEWS.) نے کلکتہ سے مشکوۃ المصابیح کا انگریزی ترجمہ شائع کیا، ۱۸۵۶ء مین وان کریمر (KREMER.) نے کلکتہ مین محمد بن عمر واقدی کی کتاب المغازی طبع کرائی، ۱۸۶۰ء مین ابن ہشام کی مشہور تصنیف سیرۃ الرسول کی GOTTINGEN. گوٹنگن سے اشاعت کی، اس کے علاوہ اسی مستشرق نے سمہودی کی تاریخ مدینۃ اور ابن قتیبہ کی تاریخ معارف طبع کرائی، ۱۸۶۴ء مین ڈاکٹر ویل (G. WEIL.) نے ابن ہشام کا جرمنی مین ترجمہ کیا، ۱۸۶۱ء مین پیرس سے مسعودی کی تاریخ مروج الذہب مع ترجمہ فرانسیسی پروفیسر ڈی مانیارڈ نے شائع کی، والہوسن نے (WELLHAUSEN.) ۱۸۸۲ء مین واقدی کا جرمن ترجمہ بعنوان "محمد بمدینہ"

برلن سے شائع کیا، ۱۸۸۳ء مین لیڈن سے ہاؤتسما HOUTASMA کے اہتمام سے **یعقوبی** کی تاریخ دو جلدون مین چھپی، ۱۸۸۰ء سے ۱۸۹۳ء تک چودہ برس کی محنت مین **طبری** کی مشہور اور نادر الوجود تاریخ بارتھ J.BARTH اور نولدیکی NOLDEKE. وغیرہ نے شائع کی اور سب سے آخر مین مشہور جرمن مستشرق پروفیسر سخاؤ SACHAU. کی خاص کوشش اور دیگر سات مستشرقین کی اعانت سے **ابن سعد** کی عظیم الشان اور نادر الوجود طبقات جس سے زیادہ مبسوط سیرت نبوی مین کوئی تصنیف نہین، تقریباً ۱۹۰۰ء سے گذشتہ سال تک ایک ایک جلد کرکے لیڈن سے شائع ہوتی رہی،

ان اصل تاریخی تصنیفات اور ان کے تراجم کی اشاعت، ممالک اسلامیہ اور یورپ کے تعلقات مذہبی منافرت کی کمی، اور آزادانہ تحقیقات کی خواہش، ان تمام چیزون نے یورپ مین مصنفین تاریخ اسلام اور سوانح نگاران پیغمبر عرب کا ایک کثیر التعداد گروہ پیدا کردیا،

اوکسفورڈ کا ایک عالم اس غیر مختتم سلسلہ کا ان الفاظ مین اعتراف کرتا ہے،

"محمد کے سوانح نگارون کا ایک وسیع سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا غیر ممکن ہے لیکن اس مین جگہ پانا قابل فخر چیز ہے"[1]

ہم اس موقع پر صرف ان تصنیفات کا مختصر سا نقشہ درج کرتے ہین جو بتخصیص، آنحضرتؐ کے حالات مین، یا اسلام کے اصول عقاید پر لکھی گئین اور جن مین سے اکثر ہمارے دفتر تصنیف مین موجود ہین، یا ہم ان سے متمتع ہوچکے ہین،

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	زمانہ تصنیف
۱	ڈاکٹر جی، بی، (؟)	انگلستان	سیرت محمد خادع (نعوذ باللہ)	۱۷۲۳ء
۲	ڈاکٹر وائٹ واعظ آکسفورڈ DR WHITE	"	بیمفٹن سرمنز اسلام اور پیغمبر اسلام پر	اوائل ۱۷۸۴ء
۳	گاڈفری ہگنس، ایم، آر، اے، ایس، GODFREY HIGGINS.	"	اپالوجی	۱۸۲۹ء

[1] مارگولیس، محمد، دیباچہ صفحہ ۱،

۴	ڈاکٹر جے، اے، مولر J.A. MÜLLER	جرمن	اسلام ازم	سنہ ۱۸۳۰ء
۵	گارسن ڈی ٹاسی GARCINDE TASSY	فرانس	اسلام و قرآن	از سنہ ۱۸۳۱ء تا سنہ ۱۸۴۲ء
۶	اڈورڈلین EDWARDLANE	انگلستان	انتخابات القرآن	سنہ ۱۸۴۳ء
۷	ڈاکٹر ویل WEIL	جرمن	ترجمہ و تحشیہ ابن ہشام و کتاب محمد پیغمبر	سنہ ۱۸۴۵ء و سنہ ۱۸۴۶ء
۸	کارلائل CARLYLE.	انگلستان	ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ،	سنہ ۱۸۴۶ء
۹	کوسن ڈی پرسیوال CAUSSIN DE PERCEVAL	فرانس	تاریخ عرب،	سنہ ۱۸۴۷ء
۱۰	واشنگٹن ارونگ IRVING	انگلستان	سیرت محمد	سنہ ۱۸۴۹ء
۱۱	ڈاکٹر اسپرنگر، SPRENGER.	جرمن	سیرت محمد	سنہ ۱۸۵۱ء
۱۲	وان کریمر، VON KREMER	″	ترجمہ و تحشیہ واقدی	سنہ ۱۸۵۶ء
۱۳	مضمون نگار نیشنل ریویو	انگلستان	مضمون "محمد"	سنہ ۱۸۵۹ء
۱۴	ڈوزی، DOZY.	ہولینڈ	تاریخ اسلام	سنہ ۱۸۶۱ء
۱۵	مضمون نگار نیشنل ریویو	انگلستان	بزرگ ترین عرب،	سنہ ۱۸۶۱ء
۱۶	ڈی لین، DE LANE.	،	سیرت محمد	سنہ ۱۸۶۱ء
۱۷	میور، MUIR	انگلستان	سیرت محمد	سنہ ۱۸۶۱ء
۱۸	برتھالمی سینٹ ہلیر ST HILAIRE.	فرانس	محمد و قرآن	سنہ ۱۸۶۵ء
۱۹	نولدیکی NöLDEKE.	جرمن	مضامین قرآن و اسلام	سنہ ۱۸۶۵ء
۲۰	دوشیف، مضمون نگار کوارٹرلی ریویو،	انگلستان	اسلام،	سنہ ۱۸۶۹ء
۲۱	مضمون نگار برٹش کوارٹرلی ریویو	ایضاً	محمد	سنہ ۱۸۷۲ء
۲۲	جولیس چارلس، JULIUS CHARLES.	فرانس	تاریخ بانی اسلام	سنہ ۱۸۷۴ء

۲۳	مضمون نگار کانٹمپریری ریویو	انگلستان	محمد اور اسلام	سنہ ۱۸۷۵ء
۲۴	باسورتھ اسمتھ BOSWORTH SMITH.	ایضاً	ایضاً	سنہ ۱۸۷۵ء
۲۵	سیدیو SEDILLOT	فرانس	تاریخ عرب	سنہ ۱۸۷۷ء
۲۶	ولهوسن WELLHAUSEN	جرمن	تبصرہ بر واقدی	سنہ ۱۸۸۲ء
۲۷	اہل کراہل KREHL.	جرمنی	سیرت محمد	سنہ ۱۸۸۴ء
۲۸	گولڈزیہر GOLDZIHER.	جرمنی	مطالعۂ اسلام	سنہ ۱۸۹۰ء
۲۹	رینان RENAN	فرانس	تاریخ مذاہب	سنہ ۱۸۹۲ء
۳۰	ایچ گریم H. GRIMME.	ہولینڈ	سیرت محمد	سنہ ۱۸۹۴ء
۳۱	ہنری دی کاستری HENRI DE CASTERI.	فرانس	اسلام پر خیالات	سنہ ۱۸۹۶ء
۳۲	ایف بوہل BUHL.	ہولینڈ	سیرت محمد	سنہ ۱۹۰۳ء
۳۳	والسٹن WOLLASTON	انگلینڈ	آدھ گھنٹہ محمد کے ساتھ	سنہ ۱۹۰۵ء
۳۴	مارگیولیوس MARGOLIOUTH	"	محمد	سنہ ۱۹۰۵ء
۳۵	کوئل KOELLE	"	محمد اور اسلام	سنہ ۱۸۹۴ء
۳۶	پرنس کیٹانی PRINCE CAETANI.	اٹالیہ	تاریخ کبیر محمد و اسلام و سلاطین اسلام	جاری
۳۷	میجر لیونارڈ MAJOR LEONARD.	انگلینڈ	اسلام کا روحانی و اخلاقی پایہ	سنہ ۱۹۰۹ء

مُصنفین یورپ تین قسمون مین منقسم کیے جاسکتے ہین،

۱- جو عربی زبان اور اصلی ماخذون سے واقف نہین، اِن لوگون کا سرمایۂ معلومات اَورونکی تصنیفات اور تراجم ہین، اِن کا کام صرف یہ ہے کہ اس مُشتبہ اور ناکامل مَواد کو قیاس اور میلانِ طبع کے قالب مین ڈھال کر دکھائین، تعجب ہوتا ہی کہ ان مین بعض (مثلاً گبن صاحب) ایسے صائب الرآے اور انصاف

پرست ہین کہ راکھ کے ڈھیر مین سے بھی سونے کے ذرے نکال سکتے ہین، لیکن بقلیلٌ ماھم،

۲۔ عربی زبان اور علم ادب و تاریخ و فلسفۂ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہین لیکن مذہبی لٹریچر، در سیرت کے فن سے ناآشنا ہین، اِن لوگون نے سیرت یا مذہب اسلام پر کوئی مستقل تصنیف نہین لکھی لیکن ضمنی موقعون پر عربی دانی کے زعم مین اسلام، یا شارع اسلام کے متعلق نہایت دلیری سے جو کچھ چاہتے ہین لکھ جاتے ہین، مثلاً جرمن کا مشہور فاضل ساخو جس نے طبقات ابن سعد شائع کی ہی، اُسکی وسعت معلومات اور عربی دانی سے کون انکار کرسکتا ہی، بیرونی کی کتاب الہند کا دیباچہ اُس نے جس تحقیق سے لکھا ہی رشک کے قابل ہی، لیکن اسی دیباچہ مین، اسلامی اُمور کے متعلق ایسی باتین لکھ جاتا ہی جس کو پڑھکر بھول جانا پڑتا ہی کہ یہ وہی محترم شخص ہی جس کو ابھی ہم نے دیکھا تھا، نولدیک (جرمنی) نے قرآن مجید کا خاص مطالعہ کیا ہی، لیکن انسائیکلوپیڈیا (جلد ۱۶) مین قرآن پر اس کا جو آرٹیکل ہی جابجا، نہ صرف اُس کے تعصب، بلکہ اس کی جہالت کے راز پنہان کی بھی پردہ دری کرتا ہی،

۳۔ وہ مستشرقین جنھون نے خاص اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہی، مثلاً پام صاحب یا مارگولیس صاحب، اُن سے ہم بہت کچھ اُمید کرسکتے تھے، لیکن باوجود عربی دانی، کثرتِ مطالعہ تفحص کُتب کے اُن کا یہ حال ہی کہ ع، دیکھتا سب کچھ ہون لیکن سوجھتا کچھ بھی نہین،

مارگولیوس نے مسند امام حنبل کی ۶ ضخیم جلدون کا ایک ایک حرف پڑھا ہی اور ہم دعوے سے کہہ سکتے ہین کہ ہمارے زمانہ مین کسی مسلمان کو بھی اس وصف مین اُس کی ہمسری کا دعویٰ نہین ہوسکتا، لیکن پروفیسر موصوف نے آنحضرت کی سوانح عمری پر جو کتاب لکھی ہی دنیا کی تاریخ، اُس سے زیادہ کوئی کتاب، کذب و افترا اور تاویل و تعصب کی مثال کے لیے پیش نہین کرسکتی، اس کا اگر کوئی کمال ہی تو یہ ہی کہ سادہ سے سادہ اور معمولی سے معمولی واقعہ کو جس مین برائی کا کوئی پہلو پیدا نہین ہوسکتا صرف اپنی طبّاعی کے زور سے بدمنظر بنا دیتا ہی،

ڈاکٹر اسپرنگر جرمنی کے مشہور عربی دان ہین، کئی سال مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل رہے، لکھنؤ مین اگر شاہی کتب خانہ

کی رپورٹ لکھی، جو ہماری نظر سے گذری ہے، حافظ ابن حجر کی کتاب الاصابہ فی احوال الصحابہ اوّل اوّل انہی نے تصحیح کر کے کلکتہ مین چھپوائی، لیکن جب آنحضرتؐ کی سوانح عمری پر ایک مستقل ضخیم کتاب ۳ جلدون مین لکھی تو ہم حیرت زدہ ہو کر رہ گئے[1]،

یورپین مصنفون کی غلط کاریون کی بڑی وجہ تو وہی اُن کا مذہبی اور سیاسی تعصب ہے، لیکن بعض وجوہ اور بھی ہین جن کی بنا پر ہم اُن کو معذور رکھ سکتے ہین،

۱، سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اُن کا تمام تر سرمایۂ استناد، صرف سیرت و تاریخ کی کتابین ہین، مثلاً مغازیِ واقدی، سیرتِ ابن ہشام، سیرتِ محمد بن اسحاق، تاریخِ طبری وغیرہ اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی غیر مسلم شخص اگر آنحضرتؐ کی سوانح عمری مرتّب کرنا چاہے گا تو عام قیاس یہی رہبری کریگا کہ اُس کو تصنیفاتِ سیرت کی طرف رجوع کرنا چاہیے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ سیرت کی تصنیفات مین سے ایک بھی نہین جو استناد کے لحاظ سے بلند رتبہ ہو، چنانچہ اسکی بحث اوپر گزر چکی، مصنّفینِ سیرت سے قطع نظر، سیرت کی روایتین، زیادہ تر جن لوگون سے مروی ہین، مثلاً سیف، سُدّی، ابن سلمۃ، ابن نجیح عموماً ضعیف الروایۃ ہین، اس لیے عام اور معمولی واقعات مین اُن کی شہادت کافی ہو سکتی ہے، لیکن وہ واقعات جنپر مہتم بالشان مسائل کی بنیاد قائم ہے، اُنکے لیے یہ سرمایہ بیکار ہے،

آنحضرتؐ کی سوانح عمری کے یقینی واقعات وہ ہین، جو حدیث کی کتابون مین بروایات صحیحہ منقول ہین یورپین مصنّفین اس سرمایہ سے بالکل بیخبر ہین، اور ایک آدھ کوئی ہے (مثلاً مار گولیس) تو اولاً وہ اس فن کا ماہر نہین، اور ہو بھی تو تعصُّب کی ایک چنگاری، سیکڑون خرمنِ معلومات کو جلانے کے لیے کافی ہے،

۲- دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ یورپ کے اصولِ تنقیحِ شہادت اور ہمارے اصولِ تنقیح مین سخت اختلاف ہے، یورپ اس بات کو بالکل نہین دیکھتا کہ راوی صادق ہے، یا کاذب، اُسکے اخلاق وعادات کیا ہین؟ حافظہ کیسا ہے؟ اُسکے نزدیک یہ تحقیق وتدقیق نہ ممکن ہے نہ ضروری ہے، وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ راوی کا بیان بجاے خود، قرائن اور

---

[1] یہ کتاب جرمن زبان مین ہے، مین جرمن نہین جانتا، لیکن اسکے اقوال اکثر یورپین مصنّفین نے نقل کیے ہین، اور وہ ہماری نظر سے گذرے ہین،

واقعات کے تناسب سے مطابقت رکھتا ہی یا نہین؟ فرض کرو، ایک جھوٹے سے جھوٹا راوی ایک واقعہ بیان کرتا ہی جو قرائنِ موجودہ اور گرد وپیش کے واقعات کے لحاظ سے صحیح معلوم ہوتا ہے، بیان بالکل مسلسل ہی، اور کہین سے نہین اُکھڑتا، تو یورپ کے مذاق کے موافق، واقعہ کی صحت تسلیم کرلی جائیگی،

بخلاف اسکے مسلمان مورخ اور خصوصاً **محدثین** اس کی پروا نہین کرتے کہ خود روایت کی کیا حالت ہے، بلکہ سب سے پہلے وہ دیکھتے ہین کہ "اسماے رجال" کے دفترِ تحقیقات مین اُس شخص کا نام ثقہ لوگون کی فہرست مین درج ہی یا نہین؟، اگر نہین ہی تو اُن کے نزدیک اسکا بیان بالکل ناقابلِ اعتنا ہی، بخلاف اس کے اگر ثقہ راوی نے کوئی واقعہ بیان کیا، تو گو قرائن اور قیاسات کے خلاف ہو، اور گو بظاہر عقل کے مطابق بھی ہو لیکن اسکی روایت قبول کرلی جائیگی،

اس اختلافِ اصول، نے یورپین تصنیفات پر بہت بڑا اثر پیدا کیا ہی، مثلاً اہلِ یورپ، واقدی کے بیان پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہین جس کی وجہ یہ ہی کہ واقدی کا بیان نہایت مسلسل اور مربوط ہوتا ہی، جزئیات کی تمام کڑیان باہم ملتی چلی جاتی ہین، واقعات مین کہین خلا نہین ہوتا، جو چیزین کسی واقعہ کو دلچسپ بنا سکتی ہین، سب موجود ہوتی ہین،

لیکن سچ یہ ہی کہ یہی باتین اصلی راز کی پردہ دری کرتی ہین، جو روایتین سَو برس سے زیادہ زمانہ تک محض زبانون پر رہین، اُن مین اس قدر استقصاے جزئیات ممکن نہین، یہ البتہ ہوسکتا ہی کہ جس طرح تاریخی افسانے لکھے جاتے ہین، چند واقعات کا ذخیرہ سامنے رکھکر قیاس و قرائن اور معلومات عامہ کے ذریعہ سے، ایک سادہ خاکہ کو نقش و نگار سے کامل کردیا جائے، لیکن یہ جُرأت صرف واقدی کرسکتا ہی، محدثین اِس سے معذور ہین،

تاہم اِس سے بھی انکار نہین ہوسکتا کہ ہر موقع پر محض راوی کا ثقہ ہونا کافی نہین، ثقات بھی غلطی کرسکتے ہین اور کرتے ہین، اسلیے ضرور ہی کہ **درایت** کے جو اصول، محدثین نے قائم کیے ہین، اور جنکو بعض جگہ وہ خود بھول جاتے ہین اُن کی نہایت سختی کے ساتھ پابندی کی جائے،

یورپین تصنیفات کے اصول مشترکہ

یورپین مصنفین، آنحضرت کے اخلاق کے متعلق جو نکتہ چینیان کرتے ہین، یا اُنکی تصنیفات سے جو نکتہ چینیان، خودبخود، ناظرین کے دل مین پیدا ہوتی ہین حسب ذیل ہین،

(۱) آنحضرت کی زندگی، مکہ معظمہ تک، پیغمبرانہ زندگی ہو، لیکن **مدینہ** مین جاکر جب زور و قوت حاصل ہوتی ہی، تو دفعۃً پیغمبری بادشاہی سے بدل جاتی ہی، اور اس کے جو لوازم ہین یعنی لشکر کشی، قتل انتقام، خونریزی، خودبخود پیدا ہوجاتے ہین،

(۲) کثرتِ ازدواج، اور میل الی النسا،

(۳) مذہب کی اشاعت، جبر اور زور سے،

(۴) لونڈی غلام بنانے کی اجازت، اور اسپر عمل،

(۵) دنیا دارون کی سی حکمت عملی اور بہانہ جوئی،

اس بنا پر ہماری کتاب کے ناظرین کو، تمام واقعات مین اس نکتہ پر نظر رکھنی چاہیے کہ یہ اعتراضات تاریخی تحقیقات کے معیار مین بھی ٹھیک اُتر سکتے ہین ؟ یا نہین ؟

اصولِ تصنیف اور ترتیب

ہم نے اس کتاب مین جو اصول اختیار کیے ہین، اب اُن کے بتلانے کا وقت آگیا ہی،

(۱) سب سے پہلے یہ کہ **سیرت** کے واقعات کے متعلق جو کچھ قرآن مجید مین مذکور ہی، اُن کو سب پر مقدم رکھا ہی، یہ قطعاً ثابت ہی کہ بہت سے واقعات کے متعلق، خود قرآن مجید مین ایسی تصریحات یا اشارے موجود ہین جن سے اختلافی مباحث کا فیصلہ ہوجاتا ہی لیکن لوگون نے آیات قرآنی پر اچھی طرح نظر نہین ڈالی اسلیے وہ مباحث غیر منفصل رہ گئے،

(۲) قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہی **احادیث صحیحہ** کے سامنے سیرت کی روایتین نظر انداز کردی ہین، جو واقعات بخاری و مسلم وغیرہ مین مذکور ہین، اُن کے مقابلہ مین سیرت یا تاریخ کی روایت کی کوئی ضرورت نہین، ارباب سیر کو ایک بڑی غلطی یہ ہوئی کہ وہ واقعات کو کُتب حدیث مین، ان موقعون پر ڈھونڈھتے ہین

جہان عنوان اور مضمون کے لحاظ سے اسکو درج ہونا چاہیے، اور جب ان کو ان موقعون پر کوئی روایت نہین ملتی تو وہ کم درجہ کی رایتون کو لے لیتے ہین، لیکن کتب حدیث مین ہر قسم کے نہایت تفصیلی واقعات ضمنی موقعون پر روایت مین آجاتے ہین، اس لیے اگر عام استقرار اور تفحص سے کام لیا جاے تو تمام اہم واقعات مین خود صحاح ستہ کی روایتین ملجاتی ہین۔ ہماری اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہی ہے کہ اکثر تفصیلی واقعات، ہم نے حدیث ہی کی کتابون سے ڈھونڈکر مہیا کیے جو اہل سیر کی نظر سے بالکل اوجھل رہ گئے تھے،

(۳) روزمرّہ اور عام واقعات مین، ابن سعد، ابن ہشام، اور طبری کی عام روایتین کافی خیال کی ہین، لیکن جو واقعات، کچھ بھی اہمیت رکھتے ہین، اُن کے متعلق تنقید اور تحقیق سے کام لیا ہے، اور تا امکان کدّ و کاوش کی ہے، اس خاص ضرورت کے لیے ہم نے پہلا کام یہ کیا کہ ابن ہشام، ابن سعد، اور طبری کے تمام رُواۃ کے نام الگ انتخاب کرلیے جن کی تعداد سیکڑون سے متجاوز ہے، پھر اسماء الرجال کی کتابون سے اُن کی جرح و تعدیل کا نقشہ طیار کیا، تاکہ جس سلسلۂ روایت کی تحقیق مقصود ہو، بہ آسانی ہوجاے،

(۴) جن فروگزاشتون کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، جہان تک ممکن تھا، اُن کی اصلاح اور تلافی کی ہے،

کتاب کے حصے — اس کتاب کے پانچ حصے ہین،

پہلے حصہ مین عرب کے مختصر حالات، کعبہ کی تاریخ، اور **آنحضرتؐ** کی ولادت سے لیکر وفات تک عام حالات اور واقعات وغزوات ہین، اسی حصہ کے دوسرے باب مین، آنحضرتؐ کے ذاتی اخلاق وعادات کی تفصیل ہے، آل و اولاد اور ازواج مطہرات کے حالات بھی اسی باب مین ہین،

دوسرا حصہ **منصبِ نبوّت** سے تعلق ہے، نبوت کا فرض، تعلیم عقاید۔ اوامر و نواہی، اصلاح اعمال اور اخلاق ہے، اس بنا پر منصبِ نبوّت کے کامون کی تفصیل اس حصہ مین کی گئی ہے، اس حصہ مین فرائض خمسہ اور تمام اَوامر و نواہی کی ابتدار اور تدریجی تغیرات کی مفصل تاریخ اور اُن کے مصالح اور حِکَم اور دیگر مذاہب سے اُن کا مقابلہ و موازنہ ہے، اسی حصہ مین نہایت تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ عرب کے عقاید اور اخلاق

وعادات پہلے کیا تھے، اور ان مین کیا کیا اصلاحین عمل مین آئین۔ نیز یہ کہ تمام عالم کی اصلاح کے لیے، اسلام نے کیا قانون مرتب کیا، اور کیونکر، وہ تمام عالم کے لیے، اور ہر زمانہ کے لیے کافی ہوسکتا ہے،

تیسرے حصہ مین، قرآن مجید کی تاریخ، وجوہ اعجاز، اور حقائق واسرار سے بحث ہی،

چوتھے حصہ مین معجزات کی تفصیل ہی، قدیم سیرت کی کتابون مین معجزات کا الگ باب باندھتے ہین لیکن آجکل تو اسکو بالکل مستقل حیثیت سے لکھنے کی ضرورت ہی، کیونکہ معجزات کے ساتھ، اصل معجزہ کی حقیقت اور امکان سے بحث کرنے کی ضرورت بھی پیش آگئی ہی، البتہ جن معجزات کی تاریخ اور سنہ متعین ہی، مثلاً معراج۔ یا تکثیر طعام وغیرہ انکو اس سنہ کے واقعات مین لکھدیا ہی،

پانچوان حصہ خاص یوروپین تصنیفات کے متعلق ہی، یعنی یورپ نے آنحضرت اور مذہب اسلام کے متعلق کیا لکھا ہی؟ ان کا سرمایۂ معلومات کیا ہی؟ تاریخی واقعات مین وہ کیونکر غلطیان کرتے ہین؟ مسائل اسلام کے سمجھنے مین اُن سے کیا کیا غلطیان ہوئین؟ آنحضرت کے اخلاق وعادات یا مسائل اسلام پر جو نکتہ چینیان کی ہین اُن کے جوابات،

یہ ضرور نہین کہ یہ حصے اسی ترتیب سے شائع ہون، بلکہ جس حصہ کی طیاری کے سامان فراہم ہوجائین گے اور مرتّب ہوجائیگا، وہ شائع کردیا جائیگا،

استناد اور حوالے

تاریخ، اور روایت مین، حوالہ اور استناد، سب سے مقدم چیز ہے، اسلیے اُس کے متعلق چند ضروری امور بیان کردینے ضرور ہین،

(۱) صرف اُنھین کتابون کا حوالہ دیا ہی جو خود میری نظر سے گزری ہین،

(۲) جو واقعات کسی قدر اہم ہین، اُنکے متعلق صرف صحیح حدیثون یا مستند تاریخی روایتون کا حوالہ دیا ہی، لیکن عام واقعات یا غزوات کے متعلق جزئیات کی تفصیل مین مُحدثانہ کد وکاوش نہین کی ہی،

(۳) مطبوعہ کتابون کے حوالہ مین مطبع کا نام بتا دیا گیا ہے، قلمی کتابون کے متعلق تصانیفِ سیرت

کی فہرست جو اوپر گزر چکی ہے، اُس مین بتا دیا ہے کہ ہمارے استعمال مین کونسا نسخہ تھا،

وَمَا تَوْفِيقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

عَرَب

وجہ تسمیہ — عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف رائین ہین، اہل لغۃ کہتے ہین کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہین، اور چونکہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے، تمام دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے، اسلیے انھون نے اپنے آپ کو عرب اور دنیا کی اور تمام قومون کو عجم (ژولیدہ بیان) کہکر پکارا،

بعض کی راے ہی کہ عرب اصل مین عربۃ تھا، قدیم اشعار مین عرب کے بجاے عربۃ آیا ہی،

وَرَجّت، باحۃ العربات رجًّا — ترقرق فی مَناکبِہا الدِماءُ

وَعَرَبَۃٌ اَرضٌ جَدّ فی الشرِّ اہلُہا — کَمَا جَدَّ فی شرب النقاخ ظماءُ

وَعَرَبَۃُ اَرضٌ مَا یُحِلُّ حَرامَہا — مِنَ النّاسِ اِلّا اللوذعیّ الحُلاحِل

عربۃ کے معنی، سامی زبانون مین دشت اور صحرا کے ہین، اور چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت وصحرا ہی، اسلیے تمام ملک کو عرب کہنے لگے،

جغرافیہ — عرب کے حدود اربعہ یہ ہین۔

مغرب مین بحیرۂ قلزم،

مشرق۔ خلیج فارس اور بحر عمّان،

جنوب۔ بحر ہند۔

شمال۔ کی حدود بہت مختلف فیہ ہین، بعض، مملکت حلب اور فرات تک اُس کی حدود کو وسعت دیتے ہین، سینا کا جزیرہ نما، جس کا نام اَلتِّیۃ ہی، اکثر مصنفین عرب اور یورپ اس کو مصر مین شمار کرتے ہین، لیکن جیالوجی کی رو سے وہ عرب سے متعلق ہی،

عرب کی پیمایش، باقاعدہ اب تک نہین ہوئی، تاہم اسقدر یقینی ہی کہ وہ جرمن اور فرانس سے چوگنا زیادہ وسیع ہی،

طول تقریباً پندرہ سو، عرض چھ سو میل، اور مجموعی رقبہ بارہ لاکھ میل مربع ہی،

ملک کا بڑا حصہ ریگستان ہی، پہاڑون کا جال تمام ملک مین پھیلا ہوا ہی، سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ جبل السَّراۃ ہی، جو جنوب مین یمن سے شروع ہو کر شمال مین شام تک چلا گیا ہی، اسکی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فیٹ بلند ہی، بعض حصے زرخیز اور شاداب بھی ہین،

چاندی اور سونے کی کانین کثرت سے ہین، علامۂ ہمدانی نے "صفۃ جزیرۃ العرب" مین ایک ایک کان کا نشان دیا ہی، قریش جو تجارت کیا کرتے تھے، مورخین نے لکھا ہی زیادہ تر اُن کا مال تجارت، چاندی ہوتی تھی، برٹن صاحب نے مدین کی طلائی معادن پر خاص ایک کتاب لکھی ہی[1]،

قدیم تاریخ کے ماخذ

اسلام سے قبل، عرب کی تاریخ کے ماخذ، حسب ذیل ہین،

(۱) زمانۂ جاہلیۃ کی بعض تصنیفات، جو سلاطین حیرۃ کے کتب خانہ مین محفوظ تھین اور جو ابن ہشام کو ہات آئی تھین، اور جن کا ذکر علامۂ موصوف نے کتاب التیجان مین کیا ہی،

(۲) زبانی روایتین، جو قدیم سے چلی آتی تھین، عرب کا حافظہ نہایت قوی تھا، یہان تک کہ آج اشعار جاہلیت کا جو وسیع ذخیرہ موجود ہی، اسلام کے زمانہ تک زبانی ہی روایت ہوتا چلا آتا تھا، اس بنا پر، عرب کی قدیم تاریخ کا کافی سرمایہ محفوظ تھا، عرب کی جو قومین معدوم ہو چکین، مثلاً طسم، جدیس، عاد، ثمود، ان کے متعلق بھی اسقدر تاریخی روایتین محفوظ تھین کہ اُن کے ذریعہ سے مُورخینِ اسلام، عرب کی تاریخِ قدیم پر، معتد بہ تصنیفات مرتب کر سکے، مثلاً ہشام کلبی نے، طسم، جدیس، تبابعۃ یمن، اور دیگر سلاطین عرب پر متعدد کتابین لکھین، جن کا ذکر ابن الندیم نے فہرست صفحہ ۹۶ مین کیا ہی،

(۳) اشعارِ جاہلیت جن مین سے اکثر سلاطین اور اقوام، اور عماراتِ عرب کا ذکر ہی، یہ اشعار صفۃ جزیرۃ العرب اور معجم البلدان مین کثرت سے موجود ہین، انہی قدیم ماخذون سے علامۂ ہمدانی نے اپنی کتاب "اکلیل" مرتب کی ہی

[1] Gold mines of Median، اس کتاب کا ذکر نہایت تفصیل کے ساتھ "طبقات الامم" (مطبوعۂ بیروت) مین ہی،

جس کا آٹھوان باب خاص سلاطینِ حمیر کے آثارات قدیمہ اور حمیری کتبات پر مشتمل ہی،

(۴) یورپ کی قدیم تصنیفات، مثلاً مصنفین یونان نے تھیوفراٹس (جو حضرت عیسیٰ سے چار سو برس قبل تھا) سے لیکر بطلیوس تک بہت سے قبائل عرب کے نام لکھے ہین، اور انکی آبادیون کے نام بھی بتائے ہین، رومن مؤرخ پلینی نے بھی عرب کے متعلق لکھا ہی، گو نہایت مختصر ہی،

(۵) عرب کی قدیم ویران شدہ عمارتون کے کتبات جو قدمائے اسلام نے دریافت کیے تھے، اور جو آجکل یورپ نے نہایت کثرت سے مہیا کیے ہین،

عرب کے اقوام وقبائل — (مؤرخین[ف] عرب نے اقوام وقبائل عرب کو تین حصون پر منقسم کیا ہی،

عرب بائدہ یعنی عرب کے وہ قدیم ترین قبائل جو اسلام سے بہت پہلے فنا ہو چکے تھے،

عرب عاربہ بنو قحطان جو عرب بائدہ کے بعد عرب کے اصلی باشندے تھے، اور جن کا اصل مسکن ملک یمن تھا،

عرب مستعربہ بنو اسماعیل یعنی حضرت اسماعیل کی اولاد جو حجاز مین آباد تھی۔

ظہور اسلام کے وقت بنو قحطان اور بنو اسماعیل جنکو عدنانی قبائل بھی کہتے ہین، ملک کے اصلی باشندے تھے اوران کے علاوہ خال خال یہودیون کی آبادی تھی، اس بنا پر درحقیقت ملک عرب اس وقت تین مختلف عناصر سے مرکب تھا، ہر عنصر کا اقوام بے شمار قبائل و فروع سے تھا، جو یمن سے شام تک ہر قطعۂ زمین مین پھیلے ہوے تھے، ان کی پھر مختلف چھوٹی چھوٹی شاخین تھین، چونکہ اس کتاب مین اکثر ان کے نام آئین گے اس بنا پر انکا ایک مختصر خاکہ درج ذیل ہے،

بنو قحطان

اس خاندان کی تین بڑی شاخین ہین،

ف یہان سے "عرب کی قدیم حکومتین" تک زیادت ہی، س

(۱) قضاعہ، (۲) کہلان، (۳) ازد، حمیر بھی اسی کی شاخ ہی جو یمن کے فرمانروا تھے، لیکن واقعات کو انسے کوئی تعلق نہین،

(۱) قبائل قضاعہ عام علماے انساب قضاعہ کو بنو قحطان مین داخل کرتے ہین، اور ہم بھی یہان اُنکی پیروی کرتے ہین، ورنہ از روے تحقیق وہ بنو اسماعیل ہین، بہرحال ان کی حسب ذیل شاخین ہین،

بنو کلب، بنو تنوخ، بنو جرم، بنو جہینہ، بنو نہد، بنو عذرہ، بنو اسلم، بلی، سلیح، ضجعم، تغلب، نمر، اسد، تیم اللات، کلب،

۲- کہلان

بجیلہ، خثعم، ہمدان، کندہ، مذحج، طی، لخم، جذام، عاملہ،

۳- ازد- انصار اسی کی شاخ تھے،

اوس، خزرج، خزاعہ، غسان، دوس،

مشہور عدنانی قبائل جن کا آخری مقسم مضر ہی حسب ذیل ہین، قبائل مضر اولاً بنی خندف اور بنو قیس دو خاندانون پر منقسم ہین،

۱- خندف

ہذیل، کنانہ، اسد، ضبہ، مزینہ، رباب، تیم، ہون،

ان مین سے ہر ایک کے متعدد فروع ہین،

اصول	فروع
کنانہ	قریش، دول
ہون	قارہ
رباب	عدی، تیم، عکل، ثور،
تیم	مقاعس، قریع، بہدلہ، یربوع، ریاح، ثعلبہ، کلیب،

۲- قیس

عدوان، غطفان، اعصر، سلیم، ہوازن،

ان مین بعض کے فروع یہ ہین،

غطفان	عبس، ذبیان، فزارہ، مرہ،
اعصر	غنی، باہلہ،
ہوازن	سعد، نصر، جشم، ثقیف، سلول، بنوعامر، (عامر کی شاخین بنوہلال بنونمیر، بنوکعب ہین)

یہود

بنوقینقاع، بنونضیر، بنوقریظہ،

بنوقحطان وآل اسماعیل نے اسلام سے پہلے متعدد حکومتین قائم کی تھین، جنکے جستہ جستہ واقعات کہین ملتے ہین)

عرب کی قدیم حکومتین

کتبون اور دیگر مؤرخین کی تصریحون سے جو کچھ ثابت ہوتا ہی یہ ہی کہ اسلام سے پہلے عرب مین مین پانچ متمدن سلطنتین گزرین،

(۱)	معینی	معین، یمن مین ایک مقام کا نام ہی جو کسی زمانہ مین سلطنت کا پایۂ تخت تھا،
(۲)	سبائی	یعنی قوم سبا،
(۳)	حضرموتی	حضرموت، یمن کا مشہور مقام ہی،
(۴)	قتبانی	قتبان، عدن مین ایک مقام ہی، جو آجکل گمنام ہی،
(۵)	نابتی	حضرت اسمٰعیل کے ایک بیٹے کا نام نابت تھا، یہ سلسلہ انہی کی طرف منسوب ہی،

معینی سلطنت، جنوبی عربستان مین تھی، اسکے صدر مقامات، قرن اور معین تھے، کتبون سے تقریباً پچیس حکمرانونکا پتہ چلتا ہی، محققینِ یورپ مین اختلاف ہی کہ معینی اور سبائی حکومتین ہمزمان تھین یا متقدم و متاخر، **گلازر** کا خیال ہی کہ معینی حکومت بہت متقدم ہی، اور حضرت عیسیٰ سے پندرہ سو برس قبل موجود تھی، لیکن مولر کا بیان ہی کہ کوئی

معینی کتبہ آٹھ سو برس قبل مسیح سے پہلے کا نہین ملتا، اس بنا پر سبائی اور معینی دونون ہمعصر ہین،

سبائی دور جیسا کہ کتبون سے ثابت ہوتا ہی، حضرت عیسیٰ سے سات سو برس قبل ہی، اس سلطنت کا پایہ تخت **مآرب** تھا، اُس زمانہ کے سنگی کتبے بکثرت موجود ہین، حضرت عیسیٰ سے ایک سو پندرہ برس قبل تک اس حکومت کا پتہ چلتا ہی، اس دور کے بعد حمیر کا زمانہ ہی، حمیر نے مآرب پر قبضہ کر کے اسکو پایہ تخت بنا لیا،

قریباً ۱۱۵ قبل مسیح مین **حمیر** نے سبائی حکومت پر قبضہ کر لیا، کتبون سے ثابت ہوتا ہی کہ حمیر مین چھبیس فرمان روا گزرے حمیر کے بعض کتبون مین سنہ و سال بھی کندہ ہی، ان کے عہد حکومت مین، رومی سلطنت نے عرب مین مداخلت کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن یہ کوشش پہلی بھی تھی اور آخری بھی، ایلیس گالس، جسنے حضرت عیسیٰ سے ۱۸ برس قبل، عرب پر چڑھائی کی تھی، بالکل ناکامیاب رہا، اُسکے رہبر دغا بازی سے اسکو صحرا مین لے گئے، اور ریگستان مین پہنچکر اس کا سارا لشکر تباہ ہو گیا،[۱]

حمیر نے یہودی مذہب قبول کر لیا تھا، اسی زمانہ کے قریب حبشیون نے عرب کے جنوب مین حکومت قائم کرنی شروع کی، اور ایک زمانہ مین حمیریون کو شکست دیکر اپنی مستقل حکومت قائم کر لی، اس عہد کا ایک کتبہ جو آج کل ہات آیا ہی اُس پر یہ الفاظ ہین،

"رحمان، مسیح اور روح القدس کی قدرت و فضل و رحمت سے اس یادگاری پتھر پر ابرہتہ نے کتبہ لکھا جو بادشاہ حبش ارا حمیس فی بی مان کا نائب الحکومۃ ہی،"

سبا اور **حمیر** کی عظمت اور اقتدار اور وسعت فتوحات کی روایتین، عرب مین اس قدر متواتر ہین کہ انکے قدر مشترک سے انکار نہین کیا جا سکتا، اشعار مین بھی کثرت سے واقعات مذکور ہین، عربون کے خیال کے موافق سلاطینِ حمیر نے ایران کے انتہائی مقامات فتح کر لیے تھے، ذوالقرنین، جس کو عوام سکندر کہتے ہین، اہلِ عرب کے نزدیک اسی حمیری خاندان کا فرمان روا تھا، شاہنامہ مین مذکور ہی کہ **کیکاؤس** کو شاہ ہاماوران نے گرفتار کر لیا تھا،

[۱] یہ تمام تفصیل انسائیکلوپیڈیا کے اُس آرٹکل سے ماخوذ ہی جو جی ڈبلو تھیاچر صاحب نے عرب پر لکھا ہی، نیز لٹریری ہسٹری آف دی عربس مولفہ نیالڈ نکلسن پروفیسر کیمبرج صفحہ ۱۷

علامۂ ثعلبی نے تاریخ ایران مین (جواب یورپ مین چھپکر شائع ہوگئی ہی) لکھاہی کہ یہ ہاماوران حمیر کا بادشاہ تھا،
اور ہاماوران دراصل وہی عربی لفظ حمیر ہی، علامۂ موصوف نے یہ بھی لکھا ہی کہ سودابہ جو کیکاؤس کی زوجہ تھی اور جو فردوسی
کے بیان کے موافق، سیاوش پر عاشق ہوگئی تھی، اسی حمیری بادشاہ کی بیٹی تھی، اور اس کا اصلی نام سُعدی تھا،
ایرانیون نے اپنے تلفظ مین اسکو سودابہ کرلیا تھا"

یورپ کی تحقیقاتِ حال سے بھی سبا اور حمیر کے اعلےٰ درجہ کے تمدن کا ثبوت ملتا ہی، پروفیسر نولدیکی جرمنی
کا مشہور مستشرق لکھتا ہی،

"ولادت مسیح سے ہزار سال قبل جنوبی و غربی عرب یعنی یمن جو حمیر اور سبا کا ملک تھا، اور جو اپنی بارش گرما کے باعث زراعت
کے لیے نہایت موزون تھا، تمدن کے اس رتبہ تک پہنچ چکا تھا کہ اسکے کثیر التعداد کتبات اور شاندار عمارات کے آثار سے آج
بھی ہمارے جذبات مدح و ستایش کو تحریک ہوتی ہی اور اہل یونان و روم نے اسکو "دولتمند عرب" کا جو لقب دیا تھا، وہ
بیجا نہ تھا، ٭ ٭ ٭ توراۃ مین متعدد عبارتین ہین جو سبا کی عظمت و شوکت کی شہادت دیتی ہین، چنانچہ ملکۂ سبا کا، سلیمان
سے ملاقات کا قصہ خاص طرح پر قابل ذکر ہی، (۱- سلاطین ۱۰- آیت ۱ تا ۱۰)"

قوم ثمود جنکی عمارات سے ڈاوٹی اور یوٹنگ کی محنتون نے ہمکو روشناس کردیا ہی، نیز قوم نابت نے جو ثمود سے بہت ملتی
جلتی ہی، اپنے تمدن کی ابتدائی تعلیم غالباً انہی سے حاصل کی ہی"

کتابت کا فن، جو سبائیون نے بہت ابتدائی زمانہ مین شمال سے لیا تھا، اب اسکو خود انھون نے عرب کے اکثر حصون مین ہر
طرح کے کاروبار مین جاری کردیا، یہانتک کہ ایک طرف دمشق اور دوسری جانب ابی سینیا تک اسکو پھیلادیا[۱]"

نابتی حکومت، جو شام کے حدود سے متصل تھی، اور جو قوم ثمود کی مرادف یا اُن کی قائم مقام تھی، اسکی نسبت فارسٹر صاحب
اپنے جغرافیہ مین لکھتے ہین،

"ان مختصر بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ زمانۂ قدیم مین نابت کا نام اور اقوام نہ صرف ریگستانی اور صحرائی عرب پر ستونی تھا، بلکہ

---

[۱] مورخین کی تاریخ عالم، جلد ۸، یعنی ہسٹری آف ورلڈ، تمہیدی آرٹیکل نوشتہ پروفیسر نولدیکی صفحہ ۵،

حجاز و نجد کے صوبہاے عظیمہ پر بھی حاوی تھا "

نابتی، جہان ایک طرف منافع تجارت سے بہرہ اندوز ہونے مین کمال رکھتے تھے، وہان دوسری طرف بطور سچے بنو اسمٰعیل کے خطرات جنگ کے لیے بالکل مستعد رہتے تھے فلسطین و شام مین انکی غارتگریون، اور خلیج عرب مین مصری جہازات پر انکی رہزنی نے بارہا تاجداران مقدونیہ کو ان کی دشمنی پر آمادہ کردیا لیکن روما کی مجموعی قوت سے پیشتر کوئی شے انھین روک سکی، اور روما کی اطاعت بھی انھون نے اسٹرابو کے زمانہ مین بالکل مجبورانہ اور مشتبہ انداز سے قبول کی[1]"

یہ قدیم سلطنتون کا حال تھا، اسلام کے قبل یہ تمام سلطنتین برباد ہو چکی تھین، انکے بجاے یمن مین صرف بڑے بڑے سردار رہ گئے تھے جنکو قیل، یا مقول کہتے تھے، عراق مین آل منذر کا خاندان قائم تھا، جو فارس کے زیر اثر تھا، خورنق اور سدیر عرب کی مشہور عمارتین اسی سلسلہ کی یادگار ہین، شام کے حدود مین غسانی خاندان فرمانروا تھا جو قیصران روم کا ماتحت تھا، اور جس کا اخیر فرمانروا، جبلۃ بن الایہم غسانی تھا،

تہذیب و تمدن، تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عرب کے مختلف حصے بالکل مختلف حالت رکھتے تھے، مانسیو لیبان[2] فرنساوی نے اصول عمران کی بنا پر یہ راے ظاہر کی ہو کہ اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانہ مین اوج کمال تک پہنچ چکا تھا، کیونکہ اصول ارتقا کے رو سے، کوئی قوم محض وحشت کی حالت سے دفعۃً اعلیٰ درجہ کی تہذیب و تمدن تک نہین پہنچ سکتی،"

یہ ایک قیاسی استدلال ہو، تاریخ سے بھی اسقدر ضرور ثابت ہوتا ہو کہ عرب کے بعض حصے، مثلاً یمن، کسی زمانہ مین انتہا درجہ کی ترقی تک پہنچ چکے تھے، یورپ کے محققین آثار قدیمہ جنھون نے یمن کے آثار قدیمہ کی تحقیقات کی ہو، اور پرانے کتبون کو پڑھا ہو وہ یمن کی قدیم تہذیب و تمدن کا اعتراف کرتے ہین،

صنعا، اور **قلیس** کے ذکر مین یاقوت حموی نے معجم مین قدیم آثارات عجیبہ کا تذکرہ کیا ہو، اور گو اس مین بہت کچھ مبالغہ بھی ہو، تاہم اصلیت کا حصہ بھی کچھ کم نہین،

---

[1] تاریخی جغرافیۂ عرب، از ریورنڈ فارسٹر جلد اول، از صفحہ ۲۲۰ تا ۲۲۸، [2] تمدن عرب،

اسی طرح عرب کے وہ مقامات، جو ایران اور شام سے متصل تھے، مثلاً حیرۃ، جو آلِ نعمان کا پایہ تخت تھا، اور حوران جو خاندانِ غسان کا صدر مقام تھا، تہذیب و تمدن سے خالی نہ تھے،

مورخینِ عرب کا دعویٰ ہی کہ یمن نے ایک زمانہ مین اس حد تک ترقی کی تھی کہ وہان کے سلاطین نے تمام ایران فتح کر لیا تھا، چنانچہ سمرقند کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہین کہ یمن کا ایک بادشاہ جس کا نام شمر تھا، اس نے سمرقند کو کھُدوا کر برباد کر دیا تھا، اس بنا پر ایرانی اس مقام کو شمر کند کہنے لگے، پھر معرّب ہو کر سمرقند ہو گیا،

عظیم الشان قلعون اور عمارتون کے آثار، جو اب بھی کچھ کچھ باقی ہین، اس بات کی قطعی شہادت ہین کہ اس ملک مین کبھی اعلیٰ درجہ کا تمدن موجود تھا، علامہ ہمدانی نے الکلیل مین تمام آثار قدیمہ کا ذکر کیا ہی، چنانچہ صفۃ جزیرۃ العرب مین لکھتے ہین،

المشہور من محافد الیمن وقصورِ ہا القدیمة	یمن کے مشہور، قدیم قصر اور ایوان، جن کا ذکر اہلِ عرب نے
اللتی ذکرتھا العرب فی الشعر والمثل ،،	اشعار اور امثال مین کیا ہے ،، کثرت سے ہین اور اُن کے
کثیرۃٌ الذی فیہا من الشعر بابٌ واسعٌ وقد	متعلق اشعار کا ایک دفتر ہی اکلیل کے آٹھوین باب نے ان سب
جمع ذلک کلّہ الکتاب الثامن من الاکلیل،	کو جمع کر دیا ہی،

اسکے بعد مصنف نے لکھا ہی کہ مین اس موقع پر صرف اُن کے نام گنا دیتا ہون، اور وہ یہ ہین،

غمدان، بلحم، ناعط، صرواح، سلحین، ظفار، ھکر، ضھر، شبام، غیمان، بنبون، ریام، براقش، معین، روثان، ارباب، ھند، ھنیدۃ، عمران، بخیر،

ان مین سے غمدان، اور ناعط کا حال معجم البلدان مین تفصیل سے مذکور ہی، اور اسکی عظمت و رفعت کے متعلق ایسی باتین نقل کی ہین جنپر افسانوی مبالغہ کا دھوکہ ہوتا ہی، سلحین کی نسبت لکھا ہی کہ ستر برس مین تعمیر ہوا، شبام کے حال مین لکھا ہی

لھم فیہ حصون عجیبۃٌ ھائلۃٌ	اس مین اُن کے متعدد ہیبت انگیز قلعے ہین،

قلعہ ناعط، وہب بن منبہ کے زمانہ تک موجود تھا، اسکے ایک کتبہ کو محدث موصوف نے پڑھا تو معلوم ہوا کہ سولہ سو

برس کی تعمیر ہی، آجکل یورپ کے محققین نے ان مقامات مین جاکر جو تحقیقات کی ہی اس سے بھی حیرت انگیز تمدن کی تصدیق ہوتی ہی، تھیاپر صاحب اپنے آرٹکل مین لکھتے ہین۱؎

"جنوبی عربستان مین جہان حضرت عیسےٰ سے صدیون پہلے ایک ترقی یافتہ تمدن موجود تھا، قلعون اور شہرپناہون کے آثار اب تک موجود ہین، اور انکا ذکر متعدد سیاحون نے کیا ہی،

" " " یمن اور حضرموت مین یہ آثار کثرت سے ہین، اور اکثرون پر اب تک کتبے موجود ہین،

" " " صنعاء کے قریب ایک قلعہ تھا، جس کو قزوینی نے آثار البلاد مین دنیا کے عجائب ہفت گانہ مین سے ایک قرار دیا ہی،

(دیگر قلعون کے لیے دیکھو جنرل جرمن اورنٹیل سوسائٹی جلد، صفحہ ۲۰ سے آگے)

مارب جو قدیم سبائی دار السلطنت تھا، اس کے آثار قدیمہ کو ارنو، ہالیوے، اور گلازر نے دیکھا ہی۔

مارب کے مشہور آثار مین سے ایک بڑی خندق کے آثار باقی ہین، ان کو دیکھکر عدن کے دوبارہ تعمیر شدہ حوض یاد آتے ہین، انکی اہمیت اُسوقت ظاہر ہوئی جب گلازر نے وہ دو طویل الذیل کتبے شائع کیے جن مین اُن کے عیسوی قرن پنجم و ششم مین دوبارہ تعمیر کا ذکر ہی"

" یمن مین بمقام حران ایک اور خندق ہی جس کا طول تقریباً چار سو پچاس فیٹ ہی"

لیکن عرب کے اصلی اور اندرونی مقامات مین تہذیب و تمدن کی یہ حالت نہ تھی، عربی زبان نہایت وسیع ہی، باوجود اسکے جن چیزون کو تمدن، اور اسباب معاشرت سے تعلق ہی انکے لیے خاص عربی زبان مین الفاظ نہین ملتے، بلکہ ایران یا روم سے مستعار آئے ہین، سکّہ کے لیے ایک لفظ بھی موجود نہین، درہم اور دینار دونون غیر زبان کے الفاظ ہین، درہم یونانی لفظ درخم ہی، اور یہ وہی لفظ ہی جو انگریزی مین ڈرام ہوگیا ہی، چراغ معمولی چیز ہی، تاہم اسکے لیے عربی مین کوئی لفظ نہ تھا، چراغ کو لیکر سراج کرلیا، پھر ایک مصنوعی لفظ بنایا، مصباح، یعنی ایک آلہ جس سے صبح بنائی جاتی ہی، کوزہ کے لیے کوئی لفظ نہین، کوزہ کو کوز کرلیا ہی، لوٹے کو ابریق کہتے ہین، جو آبریز کا معرب ہی، تشت

۱؎ انسائیکلوپیڈیا، مضمون عرب،

فارسی لفظ تھا، اسی کو عربی مین طست کرلیا ہی، پیالہ کو کاس کہتے ہین، یہ وہی کاسہ فارسی لفظ ہی، کرتہ کو عربی مین قرطق کہتے ہین، یہ بھی فارسی ہی، پاجامہ کو سروال کہتے ہین، جو شلوار کی بگڑی ہوئی صورت ہی،

جب ایسی چھوٹی چھوٹی چیزون کے لیے لفظ نہ تھے، تو تمدن کے بڑی بڑی سامان کے لیے کہان سے لفظ آتے، اس سے ثابت ہوتا ہی کہ عرب نے کسی زمانہ مین جو ترقی کی تھی آس پاس کے ممالک کی تہذیب و تمدن سے متاثر ہوکر کی تھی، اس لیے جو مقامات اُن ممالک سے دُور تھے، اسی اصلی حالت پر رہ گئے،

احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہی کہ آنحضرت کے زمانہ تک عیش و نعمت کے سامان بہت کم تھے، مسئلہ حجاب کے شان نزول مین **بخاری** وغیرہ مین مذکور ہی کہ اس زمانہ تک گھرون مین جائے ضرور، نہ تھی، مستورات، رفع حاجت کے لیے باہر جایا کرتی تھین، ترمذی، باب الفقر مین ہی کہ اسوقت تک چھلنیان نہ تھین، بھوسے کو پھونک کر اڑاتے تھے، جو رہجاتا تھا، وہی آٹا ہوتا تھا، بخاری کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہی کہ راتون کو گھرون مین چراغ نہین جلتے تھے، ابوداؤد مین ایک صحابی کی روایت ہی کہ مین آنحضرت صلعم کی صحبت مین تھا لیکن مین نے آپ سے حشرات الارض[1] کا حرام ہونا نہین سنا[2]، اگرچہ اس حدیث کی شرح مین محدثین لکھتے ہین کہ ایک راوی کے نہ سننے سے یہ نہین لازم آتا کہ واقع مین آنحضرت صلعم نے حشرات الارض کی حرمت نہین بیان کی، لیکن اس سے اسقدر ضرور ثابت ہوتا ہی کہ اسلام سے پہلے عرب حشرات الارض کھاتے تھے، تاریخ اور ادب کی کتابون مین یہ تصریح موجود ہی کہ عرب کھنکھجورا، گوہ، گرگٹ، سیہی، اور جانورون کا چمڑا کھاتے تھے،

عرب کے مذاہب

عرب مین اسلام سے پہلے مختلف مذاہب تھے، بعضون کا خیال تھا کہ جو کچھ ہی زمانہ یا فطرت (قانون قدرت) ہی، خدا کوئی چیز نہین، انہی لوگون کی نسبت قرآن مجید مین ہی،

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا — اور یہ لوگ کہتے ہین کہ جو کچھ ہی یہی ہماری دنیا کی زندگی ہی، ہم مرتے

وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ — اور جیتے ہین، اور ہمکو مارتا ہی تو زمانہ مارتا ہی،

---

[1] حشرات الارض کیڑے مکوڑے کو کہتے ہین [2] ابوداؤد جلد دوم صفحہ ۱۷۶، باب فی اکل حشرات الارض،

بعض خدا کے قائل تھے لیکن قیامت اور جزا و سزا کے منکر تھے۔ انکے مقابلہ مین قرآن مجید نے قیامت کے ثبوت پر اس طرح استدلال کیا ہو۔

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ، کہدو کہ ہڈیونکو وہی دوبارہ زندہ کریگا جسنے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا،

بعض خدا، اور جزا و سزا کے بھی قائل تھے لیکن **نبوت** کے منکر تھے۔ ان کا ذکر اس آیت مین ہو،

وَقَالُوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي اور کہتے ہین کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھاتا پیتا ہو اور بازار مین

فِي الْأَسْوَاقِ، چلتا پھرتا ہو،

قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَّسُولًا کہتے ہین کہ کیا خدا نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہو؟،

ان کا خیال تھا کہ اگر کوئی پیغمبر ہو سکتا ہو تو اسکو فرشتہ ہونا چاہیے، جو حاجاتِ انسانی سے منزہ ہو،

لیکن عموماً لوگ بت پرست تھے، وہ بتون کو خدا نہین سمجھتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ خدا تک پہونچنے کے وسیلے[1] ہین،

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (سورۂ زمر پارہ ۲۳) ہم ان بتون کو صرف اسلیے پوجتے ہین کہ ہم کو خدا سے قریب کر دین،

قبیلہ حمیر جو یمن مین رہتا تھا آفتاب پرست تھا، **کنانہ** - چاند کو پوجتے تھے، قبیلہ بنی تمیم - دبران کی عبادت کرتا تھا، اسی طرح قیس - شعریٰ کی، قبیلہ اسد عطارد کی، اور لخم و جذام مشتری کی پرستش[2] کرتے تھے،

مشہور بتون اور اُن کے پوجنے والون کے نام حسبِ[3] ذیل ہین،

نام بُت	مقام	قبیلہ جو اس بت کو پوجتا تھا،
لات	طائف	ثقیف،
عُزّےٰ	مکہ معظمہ	قریش وکنانہ،
منات	مدینۂ منورہ	اوس، خزرج، اور غسان،
وُدّ	دومۃ الجندل	کلب،

[1] یہ تمام تفصیل ملل ونحل شہرستانی، مذاہب عرب کے ذکر مین ہو، [2] طبقات الامم لابن صاعد الاندلسی، مطبوعہ بیروت ۱۹۱۲ء صفحہ ۴۳،
[3] بتون کی یہ تفصیل ملل ونحل مین ہو،

سُواع		ہذیل
یغوث	،	مذحج، اور بعض قبائلِ یمن،
یعوق	یمن	ہمدان

سب سے بڑا بت ہبل تھا، جو کعبہ کی چھت پر منصوب تھا، قریش لڑائیون مین اسکی جے پکارتے تھے،

عرب مین بت پرستی کا بانی ایک شخص عمرو بن لحی تھا، اُس کا اصلی نام ربیعہ بن حارثہ تھا، عرب کا مشہور قبیلہ خزاعہ اسی کی نسل سے ہی، عمرو سے پہلے جرہم کعبہ کے متولی تھے، عمرو نے لڑکر جرہم کو مکہ سے نکال دیا اور خود حرم کا متولی ہوگیا، وہ ایک دفعہ شام کے کسی شہر مین گیا، وہان کے لوگون کو بت پوجتے دیکھا تو پوچھا کہ ان کو کیون پوجتے ہو؟ انھون نے کہا یہ حاجت روا ہین، لڑائیون مین فتح دلاتے ہین، قحط پڑتا ہی تو پانی برساتے ہین، عمرو نے چند بت اُن سے لیلیے اور لاکر کعبہ کے آس پاس قائم کیے، کعبہ چونکہ عرب کا مرکز تھا، اسلیے تمام قبایل مین بت پرستی کا رواج ہوگیا، ان مین سب سے قدیم بت مناۃ تھا، یہ سمندر کے کنارے قدید کے قریب نصب تھا، اوس اور خزرج یعنی مدینہ کے لوگ اسی پر قربانی چڑھاتے تھے، اور جب کعبہ کا حج کرکے آتے تھے تو احرام یہین اُتارتے تھے، ہذیل اور خزاعہ بھی اسکی پرستش کرتے تھے[1]

یاقوت حموی نے معجم البلدان ذکر مکہ مین لکھا ہی کہ عرب مین بت پرستی کی عام اشاعت کی وجہ یہ ہوئی کہ قبائل عرب جو تمام اطراف سے حج کو آتے تھے، واپس جاتے ہوے حرم کے پتھرون کو اٹھا لیتے تھے، اور انکو اصنام کعبہ کی صورت پر تراش کر انکی عبادت کرتے تھے،

اللہ کا اعتقاد

عرب، گو قریباً سب کے سب بت پرست تھے، لیکن اسکے ساتھ یہ اعتقاد ان کے دل سے کبھی نہین گیا کہ اصلی خداے برتر اور چیز ہی، اور وہی تمام عالم کا خالق ہی، اس خالق اکبر کو وہ "اللہ" کہتے تھے، قرآن مجید مین ہے،

[1] یہ تمام تفصیل معجم البلدان، ذکر منات مین ہے،

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ، (سورۂ عنکبوت، قریب ختم)	اور اگر ان لوگون (کافرون) سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کسنے پیدا کیا، اور چاند اور سورج کو کسنے تابعدار بنا رکھا ہے تو بول اُٹھین گے کہ اللہ، پھر کدھر بہکے جا رہے ہین،
فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ، (سورۂ عنکبوت قریب ختم)	پھر جب کشتی مین سوار ہوتے ہین تو خدا ہی کو خلوص کے ساتھ پکارتے ہین، پھر جب خدا، اُنکو نجات دیکر خشکی کی طرف پونہچا دیتا ہے تو شرک کرنے لگتے ہین،

قرآن مجید نے تیرہ سو برس پہلے جس حقیقت کا اظہار کیا، آج تحقیقاتِ آثار قدیمہ بھی اسکی تصدیق کرتی ہے، مذاہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا مین مشہور مستشرق نولدکی کا جو قول نقل کیا ہے، اسکے اقتباسات حسب ذیل ہین۔

"اللہ" جو صفا کے کتبون مین "ھللہ" لکھا ہوا ہے، نباتی اور دیگر قدیم باشندگان عرب شمالی کے نام کا ایک جزء تھا مثلاً "زید اللھی" نباتی کتبات مین اللہ کا نام بطور ایک علیحدہ معبود کے نہین ملتا، لیکن صفا کے کتبات مین ملتا ہے، متاخرین مشرکین مین اللہ کا نام نہایت عام ہے، ولہاسن نے عرب قدیم کے لٹریچر مین بہت سی عبارتین نقل کی ہین جن مین اللہ کا لفظ بطور ایک معبود اعظم کے مستعمل ہوا ہے نباتی کتبات مین ہم بار بار کسی دیوتا کا نام پاتے ہین جس کے ساتھ اللہ کا لقب شامل ہے، اس سے ولہاسن نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ کا لقب جو پہلے مختلف معبودون کے لیے استعمال ہوتا تھا، رفتہ رفتہ زمانۂ مابعد مین صرف ایک عظیم ترین معبود کے لیے بطور علم کے مخصوص ہوگیا"،[1]

نصرانیت اور یہودیت اور مجوسیت اگرچہ زمانہ اور مدت کا تعین مشکل ہے لیکن یہ تینون مذہب ایک مدت دراز سے عرب مین رائج ہو چکے تھے، علامہ ابن قتیبہ نے معارف مین لکھا ہے کہ قبائل ربیعہ وغسان نصرانی تھے، قضاعہ مین بھی اس مذہب کا اثر پایا جاتا تھا، نصرانیت کو اسقدر ترقی ہو چکی تھی کہ خود مکہ معظمہ مین ایسے لوگ موجود تھے (مثلاً ورقہ بن نوفل) جو عبرانی زبان مین انجیل کو پڑھ سکتے تھے، متعدد ایسے لوگ تھے جنھون نے شام مین جاکر تعلیم پائی تھی،

حمیر، بنو کنانہ، بنو حرث بن کعب، کندہ، یہ قبائل یہودی تھے، مدینۂ منورہ مین یہود نے پورا غلبہ پالیا تھا،

[1] جلد (۱)، صفحہ ۶۶۴،

اور توراۃ کی تعلیم کے لیے متعدد درسگاہین قائم تھین جنکو بیت المدراس کہتے تھے، حدیث کی کتابون مین بھی اسی نام سے ان کا ذکر آتا ہی، قلعۂ خیبر کی تمام آبادی یہودی تھی، امرؤ القیس کا ہمعصر مشہور شاعر سموئل بن عادیا، جس کی وفاداری آج تک عرب مین ضرب المثل ہی، یہودی تھا

اہل کتاب کی روایتین، مکۂ معظمہ مین اسقدر رواج پاچکی تھین کہ آنحضرتؐ پر جب قرآن نازل ہوتا تھا، اور اس مین بنی اسرائیل کے واقعات مذکور ہوتے تھے تو کفار بدگمانی کرتے تھے کہ کوئی یہودی یا عیسائی آپ کو سکھاتا ہی، خود قرآن مجید مین ہی،

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ، اور ہم جانتے ہین کہ وہ یہ کہتے ہین کہ محمد کو کوئی آدمی سکھاتا ہی،

قرآن مجید مین اس خیال کا ابطال بھی کردیا ہی جسکی تفصیل مناسب موقع پر آئیگی،

قبیلۂ تمیم مجوسی تھا، زرارۃ تمیمی نے، جو اس قبیلہ کا مشہور رئیس تھا، اسی بناپر اپنی بیٹی سے شادی کرلی تھی، گو اس پر اسکو ندامت ہوئی۔ اقرع بن حابس بھی مجوسی[۱] تھا،

مذہب حنفی

دینِ ابراہیمی کا اُمّ الاصول توحید خالص تھی، زمانہ کے امتداد اور جہالت کے شیوع سے یہ اصول گرچہ شرک آلود ہوگیا تھا، یہانتک کہ خود خانۂ خدا مین بتون کی پرستش ہوتی تھی، تاہم بالکل فنا نہین ہوسکتا تھا۔ عرب مین کہین کہین اسکا دھندلا سا نشان نظر آتا تھا، جو لوگ صاحب بصیرت تھے اُنکو یہ منظر نہایت نفرت انگیز معلوم ہوتا تھا کہ انسان عاقل، جماد لایعقل کے سامنے سر جھکائے، اس بناپر بت پرستی کی بُرائی کا خیال بہتون کے دل مین آیا، لیکن اُسکا تاریخی زمانہ آنحضرتؐ کی بعثت سے کچھ ہی پہلے شروع ہوتا ہی، ابن[۲] اسحاق نے لکھا ہی کہ ایک دفعہ کسی بت کے سالانہ میلہ مین ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل، شریک تھے، ان لوگون کے دل مین دفعۃً یہ خیال آیا کہ یہ کیا بیہودہ پن ہی کہ ہم ایک پتھر کے سامنے سر جھکاتے ہین جو نہ سُنتا ہی، نہ دیکھتا ہی، نہ کسی کا نقصان کرسکتا ہی، نہ کسی کو فایدہ پہنچاسکتا ہی، یہ چارون قریش کے

---

۱ معارف ابن قتیبہ، ۲ سیرت ابن ہشام، مطبوعۂ مصر، صفحہ ۷۶،

خاندان سے تھے، ورقہ حضرت خدیجہ کے برادر عم زاد تھے، زید حضرت عمرؓ کے چچا تھے، عبد اللہ بن جحش حضرت حمزہ کے بھانجے تھے، عثمان عبد العزیٰ کے پوتے تھے،

زید دینِ ابراہیمی کی تلاش مین شام گئے، وہان یہودی اور عیسائی پادریون سے ملے لیکن کسی سے تسلی نہین ہوئی اس لیے اس اجمالی اعتقاد پر اکتفا کیا کہ "مین ابراہیم کا مذہب قبول کرتا ہون" صحیح بخاری مین (باب بنیان الکعبہ سے پہلے) حضرت اسماد (دختر ابو بکر صدیقؓ) سے روایت ہو کہ "مین نے زید کو اس حالت مین دیکھا تھا کہ کعبہ سے پیٹھ لگائے لوگون سے کہتے تھے، اے اہلِ قریش! بخدا تم مین سے کوئی شخص بجز میرے ابراہیم کے دین پر نہین ہو"

عرب مین لڑکیون کو زندہ دفن کر دیتے تھے، زید ہی پہلے شخص ہین جس نے اس رسم کی ممانعت کی، جب کوئی شخص ایسا ارادہ کرتا تو وہ جا کر اُس لڑکی کو مانگ لیتے، اور خود اسکی پرورش کرتے،

صحیح بخاری مین مذکور ہو کہ آنحضرت صلعم نے نبوت سے پہلے زید کو دیکھا تھا، اور ان سے صُحبت رہی تھی، ورقہ اور عبد اللہ بن جحش، اور عثمان، بُت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو گئے،

اسی زمانہ کے قریب امیۃ بن ابی صلت نے جو طایف کا رئیس اور مشہور شاعر تھا، بُت پرستی کی مخالفت کی، حافظ ابن حجر نے اصابہ مین زُبیر بن بکار کی سند سے لکھا ہو کہ امیتہ نے زمانۂ جاہلیت مین آسمانی کتابین پڑھی تھین اور بت پرستی کو چھوڑ کر دینِ ابراہیمی اختیار کر لیا تھا،

امیتہ کا دیوان آج بھی موجود ہو، اگرچہ اس کا بڑا حصّہ جعلی ہو تاہم اصلی کلام بھی اس مین پایا جاتا ہو، وہ غزوۂ بدر تک زندہ رہا، عتبہ جو رئیسِ مکہ اور امیر معاویہ کا نانا تھا، امیتہ کا ماموں زاد بھائی تھا، اُمیتہ نے اُس کے قتل ہونے کی خبر سنی تو اس کو سخت صدمہ ہوا، اور نہایت پُر درد مرثیہ لکھا غالباً اسی کا اثر تھا کہ وہ اسلام قبول نہ کر سکا،

شمائل مین ہو کہ ایک دفعہ ایک صحابی **آنحضرت** کے ہم ردیف تھے، انھون نے اُمیتہ کا ایک شعر پڑھا

آنحضرت صلعم نے فرمایا" اور" انھون نے سو شعر پڑھے، ہر شعر کے ختم ہونے پر آپ فرماتے جاتے تھے کہ " اور" اخیر مین آپ نے فرمایا کہ " اُمیۃ مسلمان ہوتے ہوتے رہ گیا"

ابن ہشام نے بُت پرستی کی مخالفت کرنے والون مین انھی چارون کا نام لکھا ہی لیکن اور اور تاریخی شہادتون سے ثابت ہوتا ہی کہ عرب مین اور متعدد اہل نظر پیدا ہو گئے تھے جنھون نے بت پرستی سے توبہ کی تھی، ان مین سب سے زیادہ مشہور شخص عرب کا نامور خطیب قس بن ساعدۃ الایادی ہی، اس کا تذکرہ آگے آتا ہی، ایک اور شخص قیس بن نشبہ تھا، جسکی نسبت حافظ ابن حجر نے اصابہ مین لکھا ہی کہ جاہلیت کے زمانہ مین خداپرست ہو چکا تھا اور آنحضرتؐ کی بعثت پر مشرف بہ اسلام ہوا،

یہ تحقیق نہین کہ دینِ ابراہیمی کو حنیفی کیون کہتے ہین، قرآن مجید مین یہ لفظ موجود ہی لیکن اسکے معنی مین اختلاف ہی مفسرین لکھتے ہین کہ" چونکہ اس دین مین بت پرستی سے انحراف تھا، اس لیے اسکو حنیفی کہتے ہین کیونکہ حنف کے معنی انحراف کے ہین، عبرانی اور سریانی زبان مین حنیف کے معنی منافق اور کافر کے ہین، ممکن ہی کہ بُت پرستون نے یہ لقب دیا ہو اور مُوحدین نے فخریہ قبول کرلیا ہو،

یہ امر اکثر روایتون سے ثابت ہی کہ عرب اور خصوصاً مکہ اور مدینہ مین متعدد اشخاص بت پرستی کے مُنکر ہو گئے تھے اور ملّتِ ابراہیمی کی جستجو مین تھے، یہ اسلیے کہ مجدّد ملت ابراہیمی کے ظہور کا وقت قریب آگیا تھا،

ان چند راہ طلب اور حقیقت جُو اشخاص کے وجود کی بنا پر مصنفین یورپ کہتے ہین کہ مذہب صحیح اور توحید خالص کا رواج عام عرب مین اسلام سے پہلے بھی موجود تھا، لیکن اگر یہ صحیح ہی تو یہ حیرت انگیز بات ہی کہ اسلام کے ظہور پر اس قدر کیون ہنگامہ برپا ہوا؟

کیا عرب مین ان مذاہب نے کچھ اصلاح کی؟

جیسا کہ اوپر بیان ہوا، عرب مین تمام مشہور مذاہب موجود تھے، یہودیت بھی، نصرانیت بھی، مجوسیت بھی، حنفیت بھی اور عقلی بلند پروازی کی معراج، اِلحاد بھی، لیکن ان سب کا نتیجہ

[1] یہ مارگولیس کا بیان ہی،

کیا تھا؟ عقائد کے لحاظ سے یا تو خداؤن کی وہ کثرت، جسکو نصرانیت نے بہت گھٹایا، تاہم تین کی تعداد سے کم نہ کرسکی، اسکے ساتھ یہ اعتقاد، کہ حضرت عیسٰے خود سولی پر چڑھکر تمام بنی آدم کے گناہون کا کفارہ بنگئے، یا توحید تھی، لیکن خدا اس قسم کا تھا جو آدمیون سے کشتی لڑتا تھا[1]

بتون پر آدمیون کی قربانی چڑھائی جاتی تھی، باپ کی منکوحہ، بیٹے کو وراثت مین ملتی تھی، حقیقی بہنون سے ایک ساتھ شادی جائز تھی، ازدواج کی کوئی حد نہ تھی، قمار بازی، شراب خواری، زناکاری، کا رواج عام تھا، بیحیائی کی یہ حالت تھی کہ سب سے بڑا نامور شاعر، امرءالقیس جو شہزادہ بھی تھا، قصیدہ مین، اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ اپنی بدکاری کا قصہ، مزہ لے لے کر بیان کرتا ہے، اور یہ قصیدہ کعبہ پر آویزان کیا جاتا ہے،

لڑائیون مین لوگون کو زندہ جلا دینا، مستورات کے پیٹ چاک کر ڈالنا، معصوم بچّون کو تہ تیغ کرنا، عموماً جائز تھا، عیسائیون کے بیان کے مطابق عرب قبل اسلام تمام مذاہب مین سب سے زیادہ عیسائیت سے متاثر تھا، تاہم اس اثر کا کیا نتیجہ تھا؟ اسکو خود عیسائی مورخین کی زبان سے سننا چاہیے ! ایک عیسائی مؤرخ لکھتا ہے،

"عیسائیون نے عرب کو پانسو برس تعلیم و تلقین کی، اس پر بھی خال خال عیسائی نظر آتے تھے، یعنی بنو حارث نجران مین، بنو حنیف یمامہ مین، اور کچھ بنی طے مین عیسائی تھے، باقی خیریت، ٭ ٭ ٭ بالآخر عرب کو من حیث المذہب دیکھیے تو اسکی سطح پر عیسائیون کی ضعیف کوششون کی کچھ خفیف سی موجین لہراتی نظر آتی تھین، اور یہود کی قوت بھی کبھی بڑی شدت سے طغیانی کرتی نظر آتی تھی، لیکن بت پرستی اور بنو اسمٰعیل کے بیہودہ اعتقادات کا دریا ہر سمت سے جوش مارتا ہوا کعبہ سے آکر ٹکراتا تھا"[2]

یہ حالت صرف عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ تمام دنیا مین یہی تاریکی چھائی ہوئی تھی (اسکی تفصیل کتاب کے دوسرے حصہ مین آئیگی) کیا اس عام ظلمت، اس عالمگیر تیرگی، اس وسیع اور ہمہ گیر تاریکی مین، ایک آفتاب عالمتاب کی حاجت نہ تھی؟

---

[1] توراۃ، تکوین آیت ۲۲ تا ۲۹ مین حضرت یعقوب کے خدا سے کشتی لڑنے کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔ [2] میور صاحب کی لائف آف محمد جلد ۱، دیباچہ

سلسلۂ اسمٰعیلی

یہ پہلے معلوم ہوچکا ہی کہ مورخین عرب نے عرب کی تین قسمین کی ہین،

عرب کی وہ قدیم قومین، جو بالکل برباد ہوگئین، مثلاً طسم وجدیس، وغیرہ،

خالص عرب جو قحطان کی اولاد ہین مثلاً اہل یمن اور انصار (اور تیسرا سلسلۂ اسمٰعیلی)

حضرت اسمٰعیل جب مکہ مین آباد ہوئے، تو حوالی مکہ مین نبوجرہم آباد تھے، حضرت اسمٰعیل نے اس خاندان مین شادی کی، اس سے جو اولاد ہوئی وہ عرب مستعربہ کہلاتی ہی، اب عرب کا بڑا حصہ اسی خاندان سے ہی،

پیغمبر اسلام اور خود اسلام، کی تاریخ تمام تر اسی اخیر سلسلہ سے وابستہ ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم حضرت اسمٰعیلؑ ہی کے خاندان سے ہین، اور جو شریعت آنحضرتؐ کو عنایت ہوئی وہی ہی جو حضرت ابراہیم کو عطا ہوئی تھی، قرآن مجید مین ہی،

مِلّۃ ابیکم ابراھیم ھُو سمّٰکم المسلمین من قبل (حج - ۹)	تمھارے باپ ابراہیم کا مذہب اسی نے پہلے ہیل تمھارا نام مسلم رکھا،

لیکن یورپ کے بہت سے متعصب مورخ، سرے سے ان حقائق کے منکر ہین، یعنی نہ حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل عرب مین آئے، نہ انھون نے کعبہ کی بنیاد ڈالی، نہ آنحضرتؐ حضرت اسمٰعیل کی اولاد ہین،

چونکہ ان مباحث نے مذہبی تعصب کی صورت اختیار کرلی ہی، اسلئے یہ توقع مشکل ہی کہ ہم اس بحث کو اسطرح طی کرسکین گے، کہ استدلال کی بنیاد، یوروپ کے مسلمات پر رکھی جائے،

جو واقعات مختلف فیہ ہین بہت ہین، لیکن اصولی امور صرف دو ہین جن مین دونون فریق کا کوئی قدر مشترک نظر نہین آتا، یہ اصول جس فریق کے موافق طے ہون اسکے فرعی جزئیات بھی اسی کے موافق تسلیم کرلینے چاہئین، اصول مذکورہ حسب ذیل ہین،

۱- حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل عرب مین آکر آباد ہوئے یا نہین؟

۲- حضرت ابراہیم نے حضرت اسحاق کو قربانی کرنا چاہا تھا، یا حضرت اسمٰعیل کو؟

(حضرت اسماعیل کہان آباد ہوئے؟) یہود مدعی ہین کہ حضرت اسحاق ذبیح ہین، اس بنا پر وہ قربانی گاہ کا موقع شام بتاتے ہین، لیکن اگر یہ ثابت ہوجائے کہ حضرت اسحٰق نہین، بلکہ حضرت اسمٰعیل تھے تو قربانی گاہ کے موقع کی نسبت عرب ہی کی روایتین تسلیم کرنی پڑین گی، اور اس حالت مین تاریخ کی تمام کڑیان متصل ہوجائینگی،

توراۃ مین مذکور ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی پہلی اولاد حضرت ہاجرہ کے بطن سے ہوئی جسکا نام اسماعیل رکھا گیا، حضرت اسماعیل کے بعد حضرت سارہؑ کے بطن سے حضرت اسحٰق پیدا ہوئے، حضرت اسمٰعیل جب بڑے ہوئے تو حضرت سارہ نے یہ دیکھکر کہ وہ حضرت اسحاق کے ساتھ گستاخی کرتے ہین، حضرت ابراہیم سے کہا کہ ہاجرہ اور اسکے بیٹے کو گھر سے نکال دو، ان واقعات کے بعد توراۃ کے خاص الفاظ یہ ہین،

"تب ابراہیم نے صبح سویرے اٹھکر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور ہاجرہ کو اسکے کاندھے پر دھر کردی، اور اُس لڑکے کو بھی رخصت کیا، وہ روانہ ہوئی بیر سبع کے بیابان مین بھٹکتی پھرتی تھی، اور جب مشک کا پانی چک گیا تب اُس نے اُس لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا اور آپ اس کے سامنے ایک تیر کے ٹپے پر دور جاکر بیٹھی کیونکہ اسنے کہا مین لڑکے کا مرنا نہ دیکھون سو وہ سامنے بیٹھی اور چلا چلا کے رُوئی تب خدا نے اُس لڑکے کی آواز سُنی اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا کہ اے ہاجرہ! تجھ کو کیا ہوا مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہان وہ پڑا ہے خدا نے سُنی، اٹھ اور لڑکے کو اُٹھا اور اسے اپنے ہات سے سنبھال کہ مین اسکو ایک بڑی قوم بناؤنگا، پھر خدا نے اسکی آنکھین کھولین اور اُس نے پانی کا ایک کنوان دیکھا اور جاکر اپنی مشک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے کو پلایا، اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان مین رہا کیا، اور تیرانداز ہوگیا اور وہ فاران کے بیابان مین رہا اور اس کی مان نے ملک مصر سے ایک عورت بیاہنے کو لی" (توراۃ سفر پیدایش، باب ۲۱)

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل جب گھر سے نکالے گئے، تو بالکل بچّہ تھے، چنانچہ حضرت ہاجرہ نے مشک کو اور اُن کو کاندھے پر اُٹھایا، عربی توراۃ مین صاف یہ الفاظ ہین،

واضعًا ایاھا علی کتفھا والولد — حضرت ابراہیم نے مشک اور بچہ دونون کو ہاجرہ کے کندھے پر رکھا،

لیکن توراۃ مین یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم کی عمر ۸۶ برس کی تھی[1] اور جب حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیل کا ختنہ کیا تو حضرت اسمٰعیل کی عمر ۱۳ برس کی، اور حضرت ابراہیمؑ کی ننانوے برس کی تھی[2]،

یہ ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیل کے گھر سے نکالے جانے کا واقعہ، ختنہ کے بعد کا ہوگا، اس لیے اُسوقت قطعًا انکی عمر ۱۳ برس سے زیادہ تھی اور اس سن کا لڑکا اتنا چھوٹا نہین ہوتا کہ مان اُسے کندھے پر اُٹھائے پھرے، اس واقعہ سے غرض یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی عمر اسوقت اتنی ہو چکی تھی کہ حضرت ابراہیمؑ، ان کو، اور انکی والدہ کو، اصلی مقام سکونت سے کسی دور مقام پر لاکر آباد کر سکتے تھے،

توراۃ کی عبارت مذکورہ مین تصریح ہے کہ حضرت اسمٰعیل فاران مین رہے اور تیر اندازی کرتے رہے، عیسائی کہتے ہین کہ فاران اُس صحرا کا نام ہے جو فلسطین کے جنوب مین واقع ہے اس لیے حضرت اسماعیل کا عرب مین آنا خلاف واقعہ ہے،

جغرافیہ دانِ عرب عمومًا متفق ہین کہ فاران، حجاز کے پہاڑ کا نام ہے، چنانچہ معجم البلدان مین صاف تصریح ہے لیکن عیسائی مصنفین اس سے اتفاق نہین کر سکتے، اس کا فیصلہ ایک بڑی طول طویل بحث پر مبنی ہے جو مباحثہ اور مناظرہ کی حد تک پہنچ جاتی ہے، اس لیے ہم اس کو قلم انداز کرتے ہین، البتہ اس قدر بتانا ضروری ہے کہ عرب کی حدود شمالی کسی زمانہ مین کس حد تک وسیع تھی،

مانسیو لیبان، تمدّنِ عرب مین لکھتے ہین،

---

[1] پیدائش. باب ۱۶، [2] پیدائش باب ۱۷- ۲۴ و ۲۵،

"اس جزیرہ کی حد شمالی اس قدر صاف اور آسان نہین ہے یعنی یہ حد اس طرح پر قائم ہوتی ہے کہ غزہ سے جو فلسطین کا ایک شہر اور بحر متوسط پر واقع ہے ایک خط جنوب بحر لوط تک کھینچا جائے اور وہان سے دمشق اور دمشق سے دریاے فرات تک اور دریاے فرات کے کنارے کنارے لاکر خلیج فارس مین ملا دیا جائے، پس اس خط کو عربستان کی حد شمالی کہہ سکتے ہین،"

اس بنا پر عرب کے حجازی حصہ کا فاران مین محسوب ہونا خلاف قیاس نہین، توراۃ مین جہان حضرت اسمٰعیل کی جاے سکونت کا بیان ہے، وہان یہ الفاظ ہین،

"اور وہ حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اُس راہ مین ہے جس سے اسور کو جاتے ہین بستے تھے"[1]

اس تحدید مین، مصر کے سامنے جو زمین پڑتی ہے وہ عرب ہی ہو سکتا ہے نصاریٰ کی مقدس کتابون مین جسقدر اعتنا ہے بنو اسرائیل کے ساتھ ہے بنی اسماعیل کا ذکر محض ضمنی طور پر آجاتا ہے اور اس وجہ سے حضرت اسمٰعیل کا عرب مین آباد ہونا بہ تصریح نہین ملتا، لیکن مختلف تلمیحات سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہ کا عرب مین آباد ہونا ایک مسلمہ امر تھا، عہد جدید مین جس کو عیسائی وحی الٰہی سمجھتے ہین، پولوس کا ایک خط گلیتون کے نام ہے اس مین یہ عبارت[2] ہے،

"ابراہیم کے دو بیٹے تھے، ایک لونڈی سے دوسرا آزاد سے، پر وہ جو لونڈی سے تھا، جسم کے طور پر پیدا ہوا، اور جو آزاد سے تھا، سو وعدے کے طور پر، یہ بات تمثیلی بھی مانی جاتی ہے اسلیے کہ یہ عورتین دو عہد ہین، ایک تو سینا پہاڑ جو ہوا وہ نرے غلام جنتی ہے، یہ ہاجرہ ہے، کیونکہ ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے اور اب کے یروشلم کا جواب ہے"

اگرچہ معلوم نہین اصلی عبارت کیا تھی، اُردو اور عربی دونون ترجمے ناصاف ہین، تاہم اس قدر واضح ہے کہ پولوس جو حضرت عیسیٰ کے سب سے بڑے جانشین ہین حضرت ہاجرہ کو عرب کا کوہ سینا کہتے تھے، اگر حضرت ہاجرہ عرب مین آباد نہوئی ہوتین تو ان کو عرب کا کوہ سینا کہنا کیا معنی رکھتا ہے، آگے چلکر مکّہ کے ذکر مین یہ بحث زیادہ مؤید

---

[1] سفر تکوین باب ۲۵، آیت ۱۸، [2] باب ۴، آیت ۲۴،

ہوجائے گی،

ذبیح کون ہو؟ توراۃ اگرچہ یہودیون کی عدم احتیاط، اغراضِ ذاتی اور زمانہ کے انقلابات سے سرتاپا مسخ ہوگئی ہو اور خصوصاً پیغمبر خاتم کے متعلق اُس مین جو تصریحات اور تلمیحات تھین، یہود کے دستِ تصرف نے اُن کو بالکل برباد کردیا ہو، تاہم حقایق کے عناصر اب بھی ہر جگہ موجود ہین، توراۃ مین گو تصریحاً حضرت اسحٰق کا ذبیح ہونا لکھا ہو لیکن سطحِ کلام مین اس بات کے قطعی دلائل موجود ہین کہ وہ ہرگز ذبیح نہ تھے، اور نہ ہوسکتے تھے، امورِ ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہئے،

۱- شریعت سابقہ کے رُو سے، قربانی صرف اُس جانور یا آدمی کی ہوسکتی تھی جو پہلوٹھا بچہ ہو، اسی بنا پر ہابیل نے جن مینڈھون کی قربانی کی تھی وہ پہلوٹے بچے تھے،

خدا نے حضرت موسیٰ سے جہان لاویون کے متعلق احکام ارشاد فرمائے، وہان فرمایا ہو،

لان لی کل بکر فی بنی اسرائیل من الناس والبہائم	کیونکہ بنو اسرائیل مین آدمی اور جانور کا ہر پہلوٹا بچہ میرے لیے ہو (عدد ۸-۱۷)

۲- پہلوٹے بچہ کی افضلیت کسی حالت مین زائل نہین ہوسکتی، توراۃ مین ہو کہ اگر کسی شخص کی دو بیویان ہون ایک محبوبہ ہو اور دوسری غیر مرغوب، تو فضیلت اُسی اولاد کو ہوگی جو پہلوٹی ہو، گو وہ غیر مرغوبہ سے ہو،

فَاِنَّہٗ اوّلُ قدرتہٖ ولہٗ حقُّ البکوریّۃِ	کیونکہ وہ اُس کی پہلی قدرت ہو، اور اُسی کو اولادِ اولین ہونے کا حق ہو،
(سفر تثنیۃ اصحاح ۲۱- آیت ۱۵ و ۱۷)	

۳- جو اولاد خدا کو نذر کردی جاتی تھی اُسکو باپ کا ترکہ نہین ملتا تھا، توراۃ مین ہو،

فی ذلک الوقت افرز الرب سبط لاوی لیحملوا	تب خدا نے لاوی کی اولاد کو اسلیے مخصوص کرلیا کہ خدا کے
تابوت عہد الرب ولکے یقفوا امام الرب	عہد کا تابوت اُٹھائے، اور تاکہ خدا کے آگے کھڑا ہو، تاکہ وہ
لیخدموہ ویبارکو باسمہ الیٰ ھذا الیوم	خدا کی خدمت کرین، اور اسکے نام سے آج تک برکت لین،
لاجل ذلک لم یکن للاوی قسم ولا نصیب	یہی وجہ ہو کہ لاویون کو اپنے بھائیون کے ساتھ کوئی حصہ

مع اخوته' الرب هو نصيبه' (توراۃ تثنیہ۔ اصحاح ۱۰۔ آیت ۸ و ۹) اور ترکہ نہین ملا۔ کیونکہ اُن کا حصہ خدا ہی'

۴۔ جو شخص خدا کی نذر کردیا جاتا تھا وہ سر کے بال چھوڑ دیتا تھا اور معبد کے پاس جاکر منڈاتا تھا جس طرح آج حج مین احرام کھولنے کے وقت بال منڈاتے ہین' توراۃ مین ہی'

فها انك تحملين و تلدين ابناً و لا يعلُ موسى راسه — اب تو حاملہ ہوگی اور بچہ جنیگی' اور اُس کے سر پر استرا نہ پھیرا جاے

لان الصبى يكون نذيرَ الله' (توراۃ قضاۃ صحاح ۱۳۔ ۴) کیونکہ یہ بچہ خدا کے لیے نذر کیا جاے گا'

۵۔ جو شخص خدا کا خادم بنایا جاتا تھا اسکے لیے "خدا کے سامنے" کا لفظ استعمال کرتے تھے' (توراۃ۔ سفر عدد ۶۔ ۱۶۔ و ۲۰۔ و سفر تکوین ۔ ۱۷۔ ۱۔ و تثنیہ ۱۰۔ ۸۔)

۶۔ حضرت ابراہیم کو بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا' اُس مین قید تھی' کہ وہ بیٹا قربانی کیا جاے جو اکلوتا ہو' اور محبوب ہو' (توراۃ۔ تکوین۔ اصحاح۔ ۲۲۔ آیت ۲۔)

اب اصل مسئلہ پر غور کرو' لیکن پہلے یہ بتا دینا ضرور ہی کہ حضرت ابراہیم کی شریعت مین قربانی کرنا اور خدا پر نذر چڑھانا' ایک بات تھی' یعنی دونون کے لیے ایک ہی لفظ استعمال کرتے تھے ؟

اگر یہ کہا جاے کہ بچہ کو فلان معبد مین قربانی چڑھادو' تو اسکے یہ معنی تھے کہ وہ اس معبد کی خدمت اور مجاورت کے لیے گھر سے الگ کردیا جاے' لیکن یہ لفظ جب جانورون کے لیے استعمال کیا جاتا تھا تو حقیقی قربانی کے معنی مراد ہوتے تھے' توراۃ[۱] مین خدا کی زبان سے مذکور ہی'

لان لى كل بكر فى بنى اسرائيل من الناس والبهائم — کیونکہ بنی اسرائیل مین آدمی اور جانور کا ہر پہلوٹا بچہ میرے لیے ہی'

اسی اصحاح مین تصریح کے ساتھ مذکور ہی کہ "خدا نے حضرت موسے سے کہا کہ تم بنی اسرائیل مین سے لاویون کو لو' اور اُنکے خدا کے سامنے پیش کرو۔ کہ خدا کے لیے خاص کردیئے جائین اور یہ لوگ دو گایون کے سر پر ہاتھ رکھدین جو قربانی کی جائین"'

---

[۱] عدد۔ اصحاح ۔ ۸ ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب مین بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا، اُس سے بھی یہی مراد تھی کہ بیٹے کو معبد کی خدمت کے لیے نذر چڑھا دین حضرت ابراہیم نے پہلے اس خواب کو عینی اور حقیقی سمجھا اور اسلیئے بعینہ اسکی تعمیل کرنی چاہی لیکن بعد مین ظاہر ہوا کہ وہ تمثیلی خواب تھا اس بنا پر حضرت ابراہیم نے بیٹے کو خانۂ خدا کی خدمت کے لیے خاص کردیا، اور جو شرطین قربانی کی تھین قائم رکھین،

بیان مذکورۂ بالا کے ذہن نشین کرنے کے بعد، دلائل ذیل پیش نظر رکھنے چاہیئن،

(۱) حضرت اسحاق کی ولادت حضرت اسماعیل کے بعد ہے اس بنا پر حضرت اسحاق اکلوتے بیٹے نہین، اور چونکہ قربانی کے لیے اکلوتے بیٹے کی شرط ہے، اسلیئے حضرت اسحاق کی قربانی کا حکم نہین ہو سکتا تھا،

(۲) حضرت اسحاق کو حضرت ابراہیم نے اپنا تمام ترکہ دیا، بخلاف اس کے حضرت اسمٰعیل اور انکی والدہ کو صرف پانی کی ایک مشک دیکر رخصت کیا، یہ اس بات کا قطعی قرینہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسحاق کو قربانی یعنی معبد پر نذر نہین چڑھایا تھا،

(۳) حضرت اسماعیل کے خاندان مین مُدت تک یہ رسم قائم رہی، کہ لوگ سر کے بال نہین منڈاتے تھے، حج مین احرام کے زمانہ تک جو بال نہین منڈاتے، یہ اُسی سُنّتِ اسماعیلی کی یادگار ہے،

(۴) جو الفاظ قربانی اور نذر چڑھانے کے لیئے ملّتِ ابراہیمی مین استعمال کئے جاتے تھے وہ حضرت ابراہیم نے حضرتِ اسمٰعیل کے لیئے استعمال کئے نہ حضرت اسحاق کے لیئے، توراۃ مین ہے کہ جب خدا نے حضرت ابراہیم کو حضرت اسحاق کی ولادت کی خوشخبری دی تو حضرتِ ابراہیم نے کہا،

"لَیتَ اِسمٰعِیلَ یَعِیشُ اَمامَكَ، "کاش اسماعیل تیرے سامنے زندہ رہتا"

توراۃ مین جہان جہان یہ لفظ استعمال ہوا ہے (سامنے زندہ رہنا) اسی معنون مین ہوا ہے،

(۵) حضرت اسمٰعیل حضرت ابراہیم کے محبوب ترین اولاد تھے، توراۃ جو تمامتر حضرت اسحاق کی یکطرفہ داستان ہے، اس مین حضرت اسحاق اور حضرت اسمٰعیل کے جو امتیازی خصائص بیان کئے ہین یہ ہین کہ حضرت اسحاق

خدا کے وعدہ اور عہد کا مظہر ہیں اور حضرت اسماعیل دعوت ابراہیم ہیں یعنی حضرت ابراہیم کی دعا اور خواہش سے پیدا ہوئے اسی بنا پر خدا نے انکا نام اسمٰعیل رکھا کیونکہ اسماعیل دو لفظون سے مرکب ہی، سمع اور ایل سمع کے معنی "سننے" کے اور "ایل" کے معنی "خدا" کے ہین یعنی خدا نے حضرت ابراہیم کی دعا "سن لی" توراۃ مین ہی کہ خدا نے حضرت ابراہیم سے کہا "کہ اسمٰعیل کے بارے مین مین نے تیری سن لی" حضرت ابراہیم کو جب خدا نے حضرت اسحاق کی خوش خبری دی تو حضرت ابراہیم نے اس موقع پر بھی حضرت اسماعیل کو یاد کیا، غرض چونکہ حضرت ابراہیم کو قربانی کا جو حکم ہوا تھا اس مین قید تھی کہ محبوب ترین بیٹا ہو، اسلیے حضرت اسمٰعیل ہی ذبیح ہو سکتے ہین نہ حضرت اسحاق،

(۶) حضرت اسحاق کی جب خدا نے بشارت دی تو ساتھ ہی یہ بھی بشارت دی کہ مین اسکی نسل سے ابدی عہد باندھون گا، توراۃ مین ہی،

"پھر خدا نے کہا بلکہ تیری بیوی سارہ تیرے لیے ایک بیٹا جنے گی اور تو اُس کا نام اسحاق رکھے گا، اور مین ابدی عہد اُسکی نسل سے قائم کرون گا" (توراۃ، تکوین - اصحاح ۱۷، آیت ۱۸)

اس اجمال کی تفسیر ہی کہ توراۃ مین مذکور ہی کہ جب حضرت ابراہیم نے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا اور فرشتہ نے ندا دی کہ ہات کو روک لو، تو فرشتہ نے یہ الفاظ کہے،

"خدا کہتا ہی کہ چونکہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو بچا نہین رکھا مین تجھکو برکت دون گا اور تیری نسل کو آسمان کے ستارون اور ساحل بحر کی ریتی کی طرح پھیلا دون گا" (توراۃ تکوین - اصحاح ۲۲ - آیت ۱۵)

اب غور کرو، کہ خدا نے جب حضرت اسحاق کی بشارت ہی کے وقت یہ کہدیا تھا کہ مین اسکی نسل قائم رکھون گا تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ جس وقت تک حضرت اسحاق کی اولاد نہین پیدا ہوئی تھی اُنکی قربانی کا حکم ہوتا، لیکن حضرت اسمٰعیل کو ذبیح تسلیم کیا جائے تو تمام نصوص منطبق ہو جاتے ہین، حضرت اسمٰعیل اکبر اولاد تھے، محبوب تر تھے،

---

۱ توراۃ تکوین - ۱۷ - ۱۸ ، ۲ تکوین - اصحاح ۱۵ - ۳ تکوین - اصحاح - ۱۷ و ۱۹ -
۴ یہ مسلم ہی کہ حضرت اسحاق کی اولاد حضرت ابراہیم کی وفات کے بعد پیدا ہوئی (تکوین - اصحاح ۲۵ - آیت ۱۱)

قربانی کے وقت بالغ یا قریب البلوغ تھے۔ قربانی سے پہلے انکی کثرت نسل کی بشارت نہین دی گئی، توراۃ مین تصریح ہو کہ چونکہ ابراہیم نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا اسلیئے اِس بیٹے کی کثرتِ نسل کا وعدہ کیا گیا، یعنی یہ کثرت نسل اسی قربانی کے صلہ مین تھی۔ اسلیئے ذبیح حضرت اسمٰعیل ہی ہو سکتے ہین کیونکہ حضرت اسحاق کی تکثیر نسل کا وعدہ تو انکی ولادت ہی کے وقت ہو چکا تھا جو کسی انعام و صلہ کے معاوضہ مین نہ تھا،

مقام قربانی

۷۔ توراۃ مین قربانی گاہ کا جو موقع بتایا گیا ہو، وہ "مریا" ہو، یہودی کہتے ہین کہ یہ وہ جگہ ہو جہان حضرت سلیمان کا ہیکل تھا، عیسائی کہتے ہین یہ اس جگہ کا نام ہو جہان حضرت عیسٰی کو سولی دی گئی، لیکن یورپ کے محققون نے اِن دونون دعوون کی تغلیط کی ہو، سر اسٹانلی لکھتے ہین، ؛

"حضرت ابراہیم صبح کے وقت اپنے خیمہ سے نکل کر اس مقام پر گئے، جہان انکو خدا نے حکم دیا تھا لیکن یہ موریا کا پہاڑ نہین ہو جیسا کہ یہود کا دعوے ہو، نہ عیسائیون کے خیال کے موافق قبر مقدس کے گرجا کے پاس ہو، یہ قیاس تو یہودیون کے قیاس سے بھی زیادہ بعید ہو، اور اس سے بھی زیادہ ابعد مسلمانون کا دعویٰ ہو کہ وہ جبل عرفات ہو[۱] غالباً یہ مقام جرزیم کے پہاڑ پر ہو، اور وہی قربانی گاہ سے مشابہ مقام ہو"

اس سے اتنا تو ثابت ہوا کہ موریا کے تعین مین یہودیون اور عیسائیون کے دعوے غلط ہین، باقی یہ امر کہ مسلمانون کا دعوےٰ بھی غلط ہو۔ اسکی تحقیق آگے آتی ہو،

مُوریا کی تعیین مین جو اختلاف پیدا ہوا، اُس نے ایک اور اختلاف پیدا کر دیا، یعنی یہ کہ یہ لفظ کسی مقام کا نام ہو، یا وصفی معنی رکھتا ہو، بہت سے مترجمون نے اس کو ایک مشتق لفظ سمجھا اور اس لیے اس کا ترجمہ توراۃ کے بعض نسخون مین بلوطات عالیہ اور بعض مین "زمین بلند" اور بعض مین مقام الرؤیا کیا گیا، لیکن زیادہ صائب الرائے لوگون نے اس کو مقام کا نام سمجھا اور اسلیئے لفظ کا ترجمہ نہین کیا بلکہ بحال خود رہنے دیا، لیکن امتدادِ زمانہ اور بے پروائی سے لفظ کی ہیئت بدل گئی، یعنی مُریا کا مورہ ہو گیا خصوصاً اس وجہ سے کہ عبرانی زبان مین دونون لفظونکا

---

[۱] یہ غلط ہو مسلمان، عرفات کو نہین بلکہ منیٰ کو قربانی گاہ سمجھتے ہین،

اِملا قریب قریب ہی،

مورہ کی نسبت توراۃ مین تصریح ہی کہ عرب مین واقع ہی، توراۃ مین ہی،

وکان جیش المدیانیین شمالیھم عند تل مورۃ فی الوادی، (قضاۃ، اصحاح ۷، آیت ۲)	اور مدیانیون[1] کی فوج، شمال کی جانب مورہ کی پہاڑی پر وادی مین تھی (مدیان، عرب مین واقع ہی)

تمام واقعات اور قراین کو پیش نظر رکھا جائے تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ لفظ مورہ نہین بلکہ مَروہ ہی جو مکہ معظمہ کی پہاڑی ہی، اور جہان اب سعی کی رسم ادا کی جاتی ہی،

عرب کی روایات، قرآن مجید کی تصریح، احادیث کی تعیین، تمام چیزین اس قیاس سے اس قدر مطابق ہوتی جاتی ہین کہ اس قسم کا تطابق بغیر صحت واقعہ کے ممکن نہین تفصیل اس کی یہ ہی،

حدیث مین ہی کہ آنحضرت نے مَروہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "قربانی گاہ یہ ہی" اور مکہ کی تمام پہاڑیان اور گھاٹیان قربانی گاہ ہین[2]،

آنحضرت کے زمانہ مین مروہ مین قربانی نہین ہوتی تھی بلکہ منٰی مین ہوتی تھی جو مکہ سے تین میل پر ہی، تاہم آنحضرت صلعم نے مروہ ہی کو اصلی قربانی گاہ فرمایا، یہ اسی بنا پر تھا کہ حضرت ابراہیم نے یہین حضرت اسمٰعیل کی قربانی کرنی چاہی تھی،

قرآن مجید مین ہی،

ثم محلھا الی البیت العتیق	پھر قربانی کے جانورون کی جگہ کعبہ ہی،
ھدیا بالغ الکعبۃ	قربانی جو کہ کعبہ مین پہونچے،

مَروہ بالکل کعبہ کے مقابل اور اُس کے قریب ہی، ان آیتون سے ثابت ہوتا ہی کہ قربانی کی اصلی جگہ کعبہ ہی منٰی نہین، لیکن جب حجاج کی کثرت ہوئی تو کعبہ کی حدود کو منٰی تک وُسعت دے دی گئی،

[1] مدین عرب کی زمین ہی، اور عرب کو اکثر مدیانیون کہتے ہین، اور مدین کی زمین، شام کی جنوب سے یمن کے شمال تک ہی اور یہ لوگ حضرت ابراہیم کی اولاد مین جو قطورا سے تھے۔ (ضمیمہ بائبل صفحہ ۱۱۴) [2] موطاے امام مالک،

قربانی کی یادگار یہودی حضرت اسحاق کی اولاد ہین، اسلیئے اگر حضرت اسحاق ذبیح ہوتے تو اسکی کوئی یادگار ان کے ہان موجود ہوتی، بخلاف اس کے حضرت اسمٰعیل کے خاندان بلکہ تمام مسلمانون مین جو حضرت اسمٰعیل کی روحانی اولاد ہین، قربانی کی تمام رسمین آج تک موجود ہین،

اولادِ اسمٰعیل مین قربانی کی تمام یادگارین موجود ہین اور حج جو کہ ایک بڑا فریضۂ اسلام ہی، تمامتر اسی قربانی کی یادگار ہی، چنانچہ اسکی تفصیل حسب ذیل ہی،

۱۔ حضرت ابراہیم کو جب خدا نے بیٹے کی قربانی کا حکم دینا چاہا تو پکارا، اے ابراہیم! حضرت ابراہیم نے کہا "مین حاضر ہون[۱]"،

حج کے وقت مسلمان جو ہر قدم پر لبیک کہتے چلتے ہین، یہ وہی ابراہیمی الفاظ ہین جسکا لفظی ترجمہ وہی ہے، "مین حاضر ہون"

۲۔ شریعتِ ابراہیمی مین دستور تھا کہ جس کو قربان گاہ پر چڑھاتے تھے، یا خدا کے لیے نذر دیتے تھے، وہ بار بار معبد یا قربانی گاہ کے پھیرے کرتا تھا[۲]

حج مین صفا و مروہ کے درمیان جو، بارسعی کرتے ہین یہ اسی کی یادگار ہی،

۳۔ نذر کے فرائض مین ایک یہ تھا کہ ایامِ نذر تک بال نہین کترواتے تھے، حج مین بھی یہی دستور ہی جب احرام اُتارتے ہین تب بال کترواتے یا مُنڈاتے ہین، خود قرآن مجید مین اس شعار کا ذکر ہی،

مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَهُمْ — سرون کو منڈائے ہوئے،

۴۔ حج کا ایک ضروری رُکن، قربانی ہی، یہ وہی حضرت اسمٰعیل کی قربانی کی یادگار ہی۔ اسی بنا پر قرآن مجید مین فرمایا ہی،

وفدیناہ بذبحٍ عظیم — حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے بدلے ہمنے ایک بڑی قربانی قائم کی،

---

[۱] توراۃ۔ تکوین۔ اصحاح ۲۲۔ آیت ۱۔ [۲] توراۃ لاویین اصحاح ۸۔ آیت ۲۷،

یہ دلائل توراۃ کی تصریحات وکنایات کی بناپر تھے، قرآن مجید کے رُو سے قطعاً حضرت اسمٰعیل کا ذبح ہونا ثابت ہی، اگرچہ بہت سے مفسرون نے غلطی سے یہودیون ہی کی روایت کی تائید کی ہی، قرآنِ مجید مین قربانی کا واقعہ ان الفاظ مین مذکور ہی،

وقال انی ذاھبٌ الٰی ربی سیھدین ربِّ ھب لی من الصالحین فبشرناہ بغلٰمٍ حلیم۔ فلما بلغ معہُ السعی قال یا بُنیَّ انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ الخ	اور حضرت ابراہیم نے کہا مین اپنے خدا کیطرف جاتا ہون وہ مجھکو راستہ دکھائیگا۔ خدایا مجھکو نیک اولاد دے کہ جو نیک چلن ہو، تو ہم نے اسکو ایک سمجھدار لڑکے کی خوشخبری دی، پھر جب وہ لڑکا اسکے ساتھ چلنے لگا تو ابراہیم نے کہا بیٹے! مین نے خواب مین دیکھا کہ مین تجھ کو ذبح کر رہا ہون، تیری کیا راے ہی؟ الخ

آیت بالا مین مذکور ہی کہ حضرت ابراہیم نے اولاد کے لیے دعا مانگی، اور خدا نے قبول کی اور وہی لڑکا قربانی کے لیے پیش کیا گیا،

توراۃ سے ثابت ہی کہ جو لڑکا حضرت ابراہیم کی دعا سے پیدا ہوا وہ حضرت اسمٰعیل ہین، اور اسی لیے اُن کا نام اسمٰعیل رکھا گیا کہ خدا نے اُن کے بارہ مین حضرت ابراہیم کی درخواست سُنی، اس بناپر اس آیت مین جس کا ذکر ہی وہ حضرت اسمٰعیل ہین، اسحاق نہین،

قربانی کے واقعہ کی تفصیل اور اختتام کے بعد حضرت اسحاق کی ولادت کا ذکر ہی، اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہی کہ جس کا ذکر اوپر ہوا وہ حضرت اسحاق نہین ہین، بلکہ حضرت اسمٰعیل ہین،

مُسلمانون کا نام جو مُسلم رکھا گیا یہ وہ نام ہی جو حضرت ابراہیم نے ایجاد کیا تھا، قرآن مجید مین ہی،

مِلّۃَ ابیکم ابراھیم ھو الذی سمّٰکم المسلمین من قبلُ،	تمھارے باپ ابراہیم کا مذہب اُسی نے پہلے تمھارا نام مسلمان رکھا تھا،

اس تسمیہ کی تاریخ قربانی سے شروع ہوتی ہی، یعنی جب حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کو قربانی کرنا چاہا اور ان سے

کہا کہ "مجھ کو خدا کا یہ حکم ہوا ہی، تمھاری کیا رائے ہی" تو حضرت اسمٰعیل نے نہایت استقلال کے ساتھ گردن جھکا دی کہ یہ سر حاضر ہی، اس موقع پر خدا نے "اسلما" کا لفظ استعمال کیا جو اسلام سے ماخوذ ہی اور جس کے معنی "تسلیم" اور "حوالہ کر دینے" کے ہین،

فلما اسلما
پھر جب دونون نے اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دیا،

حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کا سب سے بڑا عظیم الشان کارنامہ تسلیم و رضا ہی، یعنی جب قربانی کا حکم ہوا تو باپ بیٹے دونون نے بے عذر گردنین جھکا دین، یہ وصف مقبول بارگاہ ہوا اور پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کا یہی شعار مذہبی قرار پایا، اسی بنا پر حضرت ابراہیم نے اپنے پیروانِ ملت کا نام مُسلم رکھا،

قربانی، ایثار، اور اسلام، درحقیقت یہ سب مترادف الفاظ ہین، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہو کہ حضرت اسمٰعیل ہی نے اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کیا تھا، اگر حضرت اسحاق قربانی ہوتے تو یہ لقب انکی اولاد یا انکی اُمت کو ملتا،

قربانی کی حقیقت اس مسئلہ کی حقیقت اُس وقت اور بھی واضح ہو جاتی ہی، جب اس پر غور کیا جاے کہ حضرت ابراہیم کو جو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا، اس سے اصل مقصود کیا تھا، قدیم زمانہ مین بت پرست قومین اپنے معبودون پر اپنی اولاد کو بھینٹ چڑھا دیا کرتی تھین، یہ رسم ہندوستان مین انگلش گورنمنٹ سے پہلے موجود تھی، مخالفین اسلام کا خیال ہو کہ حضرت اسمٰعیل کی قربانی بھی اسی قسم کا حکم تھا، لیکن یہ سخت غلطی ہی،

اکابر صوفیہ نے لکھا ہو کہ انبیا علیہم السلام کو جو خواب دکھائے جاتے ہین دو قسم کے ہوتے ہین، عینی اور تمثیلی عینی مین بعینہٖ وہی چیز مقصود ہوتی ہی جو خواب مین نظر آتی ہی، تمثیلی مین تشبیہ اور تمثیل کے پیرایہ مین کسی مطلب کو ادا کرنا ہوتا ہی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو خواب دکھایا گیا تھا اُس سے یہ مُراد تھی کہ بیٹے کو کعبہ کی خدمت کے لیئے نذر چڑھا دین یعنی وہ کسی اور شغل مین مصروف نہون بلکہ کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیئے جائین، توراۃ مین جابجا قربانی کا لفظ ان معنون مین آیا ہی،

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِس خواب کو عینی خیال کیا۔ اور بعینہٖ اُسکی تعمیل کرنی چاہی، گو یہ خیال اجتہادی غلطی تھی جو انبیا رسے ہوسکتی ہی (گو یہ غلطی قائم نہین رہتی بلکہ خدا اُسپر متنبہ کردیتا ہی) اس بنا پر گو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس فعل سے روک دیئے گئے لیکن خدا نے اُن کی حُسنِ نیّت کی قدر کی، اور فرمایا،

قد صدقت الرؤیا انا کذلک نجزی المحسنین — تو نے خواب کو سچا کیا، ہم اسیطرح نیکو کارون کو جزا دیتے ہین،

بہرحال یہان اس تفصیل سے مقصود یہ ہی کہ قربانی سے مقصود، خدمتِ کعبہ کے لیے نذر چڑھانا تھا، نذر چڑھانے کے لیے شریعتِ سابقہ مین جو لفظ مستعمل تھا وہ "خدا کے سامنے" تھا، توراۃ مین یہ محاورہ نہایت کثرت سے آیا ہی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل کے حق مین خدا سے جو دعا کی وہ اِن لفظون مین تھی؛

لیت اسمٰعیل یعیش امامک (توراۃ، تکوین، اصحاح ۱۷، آیت ۱۸) — کاش اسمٰعیل تیرے سامنے زندگی کرتا،

اسی خواہش کے مطابق اُن کو خواب مین تمثیلی پیرایہ مین حکم دیا گیا کہ وہ بیٹے کی قربانی کرین، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہی کہ حضرت ابراہیم کو خواب مین حضرت اسحاق کی قربانی کا نہین بلکہ حضرت اسمٰعیل کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا،

مکہ معظمہ

حضرت اسماعیل کی بحث سکن مین گذرچکاکہ وہ عرب تھا، مقام ذبح کی تعیین مین یہ ثابت ہوچکاکہ وادی مکہ تھا، اس بناپر مکہ کی نسبت ایک بحث نہایت قدیم زمانہ سے تعلق رکھتی ہی،

متعصب عیسائی مورخ لکھتے ہین کہ اس شہر کی قدامت کا دعویٰ مسلمانون کا خاص دعویٰ ہی، قدیم تاریخون مین اس کا نشان نہین ملتا[1]، اس بناپر ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھتے ہین،

مکہ کا قدیم اور اصلی نام بکۃ ہی۔ قرآن مجید مین یہی نام ہی،

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبَارَکًا (سورۂ آل عمران، پارہ ۴) پہلا متبرک گھر جو آدمیون کے لیئے بنایا گیا وہ بکہ مین تھا،

کتاب زبور۔ ۸۴-۶-مین ہی،

"وہ بکہ کی وادی مین گزرتے ہوئے، اُسے ایک کنوان بناتے، برکتون سے مورۃ کو ڈھانک لیتے قوت سے قوت تک ترقی کرتے چلے جاتے ہین،"

اس عبارت مین بکّہ کا جو لفظ ہی، یہ وہی مکہ معظمہ ہی لیکن اگر اس لفظ کو اسم علم کے بجاے مشتق قرار دین تو اس کے معنی "رونے" کے ہون گے، اور یہ وہی عربی لفظ بُکاء ہی، چونکہ یہود و نصاریٰ ہمیشہ مکہ کی وقعت مٹانے کے درپے رہتے آئے، اسلیئے بہت سے مترجمین نے عبارت مذکور مین بکۃ کا ترجمہ رونا کردیا ہی لیکن ہرشخص خود سمجھ سکتا ہی کہ اس حالت مین، وادی بکا کے کیا معنی ہونگے؟ زبور کی عبارت مذکورہ کی اوپر کی آیتون سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ اس نشید مین حضرت داؤد نے مکہ معظمہ، اور مروہ اور قربان گاہ اسمعیلی

---

[1] مرگیوس اپنی کتاب مین لکھتا ہی "اگرچہ مذہبی خیال کی وجہ سے مسلمانون نے اپنے مذہبی مرکز کو نہایت قدیم البنا قرار دیا ہی لیکن صحیح روایات سے پتہ چلتا ہی کہ مکہ کی سب سے قدیم عمارت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے صرف چند پشت قبل تعمیر ہوئی تھی" مرگیوس نے اس کے ثبوت مین اصابہ کا حوالہ بھی دیا ہی، اور ہمکو بھی اسکی صحت سے انکار نہین لیکن اس کل بیان مین ایک مغالطہ ہی جسکو ہمنے اصل کتاب مین ظاہر کردیا ہی،

کی نسبت اپنا شوق اور حسرت ظاہر کی ہے، اوپر کی عبارت یہ ہے، (حضرت داؤد، خدا سے کہتے ہین) اے فوجون کے خدا! تیرے مسکن کس قدر شیرین ہین، میرا نفس خدا کے گھر کا مشتاق بلکہ عاشق ہے۔ ۔ ۔ اے خدا! تیرے قربان گاہ، میرے مالک اور میرے خدا ہین، مبارک ہو اُن لوگون کو جو تیرے گھر مین ہمیشہ رہتے ہین، اور تیری تسبیح پڑھتے ہین" اسکے بعد بکہ والی آیتین، اب غور کرو، حضرت داؤد جس مقام کے پہونچنے کا شوق ظاہر کرتے ہین، وہ اس مقام پر صادق آسکتا ہے جس مین حسب ذیل باتین پائی جائین،

(۱) قربانی گاہ ہو،

(۲) حضرت داؤد کے وطن سے دور ہو، کہ وہان تک سفر کر کے جائین،

(۳) وہ وادی بکۃ کہلاتا ہو،

(۴) وہان مقام مورۃ بھی ہو، اِن باتون کو پیش نظر رکھو تو قطعاً یقین ہو جائے گا کہ بکۃ وہی مکہ معظمہ، اور مورۃ، وہی مروۃ ہے، اسکے ساتھ یہ بھی اندازہ ہو گا کہ یہودی، کس طرح تعصب سے الفاظ کو ادل بدل کر دیتے ہین یحرّفون الکلم عن مواضعہ۔ ڈاکٹر ہسٹنگس نے "ڈکشنری آف دی بائبل" مین وادی بکا پر جو آرٹکل لکھا ہے اُسکا خلاصہ یہ ہے،

"اس لفظ سے اگر کوئی واقعی وادی مراد ہے تو وہ حسب ذیل ہو سکتی ہے۔

(۱) ایک وادی ہے جس مین ہو کر زائرین، بیت المقدس جاتے ہین۔

(۲) وادی اخور ہے۔ جو یشوعا باب ۷، آیات ۲۴-۲۶ وغیرہ مین مذکور ہے۔

(۳) وادی رَفایون ہے جو سامویل دوم باب ۵ آیات ۱۸-۲۲- وغیرہ مین مذکور ہے۔

(۴) کوہ سینا کی ایک وادی ہے،

(۵) بیت المقدس تک جو کاروانی راستہ، شمال سے آتا ہے اس راستہ کی آخری منزل ہے،"

(دیکھو رینان کی کتاب "حیات عیسیٰ" باب ۴)

لیکن کیا عجیب بات ہے، ڈاکٹر ہسٹنگس کو اتنے احتمالات کثیرہ مین کہین مکہ معظمہ کا پتہ نہین لگتا۔ (مصرع)

همان ورق کہ سیہ گشتہ مدعا اینجاست

حیرت پر حیرت یہ ہو کہ جن جن وادیون کا نام لیا ہو، ان مین ایک کو بھی بکا کی لفظ سے کسی قسم کی مناسبت نہین، یہانتک کہ ایک حرف بھی مشترک نہین، بخلاف اسکے بکا۔ اور بکّہ۔ بالکل ایک لفظ ہین فرق اسیقدر ہو جسقدر ایک ہی لفظ کے تلفظ مین فرق پیدا ہو جاتا ہو۔

جدید "انسائیکلوپیڈیا" مین محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے عنوان سے جو مضمون ہو وہ مرگیولوس کا ہو۔ اس مین مکہ معظمہ کی نسبت لکھا ہو۔ کہ

"قدیم تاریخون مین، اس شہر کا نام نہین ملتا، بجز اسکے کہ زبور (۸۴-۶) مین "وادی بکہ" کا لفظ ہے۔"

لیکن مرگیولوس صاحب اس تاریخی شہادت کو ضعیف سمجھتے ہین۔

پروفیسر دوزی، جو فرانس کا مشہور محقق اور عربی دان عالم ہو، وہ لکھتا ہو کہ[1]

"بکہ وہی مقام ہو جس کو یونانی جغرافیہ دان ماکروبہ لکھتے ہین"

لیکن مارگولیوس کو پروفیسر دوزی کے بیان پر بھی اعتماد نہین۔

کارلائل صاحب نے اپنی کتاب "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" مین لکھا ہو کہ

"رومن مؤرخ "سیسلس" نے کعبہ کا ذکر کیا ہو اور لکھا ہو کہ "وہ دنیا کے تمام معبدون سے قدیم اور اشرف ہو، اور یہ ولادت مسیح سے پچاس برس پہلے کا ذکر ہو"

اگر کعبہ حضرت عیسے سے بہت پہلے موجود تھا، تو مکہ بھی قریباً اسی زمانہ کا شہر ہوگا، کیونکہ جہان کہین کوئی مشہور معبد ہوتا ہو، اسکے آس پاس ضرور کوئی نہ کوئی شہر یا گانون آباد ہو جاتا ہو،

یاقوت حموی نے معجم البلدان مین لکھا ہو کہ مکہ معظمہ کا عرض اور طول بلد، بطلیموس[3] کے جغرافیہ مین حسب ذیل ہو۔

---

[1] جلد ۱، صفحہ ۲۹۹۔ ارزان اڈیشن [2] انسائیکلوپیڈیا طبع اخیر جلد ۱، صفحہ ۲۹۹۔ ارزان اڈیشن [3] بطلیوس کے جغرافیہ کا ترجمہ عباسیون کے زمانہ مین ہوگیا تھا مسعودی اور ابن الندیم نے اکثر اسکے حوالے دیئے ہین،

"طول ۸۰ درجہ ۔ عرض ۲۳ درجہ ۔"

بطلیوس نہایت قدیم زمانہ کا مصنف ہی، اگر اسنے اپنے جغرافیہ مین مکہ کا ذکر کیا ہی تو اس سے زیادہ قدامت کی کیا سند درکار ہی۔

مارگیولوس نے جس بنا پر مکہ معظمہ کی قدامت سے انکار کیا ہی وہ یہ ہی کہ "اصابہ" مین تصریح ہی کہ مکہ مین سب سے پہلی عمارت جو تعمیر ہوئی وہ، "سعید بن یا سعد بن عمرو نے تعمیر کی" لیکن مارگیولوس کو یہ معلوم نہین کہ مؤرخین عرب نے جا بجا یہ بھی تصریح کی ہی کہ چونکہ اہل عرب، کعبہ کے مقابل یا آس پاس عمارت بنانے کو کعبہ کی بے ادبی سمجھتے تھے، اسلیئے عمارتین نہین بنوائین، بلکہ خیمون اور شامیانون مین رہتے تھے، اور اس طرح مکہ، ہمیشہ سے خیمون کا ایک وسیع شہر تھا،

خانۂ کعبہ کی تعمیر

دنیا مین ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی، ایران، ہند، مصر، یورپ مین عالم گیر اندھیرا تھا، قبولِ حق ایک طرف اس وسیع خطۂ خاک مین گز بھر زمین نہین ملتی تھی جہان کوئی شخص، خالص خدا ے واحد کا نام لے سکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کلدان مین یہ صدا بلند کرنی چاہی تو آگ کے شعلون سے کام پڑا، مصر آے ناموس کو خطرہ کا سامنا ہوا، فلسطین پہونچے کسی نے بات تک نہ پوچھی، خدا کا جہان نام لیتے تھے شرک اور بت پرستی کے غلغلہ مین آواز دب دب کر رہ جاتی تھی، معمورۂ عالم کے صفحے نقشہا ے باطل سے ڈھک چکے تھے۔ اب ایک سادہ، بے رنگ، ہر قسم کے نقش ونگار سے معرّا، ورق درکار تھا، جسپر طغراے حق، لکھا جائے، یہ صرف حجاز کا صحراے ویران تھا، جو تمدّن اور عمران کے داغ سے کبھی داغدار نہین ہوا تھا،

حضرت ابراہیم حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل کو عرب مین لائے اور ان کو یہین آباد کیا، حضرت سارہ نے (جیسا کہ توراۃ مین ہی) کچھ عرصہ کے بعد انتقال کیا، حضرت ابراہیم مکہ مین چلے آے، حضرت اسمٰعیل جوان ہو چکے تھے، اعلانِ حق مین ایک ہم آواز ہات آیا، دونون نے ملکر ایک چھوٹے سے چوکھونٹے

گھر کی بنیاد ڈالی،

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ — اور جب کہ ابراہیم اور اسمٰعیل خانۂ خدا کی دیواریں اُٹھا رہے تھے،

گھر بن چکا تو وحی الٰہی نے آواز دی،

وَطَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ (سورہ حج) — ہمارا گھر، طواف کرنے والوں، رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک کر، اور تمام لوگوں کو پکار دے کہ حج کو آئیں پیدل بھی اور دُبلی اونٹنیوں پر بھی ہر دور دراز گوشہ سے آئیں گے،

اسوقت اعلان واشتہار کے وسائل نہین تھے، ویران جگہ تھی، اور آدمی کا کوسون تک پتہ نہ تھا، ابراھیم کی آواز حُدودِ حرم سے باہر نہین جاسکتی تھی، لیکن دیکھو وہی معمولی آواز کہان کہان پہنچی، شرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک، اور زمین سے آسمان تک،

علامہ ازرقی نے تاریخ مکہ مین لکھا ہو کہ حضرت ابراہیم نے جو تعمیر کی، اس کا عرض وطول حسب ذیل تھا،

بلندی ۔ زمین سے چھت تک ۔ ۹ گز،

طول ۔ حجر اسود سے رُکن شامی تک ۔ ۳۲ گز،

عرض ۔ رکن شامی سے غربی تک ۔ ۲۲ گز،

عمارت بن چکی تو حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ تاکہ ایسے مقام پر لگا دون جہان سے طواف شروع کیا جائے، تاریخ مکہ موسوم بہ اعلام باعلام بیت الحرام مین ہی،

فقال ابراهیم لاسمٰعیل علیهما الصلٰوة والسلام یا اسمٰعیل ایتنی بحجر اضعه حتی یکون علما للناس یبتدؤن منه الطواف — پھر حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ تاکہ مین ایسی جگہ نصب کردون جہان سے لوگ، طواف شروع کرین۔

خدا کا یہ گھر ایسا سادہ تعمیر ہوا تھا کہ نہ چھت تھی۔ نہ کواڑ اور چوکھٹ بازو تھے، جب قصی بن کلاب کو کعبہ کی تولیت

حاصل ہوئی تو انھون نے قدیم عمارت گرا کر نئے سرے سے تعمیر کی اور کھجور کے تختون کی چھت پائی[۱]

کعبہ کی برکت اور کشش سے لوگ آس پاس آباد ہونے لگے، چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ جرہم آکر آباد ہوا، اس قبیلہ مین مضاض بن عمرو جرہمی ایک ممتاز شخص تھے، حضرت اسمٰعیل نے ان کی لڑکی سے شادی کی، انسے بارہ اولاد ہوئی، جن کے نام توراۃ مین مذکور ہین، ان مین سے اکثر اہل عرب قیدار کی اولاد مین ہین، حضرت اسمٰعیل کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے نابت کعبہ کے متولی ہوئے، ان کے مرنے کے بعد انکے نانا مضاض نے یہ منصب حاصل کیا اور کعبہ کی تولیت خاندان اسمٰعیل سے نکل کر جرہم کے خاندان مین آگئی، لیکن پھر ایک اور قبیلہ خزاعۃ نے کعبہ پر قبضہ کر لیا، اور مدت تک اسی خاندان مین یہ منصب رہا حضرت اسمٰعیل کا خاندان موجود تھا لیکن انسے کچھ مزاحمت نہین کی قصی بن کلاب کا زمانہ آیا تو انھون نے اپنا آبائی حق حاصل کیا، چنانچہ اسکی تفصیل آگے آتی ہے،

حرم کعبہ پر سب سے پہلے جس نے پردہ چڑھایا وہ یمن کا حمیری بادشاہ اسعد تبع تھا، یمن مین خاص قسم کی چادرین بُنی جاتی ہین، جن کو بُرد یمانی کہتے ہین، یہ پردہ انھی چادرون سے تیار کیا گیا تھا، قصی بن کلاب کے زمانہ سے تمام قبائل پر ایک محصول لگا دیا گیا جس سے پردہ طیار کیا جاتا تھا، علامۂ ازرقی نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے بھی یمنی پردہ چڑھایا تھا لیکن اس روایت کے سلسلہ کا ایک راوی واقدی ہے[۲]۔

خدا کا گھر، سیم وزر کی نقش آرائیون کا محتاج نہ تھا، لیکن دولت اور ملک کی ترقی کے یہ لوازم ہین، اسلئے

---

[۱] اعلام بحوالۂ کتاب النسب از ابن بکار۔ وابن الماوردی، [۲] حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ مین قُباطی کا پردہ چڑھایا تھا جو مصر مین بُنا جاتا ہے، ان کے بعد معمول ہو گیا کہ ہر خلیفہ اپنے عہد خلافت مین پردہ چڑھاتا تھا۔ بنوامیہ نے دیبا کا پردہ چڑھایا تھا، مامون الرشید ہر سال تین پردے چڑھاتا تھا، حج کے زمانہ مین دیباے احمر کا، رجب مین قُباطی کا، عید الفطر مین دیباے سفید کا، مصر مین جب سلطان صالح ابن سلطان قلاون بادشاہ ہوا تو مصر کے دو گانون پردہ کے مصارف کے لیے وقف کر دیئے، جب ترکی خاندان قسطنطنیہ مین حکمران ہوا تو سلطان سلیمان نے چند گانون اور اضافہ کر دیے (اعلام باعلام بیت اللہ الحرام) خانۂ کعبہ پر پردہ چڑھانے کی تاریخ بتفصیل فتوح البلدان بلاذری، اور تاریخ مکہ ازرقی اور معجم البلدان وغیرہ مین ہے، ہم نے اخیر تصنیف یعنی اعلام کو لیا ہے کہ وہ ان سب کے بعد کی تصنیف اور جامع ہے،

حضرت عبداللہ بن زبیر جب خلیفہ ہوئے تو انھون نے کعبہ کی ستونون پر سونے کے پتر چڑھائے۔ عبدالملک بن مروان نے اپنے زمانہ مین ۳۰ ہزار اشرفیان اس کام کے لیے بھیجین۔ امین الرشید نے ۱۸ ہزار اشرفیان نذر کین کہ دروازہ کی چوکھٹ وغیرہ طلائی بنوادی جائے۔ اعلام (تاریخ مکہ) مین عہد بہ عہد کی طلا کاریون کی تفصیل لکھی ہی، لیکن یہ واقعات عہد نبوت کے بعد کے ہین جو ہماری کتاب کا موضوع نہین۔ اور سچ یہ کہ کہ آفتاب پر سونا چڑھانا، ضرور بھی نہین

حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی خدا کا گھر بن چکا تو ضرورت تھی کہ اُسکی تولیت اور خدمت کے لیے کوئی نفس قدسی تمام مشاغل سے الگ ہو کر، اپنی زندگی اُسپر نذر چڑھائے۔ اس قسم کی نذر کو، ابراہیمی شریعت مین قربانی سے تعبیر کرتے تھے، توراۃ مین یہ محاورہ کثرت سے آیا ہی،

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین، انبیا علیہم السّلام پر جو وحی آتی ہی، اسکے مختلف انواع ہین جن مین سے ایک خواب بھی ہی، چنانچہ صحیح بخاری باب بدءالوحی مین ہی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی کی جو ابتدا ہوئی خواب سے ہوئی، یہ خواب کبھی تمثیلی ہوتا ہی جس طرح حضرت یوسفؑ نے آفتاب و ماہتاب اور ستارون کو سجدہ کرتے دیکھا تھا، بہر حال، حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو خواب دکھلایا گیا کہ اپنے بیٹے کو اپنے ہات سے ذبح کر رہے ہین، انھون نے اس خواب کو عینی سمجھا اور بعینہٖ اسکی تعمیل پر آمادہ ہوئے،

حضرت ابراہیم کو اپنے استقلال اور جان نثاری پر اعتماد تھا، لیکن یہ تحقیق طلب تھا کہ پانزدہ سالہ نوجوان بھی اپنی گردن پر چھری چلتے دیکھ سکتا ہی یا نہین؟ بیٹے سے مخاطب ہو کر کہا،

یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ	بیٹا! مین خواب مین دیکھتا ہون کہ مین تجھکو ذبح کر رہا ہون،
فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی (صٰفّٰت)	تو بتا، تیری کیا رائے ہی،

بیٹے نے نہایت استقلال سے جواب دیا،

یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ	ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہی وہ کر گزریے، خدا نے چاہا تو مین

اللّٰہ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ، ثابت قدم رہونگا،

اب ایک طرف نوّد سالہ پیر ضعیف ہی، جسکو دعاہاے سحر کے بعد، خاندانِ نبوت کا چشم وچراغ عطا ہوا تھا، جسکو وہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب رکھتا تھا، اب اسی محبوب کے قتل کے لیے اسکی آستینین چڑھ چکی ہین، اور ہات مین چھری ہی،

دوسری طرف، نوجوان بیٹا ہی، جسنے بچپن سے آج تک، باپ کی محبت آمیز نگاہون کی گود مین پرورش پائی ہی، اور اب باپ ہی کا مہر پرور ہات، اس کا قاتل نظر آتا ہی، ملائکۂ قدسی، فضاے آسمانی، عالمِ کائنات، یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے ہین، اور انگشت بدندان ہین کہ دفعتہً عالمِ قدس سے آواز آتی ہی،

یٰاِبۡرٰهِیۡمُ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡیَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ صفّٰت	ابراہیم! تونے خواب کو سچ کر دکھایا، ہم، نیک بندون کو اسی طرح اچھا بدلہ دیا کرتے ہین،

طغیانِ نازبین، کہ جگر گوشۂ خلیل — درزیر تیغ رفت وشہیدش نمی کنند

بیٹے نے جس استقلال جس عزم، اور جس حیرت خیز ایثار سے اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کیا، اسکا صلہ یہی تھا کہ یہ رسم (قربانی) قیامت تک دنیا مین اسکی یادگار رہ جائے،

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

سلسلۂ نسب

یہ ہی، محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان،

صحیح بخاری (باب مبعث النبی) مین یہین تک ہی، لیکن امام بخاری نے اپنی تاریخ مین عدنان سے حضرت ابراہیم تک نام گنائے ہین، یعنی عدنان بن عد بن المقوم بن تارح بن یشجب بن یعرب بن ثابت بن اسمٰعیل بن ابراہیم،

سلسلۂ نسب

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن کا ذکر توراۃ مین بھی ہی، ان مین سے قیدار کی اولاد حجاز مین آباد ہوئی اور بہت پھیلی، انہی کی اولاد مین عدنان ہین، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہی کے خاندان سے ہین، عرب کے نسب دان تمام پشتون کو محفوظ نہین رکھتے تھے، چنانچہ اکثر نسب نامون مین عدنان سے حضرت اسمٰعیل تک صرف آٹھ، نو پشتین بیان کی ہین، لیکن یہ صحیح نہین، عدنان سے لیکر حضرت اسمٰعیل تک اگر صرف نو دس پشتین ہون تو یہ زمانہ تین سو برس سے زیادہ نہوگا، اور یہ امر بالکل تاریخی شہادتون کے خلاف ہی، علامہ سہیلی روض الانف مین لکھتے ہین،

ویستحیل فی العادۃ ان یکون بینھما اربعۃ	اور یہ عادۃً محال ہی کہ دونون مین ۴ یا ۷ پشتون کا فاصلہ
اوسبعۃ کما ذکر ابن اسحاق اوعشرۃ او	ہو جیسا کہ ابن اسحاق نے ذکر کیا یا ۱۰ ۲۰ پشتین ہون، کیونکہ
عشرون فان المدۃ اطول من ذلک کلہ	زمانہ اس سے بہت زیادہ ہی،

علامہ موصوف نے بہت سے تاریخی حوالون اور شہادتون سے ثابت کیا ہی کہ عدنان سے حضرت اسمٰعیل

تک ۳۰ پشتون کا فاصلہ ہی، اس غلطی نے بعض عیسائی مورخون کو اس بات کا موقع دیا ہی کہ سرے سے اس بات کے منکر ہو گئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاندان ابراہیم سے ہین[۱]،

اس غلطی کی زیادہ وجہ یہ ہوئی کہ اہل عرب زیادہ تر مشہور آدمیون کے نام پر اکتفا کرتے تھے، اور بیچ کی پیڑھیون کو چھوڑ دیتے تھے، اسکے علاوہ اہل عرب کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسمٰعیل کے خاندان سے ہونا قطعی اور یقینی تھا، اس لیے وہ صرف اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ عدنان تک سلسلۂ نسب صحیح طور سے نام بنام پہنچ جائے، اوپر کے اشخاص کا نام لینا غیر ضروری سمجھتے تھے، اس لیے چند مشہور آدمیون کا نام لیکر چھوڑ دیتے تھے، تاہم عرب مین ایسے محققین بھی تھے جو فروگذاشت سے واقف تھے، علامۂ طبری نے تاریخ مین لکھا ہی کہ "مجھ سے بعض نسب دانون نے بیان کیا کہ مین نے عرب مین ایسے علماء دیکھے جو معد سے لیکر حضرت اسمٰعیل تک چالیس پشتون کے نام لیتے تھے، اور اس شہادت مین عرب کے اشعار پیش کرتے تھے، اس شخص کا یہ بھی بیان تھا کہ مین نے اس سلسلہ کو اہل کتاب کی تحقیقات سے ملایا تو پشتون کی تعداد برابر تھی، البتہ نامون مین فرق تھا[۲]"، اسی مؤرخ نے ایک اور موقع پر لکھا ہی کہ "شہر تدمر مین ایک یہودی تھا جس کا نام ابو یعقوب تھا وہ مسلمان ہو گیا تھا، اُس کا بیان تھا کہ ارمیا پیغمبر کے منشی نے عدنان کا جو نسب نامہ لکھا تھا وہ میرے پاس موجود ہی[۳]، اس شجرے مین بھی عدنان سے لیکر حضرت اسمٰعیل تک چالیس نام ہین"، بہرحال یہ واقعہ یقینی ہی کہ عدنان حضرت اسمٰعیل کی اولاد سے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عدنان کے خاندان سے ہین،

---

۱ سر ولیم صاحب نے صریحاً یہ ثابت کرنا چاہا ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیل کے خاندان سے نہ تھے ان کے الفاظ یہ ہین "یہ خواہش کہ مذہب اسلام کے پیغمبر کو اسمٰعیل کی اولاد سے خیال کیا جائے اور غالباً یہ کوشش کہ وہ اسمٰعیل کی نسل مین سے ثابت کئے جائین، ان کی حین حیات مین پیدا ہوئے تھے اور اس طرح پر محمد کے ابراہیمی نسب نامہ کے ابتدائی سلسلے گھڑے گئے تھے، اور اسمٰعیل اور بنی اسرائیل کے بیشمار قصے نصف یہودی اور نصف عربی سانچہ مین ڈھالے گئے تھے" (لیکن ایک طرف سر ولیم میور صاحب کا تنہا شبہہ ہی، دوسری طرف بیسیون یورپین اور یہودی مورخین ہین جو نہ صرف خاندان قریش کو بلکہ تمام شمالی عرب و حجاز کو ابراہیمی النسل تسلیم کرتے ہین، (دیکھو فارسٹر صاحب کا جغرافیہ تاریخی عرب)

۲ تاریخ طبری مطبوعۂ یورپ صفحہ ۱۱۱۸، ۳ تاریخ طبری مطبوعۂ یورپ صفحہ ۱۱۱۵،

بنائے خاندان قریش

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خاندان اگرچہ اباً عن جد معزز[1] اور ممتاز چلا آتا تھا لیکن جس شخص نے اس خاندان کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا، وہ نضر بن کنانہ تھے، بعض محققین کے نزدیک قریش کا لقب سب سے پہلے فہر کو ملا اور انہی کی اولاد قریشی ہو، حافظ عراقی سیرت منظوم مین لکھتے ہین،

اما قریش فالاصح فہر　　　　جماعها والاکثرون النضر[2]

قصی

نضر کے بعد فہر اور فہر کے بعد قُصّی بن کلاب نے نہایت عزّت واقتدار حاصل کیا، اس زمانہ مین حرم کے متولی حُلیل خزاعی تھے، قُصّی نے حُلیل کی صاحبزادی سے جن کا نام حبّی تھا شادی کی تھی، اس تعلق سے حُلیل نے مرتے وقت وصیت کی کہ حرم کی خدمت قُصّی کو سپرد کی جائے، اس طرح یہ منصب بھی ان کو حاصل ہوگیا، قصّی نے ایک دار المشورۃ قائم کیا جس کا نام دار الندوہ رکھا، قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی طیاری کرتے تو اسی عمارت مین کرتے، قافلے باہر جاتے تو یہین سے طیار ہو کر جاتے، نکاح اور دیگر تقریبات کے مراسم بھی یہین ادا ہوتے،

---

[1] تاریخ عرب کا ایک ایک حرف اس واقعہ کا شاہد ہو، لیکن مارگولس نے نہایت کوشش کی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو مبتذل ثابت کیا جائے ان کے الفاظ یہ ہین "یہ بالکل ظاہر ہو کہ محمد ایک غریب اور ادنیٰ خاندان سے تھے" اس کے بعد صاحب موصوف نے حسب ذیل استدلال پیش کیے ہین" (۱) قران مجید مین ہو، کہ قریش کو حیرت تھی کہ ان مین ایسا پیغمبر کیون نہ بھیجا گیا جو شریف خاندان سے ہوتا (۲) پیغمبر کے عروج کے زمانے مین قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس درخت سے تشبیہ دی جو گھورے پر جمتا ہو (۳) رسول اللہ کو جب ایک شخص نے مولی کے لفظ سے خطاب کیا تو آپنے اس لقب سے انکار کیا (۴) فتح مکہ کے دن آپنے فرمایا کہ آج شرفائے کفار کا خاتمہ ہوگیا" قرآن شریف کے الفاظ یہ ہین، وقالوا لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم ۵ یعنی کفار کہتے ہین کہ "یہ قرآن دو شہرون (مکہ و طائف) کے کسی رئیس پر کیون نہ اُترا" عظیم اور شریف دو الگ لفظ ہین قرآن مین عظیم کا لفظ ہو، اہل عرب دولت واقتدار والے کو عظیم کہتے تھے، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ کی شرافت سے نہین بلکہ جاہ و دولت سے انکار تھا، دوسرا استدلال اگر صحیح ہو تو دشمن کی ہر بات کو صحیح ماننا چاہیے، کفار نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ، جادو زدہ، شاعر سب کچھ کہا، ان مین سے کونسی بات صحیح ہو؟ بے شبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مولیٰ اور سید کے لفظ سے انکار کیا، لیکن متعدد حدیثون مین صاف تصریح ہو کہ آپ نے فرمایا مجھ کو سیّد اور مولیٰ نہ کہو مولا اور سیّد خدا ہو، قرآن مین ہر جگہ خدا ہی کو مولا کہا ہو، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاندانی شرافت کا ابطال کیونکر ہوتا ہو؟ اخیر استدلال بھی حیرت انگیز ہو، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کم نسبی کیونکر ثابت ہوتی ہو؟ کہ شرفائے مکہ سے یہان مراد جبارین و متکبرین مکہ ہین) مارگولس صاحب نے یہ دلایل نولدیک سے نقل کیے ہین جو مشہور جرمنی مستشرق ہو۔ ع این خانہ تمام آفتاب است،

[2] زرقانی جلد اول صفحہ ۹۰،۔

قصی نے بڑے بڑے نمایان کام کیے جو ایک مُدت تک یادگار رہے، مثلاً سقایہ[1] اور رفادہ جو خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا، انہی نے قائم کیا، تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی کہ سیکڑون ہزارون کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہین، انکی میزبانی قریش کا فرض ہی، چنانچہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منا اور مکہ معظمہ مین حجاج کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا، اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے جن مین ایام حج مین پانی بھر دیا جاتا تھا کہ حجاج کے کام آئے، مشعر حرام بھی انہی کی ایجاد ہی، جسپر ایام حج مین چراغ جلاتے تھے چنانچہ عقد الفرید مین تصریح کی ہی، قصی نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگون کا بیان ہی کہ قریش کا لقب اول انہی کو ملا[2]، چنانچہ علامہ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید مین بھی لکھا ہی، اور یہ بھی تصریح کی ہی کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس بسایا اس لیے ان کو قریش کہتے ہین کیونکہ تقریش کے معنی جمع کرنے کے ہین اسی بنا پر اُن کو مُجمّع بھی کہتے تھے، چنانچہ شاعر کہتا ہی،

قصیٌ ابوکم من یسمی مُجمّعاً ‏ ‏ ‏ ‏ به جمع اللّٰہ القبائل من فهر

قصی کی چھ اولاد تھی۔ عبد الدار۔ عبد مناف۔ عبد العزی۔ عبد بن قصی۔ تخمر۔ برہ۔ قصی نے مرتے وقت حرم محترم کے تمام مناصب سب سے بڑے بیٹے عبد الدار کو دیئے[3]، اگرچہ وہ سب بھائیون مین ناقابل تھے، لیکن قصی کے بعد قریش کی ریاست عبد مناف نے حاصل کی اور اُنھین کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خاندان ہی، عبد مناف کے چھ بیٹے تھے، ان مین سے ہاشم نہایت صاحب صولت اور باا‌ثر تھے،

---

[1] سقایہ یعنی حاجیون کو آب زمزم پلانا، اور رفادہ حاجیون کے کھانے پینے کا انتظام کرنا۔ [2] قصی بن کلاب کا مفصل تذکرہ طبقات ابن سعد جزو اول مطبوعہ لیڈن ۱۳۲۲ھ صفحہ ۳۶ سے لیکر ۴۲ تک ہی، قریش کی وجہ تسمیہ مین اختلاف ہی بعض کہتے ہین کہ قریش کے معنی جمع کرنے کے ہین، قصی نے لوگون کو ایک رشتہ مین منسلک کیا، اسلیے قریش کہلائے، بعض کہتے ہین کہ ایک مچھلی کا نام ہی جو تمام مچھلیون کو کھا جاتی ہی، چونکہ قصی بہت بڑے سردار تھے اسلیے ان کو اس مچھلی سے تشبیہ دی عام خیال یہ ہی کہ قریش قصی یا کسی اور خاص شخص کا نام ہی، لیکن امام سہیلی کی تحقیق یہ ہی کہ یہ قبیلہ کا نام ہی جس طرح قبائل عرب جانورون کے نام پر نام رکھتے تھے، مثلاً اسد، نمر وغیرہ مورخین یورپ کا خیال ہی کہ قبائل جانورون کی پرستش کرتے تھے اور انہی جانورون کے نام سے مشہور ہو جاتے تھے، لیکن عربی تاریخون مین اس کا پتہ نہین چلتا، [3] طبقات ابن سعد جلد ۱، صفحہ ۴۱،

انھون نے بھائیون کو اس بات پر آمادہ کیا کہ حرم کے مناصب جو عبدالدار کو دیے گئے واپس لے لیے جائین، وہ لوگ اس منصب عظیم کے قابل نہین، عبدالدار کے خاندان نے انکار کیا، اور جنگ کی تیاریان شروع کین۔ بالآخر اس پر صلح ہو گئی کہ عبدالدار سے سقایۃ اور رفادہ واپس لے کر ہاشم کو دیدیا جائے[1]

ہاشم ہاشم نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا، حُجّاج کو نہایت سیرچشمی سے کھانا کھلاتے تھے، چری حوضون مین پانی بھروا کر زمزم اور منا کے پاس سبیل رکھتے تھے، تجارت کو نہایت ترقی دی۔ قیصر روم سے خط و کتابت کر کے فرمان لکھوایا کہ "قریش جب اسکے ملک مین اسباب تجارت لے کر جائین تو ان سے کوئی ٹکس نہ لیا جائے" حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔ چنانچہ اہل عرب جاڑون مین یمن اور گرمیون مین شام اور ایشیاے کوچک تک تجارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ اس زمانہ مین انگوریہ (انقرہ) جو ایشیاے کوچک کا مشہور شہر ہے **قیصر** کا پایہ تخت تھا، تجارِ قریش، انگوریہ مین جاتے تھے تو قیصر نہایت عزت اور حرمت سے خیر مقدم کرتا تھا،

عرب مین راستے محفوظ نہ تھے، ہاشم نے مختلف قبائل مین دورہ کر کے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ قریش کے کاروانِ تجارت کو ضرر نہ پہونچائینگے جس کے صلہ مین کاروانِ قریش، اُن قبایل مین اُن کی ضرورت کی چیزین خود لے کر جائے گا، اور ان سے خرید و فروخت کریگا" یہ سبب تھا کہ عرب مین باوجود عام لوٹ مار کے قریش کا قافلۂ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا[1]،

ایک دفعہ مکہ مین قحط پڑا ہاشم نے اس قحط مین شوربہ مین روٹیان چُورا کر کے لوگون کو کھلائین اُسوقت سے اُنکا نام ہاشم مشہور ہو گیا، عربی زبان مین چُورہ کرنے کو ہشم کہتے ہین جس کا اسم فاعل ہاشم ہے،

ایک بار تجارت کی غرض سے شام گئے۔ راستہ مین مدینہ مین ٹھہرے وہان سال کے سال بازار لگتا تھا، بازار مین گئے تو ایک عورت کو دیکھا جسکی حرکات و سکنات سے شرافت اور فراست کا اظہار ہوتا تھا، اسکے ساتھ

---

[1] امالی ابو علی قالی، [2] طبری صفحہ ۱۰۸۸ و ۱۰۸۹

حسین اور جمیل بھی تھی، دریافت سے معلوم ہوا کہ خاندانِ بنی نجار سے ہو اور سلمیٰ نام ہو، ہاشم نے اس سے شادی کی درخواست کی اور اس نے قبول کر لی، غرض نکاح ہو گیا، شادی کے بعد یہ شام کو چلے گئے۔ اور غزہ میں جا کر انتقال کیا، سلمیٰ کو حمل رہ گیا تھا لڑکا پیدا ہوا اس کا نام شیبہ رکھا گیا، اُس نے قریباً ۸ برس تک مدینہ مین پرورش پائی۔ ہاشم کے بھائی جن کا نام مُطّلِب تھا ان کو یہ حالات معلوم ہوئے تو فوراً مدینہ روانہ ہوئے وہان پُہنچکر بھتیجے کی جستجو کی، سلمیٰ نے ان کے آنے کا حال سُنا تو بلوا بھیجا، تین دن مہمان رہے، چوتھے دن شیبہ کو ساتھ لیکر مکہ معظمہ روانہ ہوئے، ان کی عمر ۸ برس کی تھی یہان آکر اُن کا نام عبد المطّلب پڑ گیا،

عبد المطلب — عبد المُطّلِب کے لفظی معنی "مطلب کا غلام" ہین۔ اس لیے اربابِ سیر نے وجہ تسمیہ مین بہت سے اقوال نقل کیے ہین جن مین صحیح تر یہ ہو کہ چونکہ مُطّلب نے ان کی پرورش کی تھی اور یہ یتیم تھے، اس لیے عرب کے عام محاورہ کے مطابق غلام مُطّلِب مشہور ہو گئے[1]،

عبد المطّلِب کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہو کہ چاہ زمزم جو ایک مُدّت سے اَٹ کر گم گیا تھا انھون نے اس کا پتہ لگایا اور کھُدوا کر نئے سر سے درست کرا دیا،

انھون نے منت مانی تھی کہ دس بیٹون کو اپنے سامنے جوان دیکھ لین گے تو ایک کو خدا کی راہ مین قربان کر دین گے۔ خدا نے یہ آرزو پوری کی۔ دسون بیٹون کو لے کر کعبہ مین آئے اور پُجاری سے کہا کہ اِن دسون پر قرعہ ڈالو، دیکھو کس کے نام پر نکلتا ہو، اتفاق سے عبد اللہ کا نام نکلا، یہ ان کو لیکر قربان گاہ کو چلے عبد اللہ

عبد اللہ — کی بہنین جو ساتھ تھین رونے لگین اور کہا کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربانی کیجیے۔ ان کو چھوڑ دیجیے عبد المطلب نے پُجاری سے کہا کہ عبد اللہ پر اور دس اونٹون پر قرعہ ڈالو اتفاق یہ کہ عبد اللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا عبد المطلب نے اب دس کے بجائے بیس اونٹ کر دیے، یہان تک کہ بڑھاتے بڑھاتے سو تک نوبت پہونچی تو اونٹون پر قرعہ آیا، عبد المطلب نے سو اونٹ قربانی کیے۔ اور عبد اللہ بچ گئے، یہ واقدی کی روایت ہو، ابن اسحاق کا بیان ہے

[1] دیکھو زرقانی جلد اول صفحہ ۸۵،

کہ اونٹون کے معاوضہ کی تدبیر رُؤسائے قریش نے تجویز کی تھی،

عبد المطلب کے دس یا بارہ بیٹون مین سے پانچ شخصون نے اسلام یا کفر کی خصوصیت کی وجہ سے شہرت عام حاصل کی، یعنی ابولہب۔ ابوطالب۔ عبد اللہ۔ حضرت حمزہ۔ حضرت عباس، عام طور پر مشہور ہی کہ ابولہب کا اصلی نام اور ہی، خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ نے دیا، لیکن یہ غلطی ہی، ابن سعد نے طبقات مین تصریح کی ہی کہ یہ لقب خود عبد المطلب نے دیا تھا جسکی وجہ یہ تھی کہ ابولہب نہایت حسین اور جمیل تھا، اور عرب مین گورے چہرے کو شعلۂ آتش کہتے ہین، فارسی مین بھی آتشین رخسار ہی،

آمنہ

عبد اللہ قربانی سے بچ گئے تو عبد المطلب کو ان کی شادی کی فکر ہوئی، قبیلۂ زہرہ مین وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی جن کا نام آمنہ تھا۔ قریش کے تمام خاندانون مین ممتاز تھین[ل]، وہ اُس وقت اپنے چچا وہیب کے پاس رہتی تھین، عبد المطلب، وہیب کے پاس گئے اور عبد اللہ کی شادی کا پیغام دیا۔ اُنھون نے منظور کیا اور عقد ہوگیا، اسی موقع پر خود عبد المطلب نے بھی وہیب کی صاحبزادی سے جنکا نام ہالہ تھا، شادی کی، حضرت حمزہ انہی ہالہ کے بطن سے ہین۔ ہالہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا، اس بنا پر حضرت حمزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی ہین۔

دستور تھا کہ نوشاہ شادی کے بعد تین دن تک سُسرال مین رہتا تھا۔ عبد اللہ تین دن سُسرال مین رہے اور پھر گھر چلے آئے، اس وقت اُنکی عمر تقریباً سترہ[۲] برس سے کچھ زیادہ تھی۔

عبد اللہ تجارت کے لیے شام کو گئے، واپس آتے ہوئے مدینہ مین ٹھہرے اور بیمار ہو کر یہین رہ گئے، عبد المطلب کو یہ حال معلوم ہوا تو اپنے بڑے بیٹے حارث کو خبر لانیکے لیے بھیجا۔ وہ مدینہ مین پہنچے تو عبد اللہ کا انتقال ہوچکا تھا۔ چونکہ یہ خاندان مین سب سے زیادہ محبوب تھے تمام خاندان کو سخت صدمہ ہوا،

عبد اللہ نے ترکہ مین اونٹ۔ بکریان اور ایک لونڈی چھوڑی تھی جس کا نام ام ایمن تھا، یہ سب چیزین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترکہ مین[۳] ملین۔ ام ایمن کا اصلی نام برکۃ تھا،

ل سیرۃ ابن ہشام
۲ زرقانی جلد اول صفحہ ۱۳۳ و ۱۳۴
۳ طبقات ابن سعد

ظہورِ قدسی

چمنستانِ دہر مین بارہا روح پرور بہارین آچکی ہین چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس سروسامان سے سجائی ہو کہ نگاہین خیرہ ہو کر رہ گئی ہین۔

ولادت

لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہو جس کے انتظار مین پیرِ کہن سالِ دہر نے کڑورون برس صرف کر دیئے، سیّارگانِ فلک اسی دن کے شوق مین ازل سے چشم براہ تھے۔ چرخ کہن مُدت ہاے دراز سے اسی صبح جان نواز کے لیے لیل ونہار کی کروٹین بدل رہا تھا۔ کارکنانِ قضا وقدر کی بزم آرائیان، عناصر کی جدّت طرازیان۔ ماہ وخورشید کی فروغ انگیزیان، ابر وباد کی تردستیان، عالم قدس کے انفاس پاک، توحید ابراہیم، جمالِ یوسف، معجز طرازیِ موسیٰ، جان نوازیِ مسیح، سب اسی لیے تھے کہ یہ متاع ہاے گران ارز، شاہنشاہِ کونین کے دربار مین کام آئین گے،

آج کی صبح وہی صبح جان نواز، وہی ساعتِ ہمایون، وہی دورِ فرّخ فال ہو، اربابِ سیر اپنے محدود پیرایہ بیانِ زبان مین لکھتے ہین کہ "آج کی رات ایوان کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے، آتشکدۂ فارس بجھ گیا، دریاے ساوہ خشک ہو گیا"، لیکن سچ یہ ہو کہ ایوان کسریٰ نہین بلکہ شانِ عجم، شوکت روم، اوج چین کے قصرہاے فلک بوس گر پڑے۔ آتشِ فارس نہین بلکہ جحیم شر، آتشکدۂ کفر، آذرکدۂ گمرہی سرد ہو کر رہ گئے، صنمخانون مین خاک اُڑنے لگی، بت کدے خاک مین مل گئے، شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراق خزان دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے،

توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستانِ سعادت مین بہار آگئی آفتابِ ہدایت کی شعاعین ہر طرف پھیل گئین، اخلاق انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اُٹھا،

یعنی یتیم عبداللہ، جگر گوشۂ آمنہ، شاہِ حرم، حکمرانِ عرب، فرمانرواے عالم، شہنشاہِ کونین،

شمسۂ نہ مسندِ ہفت اختران　　ختمِ رُسل خاتمِ پیغمبران

احمدِ مرسل کہ خرد خاک اوست　　ہر دو جہان بستۂ فتراکِ اوست

اُمّی و گویا بہ زبانِ فصیح　　از الفِ آدم و میمِ مسیح

رسمِ ترنج است کہ در روزگار　　پیش دہد میوہ پس آرد بہار

عالمِ قدس سے عالمِ امکان مین تشریف فرماے عزّت و اجلال ہوا، اللّٰھم صلّ علیہ و علیٰ آلہٖ واصحابہ وسلّم

تاریخِ ولادت — تاریخِ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہی جس مین انھون نے دلایل ریاضی سے ثابت کیا ہی کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاوّل روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء مین ہوئی تھی[۱]

آپ کا نام "محمّد" رکھا گیا، اور عام طور بیان کیا جاتا ہی کہ عبد المطلب نے یہ نام رکھا تھا،

رضاعت

ثویبہ — سب سے پہلے آنحضرتؐ کو آپ کی والدہ نے اور دو تین روز کے بعد ثویبہ نے دودھ پلایا، (جو ابولہب کی لونڈی تھی)،

حلیمہ سعدیہ — ثویبہ کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپکو دودھ پلایا۔ اس زمانہ مین دستور تھا کہ شہر کے روسا اور شرفا شیرخوار بچّون کو اطراف کے قصبات اور دیہات مین بھیج دیتے تھے، یہ رواج اس غرض سے تھا کہ بچّے بدوون مین پل کر فصاحت کا جوہر پیدا کرتے تھے اور عرب کی خالص خصوصیات محفوظ رہتی تھین،

[۱] محمود فلکی نے جو استدلال کیا ہی وہ کئی صفحون مین آیا ہی۔ اس کا خلاصہ یہ ہی،

(۱) صحیح بخاری مین ہی کہ ابراہیم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صغیر السن صاحبزادے) کے انتقال کے وقت آفتاب مین گہن لگا تھا اور سنہ ۱۰ھ تھا،

(۲) ریاضی کے قاعدہ سے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہی کہ گرہن، نومبر ۶۳۲ء ۱۰ بجکے ۳۰ منٹ پر لگا تھا،

(۳) قواعد ہیئت سے ثابت ہوتا ہی کہ ربیع الاوّل کی پہلی تاریخ ۱۲ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق تھی،

(۴) تاریخ ولادت مین اختلاف ہی لیکن اسقدر متفق علیہ ہی کہ وہ ربیع الاوّل کا مہینہ اور دوشنبہ کا دن تھا اور تاریخ ۸ سے لیکر ۱۲ تک مین منحصر ہی،

(۵) ربیع الاول مذکور کی ان تاریخون مین دوشنبہ کا دن نوین تاریخ کو پڑتا ہی۔ ان وجوہ کی بنا پر تاریخ ولادت قطعاً ۲۰ اپریل ۵۷۱ء تھی،

شرفاے عرب نے مدت تک اس رسم کو محفوظ رکھا یہان تک کہ بنوامیہ نے دمشق مین پاے تخت قائم کیا اور شاہانہ شان و شوکت مین کسرے و قیصر کی ہمسری کی، تاہم اُن کے بچے صحرا اُون مین بدوؤن کے گھر مین پلتے تھے، ولید بن عبدالملک خاص اسباب سے نجا سکا اور حرم شاہی مین پلا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان بنی اُمیہ مین صرف ولید ہی ایک شخص تھا جو عربی صحیح نہین بول سکتا تھا[1]

غرض، دستور مذکور کی بنا پر دیہات سے سال مین دو مرتبہ عورتین شہر مین آیا کرتی تھین اور شرفاے شہر اپنے شیر خوار بچون کو اُنکے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ اس دستور کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے چند روز بعد قبیلہ ہوازن کی چند عورتین بچون کی تلاش مین آئین ان مین حضرت حلیمہ سعدیہ بھی تھین[2]۔ اتفاق سے ان کو کوئی بچہ ہات نہین آیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے اُن کو مقرر کرنا چاہا تو ان کو خیال آیا کہ یتیم بچے کو لیکر کیا کرونگی لیکن خالی ہات بھی نہ جاسکتی تھین۔ اسلیے حضرت آمنہ کی درخواست قبول کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر گئین۔ ان کی ایک صاحبزادی تھی جن کا نام شیما رتھا، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت اُنس تھا، وہی آپ کو کھلایا کرتی تھین۔ دو برس کے بعد حلیمہ آپ کو مکہ مین لائین اور آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کیا لیکن چونکہ اس زمانہ مین مکہ مین وبا پھیلی ہوئی تھی آپ کی والدہ نے فرمایا کہ واپس لے جاؤ، چنانچہ دوبارہ گھر مین لائین۔ اس مین اختلاف ہی کہ آپ حضرت حلیمہ کے یہان کئے برس تک رہے۔ ابن اسحاق

---

[1] امام سہیلی نے بتفصیل یہ واقعات لکھے ہین اور یہ حدیث بھی نقل کی ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ مین اسلیے فصیح ہون کہ قبیلہ بنی سعد مین پلا ہون۔ سر ولیم میور صاحب لائف آف محمد مین لکھتے ہین "محمد کی جسمانی حالت بہت اچھی تھی۔ ان کے اخلاق آزاد۔ اور مستغنی عن الغیر تھے جسکی وجہ انکا پانچ سال تک بنی سعد مین بسر کرنا تھا" اور اسی وجہ سے انکی تقریر جزیرہ نماے عرب کے خالص نمونہ کے موافق تھی۔

[2] سہیلی نے لکھا ہی کہ عرب مین دودھ پلانا اور اس کی اجرت لینا شریفانہ کام نہین خیال کیا جاتا تھا۔ اسی بنا پر عرب مین مثل ہی الحرۃ لا تاکل بثدییھا اس بنا پر سہیلی نے اسکی توجیہ یہ کی ہی کہ اس سال قحط پڑا تھا۔ اسلیے مجبوراً حضرت حلیمہ اور انکے قبیلہ نے یہ خدمت گوارا کی تھی لیکن تمام تاریخون مین ہی کہ مکہ مین ہر سال باہر سے عورتین اس کام کے لئے آیا کرتی تھین۔ ہمارا خیال ہی کہ اس کام کو معیوب سمجھنا عرب کا عام خیال نہ تھا۔ یہ خیال اہل شہر اور اُمرا کے ساتھ مخصوص ہوگا،

نے وثوق کے ساتھ ۶ برس لکھا ہے،

ہوازان کا قبیلہ فصاحت و بلاغت مین مشہور ہے۔ ابن سعد نے طبقات مین روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ "مین تم سب سے فصیح تر ہون۔ کیونکہ مین قریش کے خاندان سے ہون اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے"۔ بنی سعد ہوازان ہی کے قبیلہ کو کہتے ہین۔

حضرت حلیمہ کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا محبت تھی، عہد نبوت مین جب وہ آپکے پاس آئین تو آپ "میری ماں، میری ماں" کہکر لپٹ گئے۔ یہ دلچسپ واقعات آگے آئین گے۔

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت حلیمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے وفات کر گئین لیکن یہ صحیح نہین ہے، ابن ابی خثیمہ نے "تاریخ" مین، ابن جوزی نے "حدا" مین۔ منذری نے مختصر سنن ابی داؤد مین۔ ابن حجر نے "اصابہ" مین، انکے اسلام لانے کی تصریح کی ہے۔ حافظ مغلطائی نے ان کے اسلام پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جسکا نام "التحفۃ الجسیمۃ فی اسلام حلیمۃ" ہے۔

حارث

حضرت حلیمہ کے شوہر یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے رضاعی باپ کا نام حارث بن عبد العزیٰ ہے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مکہ مین آئے اور اسلام لائے۔

حارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یہ تم کیا کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا۔ ہان وہ دن آئے گا کہ مین آپ کو دکھا دونگا کہ مین سچ کہتا تھا حارث مسلمان ہو گئے،

رضاعی بھائی بہن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار رضاعی بھائی بہن تھے جن کے نام یہ ہین۔ عبد اللہ۔ انیسہ۔ حذیفہ اور حذافہ جو شیماء کے لقب سے مشہور تھین۔ ان مین سے عبد اللہ اور شیماء کا اسلام لانا ثابت ہے، باقیون کا حال معلوم نہین،

مدینہ کا سفر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر جب چھ برس کی ہوئی تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر مدینہ گئین۔ چونکہ

۱؎ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۰، ۲؎ زرقانی صفحہ ۱۷۰ جلد ۱، ۳؎ اصابہ فی احوال الصحابہ مطبوعہ مصر مطبع سعادت جلد ۸ صفحہ ۲۹۶،

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دادا کی ننہال خاندانِ نجار مین تھی وہین ٹھیرین، اس سفر مین ام ایمن بھی ساتھ تھین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ تھین۔ مورخین نے لکھا ہی کہ آپ کی والدہ اس ننہالی رشتہ کی وجہ سے مدینہ گئین۔ لیکن یہ رشتہ دور کا رشتہ تھا۔ قیاس مین نہین آتا کہ صرف اتنے سے تعلق سے اتنا بڑا سفر کیا جائے، میرے نزدیک بعض مورخین کا یہ بیان صحیح ہی کہ حضرت آمنہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے گئی تھین جو مدینہ مین مدفون تھے، بہرحال ایک مہینہ تک مدینہ مین مقیم رہین۔ واپس آتے ہوئے جب مقام ابواء[1] مین پہنچین تو اُن کا انتقال ہوگیا اور یہین مدفون ہوئین۔ ام ایمن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو لیکر مکہ مین آئین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام مدینہ کی بہت سی باتین یاد رہ گئی تھین۔ جب آپ قیام مدینہ کے زمانہ مین ایک دفعہ بنو عدی کے منازل پر گذرے تو فرمایا کہ اسی مکان مین میری والدہ ٹھیری تھین۔ یہی وہ تالاب ہی جس مین مین نے تیرنا سیکھا تھا۔ اسی میدان مین مین انیسہ ایک لڑکی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا[2]۔

عبدالمطلب کی کفالت

والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دامنِ تربیت مین لیا۔ ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے[3]،

عبدالمطلب نے بیاسی برس کی عمر مین وفات پائی اور حجون مین مدفون ہوئے۔ اُس وقت آنحضرتؐ

---

[1] ایک گاؤن کا نام ہی جو حجفہ سے ۲۳ میل پر واقع ہی، [2] طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۷۳،

[3] عبدالمطلب کا آنحضرتؐ کو عزیز رکھنا ایک مسلم واقعہ ہی لیکن مارگولیس صاحب کو دادا کا پوتے پر مہربان ہونا بھی گوارا نہین۔ فرماتے ہین "یتیم لڑکے کی حالت کچھ اچھی نہ تھی" اور اخیر زندگی مین ان کے چچا حمزہ نے نشہ کی حالت مین محمدؐ کو طنزاً اپنے باپ کا غلام کہا تھا۔ (لایف آف محمدؐ از مارگولیس صفحہ ۴۸ تا ۴۹) حضرت حمزہ کے جس قول سے استدلال کیا ہی، مارگولیس خود تسلیم کرتے ہین کہ وہ نشہ کی حالت تھی۔ اسکی تفصیل جیسا کہ بخاری مین ہی، یہ ہی کہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے باربرداری کے لیے اونٹ خریدے۔ اُس وقت تک شراب حرام نہین ہوئی تھی۔ حضرت حمزہ شراب مین مخمور اُدھر سے گذرے اور اونٹ کا پیٹ پھاڑ کر دل اور جگر کا کباب بنایا آنحضرتؐ کو خبر ہوئی تو آپ حضرت حمزہ کے پاس گئے، اور اُن کو ملامت کی۔ حضرت حمزہ سخت مخمور تھے۔ اس حالت مین وہ الفاظ انکی زبان سے نکلے تھے کیا اس حالت کا کوئی بیان شہادت مین پیش کیا جا سکتا ہی؟

صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ برس کی تھی، عبد المطلب کا جنازہ اُٹھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ تھے، اور فرطِ محبت سے روتے جاتے تھے، عبد المطلب نے مرنے کے وقت اپنے بیٹے ابو طالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سپرد کی، ابو طالب نے اس فرض کو جس خوبی سے ادا کیا اسکی تفصیل آگے آتی ہو، یہ واقعہ خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہو کہ عبد المطلب کی موت نے بنوہاشم کے رتبۂ امتیاز کو دفعۃً گھٹا دیا۔ اور یہ پہلا دن تھا کہ دنیوی اقتدار کے لحاظ سے بنوامیہ کا خاندان بنوہاشم پر غالب آگیا۔ عبد المطلب کی مسند ریاست پر اب حرب متمکن ہوا جو امیہ کا نامور فرزند تھا، مناصب ریاست مین سے صرف سقایہ یعنی حجاج کو پانی پلانا عباس کے ہات مین رہا، جو عبد المطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔

ابو طالب کی کفالت

ابوطالب کی کفالت عبد المطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے۔ ان مین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ اور ابو طالب مان جائے بھائی تھے۔ اس لیے عبد المطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب ہی کے آغوش تربیت مین دیا، ابو طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسقدر محبت رکھتے تھے کہ آپ کے مقابلہ مین اپنے بچّون کی پروا نہین کرتے تھے۔ سوتے تو آنحضرتؐ کو ساتھ لیکر سوتے اور باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے،

غالباً جب آپ کی عمر دس بارہ برس کی ہوئی تو آپ نے بکریان چرائین۔ "فرانس کے ایک مؤرخ نے لکھا ہو کہ ابو طالب چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ذلیل رکھتے تھے۔ اس لیے اُن سے بکریان چرانے کا کام لیتے تھے"۔ لیکن واقعہ یہ ہو کہ عرب مین بکریان چرانا معیوب کام نہ تھا، بڑے بڑے شرفا اور امرا کے بچے بکریان چراتے تھے، خود قرآن مجید مین ہو، ولكم فيها جمال حين تريحون وحين تسرحون ۵ اور حقیقت یہ ہو کہ یہ عالَم کی گلّہ بانی کا دیباچہ تھا، زمانۂ رسالت مین آپ اس سادہ اور پرلطف مشغلہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ صحابہ کے ساتھ جنگل مین تشریف لے گئے صحابہ جھڑبیریان توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ آپ نے فرمایا جو خوب سیاہ ہوجاتے ہین زیادہ مزے کے ہوتے ہین۔ یہ میرا اس زمانہ کا

تجربہ ہی، جب مین بچپن مین یہان بکریان چرایا کرتا تھا[1]،

شام کا سفر ابوطالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے۔ قریش کا دستور تھا سال مین ایک دفعہ تجارت کی غرض سے شام کو جایا کرتے تھے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریبًا بارہ برس کی ہوگی کہ ابوطالب نے حسب دستور شام کا ارادہ کیا۔ سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ساتھ نہین لے جانا چاہتے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابوطالب چلنے لگے تو آپ اُن سے لپٹ گئے۔ ابوطالب نے آپ کی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا۔ عام مورخین کے بیان کے موافق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر مین پیش آیا۔ اس واقعہ کی تفصیل اسطرح بیان کی گئی ہی کہ جب ابوطالب بصریٰ مین پہنچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ مین اُترے جسکا نام بحیرا تھا۔ اِسنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھکر کہا کہ "یہ سید المرسلین ہین" لوگون نے پوچھا تم نے کیونکر جانا؟ اسنے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اُترے تو جسقدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کے لیے جھک گئے،

یہ روایت مختلف پیرایون مین بیان کی گئی ہی۔ تعجب یہ ہی کہ اس روایت سے جسقدر عام مسلمانون کو شغف ہی اس سے زیادہ عیسائیون کو ہی۔ سرولیم میور۔ ڈریپر مرگولیس وغیرہ سب اس واقعہ کو عیسائیت کی فتح عظیم خیال کرتے ہین، اور اس بات کے مدعی ہین کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مذہب کے حقایق و اسرار اسی راہب سے سیکھے، اور جو نکتے اُس نے بتا دیئے تھے اُنہی پر آنحضرت

---

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۸۰ جلد اول، بخاری نے کتاب الاجارہ مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کیا ہی کہ "مین قراریط پر مکہ والون کی بکریان چرایا کرتا تھا" قراریط کے معنی مین اختلاف ہی۔ ابن ماجہ کے شیخ یعنی سوید بن سعید کی راے ہی کہ قراریط قیراط کی جمع ہی اور قیراط درہم یا دینار کے ٹکڑے کا نام ہی۔ اس بنا پر اُن کے نزدیک حدیث کے یہ معنی ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُجرت پر لوگون کی بکریان چراتے تھے، اسی بنا پر بخاری نے اس حدیث کو باب الاجارۃ مین نقل کیا ہی لیکن ابراہیم حربی کا قول ہی کہ قراریط ایک مقام کا نام ہی جو اجیاد کے قریب ہی۔ ابن جوزی نے اس قول کو ترجیح دی ہی۔ علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح مین یہ بحث تفصیل سے لکھی ہی اور قوی دلائل سے ثابت کیا ہی کہ ابن جوزی کی راے صحیح ہی (عینی جلد ۶ صفحہ ۱۶۳) نور النبراس مین یہ بحث اور زیادہ تفصیل سے ہی۔ اور اسی راے کو ترجیح دی ہی،

صلی اللہ علیہ وسلم نے عقاید اسلام کی بنیاد رکھی، اسلام کے تمام عمدہ اصول انہی نکتون کے شروح اور حواشی ہین [1]۔

عیسائی مصنفین اگر اس روایت کو صحیح مانتے ہین تو اُسی طرح ماننا چاہیے جس طرح روایت مین مذکور ہی، اس مین بحیرا کی تعلیم کا کہین ذکر نہین، قیاس مین بھی نہین آسکتا کہ دس بارہ برس کے بچے کو مذہب کے تمام دقایق سکھا دیے جائین، اور اگر یہ کوئی خرقِ عادت تھا تو بحیرا کے تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

لیکن حقیقت یہ ہی کہ یہ روایت ناقابل اعتبار ہی، اس روایت کے جسقدر طریقے ہین سب مُرسَل ہین یعنی راوی اوّل واقعہ کے وقت خود موجود نہ تھا، اور اُس راوی کا نام نہین بیان کرتا جو شریک واقعہ تھا، اِس روایت کا سب سے زیادہ مستند طریقہ یہ ہی، جو ترمذی مین مذکور ہی، اسکے متعلق تین باتین قابلِ لحاظ ہین،

(۱) ترمذی نے اس روایت کے متعلق لکھا ہی کہ حَسَن اور غریب ہی اور ہم اس حدیث کو اس طریقہ کے سوا کسی اور طریقہ سے نہین جانتے، حَسَن کا مرتبہ صحیح حدیث سے کم ہوتا ہی اور جب غریب ہو تو اس کا رتبہ اور بھی گھٹ جاتا ہی۔

(۲) اس حدیث کا ایک راوی عبد الرحمان بن غزوان ہی، اس کو بہت سے لوگون نے اگرچہ ثقہ بھی کہا ہی لیکن اکثر اہلِ فن نے اسکی نسبت بے اعتباری ظاہر کی ہی، علامۂ ذہبی میزان الاعتدال مین لکھتے ہین کہ عبد الرحمن

---

[1] ڈریپر صاحب معرکۂ جنگ و مذہب مین لکھتے ہین "بحیرا راہب نے بُصریٰ کی خانقاہ مین محمد کو نسطوری عقاید کی تعلیم دی.... آپ کے ناتربیت یافتہ لیکن اَخّاذ دماغ نے نہ صرف اپنے اتالیق کے مذہبی بلکہ فلسفیانہ خیالات کا گہرا اثر قبول کیا.... بعد مین آپ کے طرز عمل سے اس امر کی شہادت ملتی ہی کہ نسطوریون (عیسائیون کا ایک مذہبی فرقہ کا نام ہی) کے مذہبی عقاید نے آپ پر کہان تک قابو پالیا تھا۔ سر ولیم میور صاحب نے بھی نہایت آب و رنگ سے یہ ثابت کرنا چاہا ہی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بت پرستی سے جو نفرت پیدا ہوئی۔ اور ایک مذہب جدید کا جو خاکہ آپ نے قایم کیا وہ سب اسی سفر اور اس کے مختلف تجارب اور مشاہدات کے نتایج تھے، (لیکن ظاہر ہی کہ اگر شارعِ اسلام بالفرض ان عیسائی اساتذہ کا تعلیم یافتہ ہوتا تو ناممکن تھا کہ توحید خالص کا وہ ولولہ اور تثلیث سے نفرت کا وہ جوش اُسکے سینہ مین پیدا ہو سکتا جو قرآن کے ہر صفحہ مین نظر آتا ہی)

منکرِحدیثین بیان کرتا ہی جن مین سب سے بڑھکر منکروہ روایت ہی جس مین بُحیرا کا واقعہ مذکور ہی"

(۳) حاکم نے مستدرک مین اس روایت کی نسبت لکھا ہی کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق ہی، علامۂ ذہبی نے تلخیص المستدرک مین حاکم کا یہ قول نقل کرکے لکھا ہی کہ مین اس حدیث کے بعض واقعات کو موضوع جھوٹا اور بنایا ہوا خیال کرتا ہون،

(۴) اس روایت مین مذکور ہی کہ حضرت بلال اور ابوبکرؓ بھی اس سفر مین شریک تھے، حالانکہ اُس وقت بلال کا وجود بھی نہ تھا، اور حضرت ابوبکرؓ بچے تھے،

(۵) حدیث کے اخیر راوی ابوموسیٰ اشعری ہین وہ شریکِ واقعہ نہ تھے۔ اور اوپر کے راوی کا نام نہین بتاتے ترمذی کے علاوہ طبقات ابن سعد اور مستدرک وغیرہ مین جو سلسلۂ سند مذکور ہی، سب مُرسَل ہین، یعنی بیچ مین ایک راوی چھوٹ گیا ہی،

(۶) حافظ ابن حجر، رُواۃ پرستی کی بنا پر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہین لیکن چونکہ حضرت ابوبکرؓ اور بلال کی شرکت بداہۃً غلط ہی اس لیے مجبوراً اقرار کرتے ہین کہ اِسقدر حصّہ غلطی سے روایت مین شامل ہوگیا ہی لیکن حافظ ابنِ حجر کا یہ اِدّعا بھی صحیح نہین کہ اس روایت کے تمام رواۃ قابلِ سند ہین عبدالرّحمان بن غزوان کی نسبت خود اُنہی حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب مین لکھا ہی کہ "وہ خطا کرتا تھا اُسکی طرف سے اس وجہ سے شبہہ پیدا ہوتا ہی کہ اُس نے ممالیک کی روایت نقل کی ہی"۔ ممالیک کی ایک روایت ہی جس کو محدثین جھوٹ اور موضوع خیال کرتے ہین۔

حرب فجار کی شرکت

عرب مین اسلام کے آغاز تک لڑائیون کا جو متواتر سلسلہ چلا آتا ہو ان مین یہ جنگ سب سے زیادہ مشہور اور خطرناک تھی،

یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلہ مین ہوئی تھی، قریش کے تمام خاندانون نے اس معرکہ مین اپنی الگ

ــــــــــــــــ

لہ نبراس فی شرح عیون الیسر لابن سید الناس اور زرقانی۔ اور میزان الاعتدال اور اصابہ (تذکرہ عبدالرحمان بن غزوان)

نوجِ تمیم کی تھیں آلِ ہاشم کے علم بردار زبیر بن عبد المطلب تھے اور اسی صف مین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے، بڑے زور کا معرکہ ہوا۔ اوّل قیس پھر قریش غالب آئے اور بالآخر صلح پر خاتمہ ہوگیا، اس لڑائی مین قریش کا رئیس اور سپہ سالارِ اعظم حرب بن امیہ تھا جو ابوسفیان کا باپ اور امیر معاویہ کا دادا تھا،

چونکہ قریش اس جنگ مین برسرِ حق تھے، اور خاندان کے ننگ و نام کا معاملہ تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی، لیکن جیسا کہ ابن ہشام نے لکھا ہے آپ نے کسی پر ہات نہین اُٹھایا، امام سہیلی نے صاف تصریح کی ہو کہ آنحضرتؐ نے خود جنگ نہین کی، ان کے الفاظ یہ ہین۔

وانما لم یقاتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اعمامہ فی الفجار وقد بلغ سن القتال لانہا کانت حرب فجار، وکانوا ایضا کلہم کفارًا ولم یأذن اللہ لمومنٍ ان یقاتل الّا لیکون کلمۃ اللہ ھی العلیا۔	اور آپ نے اس لڑائی مین جنگ نہین کی۔ حالانکہ آپ لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لڑائی ایام الحرام مین پیش آئی تھی۔ نیز یہ وجہ تھی کہ فریقین کافر تھے، اور مسلمانون کو لڑائی کا حکم صرف اس لیے خدا نے دیا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو،

اس لڑائی کو فجار اسلیئے کہتے ہین کہ ایام الحرام مین یعنی اُن مہینون مین پیش آئی تھی جن مین لڑنا ناجائز تھا،

حلف الفضول لڑائیون کے متواتر سلسلہ نے سیکڑون گھرانے برباد کردیے تھے، اور قتل و سفاکی موروثی اخلاق بن گئے تھے۔ یہ دیکھکر بعض طبیعتون مین اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی۔ جنگ فجار سے لوگ واپس پھرے تو زبیر بن عبد المطلب نے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا اور خاندان کے سرگروہ تھے یہ تجویز پیش کی چنانچہ خاندانِ ہاشم زہرہ اور تیم عبد اللہ بن جدعان کے گھر مین جمع ہوئے اور معاہدہ ہوا کہ ہم مین سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کریگا[1]۔ اور کوئی ظالم مکّہ مین نہ رہنے پائے گا،

---

[1] طبقات جلد ا صفحہ ۸۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ مین شریک تھے اور عہد نبوت مین فرمایا کرتے تھے کہ معاہدہ کے مقابلہ مین اگر مجھکو سُرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو مین نہ بدلتا۔ اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لیے کوئی بُلائے تو مین حاضر ہون"

اس معاہدہ کو حلف الفضول اسلیے کہتے ہین کہ اوّل اوّل اس معاہدہ کا خیال جن لوگون کو آیا اُنکے نام مین لفظ "فضیلت" کا مادہ داخل تھا[1] یعنی فضیل بن حرث فضیل بن وداعة۔ اور مفضل۔ یہ لوگ جرہم اور قطورا کے قبیلہ کے تھے، اگرچہ یہ معاہدہ بے کار گیا، اور کسی کو یاد بھی نہ رہا۔ چنانچہ قریش نے نئے سرے بنیاد ڈالی، تاہم بانیِ اوّل کو نیک نیتی کا یہ ثمرہ ملا کہ اُنکے نام کی یادگار ابتک باقی ہو،

تعمیر کعبہ

کعبہ کی عمارت صرف قدآدم اونچی تھی اور دیوارون پر چھت نہ تھی جس طرح ہمارے ملک مین عیدگاہین ہوتی ہین۔ چونکہ عمارت نشیب مین تھی بارش کے زمانہ مین شہر کا پانی حرم مین آتا تھا۔ اسکی روک کے لیے بالائی حصہ پر بند بنوا دیا گیا تھا لیکن وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا۔ اور عمارت کو بار بار نقصان پہنچتا تھا۔ بالآخر یہ رائے قرار پائی کہ موجودہ عمارت ڈھا کر نئے سر سے زیادہ مستحکم بنائی جائے۔ حُسنِ اتّفاق یہ کہ جدّہ کے بندرگاہ پر ایک تجارتی جہاز کنارہ سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ قریش کو خبر لگی تو ولید بن مغیرہ نے جدّہ پہنچکر جہاز کے تختے مول لے لیے۔ جہاز مین ایک رومی معمار تھا جس کا نام باقوم تھا۔ ولید اسکو ساتھ لایا۔ اور تمام قریش نے ملکر تعمیر شروع کی۔ مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصّے آپس مین تقسیم کر لیے تھے کہ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہجائے لیکن جب حجر اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت جھگڑا پیدا ہوا۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ خدمت اُسی کے ہات سے انجام پائے، نوبت یہان تک پہونچی کہ تلوارین کھنچ گیئن،

عرب مین دستور تھا جب کوئی شخص جان دینے کی قسم کھاتا تھا تو پیالہ مین خون بھر کر اُس مین انگلیان ڈبو لیتا تھا، اس موقع پر بھی بعض دعوے دارون نے یہ رسم ادا کی، چار دن تک یہ جھگڑا برپا رہا۔ پانچوین دن

[1] لیکن امام سہیلی نے مسند حارث بن اسامہ سے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ یہ نام اس لیے پڑا کہ اس معاہدہ مین یہ الفاظ تھے ترد الفضول علی اھلھا

ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش مین سب سے زیادہ معمر تھا راے دی کہ کل صبح کو جو شخص سب سے پہلے حرم مین آئے وہی ثالث قرار دیدیا جائے۔ سب نے یہ رائے تسلیم کی، دوسرے دن تمام قبائل کے سرزادی موقع پر پہنچے۔ کرشمہ ربانی دیکھو کہ صبح کو سب سے پہلے لوگون کی نظرین جس پر پڑین وہ جمالِ جہانتاب چہرۂ محمدی تھا، لیکن رحمتِ عالم نے قبول نہ کیا کہ اس شرف سے تنہا بہرہ ور ہو آپ نے فرمایا جو قبایل دعویدار ہین سب کا ایک ایک سردار انتخاب کرلیا جائے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر بچھا کر حجر اسود کو اس مین رکھدیا، اور سردارون سے کہا کہ چادر کے چارون کونے تمام لین اور اوپر کو اٹھائین، جب چادر موقع کے برابر آگئی تو آپ نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرما دیا۔ (یہ گویا اشارہ تھا کہ دین الٰہی کی عمارت کا آخری تکمیلی پتھر بھی انھین ہاتھون سے نصب ہوگا[1])

اس طرح ایک سخت لڑائی آپ کے حسن تدبیر سے رک گئی۔ کعبہ کی عمارت اب مسقف کردی گئی۔ لیکن چونکہ سامانِ تعمیر کافی نہ تھا، ایک طرف زمین کا کچھ حصہ چھوڑ کر بنیادین قایم کی گیئن اور اس حصہ کے گرد چار دیواری کھینچدی گئی کہ پھر موقع ہوگا تو کعبہ کے اندر لے لین گے، یہی حصہ ہی جسکو آج حطیم کہتے ہین اور جسکی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بعد نبوت ارادہ فرمایا تھا کہ دیوار ڈھاکر نئے سرے سے عمارت بنائی جائے لیکن پھر خیال ہوا کہ نئے نئے مسلمان ہین دیوار کعبہ کے ڈھانے سے بدگمان ہوجائین گے[2]۔

شغل تجارت[3] عرب اور خصوصاً قریش یعنی بنی اسماعیل ظہور اسلام کے ہزارون برس پہلے سے تجارت پیشہ تھے[4]۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جدِّ اعلےٰ "ہاشم" نے قبائل عرب سے تجارتی معاہدے کرکے اس خاندانی طریقۂ اکتساب کو اور زیادہ مستحکم اور باقاعدہ کردیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب

---

(۱) یہ ایک حدیث کی طرف تلمیح ہی جس مین آپ نے فرمایا ہی کہ "مین نبوت کی عمارت کا آخری پتھر ہون" یعنی مکمل مذہب اور خاتم الرسل ہون) (۲) یہ واقعات ابن ہشام طبقات طبری مین منفرداً اور زرقانی جلد اول صفحہ ۲۳۶ تا ۲۴۰ مین مجتمعاً مذکور ہین اخیر کا واقعہ صحیح بخاری مین بھی ہی، بخاری مین یہ بھی ہی کہ قریش جب کعبہ کی تعمیر کررہے تھے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے اور دوش مبارک پر پتھر ڈھو ڈھو کر لاتے تھے۔ یہان تک کہ شانے چھل گئے تھے۔ (۳) اضافۂ زیادہ (۴) توراۃ سفر تکوین قصۂ یوسف،

بھی تاجر تھے، اِس بنا پر سنِ رشد کو پہنچنے کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب فکرِ معاش کی طرف توجہ ہوئی تو تجارت سے بہتر کوئی پیشہ نظر نہ آیا،

ابوطالب کے ساتھ آپ بچپن مین بھی بعض تجارتی سفر کر چکے تھے، جس سے ہر قسم کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا، اور آپ کے حسنِ معاملہ کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی، لوگ عموماً اپنا سرمایہ کسی تجربہ کار اور امین شخص کے ہاتھ مین دیکر اُس کے منافع مین شرکت کر لیتے تھے، آنحضرت صلی اللہ وسلم بھی خوشی کے ساتھ اس شرکت کو گوارا فرماتے تھے،

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے شرکاے تجارت کی شہادتون سے جو احادیث اور تاریخ کی کتابون مین مذکور ہین ظاہر ہوتا ہی کہ آپ کس دیانت اور راستبازی کے ساتھ اِس کام کو انجام دیتے تھے،

تاجر کے محاسنِ اخلاق مین سب سے زیادہ نادر مثال ایفاے عہد اور اتمام وعدہ کی ہو سکتی ہی لیکن منصبِ نبوت سے پہلے مکہ کا **تاجرِ امین** اس اخلاقی نظیر کا بہترین نمونہ تھا، عبد اللہ بن ابی الحمسار ایک صحابی بیان کرتے ہین، کہ بعثت سے پہلے مین نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا تھا، کچھ معاملہ ہو چکا تھا کچھ باقی تھا، مین نے وعدہ کیا کہ مین پھر آؤنگا، اتّفاق سے تین دِن تک مجھکو اپنا وعدہ یاد نہ آیا، تیسرے دن جب وعدہ گاہ پر پہنچا تو آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلم کو اُسی جگہ منتظر پایا، لیکن اِس اخلافِ وعدہ سے آپکی پیشانی پر بل تک نہ آیا، صرف اِسقدر فرمایا کہ "تم نے مجھے زحمت دی، مین اِسی مقام پر تین دن سے موجود ہون[1]"

کاروبارِ تجارت مین ہمیشہ آپ اپنا معاملہ صاف رکھتے تھے، نبوّت سے پہلے بھی جن لوگون سے تجارت مین آپ کا سابقہ تھا، وہ بھی اسکی شہادت دیتے تھے۔ سائب نام ایک صحابی جب مسلمان ہو کر خدمت اقدس مین حاضر ہوئے، تو لوگون نے اُنکی تعریف کی، آپ نے فرمایا "مین ان کو تمسے زیادہ جانتا ہون"

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۳۳۴

سائب نے کہا، آپ پر میرے ماں باپ قربان، آپ میرے شریک تجارت تھے، لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رہا، فکنت لا تداری و لا تماری۔[1] قیس بن سائب مخزومی، ایک اور صحابی بھی آپ کے شریک تجارت تھے وہ بھی انہین الفاظ کے ساتھ، آپ کے حُسنِ معاملہ کی شہادت دیتے ہین[2]۔

تجارت کی غرض سے شام، وبصرےٰ، اور یمن کے متعدد سفر آپ نے کئے تھے،

تزویج خدیجہ

حضرت **خدیجہ**ؓ ایک معزز خاتون تھین، ان کا سلسلۂ نسب پانچوین پشت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ملتا ہے۔ اور اس رشتہ کے لحاظ سے وہ آپ کی پھوپھی بہن تھین انکی دو شادیان پہلے ہو چکی تھین، اور اب وہ بیوہ تھین۔ چونکہ نہایت شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق تھین۔ جاہلیت مین لوگ ان کو **طاہرہ** کے نام سے پکارتے تھے۔ نہایت دولتمند تھین طبقات ابن سعد مین لکھا ہے کہ جب اہلِ مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا انکا سامان تمام قریش کے برابر ہوتا تھا۔

جناب **رسول اللہ** صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر اب پچیس برس کی ہو چکی تھی متعدد قومی کامون مین آپ شریک ہو چکے تھے۔ تجارت کے کاروبار کے ذریعہ سے لوگون کے ساتھ معاملات پیش آتے تھے۔ اِس بنا پر آپ کے حُسنِ معاملہ، راستبازی، صدق و دیانت۔ اور پاکیزہ اخلاقی کی عام شہرت ہو چکی تھی یہانتک کہ زبانِ خلق نے آپ کو **امین** کا لقب دیدیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے اِن اسباب کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ "آپ میرا مالِ تجارت لیکر شام کو جائین جو معاوضہ مین اورون کو دیتی ہون آپ کو اُس کا مضاعف دونگی" آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور مال تجارت لیکر بُصریٰ تشریف لے گئے،

واپس آنے کے تقریباً تین مہینہ کے بعد حضرت خدیجہؓ نے آپ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا، اُنکے والد کا انتقال ہو چکا تھا لیکن اُنکے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے، عرب مین عورتون کو یہ آزادی حاصل تھی

---

[1] ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۱۱، [2] اصابہ، ترجمۂ قیس بن سائب،

کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھین اور اس مین بالغہ نابالغہ کی قید نہ تھی حضرت خدیجہؓ نے چچا کے ہوتے خود براہ راست تمام مراتب طے کیے۔ تاریخ معین پر ابوطالب اور تمام روساے خاندان جن مین حضرت حمزہؓ بھی تھے، حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے۔ ابوطالب نے خطبۂ نکاح پڑھا، اور پانسو طلائی درہم مہر قرار پایا۔

بعض روایتون مین ہی کہ حضرت خدیجہؓ کے والد زندہ تھے اور انکی موجودگی مین نکاح ہوا لیکن وہ شراب مین مخمور تھے۔ جب ہوش مین آئے تو نکاح کا حال سُنکے برہم ہوئے کہ یہ برابر کا جوڑ نہین۔

لیکن یہ روایت صحیح نہین۔ امام سہیلی نے بہ تصریح اور بدلیل ثابت کیا ہی کہ حضرت خدیجہؓ کے والد جنگ فجار کے قبل انتقال کر چکے تھے،

حضرت خدیجہؓ جس مکان مین رہتی تھین وہ آج بھی (حسب بیان مؤرخ طبری) انھین کے نام سے مشہور ہے۔ امیر معاویہ نے اس مکان کو خرید کر مسجد بنا دیا۔

شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کی تھی اور پہلے دو شوہرون سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھین، انکے نام اور مفصل حالات آگے آئینگے[1]۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جسقدر اولاد ہوئی بجز ابراہیم کے، حضرت خدیجہؓ ہی کے بطن سے ہوئی انکے حالات آگے تفصیل سے آئین گے،

| جستہ جستہ واقعات |

یہ واقعات تھے جن مین تاریخی ترتیب معلوم ہی، اسلئے مسلسل لکھے گئے۔ ان کے سوا اور جستہ جستہ واقعات کا بھی پتہ لگتا ہی، چونکہ اُنکے سنین اور تاریخین غیر معلوم ہین اس لیے انکو عام سلسلہ سے الگ یکجا لکھنا زیادہ موزون ہوگا،

[1] حضرت خدیجہؓ کے نکاح کے واقعات ابن ہشام، ابن سعد و طبری مین باختلاف اجمال و تفصیل و اثبات و نفی مذکور ہین۔ مین نے قرائن سے جو روایت زیادہ قابل اعتبار پائی نقل کی ہی۔ یکجا تمام حالات دیکھنے ہون تو زرقانی جلد اوّل صفحہ ۲۳۲ سے صفحہ ۲۳۶ تک دیکھنا چاہئے۔ حضرت خدیجہؓ کے مکان کا ذکر صرف طبری نے کیا ہی، ابن حنبل (مسند ابن عباس) مین بھی بعض واقعات مذکور ہین

حدود سفر اہل مکہ عموماً تجارت کی غرض سے سفر کرنے کے عادی تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس تقریب سے متعدد سفر کئے۔ شام اور بُصرے کے سفر کا حال پہلے گذر چکا ہی۔ اسکے علاوہ اور مقامات تجارت مین بھی آپ کا تشریف لے جانا ثابت ہی، عرب مین مختلف مقامات مین جو بازار قایم تھے ان مین سے جاشتہ کا ذکر ابن سید الناس نے کیا ہی۔ حضرت خدیجہؓ نے جہان جہان آپ کو تجارت کی غرض سے بھیجا تھا، ان مین جرش بھی ہی، جو یمن مین ہی، حاکم نے مستدرک مین لکھا ہی، اور علامۂ ذہبی نے بھی تصدیق کی ہی کہ جرش مین آپ دو دفعہ تشریف لے گئے اور ہر دفعہ حضرت خدیجہؓ نے معاوضہ مین ایک اونٹ[۱] دیا۔

نبوّت کے بعد جس سال آپ کی خدمت مین عرب کے تمام دور دراز مقامات سے وُفود آئے ان مین جب بحرین سے عبد القیس کا وفد آیا تو آپ نے بحرین کے ایک ایک مقام کا نام لیکر وہان کا حال پوچھا لوگون نے تعجب سے کہا کہ آپ ہمارے ملک کا حال ہم سے زیادہ جانتے ہین !! آپ نے فرمایا "مین نے تمھارے ملک کی خوب[۲] سیر کی ہی" مورخین یورپ نے جو علوم غیبی کے منکر ہین اور ثابت کرنا چاہتے ہین کہ (نعوذ باللہ) آپ کے تمام معارف و معلومات سیر و سفر سے ماخوذ ہین، قیاسات کے ذریعہ سے اس دائرہ کو اور وسعت دی ہی، ایک مؤرخ نے لکھا ہی کہ "آپ نے بحری سفر بھی کیا تھا جس کی دلیل یہ ہی کہ قرآن مجید مین جہازون کی رفتار اور طوفان کی کیفیت کی ایسی صحیح تصویر ہی جس سے (نعوذ باللہ) ذاتی تجربہ کی بو آتی[۳] ہے"، مؤرخ مذکور کا یہ بھی دعوے ہی کہ آپ مصر بھی تشریف لے گئے تھے۔ اور ڈیڈسی (بحر میّت) کا بھی معاینہ کیا تھا لیکن تاریخی دفتر ان واقعات سے خالی[۴] ہی،

---

۱ نور النبراس فی شرح ابن سید الناس۔ ۲ مسند امام احمد بن حنبل صفحہ (۲۰۶) ۳ مارگولس صفحہ (۷۵) ۴ یورپین مؤرخین جن کی بنیاد صرف قیاس و راے پر ہوتی ہے۔ اگر اس قسم کے واقعات بیان کرین تو کوئی تعجب نہین لیکن آنحضرتؐ کا مصر جانا درحقیقت یورپ کے عہد مُظلم کی مضحکہ انگیز روایت ہی، بحری سفر بھی یقیناً آپ نے نہین کیا، لیکن اگر بحرین تشریف لے جانے کی روایت صحیح ہو تو خلیج فارس آپ نے دیکھا ہوگا۔ بحر میّت کا مشاہدہ بھی ممکن ہے کیونکہ اس کا موقع عرب و شام کے درمیان میں ہے جہان سے آپ کئی بار تجارت کے ساتھ گذرے ہونگے) س

مراسم شرک سے اجتناب یہ قطعاً ثابت ہو کہ آپ بچپن اور شباب مین بھی جب کہ منصب پیغمبری سے ممتاز نہین ہوئے تھے مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے،

ایک دفعہ **قریش** نے آپ کے سامنے کھانا لاکر رکھا، یہ کھانا بتون کے چڑہاوے کا تھا، جانور جو ذبح کیا گیا تھا کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا۔ آپ نے کھانے سے انکار کیا[۱]،

نصاریٰ نے دعوے کیا ہو کہ آپ کے اعتقادات مین جو تغیر ہوا ہو وہ عہد نبوت سے ہوا ہو، ورنہ اس سے پہلے آپ کا طرزِ عمل وہی تھا جو آپ کے خاندان اور اہلِ شہر کا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے پہلے صاحبزادہ کا نام عبد العزیٰ[۲] رکھا تھا۔ اور یہ روایت خود امام بخاری کی تاریخ صغیر مین موجود ہو۔ لیکن یہ روایت اگر صحیح بھی ہو تو اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت کیونکر استدلال ہو سکتا ہو۔

حضرت خدیجہؓ اسلام سے پہلے بُت پرست تھین انھون نے یہ نام رکھا ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک منصب اِرشاد پر مامور نہین ہوئے تھے، اسلیے آپ نے تعرض نہ فرمایا ہوگا، اور اصل واقعہ یہ ہو کہ یہ روایت فی نفسہ بھی ثابت نہین، اس روایت کا سب سے زیادہ تر صحیح سلسلہ وہ ہو جو امام بخاری نے تاریخ صغیر مین روایت کیا ہو، اس کا پہلا راوی اسمٰعیل ہو جس کا پورا نام اسمٰعیل بن ابی اویس ہو۔ اگرچہ بعض محدثین نے اسکی توثیق کی ہو لیکن گروہ کثیر کی رائے حسب ذیل ہو،

معاویہ بن صالح	اسمٰعیل اور اس کا باپ دونون ضعیف ہین،
یحییٰ بن مخلط	وہ جھوٹ بولتا ہو اور محض ہیچ ہو،

---

[۱] صحیح بخاری باب المناقب ذکر زید بن عمرو بن نفیل۔ یہ حدیث امام بخاری نے اور ابواب مین بھی نقل کی ہو اس کے الفاظ مین اجمال رہ گیا ہو جو اس روایت مین صاف ہو گیا ہو، مسند امام ابن حنبل (جلد اوّل صفحہ ۱۸۹) مین ایک روایت ہو جسمین بیان کیا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو اس کھانے پر بلایا اور زید نے انکار کیا اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس تاریخ سے کبھی بتون پر ذبح کیا ہوا کھانا نہین کھایا۔ لیکن اس روایت کے راویون کا حال نہین ملتا۔ اور یون بھی بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا وقعت ہو؟

[۲] عزیٰ ایک بُت کا نام تھا،

امام نسائی	ضعیف اور غیر ثقہ ہی،
نصر بن سلمہ مروزی	وہ کذّاب ہی،
دارقطنی	مین اسکو صحیح روایت کے لیے پسند نہین کرتا،
سیف بن محمد	وہ جھوٹ حدیثین بناتا ہی،
سلمہ بن شبیب	مجھ سے اسنے خود اقرار کیا کہ جب کبھی کسی بات مین اختلاف ہوتا تھا تو مین ایک حدیث بنا لیتا تھا،

یہ امر واقعی طور پر ثابت ہی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے بُت پرستی کی بُرائی شروع کردی تھی اور جن لوگون پر آپ کو اعتماد تھا اُن کو اس بات سے منع فرماتے تھے[1]،

موحدین کی ملاقات اس مین شبہ نہین کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے فیضِ الٰہی کی خفیف

---

[1] مسٹر مارگوس نے اس کے برخلاف ایک حیرت انگیز دعویٰ کیا ہی اور اس کے ثبوت مین دعوے سے زیادہ تر حیرت انگیز فریب کاری کی ہی وہ لکھتے ہین کہ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ دونون سونے سے پہلے ایک بت کی پرستش کرلیا کرتے تھے جس کا نام عزّیٰ تھا" مصنف موصوف نے اسکی سند مین امام احمد حنبل کی روایت (جلد ۴ صفحہ ۲۲۲) پیش کی ہی، روایت کے الفاظ یہ ہین،

حدثنی جار لخدیجۃ بنت خویلد انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقول لخدیجۃ ای خدیجۃ واللہ لا اعبد اللات والعزی واللہ لا اعبد ابدًا قال فتقول خدیجۃ خل اللات خل العزی قال کانت صنمھم التی کانوا یعبدون ثم یضطجعون	"مجھ سے خدیجہ (بنت خویلد) کے ایک ہمسایہ نے بیان کیا کہ مین نے پیغمبر صاحب کو حضرت خدیجہ سے یہ کہتے سنا کہ اے خدیجہ بخدا مین کبھی لات اور عزّیٰ کی پرستش نہ کرون گا۔ خدیجہ کہتی تھی کہ لات کو جانے دیجئے، عزّیٰ کو جانے دیجئے (یعنی انکا ذکر بھی نہ کیجئے) اس نے کہا کہ لات وعزّیٰ وہ بت تھے جن کی پرستش اہل عرب سونے سے پیشتر کرلیا کرتے تھے"۔

ایک معمولی عربی دان بھی سمجھ سکتا ہی کہ عبارت مذکور مین کانوا کا لفظ ہی جس کے معنی یہ ہین کہ اہل عرب لات وعزّیٰ کی پرستش کیا کرتے تھے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ کی طرف اشارہ ہوتا تو تثنیہ کا صیغہ ہوتا نہ کہ جمع کا، اس کے علاوہ خود اسی روایت مین لات وعزّیٰ کی پرستش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت انکار کرنا مذکور ہی،

مارگوس صاحب نے یہ روایت بھی بیان کی ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عُزّیٰ کے نام پر ایک خاکی رنگ کی بھیڑ ذبح کی تھی لیکن صاحب موصوف نے اسکی سند مین کوئی عربی ماخذ پیش نہین کیا۔ بلکہ ولہوسن کا حوالہ دیا ہی (دیکھو مارگوس کی کتاب صفحہ ۶۹ تا ۷۰) معجم البلدان (ایک جغرافیہ کی کتاب) مین ایک روایت اس مضمون کی موجود ہی۔ لیکن (اولًا تو اس موضوع خاص مین یہ کتاب خود بے سند ہی ثانیًا یہ روایت) کلبی سے ہی جو مشہور دروغ گو ہے۔

شعاعین عرب مین پھیلنی شروع ہو گئی تھین چنانچہ قس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، عبید اللہ بن حجش، عثمان بن الحارث زید بن عمرو بن نفیل نے بت پرستی سے انکار کر دیا تھا۔ ان مین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید سے ملاقات کی تھی، جسکا ذکر صحیح بخاری مین بھی ہی، ورقہ عیسائی ہو گئے تھے اور چونکہ حضرت خدیجہؓ کے برادر عم زاد تھے اور مکہ ہی مین رہتے تھے، اس لیے قیاس ہوتا ہی کہ آپ ان سے بھی ملے ہونگے، بعض روایتون مین ہی کہ انسے آپکی دوستی تھی،

ادب و محاضرات کی کتابون مین عموماً اور بعض تاریخون مین بھی مذکور ہی، کہ قس بن ساعدہ نے عکاظ مین جو مشہور خطبہ دیا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس خطبہ مین شریک تھے۔ اس خطبہ کا بڑا حصہ اکثر اہل ادب نے نقل کیا ہی، اور چونکہ اس کے فقرے بظاہر قرآن مجید کی ابتدائی سورتون کی طرح چھوٹے چھوٹے اور مقفی ہین، اس لیے عیسائی مؤرخین نے دعوے کیا ہی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ طرز انہی سے لیا ہی، چنانچہ بعض فقرے یہ ہین۔

ایھا الناس اسمعوا وعوا واذا وعیتم فانتفعوا۔ انہ من عاش مات۔ ومن مات فات وکل ما ھو آتٍ آت مطرٌ ونبات۔ وارزاق واقوات وآباء وامھات، واحیاء واموات، وجمیع واشتات۔ انّ فی السماء لخبرا۔ وان فی الارض لعبرا۔ لیل داج وسماء ذات ابراج، وبحار ذات امواج۔ مالی اری الناس یذھبون فلا یرجعون۔ ارضوا بالمقام فاقاموا۔ ام ترکوا ھناک فناموا۔ این من بنی وشیّد۔ وزخرف ونجد، وعدّ المال والولد۔ این من بغی وطغی۔

قس بن ساعدہ کی روایت اور اس کا خطبہ مختصر ومطول بہ عبارات مختلفہ۔ بغوی، ازدی، بیہقی، جاحظ، وغیرہ نے نقل کیا ہی لیکن وہ سرتاپا مصنوعی اور موضوع ہی۔ اس کے رواۃ عموماً ناقابل سند بلکہ کذاب ہین چنانچہ سیوطی

لہ ابن ہشام صفحہ ۷۰ مین قس بن ساعدہ کے سوا باقی سب لوگون کے نام اور حالات مذکور ہین۔ زید کا ذکر بخاری مین بھی ہی قس کا ذکر نہایت کثرت سے تمام تاریخون اور ادب کی کتابون مین پایا جاتا ہی۔

نے موضوعات مین اس روایت کے تمام طریقون کو نقل کر کے اُنکے رواۃ سے بحث کی ہی، اور علامۂ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ کے اقوال تفصیل سے نقل کیے ہین، عجیب بات یہ ہی کہ یہ روایت مختلف طریقون سے مروی ہی، لیکن ہر طریقہ مین کوئی نہ کوئی راوی ایسا ہی جو موضوع حدیثین بنایا کرتا تھا، اس کا ایک مشترک راوی محمد بن حجاج ہی، اسکی نسبت ابن معین کا قول ہی کہ "کذاب اور خبیث ہی" ابن عدی نے لکھا ہی کہ "ہریسہ کی حدیث اسی نے وضع کی ہی" ایک طریقہ کا راوی سعید بن ہبیرۃ ہی۔ اس کی نسبت ابن حبان نے لکھا ہی کہ "ثقہ لوگون کی زبانی جھوٹی حدیثین روایت کرتا تھا یا تو وہ خود یہ حدیثین تصنیف کرتا تھا یا اور لوگ اسکے لیے بنا دیا کرتے تھے" ایک طریقہ کے راوی قاسم بن عبد اللہ اور احمد بن سعید ہین، اور یہ دونون حدیث بنانے مین بدنام ہین، بیہقی نے اس روایت کے متعلق ایک بڑا قصہ نقل کیا ہی جسمین حضرت ابوبکر نے قس بن ساعدہ کا پورا خطبہ اپنی یاد سے بیان کیا ہی، یہ روایت پوری کی پوری موضوع ہی[1]، حافظ ابن حجر نے اس روایت کے اور طریقہ بھی نقل کیے ہین اور انکی تضعیف کی ہی[2]،

احباب خاص نبوت سے پہلے جو لوگ آپ کے احباب خاص تھے سب نہایت پاکیزہ اخلاق بلند رتبہ

---

[1] یہ پوری تفصیل اللآلی المصنوعۃ، مطبوعۂ مصر صفحہ ۹۵ تا صفحہ ۱۰۰ مین ہی۔

[2] ایک نکتہ بیان خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہی، بنوامیہ اور عباسیہ کے زمانہ مین یہ مذاق پیدا ہو گیا تھا کہ اپنے زمانہ کے شعرا اور فصحاے اشعار اور خطبے تصنیف کراتے تھے۔ اور جاہلیت یا ابتداے اسلام کے شعرا اور خطبا کے نام سے مشہور کرتے تھے، محمد بن اسحاق بن یسار اس رتبہ کے شخص ہین کہ امام بخاری نے جزء القراۃ مین ان سے روایت کی ہی۔ تاہم انکا یہ عام طریقہ تھا۔ علامۂ ذہبی نے میزان الاعتدال (مطبوعۂ مصر صفحہ ۹۲) مین خطیب بغدادی سے روایت کی ہی کہ محمد بن اسحاق شعراے وقت کو مغازی کے واقعات دیدیتے تھے کہ ان کے بارے مین اشعار کہدو، ان اشعار کو وہ اپنے کتاب مین شامل کر دیتے تھے، ابن ہشام مین حضرت خدیجۂ ابوبکرؓ امیۃ بن ابی الصلت، ابوطالب کے سیکڑون اشعار نقل کیے ہین، جن کی زبان اور انداز بیان سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ اس زمانہ کی زبان نہین ہی، ایک لطیف بات یہ ہی کہ ابن ہشام ان اشعار کو نقل کر کے اکثر موقعون پر لکھدیتے ہین کہ فن شعر کے ماہر، ان اشعار کی نسبت انکار کرتے ہین، مثلاً غزوۂ عبیدۃ بن الحرث مین (ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۳ مطبوعۂ مصر) حضرت ابوبکر کا ایک قصیدہ نقل کیا ہی اور لکھا ہی۔

واکثر اهل العلم والشعر ینکر هذه القصیدة لابی بکر — اور اکثر اہل علم اور فن شعر والے اس بات کے منکر ہین کہ یہ قصیدہ حضرت ابوبکر کا ہو۔

یہ وضاعی مختلف اغراض سے کی جاتی تھی زیادہ اس وجہ سے کہ ان جلسون یا شعرون مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی پیشین گوئی یا اور کوئی بات اسلام کی تصدیق کی شامل کر دیتے تھے۔ مثلاً یہی قس بن ساعدۃ کا خطبہ اس مین یہ فقرے بھی ہین۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۳ پر ملاحظہ ہو)

اور عالی منزلت تھے۔ ان مین سب سے مقدم حضرت ابوبکر تھے جو برسون آپکے شریک صحبت رہے[1]، حضرت خدیجہ کے چچیرے بھائی حکیم بن حزام، جو قریش کے نہایت معزز رئیس تھے، وہ بھی احباب خاص مین تھے۔ حرم کا منصب رفادہ انہی کے ہات مین تھا۔ دار الندوۃ کے بھی یہی مالک تھے۔ چنانچہ اسلام کے بعد امیر معاویہ کے ہات ایک لاکھ درم پر بیچ ڈالا لیکن یہ کل رقم خیرات کردی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عمر مین ۵ برس بڑے تھے[2]،

اگرچہ یہ مدت تک یعنی ہجرت کے آٹھوین سال تک ایمان نہین لائے لیکن اس حالت مین بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ کعبہ مین ذُویزن کا اسباب نیلام ہوا تھا۔ اس مین ایک عمدہ حُلّہ تھا، انھون نے پچاس اشرفیون مین اسکو خریدا۔ اور مدینہ لیکر آئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲) نبیاً قد حان حینہ واظلکم اوانہ فطوبے لمن اٰمن بہ فھداہ وویل لمن خالفہ وعصاہ (اللاٰلے المصنوعہ) صفحہ (۲۰) ایک پیغمبر کا زمانہ قریب آگیا ہو سو اس کو مبارکی ہو جو اس پر ایمان لائے گا اور وہ اُس کو ہدایت کرے گا اور تباہی ہو اس کے لیے جو اس کی مخالفت اور نافرمانی کرے گا،

ابوطالب کے نام سے جو لامیہ قصیدہ، ابن ہشام وغیرہ نے نقل کیا ہو (ابن ہشام صفحہ ۹۳ و ۹۴) سرتاپا موضوع ہو اسکے خاتمہ کے اشعار یہ ہین۔

فاصبح فینا احمد فی ارومہ — تقصر عنہ سورۃ المتطاول

فایدہ رب العباد بنصرہ — واظھر دینا حقہ غیر باطل

اکثر لوگ یہ کرتے تھے کہ قرآن مجید مین توحید اور معاد کے متعلق جو باتین ہین ان کے مطابق اشعار تصنیف کراتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس سے اسلام کی تائید ہوگی۔ امیّہ بن ابی الصلت کے نام سے جو اشعار منقول ہین انکو دیکھکر صاف یقین ہوجاتا ہو کہ کسی نے قرآن مجید کو سامنے رکھکر یہ اشعار کہے ہین مثلاً

فقلتُ لہ اِذھب بھٰرون فادعوا — الی اللہ فرعون الذی کان طاغیا

وقولا لہ أانت رفعت ھٰذہ — بلا عمد ارفق اذا بک بانیا

وقولا لہ اانت سوّیت وسطھا — منیرا اذا ما جنہ اللیل ھادیا

ایک عجیب بات یہ ہو کہ مسٹر مارگولیس نے بھی ایک موقع پر اسکی تصدیق کی ہو۔ چنانچہ کہتے ہین "قدیم شاعری کا اکثر حصہ قرآن کی اسلوب پر مدون کیا گیا ہو" (صفحہ ۶۰ تا صفحہ ۶۳) ان لوگون نے اپنی دانست مین اسلام کی خیرخواہی کی غرض سے یہ کام کیا تھا۔ آج یورپ والے اسی سے یہ کام لیتے ہین کہ آنحضرت پیغمبر نہ تھے۔ بلکہ جاہلیت کے خطبا اور شعراء سے معتقدات اور خیالات بلکہ طرز ادا تک اخذ کرتے تھے لیکن ادب کا نکتہ شناس یا فن روایت کا ماہر بے تکلف سمجھ سکتا ہو کہ تمام اشعار اور خطبے مصنوعی ہین۔ یورپ کو فن ادب اور روایت مین مہارت کے لیے ابھی ایک زمانہ درکار ہو اور جب وہ زمانہ آئے گا تو یورپ کو اپنی بد مذاقی پر خود شرم آئے گی،

[1] اصابہ ذکر حضرت ابوبکر (حضرت ابوبکر کا نام عبد اللہ تھا اصابہ مین اسی نام کے ذیل مین حضرت ابوبکر کا حال لکھا ہو)۔ [2] اصابہ ذکر حکیم بن حزام،

نذر کرین۔ آپ نے فرمایا کہ مین مشرکون کا ہدیہ نہین قبول کرتا۔ البتہ قیمت لو تو لے سکتا ہون مجبور ہو کر انھون نے قیمت لینی گوارا کی، اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے لیا[1]

ضماد بن ثعلبہ جو ازد کے قبیلہ سے تھے، جاہلیت مین طبابت اور جرّاحی کا پیشہ کرتے تھے یہ بھی احباب خاص مین سے تھے، نبوت کے زمانہ مین یہ مکّہ مین آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت مین دیکھا کہ راستہ مین جا رہے ہین اور پیچھے لونڈون کا غول ہے، مکّہ کے کفّار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہتے تھے، لونڈون کا غول دیکھکر ضماد نے یہی قیاس کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا، محمدؐ! مین جنون کا علاج کر سکتا ہون۔ آپ نے حمد و ثنا کے بعد چند مؤثّر جملے ادا کئے ضماد مسلمان ہو گئے۔ اس واقعہ کو مختصراً مسلم و نسائی نے بھی لکھا ہے لیکن زیادہ تفصیل مسند امام احمد حنبل (جلد ۱ صفحہ ۳۰۲) مین ہے۔

جو لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تجارت کے کاروبار مین شریک تھے ان مین سے ایک صاحب قیس بن سائب مخزومی تھے، مجاہد بن جبیر جو مشہور مفسر گذرے ہین انہی کے غلام تھے، ان کا بیان ہے کہ شرکا کے ساتھ آپ کا معاملہ نہایت صاف رہتا تھا۔ اور کبھی کوئی جھگڑا یا مناقشہ پیش نہین آتا تھا[2]۔

---

[1] مسند امام حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۰۲۔ [2] استیعاب واصابہ۔

آفتابِ رسالت کا طلوع

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جس زمانہ مین پیدا ہوئے مکہ بت پرستی کا مرکز اعظم تھا، خود کعبہ مین تین سَو ساٹھ بُت تھے، رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان کا تمغاے امتیاز صِرف اسقدر رہتا کہ اس صنم کدہ کے متولی اور کلید بردار تھے، باایں ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بتون کے آگے سر نہین جُھکایا۔ دیگر رسوم جاہلیت مین بھی کبھی شرکت نہین کی، **قریش** نے اس بنا پر کہ انکو عام لوگون سے ہر بات مین ممتاز رہنا چاہیے یہ قاعدہ قرار دیا تھا کہ ایّام حج مین قریش کے لیے عرفات جانا ضرور نہین، اور یہ کہ جو لوگ باہر سے آئین وہ قریش کا لباس اختیار کرین، ورنہ انکو عریان ہو کر کعبہ کا طواف کرنا ہوگا[1]، چنانچہ اسی بنا پر طوافِ عُریان کا عام رواج ہو گیا تھا لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُن باتون مین کبھی اپنے خاندان کا ساتھ نہ دیا[2]،

عرب مین افسانہ گوئی کا عام رواج تھا۔ راتون کو لوگ تمام اشغال سے فارغ ہو کر کسی مقام مین جمع ہوتے تھے، ایک شخص جسکو اس فن مین کمال ہوتا تھا، داستان شروع کرتا تھا، لوگ بڑے ذوق شوق سے رات رات بھر سنتے تھے۔ بچپن مین ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس جلسہ مین شریک ہونا چاہا تھا لیکن اتفاق سے راہ مین شادی کا کوئی جلسہ تھا۔ دیکھنے کے لیے کھڑے ہو گئے، وہین نیند آگئی، اُٹھے تو صبح ہو چکی تھی،

ایک دفعہ اور ایسا ہی اتفاق ہوا، اُس دن بھی یہی اتّفاق پیش آیا۔ چالیس[3] برس کی مدت مین صرف دو دفعہ اس قسم کا ارادہ کیا، لیکن دونون دفعہ توفیقِ الٰہی نے بچالیا کہ "تیری شان ان مشاغل سے بالاتر ہے[4]"۔

---

[1] ابن ہشام مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ جلد اوّل صفحہ ۰۷، [2] ابن ہشام صفحہ ۶۹ [3] سر ولیم میور صاحب "لائف آف محمد صلے اللہ علیہ وسلم" مین لکھتے ہین "ہماری تمام تصنیفات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ مین انکے چال چلن کی عصمت اور انکے اطوار کی پاکیزگی پر جو اہل مکہ مین کمیاب تھی متفق ہین"

یہ فطرتِ سلیم اور نیک سرشتی کا اقتضا تھا لیکن ایک شریعت کبریٰ کی تاسیس، ایک مذہب کامل کی تشئید اور رہنمائی کونین کے منصب عظیم کے لیے کچھ اور درکار تھا، اسی زمانہ کے قرب مین اور حق پرستون (ورقہ۔ زید، عثمان بن حویرث) کے دل مین خیال آیا کہ جمادِ لایعقل کے آگے سر جھکانا حماقت ہی، چنانچہ سب مذہب حق کی تلاش کے لیے نکلے لیکن ناکامی کی دیوار سے سر ٹکرا ٹکرا کر رہ گئے، ورقہ اور عثمان عیسائی ہوگئے، اور زید یہ کہتے کہتے مرگئے "اے خدا! اگر مجھکو معلوم ہوتا کہ تجھکو کس طریقہ سے پوجنا چاہئے تو مین اُسی طریقہ سے تجھکو پوجتا"

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بہت سے دنیاوی تعلقات تھے، تجارت کا کاروبار تھا، متعدد اولادین تھین۔ تجارت کی ضرورت سے اکثر سفر کرنا پڑتا تھا لیکن دست قدرت کو جو کام لینا تھا وہ ان تمام مشاغل سے بالاتر تھا، دنیا اور دنیا کے تمام کام آپ کو ہیچ نظر آتے تھے، تاہم مطلوب حقیقی کا اب تک پتہ نہ تھا،

مکہ معظمہ سے تین میل پر ایک غار تھا، جسکو حرا کہتے ہین آپ مہینون وہان جاکر قیام فرماتے اور مراقبہ کرتے، کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے، وہ ہوچکتا تو پھر گھر پر تشریف لاتے، اور پھر واپس جاکر مراقبہ مین مصروف ہوتے،

صحیح بخاری مین ہی کہ غارِ حرا مین آپ تحنّث یعنی عبادت کیا کرتے تھے، یہ عبادت کیا تھی؟ عینی شرح بخاری مین ہی۔[1]

قِیلَ مَاکَانَ صِفَۃُ تَعَبُّدِہٖ اُجِیبَ بِاَنَّ	یہ سوال کیا گیا ہی کہ آپ کی عبادت کیا تھی؟ جواب یہ ہی کہ غور
ذٰلِکَ کَانَ بِالتَّفَکُّرِ وَالْاِعْتِبَارِ	وفکر اور عبرت پذیری۔

یہ وہی عبادت تھی جو آپ کے دادا ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے کی تھی، ستارون کو دیکھا

---

[1] جلد اوّل صفحہ ۲۷،

تو چونکہ تجلی کی جھلک تھی، دھوکا ہوا چاند نکلا تو اور بھی شبہ ہوا، آفتاب پر اس سے زیادہ لیکن جب سب نظروں سے غائب ہو گئے تو بیساختہ پکار اٹھے

انی لا احب الآفلین	میں فانی چیزوں کو نہیں چاہتا
انی وجهت وجهي للذي فطر السموات والارض	میں اپنا منہ اسکی طرف کرتا ہون جسنے زمین آسمان پیدا کیا

ایک مغربی مورخ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عبادت کی کیفیت اس طرح ادا کی

"سفر و حضر میں ہر جگہہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے دل میں ہزارون سوال پیدا ہوتے تھے، میں کیا ہون؟ یہ غیر متناہی عالم کیا ہے؟ نبوت کیا شئے ہے؟ میں کن چیزون کا اعتقاد کرون؟ میں کیا کام کرون؟ کیا کوہ حرا کی چٹانین کوہ طور کی سر بفلک چوٹیان، کھنڈر، میدان کسی نے ان سوالون کا جواب دیا؟ نہین ہرگز نہین! بلکہ گنبد گردان گردش لیل و نہار چمکتے ہوے ستارے، برستے ہوے بادل کوئی ان سوالون کا جواب نہ دے سکا"[1]

نبوت کا دیباچہ یہ تھا کہ خواب مین آپ پر اسرار منکشف ہونے شروع ہوے جو کچھ آپ خواب مین دیکھتے تھے بعینہ وہی پیش آتا تھا[2] ایک دن جب آپ حسب معمول غار حرا مین مراقبہ مین مصروف تھے فرشتہ غیب نظر آیا کہ آپ سے کہہ رہا ہے

اقرء باسم ربك الذي خلق خلق الانسان	پڑھ اس خدا کا نام جسنے کائنات کو پیدا کیا جسنے آدمی کو گوشت
من علق اقرء وربك الاكرم الذي علم	کے لوتھڑے سے پیدا کیا پڑھ تیرا خدا کریم ہے وہ جسنے انسانکو قلم
بالقلم علم الانسان ما لم يعلم	کے ذریعے سے علم سکھایا وہ جسنے انسانکو وہ باتین سکھائین جو اسکو معلوم نہ تھین

---

[1] کارلائل ہیروز تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[2] وحی کے انواع مین سے ایک خواب بھی ہے صحیح بخاری کے شروع مین ہے اول ما بدئ به رسول الله صلی الله علیه وسلم من الوحي الرؤيا الصالحة نے النوم بخاری کتاب التعبیر مین زیادہ صاف طریقہ پر یہ مسئلہ ادا کیا گیا ہے

آپ گھر واپس تشریف لائے تو جلال الہی سے لبریز تھے

آپنے حضرت خدیجہ سے تمام واقعہ بیان کیا وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو عبری زبان جانتے تھے اور توریت و انجیل کے ماہر تھے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ کی کیفیت سنی تو یہ کہا وہی ناموس ہے جو موسی پر اترا تھا

روایت میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ڈر پیدا ہوا حضرت خدیجہ نے کہا کہ آپ متردد نہوں خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑیگا پھر وہ آپ کو ورقہ کے پاس لے گئیں انہوں نے آپکی نبوت کی تصدیق کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بے شبہ یہ الفاظ نکلے مجھکو ڈر ہے لیکن یہ تردد ہیبت یہ اضطراب جلال الہی کا تاثر (اور نبوت کے بار گران کی عظمت کا تحمل تھا) آپنے کیا دیکھا، ناموس اعظم نے کیا کہا کیا کیا مشاہدات ہوئے، یہ وہ نازک باتیں ہیں جو الفاظ کا تحمل نہیں کرسکتیں

صحیح بخاری باب التعبیر میں ہے کہ چند روز تک جب وحی رک گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے تھے کہ اپنے آپ کو گرا دیں دفعۃً حضرت جبریل نظر آتے تھے اور کہتے تھے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تم واقعی خدا کے پیغمبر ہو اس سے آپ کو اسوقت تسکین ہو جاتی تھی لیکن جب پھر وحی کچھ دنوں کے لیے رک جاتی تھی تو پھر آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھکر اپنے آپکو گرا دینا چاہتے تھے اور پھر حضرت جبریل نمایاں ہو کر تسکین دیتے کہ آپ واقعی خدا کے پیغمبر ہیں۔

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے حصہ اول کی شرح میں معترضین کا یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ ایک پیغمبر کو نبوت میں کیونکر شک ہو سکتا ہے اور ہو تو کسی عیسائی کے تسکین دینے سے تسکین ہو سکتی ہے پھر ایک مشہور محدث کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ نبوت ایک امر عظیم ہے اسکا تحمل دفعۃً نہیں ہو سکتا اس لیے پہلے آنحضرت

۱؎ صحیح بخاری باب بدء الوحی و کتاب التعبیر یہ روایت حضرت عائشہ سے مروی ہے لیکن حضرت عائشہ اسوقت تک پیدا نہیں ہوئی تھیں، محدثین کی اصطلاح میں ایسی روایت کو مرسل کہتے ہیں لیکن صحابہ کا مرسل محدثین کے نزدیک قابل حجت ہے کیونکہ متروک راوی بھی صحابہ ہی ہونگے

صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب کے ذریعہ سے اس سے مانوس کیا گیا۔ پھر جب دفعۃً فرشتہ نظر آیا تو آپ اقتضائے بشریت سے خوف زدہ ہو گئے، حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسکین دی پھر جب ورقہ نے تصدیق کی تو آپ کو پورا یقین ہو گیا۔" محدث مذکور کے الفاظ یہ ہین،

فَلَمَّا سَمِعَ کَلَامَہٗ اَیْقَنَ بِالْحَقِّ وَاعْتَرَفَ بِہٖ — جب آپ نے ورقہ کا کلام سنا تو آپ کو حق کا یقین آگیا اور آپ نے اسکا اعتراف کیا

محدث مذکور اس کے بعد لکھتے ہین کہ "وحی بار بار اسلیے رُک جاتی تھی کہ آپ رفتہ رفتہ اسکے برداشت کرنے کے قابل ہو جائین[۱]"

لیکن جب کہ ترمذی مین یہ حدیث موجود ہی کہ "نبوت سے پہلے سفر شام مین (بمقام بصرے) جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے تھے اسکی تمام شاخین آپ پر جھک آئین جس سے بحیرا نے آپ کے نبی ہونے کا یقین کیا" جبکہ صحیح مسلم مین یہ حدیث ہی کہ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین" کہ مین اُس پتھر کو پہچانتا ہون جو نبوت سے پہلے مجھکو سلام کیا کرتا تھا" جب کہ صحاح مین موجود ہی کہ نبوت سے پہلے فرشتون نے آپکا سینہ چاک کیا اور جسمانی آلائش نکال کر پھینکدی۔ تو خود ان روایتون کے روایت کرنے والے کیونکر یہ کہہ سکتے ہین کہ فرشتہ کا نظر آنا ایسا واقعہ تھا جس سے آپ اسقدر خوف زدہ ہو جاتے تھے کہ ایک دفعہ تسکین ہو کر بھی بار بار اضطراب ہوتا تھا، اور آپ اپنے آپ کو پہاڑ پر سے گرا دینے کا ارادہ کرتے تھے اور بار بار حضرت جبریل کو اطمینان دلانے کی ضرورت ہوتی تھی، کیا اور کسی پیغمبر کو بھی ابتدائے وحی مین کبھی شک ہوا تھا؟ حضرت موسیٰ نے درخت سے آواز سنی کہ "مین خدا ہون" تو کیا اُنکو کوئی شبہہ پیدا ہوا؟

حافظ ابن حجر وغیرہ کی پیروی کرنیکی ہمکو ضرورت نہین ہمکو پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ خود اصل روایت بسند مرفوع متصل ہی یا نہین، یہ روایت امام زہری کے بلاغات مین سے ہی، یعنی سند کا سلسلہ زہری تک ختم ہو جاتا ہی اور آگے نہین بڑھتا۔ چنانچہ خود شارحین بخاری نے تصریح کر دی ہی۔ یہ ظاہر ہی کہ ایسے عظیم الشان واقعہ کے لیے سند

[۱] فتح الباری شرح صحیح بخاری، کتاب التعبیر جلد ۱۲ صفحہ ۳۱۷ مطبوعۂ مصر۔

مقطوع کافی نہین،

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب فرضِ نبوّت ادا کرنا چاہا تو سخت مشکلین پیش نظر تھین، اگر آپکا فرض اسیقدر ہوتا کہ مسیح علیہ السّلام کی طرح صرف تبلیغ دعوت پر اکتفا فرمائین۔ یا حضرت کلیمؑ کی طرح اپنی قوم کو لیکر مصر سے نکلجائین، تو مشکل نہ تھی لیکن خاتم انبیا کا کام خود سلامت رہ کر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو فروغِ اسلام سے منوّر کر دینا تھا اسلیے نہایت تدبیر اور تدریج سے کام لینا پڑا۔ سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ پُرخطر راز پہلے کس کے سامنے پیش کیا جائے؟ اس غرض کے لیے صرف وہ لوگ انتخاب کیے جا سکتے تھے جو فیضیاب صحبت رہ چکے تھے جنکو آپکے اخلاق وعادات کی ایک ایک حرکات وسکنات کا تجربہ ہوچکا تھا جو پچھلے تجربون کی بنا پر آپ کے صدق دعوے کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے، یہ لوگ حضرت خدیجہؓ آپ کی حرم محترم تھین، حضرت علیؓ تھے جو آپ کی آغوشِ تربیت مین پلے تھے، زیدؓ تھے جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور بندۂ خاص تھے حضرت ابوبکرؓ تھے جو برسون[1] سے فیضیاب خدمت تھے، سب سے پہلے آپ نے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا وہ سننے سے پہلے مومن تھین پھر اور بزرگون کی باری آئی اور سب ہمہ تن اعتقاد تھے۔

حضرت ابوبکرؓ دولتمند ماہر انساب صاحب الرّاے اور فیّاض تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہی کہ جب وہ ایمان لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ غرض ان اوصاف کی وجہ سے مکّہ مین ان کا عام اثر تھا اور معززین شہران سے ہر بات مین مشورہ لیتے تھے، ارباب روایت کا بیان ہی کبار صحابہ مین سے حضرت عثمانؓ حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف حضرت سعدؓ وقاص فاتح ایران حضرت طلحہؓ سب انہی کی ترغیب اور ہدایت سے اسلام لائے[2]، انکی وجہ سے یہ چرچا چپکے چپکے اور لوگون مین بھی پھیلا، اور مسلمانون کی تعداد مین اضافہ ہوتا گیا۔ ان سابقین اولین مین عمّار، خبّاب ابن الارتّ حضرت عثمان

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ مین بزرگانِ موصوف کا تذکرہ ملاحظہ کرنا چاہیے [2] دیکھو ریاض النضرۃ لمحب الطبری مطبوعۂ مصر صفحہ ۵۰۔

عبدالرحمان بن عوف ـ حضرت سعد وقاص ـ طلحہ ـ ارقم ـ سعید بن زید ـ عبداللہ بن مسعود ـ عثمان بن مظعون ـ عبیدہ

صہیب رومی، زیادہ ممتاز ہین ـ

لیکن جو کچھ ہوا پوشیدہ طور پر ہوا ـ نہایت احتیاط کیجاتی تھی کہ محرمانِ خاص کے سوا کسی کو خبر نہ ہونے پائے ـ نماز کا جب وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی پہاڑ کی گھاٹی مین چلے جاتے اور وہان نماز ادا کرتے، **ابن الاثیر** کا بیان ہی کہ چاشت کی نماز آپ حرم ہی مین ادا کرتے تھے ـ کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب مین بھی جائز تھی ـ ایک دفعہ آپ حضرت علی کے ساتھ کسی درہ مین نماز پڑھ رہے تھے، اتفاق سے آپ کے چچا ابوطالب آ نکلے ـ انکو اس جدید طریقۂ عبادت پر تعجب ہوا، کھڑے ہو گئے اور بغور دیکھتے رہے ـ نماز کے بعد پوچھا کہ یہ کون دین ہی؟ آپ نے فرمایا کہ ہمارے دادا **ابراہیم** کا یہی دین تھا، ابوطالب نے کہا مین اسکو اختیار تو نہین کرسکتا لیکن تمکو اجازت ہی، اور کوئی شخص تمہارا مزاحم نہ ہو سکے گا،

یہ تاریخ اسلام کا ایک بڑا اہم مسئلہ ہی کہ اسلام کیونکر پھیلا؟ مخالفین نے اس کا ذریعہ تلوار بتایا ہی ـ اس مسئلہ پر مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصون مین آئے گی، لیکن ایک خاص پہلو پر یہین نگاہ ڈال لینی چاہئے یعنی یہ کہ اوائل اسلام مین جب کہ اسلام لانا، جان و مال سے ہات دھونا تھا ـ کون لوگ اور کس قسم کے لوگ ایمان لائے؟

اس زمانہ مین جو لوگ اسلام لائے ـ ان مین چند خصائص مشترک تھے اسی قسم کے دلیکن بالعکس مشترک خصائص اُن لوگون مین بھی پائے جاتے ہین جنھون نے شدت مخالفت کی ـ چنانچہ تفصیل آگے آتی ہی ـ

(۱) اکثر وہ لوگ اسلام لائے جو پہلے سے تلاش حق مین سرگردان اور فطرۃً نیک طبع اور پاکیزہ اخلاق تھے مثلاً **حضرت ابوبکر** رض جاہلیت مین بھی عفیف، پارسا، اور صدق و دیانت مین مشہور تھے ـ عثمان بن مظعون صوفی مزاج تھے اور اسلام سے پہلے شراب چھوڑ چکے تھے، اسلام کے بعد چاہتے تھے کہ راہب بنجائین لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا، **صہیب** عبداللہ بن جدعان کے تربیت یافتہ تھے جو اسلام سے پہلے

تارک شراب ہو کر وفات پا چکے تھے حضرت **ابو ذر** جنکا اسلام لانے والون مین چھٹا یا ساتوان نمبر تھا، ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ وہ پہلے سے بُت پرستی چھوڑ چکے تھے، اور غیر متعین طریقہ سے جسطرح اُن کے ذہن مین آتا تھا خدا کا نام لیتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال سنا تو اپنے بھائی کو بھیجا کہ صحیح خبر لائین۔ وہ مکّہ مین آئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہو کر قرآن مجید کی سورتین سُنین واپس جا کر **ابو ذر** سے کہا کہ مین نے ایک شخص کو دیکھا جسکو لوگ مُرتد کہتے ہین، وہ مکارم اخلاق سکھاتا ہی، اور جو کلام سناتا ہی وہ شعر نہین کوئی اور چیز ہی۔ تمھارا طریقہ اس سے بہت ملتا جلتا ہی **ابو ذر** کو تسکین نہین ہوئی خود مکّہ مین آئے زبانِ مبارک سے آپکا ارشاد سُنا اور اسلام قبول کر لیا۔ وہ تمام عُمر دنیاوی تعلقات سے الگ رہے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ جو شخص زر و مال جمع کرتا ہی وہ مسلمان نہین۔ چنانچہ اس بنا پر حضرت عثمان نے اپنے زمانہ مین ان کو مدینہ سے دور بھیجدیا تھا[۱]،

(۲) بعض **صحابہ** ایسے تھے جو احناف کے تربیت یافتہ تھے، یعنی وہ لوگ جو زمانہ اسلام سے پہلے بُت پرستی ترک کر چکے تھے اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کا پَیرو کہتے تھے لیکن اس اجمالی اعتقاد کے سوا اور کچھ نہین جانتے تھے۔ اور اس لیے تلاش حق مین سرگردان تھے، انہی مین زید بھی تھے جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہی۔ اُنھون نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ برس پہلے وفات پائی لیکن انکے صاحبزادے سعید موجود تھے، وہ باپ کے ارشادات سُن چکے تھے، **آنحضرت** صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو اُن کو وہ رہنما ہاتھ آ گیا جسکی جستجو مین ان کے باپ دنیا سے چلے گئے۔ اور وہ اب تک سرگشتہ تھے،

(۳) یہ امر سب مین مشترک تھا کہ یہ لوگ قریش کے مناصب اعظم مین سے کوئی منصب نہین رکھتے تھے بلکہ اکثر ایسے تھے مثلاً عمار، خباب، ابو فکیہہ، صُہیب، وغیرہ جن کو دولت وجاہ کے دربار مین جگہ بھی نہین ملسکتی تھی چنانچہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) ان لوگون کو لیکر حرم مین جاتے تو رؤساے قریش ہنسکر کہتے،

---

[۱] حضرت ابو ذر کے اسلام لانے کا واقعہ بخاری و مسلم دونون مین مذکور ہی لیکن باہم اختلاف ہی مینے دونون سے کچھ کچھ لیا ہو لیکن اختصار کے لحاظ سے بہت سی باتین چھوڑ دین

اھٰؤُلاءِ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنْ بَیْنِنَا — یہی وہ لوگ ہین جنپر خدانے ہملوگون کو چھوڑکر احسان کیا ہو؟

کُفار کے نزدیک اُن کا افلاس اُنکی تحقیر کا سبب تھا لیکن یہی چیز تھی جسکی وجہ سے ایمان کی دولت سب سے پہلے انہی کے ہات آسکتی تھی، دولت و مال اُنکے دلون کو سیاہ نہین کر چکا تھا۔ فخر و غرور ان کو انقیادِ حق سے روک نہین سکتا تھا۔ اُن کو یہ ڈر نہ تھا کہ اگر بُت پرستی چھوڑ دین گے تو کعبہ کا کوئی منصبِ عظیم ہات سے جاتا رہے گا، غرض اُنکے دل ہر قسم کے زنگ سے پاک تھے۔ اور حق کی شعاعین اُن پر دفعتہً پرتوافگن ہو سکتی تھین یہی سبب ہو کہ انبیا کے ابتدائی پیرو ہمیشہ نادار اور مفلس لوگ ہوتے ہین عیسائیت کے ارکانِ اولین ماہی گیر تھے حضرت نوحؑ کے مقربین خاص کی نسبت کُفّار کو علانیہ کہنا پڑا،

مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ ھُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ — ہم تو بظاہر یہ دیکھتے ہین کہ تیری پیروی انہی لوگون نے کی جو رذیل ہین

وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ — اور ہم تو تم مین کوئی برتری نہین پاتے بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہو کہ تم سب جھوٹے ہو

یہ سابقین اسلام جس قسم کا راسخ ایمان لائے تھے اُسکی تفصیل آگے آتی ہو جس سے ظاہر ہو گا کہ قریش کی سخت خونخواریان، جور و ظلم کے شدائد۔ دولت و مال کی انتہائی ترغیبین کوئی چیز اُنکو متزلزل نہ کر سکی۔ اور آخر انہی کمزور ہاتون نے قیصر و کسریٰ کا تخت اُلٹ دیا،

تین برس تک آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا لیکن اب آفتاب رسالت بلند ہو چکا تھا۔ صاف حکم آیا،

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ — اور تجھکو جو حکم دیا گیا ہو وا شگاف کہدے،

اور نیز حکم آیا،

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ — اور اپنے نزدیک کے خاندان والون کو خدا سے ڈرا،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا یا معشر قریش! لوگ جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ "اگر مین تم سے یہ کہون کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آرہا ہو تو تم کو یقین آئے گا؟ سب نے کہا "ہان" کیونکہ

تم کو ہمیشہ سے ہم نے سچ بولتے دیکھا ہی" آپ نے فرمایا "تو مین یہ کہتا ہون کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب شدید نازل ہوگا[۱]" یہ سنکر سب لوگ جنمین ابولہب آپ کا چچا بھی تھا سخت برہم ہوکر چلے گئے۔

چند روز کے بعد آپ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو، یہ درحقیقت تبلیغ اسلام کا پہلا موقع تھا، تمام خاندان عبدالمطلب مدعو کیا گیا۔ حمزہ۔ ابوطالب، عباس، سب شریک تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کھانے کے بعد کھڑے ہوکر فرمایا کہ "مین وہ چیز لیکر آیا ہون جو دین اور دنیا دونون کو کفیل ہی۔ اس بارگران کے اُٹھانے مین کون میرا ساتھ دیگا" تمام مجلس مین سناٹا تھا دفعۃً **حضرت علی** نے اوٹھکر کہا "گو مجھکو آشوب چشم ہی، گو میری ٹانگین پتلی ہین۔ اور گو مین سب سے نوعمر ہون تاہم مین آپ کا ساتھ دون گا"

قریش کے لئے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص (جنمین ایک سیزدہ سالہ نوجوان ہی) دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہین، حاضرین کو بیساختہ ہنسی آگئی لیکن آگے چلکر زمانے نے بتادیا کہ یہ سراپا سچ تھا۔

اب مسلمانون کی ایک معتدبہ جماعت طیار ہوگئی تھی جنکی تعداد چالیس سے زیادہ تھی۔ آپنے حرم کعبہ مین جاکر توحید کا اعلان کیا۔ کفار کے نزدیک یہ حرم کی سب سے بڑی توہین تھی۔ اسلیے دفعۃً ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ اور ہر طرف سے لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ربیب حارث بن ابی ہالہ گھر مین تھے انکو خبر ہوئی دوڑے آئے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بچانا چاہا لیکن ہر طرف سے اُن پر تلوارین پڑین اور وہ شہید ہوگئے۔ اسلام کی راہ مین یہ پہلا خون تھا جس سے زمین رنگین ہوئی[۲]،

قریش کی مخالفت اور اُس کے اسباب

مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی۔ قریش کا خاندان جو تمام عرب پر مذہبی حکومت رکھتا تھا اور جسکی وجہ سے وہ ہمسایگان خدا بلکہ آل اللہ یعنی خاندانِ الٰہی کہلاتے تھے۔ اس کی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور اور کلید بردار تھے اس تعلق سے قریش کا کاروبار زیادہ پھیلتا گیا یہانتک کہ متعدد محکمے اور بڑے بڑے مناصب قایم ہوگئے۔ جنکی تفصیل یہ ہی،

---

[۱] صحیح بخاری صفحہ ۰۰، [۲] اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر حارث بن ابی ہالہ،

منصب[۱]	منصب کی تفصیل	کس خاندان کو کون منصب حاصل تھا	آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین کون لوگ ان مناصب پر ممتاز تھے
حجابہ	کعبہ کی کلید برداری اور تولیت		عثمان بن طلحہ
رفادہ	غریب حجاج کی خبرگیری	خاندان نوفل	حرث بن عامر
سقایہ	حجاج کے پانی پلانے کا انتظام	خاندان ہاشم	حضرت عباس
مشورہ		خاندان اسد	یزید بن ربیعۃ الاسود
دیات و مغارم	خون بہا کا فیصلہ کرنا	خاندان تیم	حضرت ابوبکرؓ
عقاب	عَلَم برداری	خاندان اُمیّہ	ابوسفیان
قُبتہ	خیمہ و خرگاہ کا انتظام اور سوارونکی افسری	خاندان مخزوم	ولید بن مغیرہ
سفارت و منافرت	سفیر ہوکر جانا اور جن قبیلوں مین یہ نزاع پیش آے کہ شریف تر کون ہو اُسکا فیصلہ کرنا،	خاندان عدی	حضرت عمرؓ
ازلام و ایسار	محکمۂ فال کا انتظام	خاندان جمح	صفوان بن امیۃ
اموال	مہتمم خزانہ	خاندان سہم	حرث بن قیس

آغاز اسلام مین جو لوگ قریش کے روساے اعظم تھے اور جن کی عظمت و اقتدار کا اثر تمام مکہ پر تھا انکے نام یہ ہین،

ابوسفیانؓ بن حرب (معاویہؓ کا باپ)	حرب فجار مین انہی کا باپ قریش کا سپہ سالار تھا،
ابولہب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا)	
ابوجہل	ولید بن مغیرۃ کا بھتیجا اور اپنے قبیلہ کا سردار تھا،

[۱] یہ تمام تفصیل عقد الفرید جلد دوم صفحہ ۳۰ مین ہی،

ولید بن مغیرہ (حضرت خالد کا باپ)	قریش کا رئیس اعظم تھا،
عاص بن وائل سہمی (حضرت عمرو بن العاص کا باپ)	نہایت دولتمند کثیر الاولاد اور صاحب اثر تھا،
عُتبہ بن ربیعہ (امیر معاویہ کا نانا)	نہایت شریف الطبع اور صاحب ریاست تھا،

ان کے سوا۔ اسود بن عبد المطلب۔ اسود بن عبد یغوث۔ نضر بن الحرث بن کلدۃ اخنس بن شریق ثقفی، اُبی بن خلف۔ عقبہ بن معیط اموی، صاحب اثر تسلیم کئے جاتے تھے،

پہلا سبب

اسموقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ خاندان ہاشم اور بنو امیہ برابر کے حریف تھے اور دونوں مدت سے رشک و رقابت چلی آتی تھی ناتربیت یافتہ اور تند خو قومون کا خاصہ ہے کہ کوئی تحریک جو اُن کے آبائی رسم و عقاید کے خلاف ہو اُنکو سخت برہم کردیتی ہے۔ اسکے ساتھ اُنکی مخالفت محض زبانی مخالفت نہین ہوتی اور اُنکی تشنگی انتقام کو خون کے سوا کوئی چیز بجھا نہیں سکتی، آج ہندوستان اسقدر مہذب ہوگیا ہے لیکن اب بھی کسی عام مسئلہ مذہبی کی مخالفت کیجائے تو ایک حشر برپا ہوجاتا ہے۔ اور حکومت موجودہ اگر منتظم اور صاحب جبروت نہ ہوتی تو اس زمین پر بارہا خون کا بادل برس چکا تھا،

عرب ایک مدت سے بت پرستی مین مُبتلا تھا خلیل بُت شکن کی یادگار (کعبہ) تین سو ساٹھ معبودون سے مزین تھی جن مین **ہُبل** خدائے اعظم تھا یہی بُت ہر قسم کے خیر و شر کے مالک تھے۔ پانی برساتے تھے۔ اولادین دیتے تھے۔ معرکہ ہائے جنگ مین فتحین دلاتے تھے۔ خدا یا تو سرے سے نہ تھا۔ یا تھا تو وجود معطل تھا،

دوسرا سبب

اسلام کا اصل فرض اس طلسم کو دفعۃً برباد کردینا تھا لیکن اسکے ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار اور عالمگیر اثر کا بھی خاتمہ تھا۔ اسلیے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور ان مین جن لوگون کو جسقدر زیادہ نقصان پہونچنے کا اندیشہ تھا، اُسی قدر مخالفت مین زیادہ سرگرم تھے،

قریش کا رئیس اعظم **حرب بن امیہ** تھا چنانچہ حرب فجار مین وہی سپہ سالار اعظم تھا لیکن حرب کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ابوسفیان اس منصب عظیم کے حاصل کرنے کی قابلیت نہین رکھتا تھا،

اسلیے ولید بن المغیرہ نے اپنی لیاقت اور اثر سے ریاست حاصل کی۔ ابوجہل اسکا بھتیجا تھا اور وہ بھی قریش مین امتیاز رکھتا تھا،

ابوسفیان گو اپنے باپ کا منصب نہ حاصل کر سکا لیکن بنو امیہ کے خاندان کا سردار وہی تھا،

خاندانِ ہاشم مین سب سے ممتاز اور کبیر السن ابولہب تھا، جو رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کا حقیقی چچا تھا،

قبیلہ سہم مین سب سے زیادہ با اثر عاص بن وائل تھا جو نہایت دولتمند اور کثیر الاولاد تھا،

قریش کی عنان حکومت انہی روسا کے ہاتھ مین تھی۔ اور یہی لوگ تھے جنھون نے اسلام کی سخت مخالفت کی، قریش کے اور اکابر مثلاً اسود بن عبد المطلب۔ اسود بن عبد یغوث۔ نضر بن الحرث۔ امیۃ بن خلف۔ عقبۃ بن معیط الاسدی انہین لوگون کے زیر اثر تھے۔ اور اس وجہ سے اعداے اسلام مین اُنکے نام ہر جگہ نمایان نظر آتے ہین،

قریش کا یہ خیال تھا کہ نبوت کا منصب اعظم اگر کسی کو ملتا تو مکہ یا طائف کے کسی رئیس کو ملتا،

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ

وہ لوگ کہتے ہین کہ قرآن کو اترنا تھا تو ان دو شہرون (مکہ و طائف) مین سے کسی رئیس اعظم پر اُترنا تھا (یعنی ولید بن ربیعہ یا ابومسعود ثقفی)

عرب مین ریاست کے لیے دولت اور اولاد سب سے پہلی اور سب سے ضروری شرط تھی۔ اولاد کی نسبت اکثر وحشی قومون مین (ہندوستان مین بھی) یہ خیال رہا ہی کہ جو شخص صاحب اولاد نہو وہ عالم آخرت کی برکات سے محروم رہتا ہی،

ہندوؤن مین بھی یہ خیال ہی کہ اولاد کے بغیر انسان کو پوری نجات نہین مل سکتی۔

قریش مین اوصاف مذکورہ کے لحاظ سے جو لوگ ریاست کا استحقاق رکھتے تھے وہ ولید ابن المغیرۃ۔ امیۃ بن خلف۔ عاص بن وائل سہمی۔ اور ابومسعود ثقفی تھے۔ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلّم) ان اوصاف سے بالکل خالی تھے۔ دولت کے غبار سے آپ کا دامن پاک تھا۔ اور اولادِ ذکور سال دو سال سے

زیادہ زندہ نہین رہی۔

تیسرا سبب — قریش کو عیسائیون سے بالطبع نفرت تھی جسکی وجہ یہ تھی۔ ابرہتہ الاشرم (بادشاہ حبش) جو کعبہ کے ڈھانے کو آیا تھا عیسائی تھا یہی وجہ تھی کہ قریش عیسائیون کے مقابلہ مین پارسیون کو زیادہ پسند کرتے تھے ایران اور روم کی جنگ مین ایرانیون کو فتح ہوئی تو قریش نے نہایت خوشی کا اظہار کیا اور مسلمان دلشکستہ ہوئے چنانچہ یہ آیت اتری۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِی اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ	قریب کے ملک مین رومی مغلوب ہوگئے، لیکن یہ لوگ مغلوب ہونے
سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ	کے بعد چند سال مین پھر غالب آجائین گے۔ خدا ہی کو اختیار ہے پہلے
وَمِنْ بَعْدُ وَیَوْمَئِذٍ یَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ	بھی اور پیچھے بھی اور تب مسلمان اللہ کی مدد سے خوشی منائین گے،

اسلام اور نصرانیت مین بہت سی باتین مشترک تھین۔ سب سے بڑھکر یہ کہ اس زمانہ مین اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا، اور مدینہ منورہ مین بھی ایک مدت تک یہی قبلہ رہا۔ ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) عیسائیت قایم کرنا چاہتے ہین،

چوتھا سبب — ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی۔ قریش مین دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف یکدگر تھے، بنوہاشم و بنوامیتہ۔ عبدالمطلب نے اپنے زور اور اثر سے بنوہاشم کا پلّہ بھاری کردیا تھا لیکن اُنکے بعد اس خاندان مین کوئی صاحب اثر نہین پیدا ہوا۔ ابوطالب دولتمند نہ تھے۔ عباس دولت مند تھے لیکن فیاض نہ تھے ابولہب بدچلن تھا۔ اس بنا پر بنوامیتہ کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کو خاندان بنی امیتہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا، اسلیے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کی۔ بدر کے سوا باقی تمام لڑائیان ابوسفیان ہی نے برپا کین، اور وہی ان لڑائیون مین رئیس لشکر رہا،

عُقبہ بن ابی معیط جو سب سے زیادہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا دشمن تھا۔ اور جسنے نماز پڑھنے کی حالت مین

آپ کے دوش مبارک پر اونٹ کی اوجھ لاکر ڈالی تھی اُموی تھا۔ بنو امیہ کے بعد جس قبیلہ کو بنو ہاشم کی برابری کا دعوےٰ تھا۔ وہ بنو مخزوم تھے۔ ولید بن المغیرہ اسی خاندان کا رئیس تھا، اسلیے اس قبیلہ نے بھی آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی سخت مخالفت کی ابوجہل کی ایک تقریر سے اس بیان کی پوری تصدیق ہوتی ہو ایک دفعہ اخنس بن شریق ابوجہل کے پاس گیا اور کہا کہ "محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے متعلق تمھاری کیا رائے ہو"؟ ابوجہل نے کہا ہم اور بنو عبد مناف (یعنی آل ہاشم) ہمیشہ حریف مقابل رہے انھون نے مہمانداریان کین تو ہم نے بھی کین، انھون نے خون بہا دیے تو ہم نے بھی دیئے۔ انھون نے فیاضیان کین تو ہم نے اُن سے بڑھ کر کین، یہان تک کہ جب ہم نے اُن کے کاندھے سے کاندھا ملا دیا تو اب بنو ہاشم پیغمبری کے دعویدار ہین، خدا کی قسم ہم اس پیغمبر پر کبھی ایمان نہین لا سکتے[1]،

پانچوان سبب

ایک بڑا سبب یہ تھا کہ قریش مین سخت بد اخلاقیان پھیلی ہوئی تھین، بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بد اخلاقیون کے مرتکب تھے، ابولہب جو خاندان ہاشم مین سب سے زیادہ ممتاز تھا اُسنے حرم محترم کے خزانہ سے غزال زرین چرا کر بیچ[2] ڈالا تھا، اخنس بن شریق جو بنو زہرہ کا حلیف اور روساے عرب مین شمار کیا جاتا تھا، نمّام اور کذّاب تھا، نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی۔ اسی طرح اکثر ارباب جاہ مختلف قسم کے اعمال شنیعہ مین گرفتار تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) ایک طرف بت پرستی کی برائیان بیان فرماتے تھے، دوسری طرف ان بد اخلاقیون پر سخت دار و گیر کرتے تھے جس سے انکی عظمت و اقتدار کی شاہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی، قرآن مجید مین پیہم علانیہ ان بدکارون کی شان مین آیتین نازل ہوتی تھین اور گو طریقۂ بیان عام ہوتا تھا لیکن لوگ جانتے تھے کہ روے سخن کس کی طرف ہو،

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۲۰۰ مطبوعۂ مصر، [2] حرم مین ایک سونے کا ہرن مدت سے خزانہ مین محفوظ تھا۔ ابولہب نے اسکو چرا کر فروخت کر دیا یہ واقعہ عموماً تاریخون مین مذکور ہو۔ ابن قتیبہ نے بھی معارف مین اس کا ذکر کیا ہو،

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ
مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ
أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ (سورۂ قلم)

اور اس شخص کے کہنے میں نہ آنا جو بات بات میں قسم کھاتا ہی آبرو باختہ ہی۔ طاعن ہی، چغلیان لگاتا ہی لوگون کو اچھے کامون سے روکتا ہی حد سے بڑھ گیا ہی بدہی۔ تُند خو ہی اور ان سب باتون کے ساتھ حرامزادہ بھی ہی اسلیے کہ وہ مالدار اور لڑکون والا ہے۔

كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ
كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (سورۂ علق)

وہ سُن رکھے کہ اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اسکی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹینگے جو کہ جھوٹی اور خطاکار ہی،

ممکن تھا کہ وعظ و پند کا نرم طریقہ اختیار کیا جاتا لیکن مدت کی غفلت عربی نخوت۔ دولت و اقتدار کا فخر ریاست کا زعم ان چیزون کے ہوتے ہوئے جب تک ضرب نہایت سخت نہ ہوتی وہ خبر نہ ہوتے اسلیے بڑے بڑے جبار اس طرح مخاطب کیے جاتے تھے،

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا
مَّمْدُودًا وَبَنِينَ شُهُودًا وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ثُمَّ
يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا (مدثر)

ہم کو اور اُسکو تنہا چھوڑ دو۔ مین نے اسکو پیدا کیا پھر بہت سا مال دیا بیٹے دیے، سامان دیا پھر چاہتا ہی کہ ہم اسکو اور دین ہرگز نہین وہ ہماری آیتون کا دشمن ہی،

یہ خطاب ولید بن مغیرہ کے ساتھ ہی جو قریش کا سرتاج تھا۔ اور یہ الفاظ اس شخص کی زبان سے ادا ہوتے تھے جسکو ظاہری جاہ و اقتدار حاصل نہ تھا۔

لیکن مخالفت کی جو سب سے بڑی وجہ تھی اور جس کا اثر تمام قریش بلکہ تمام عرب پر یکسان تھا۔ یہ تھا کہ جو معبود سیکڑون برس سے عرب کی حاجت روائے عام تھے اور جن کے آگے وہ ہر روز پیشانی رگڑتے تھے اسلام انکا نام و نشان مٹاتا تھا اور ان کی شان مین کہتا تھا۔

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (سورۂ انبیا)

تم اور جن چیزون کو تم پوجتے ہو سب دوزخ کے ایندھن ہونگے،

مدت تک قریش کے تحمل کے اسباب

ان اسباب کے ساتھ جن مین سے ہر ایک قریش کے سخت مشتعل کر دینے کے لیے کافی تھا۔ توقع یہ تھی کہ اعلان دعوت کے ساتھ سخت خونریزیان شروع ہو جاتین لیکن قریش نے تحمل سے کام لیا۔ اور اسکے

ناگزیر اسباب تھے۔ قریش خانہ جنگیون مین تباہ ہوچکے تھے، اور حرب فجار کے بعد اسقدر عاجز آگئے تھے کہ لڑائی کے نام سے ڈرتے تھے۔ قبیلہ پرستی کی وجہ سے لڑائی صرف اتنی سی بات پر شروع ہوجاتی تھی کہ کسی قبیلہ کا کوئی آدمی قتل کردیا جائے، مقتول کا قبیلہ بغیر کسی تحقیق کے انتقام کے لیے کھڑا ہوجاتا تھا، اور جب تک بدلا نہ لے لیا جائے یہ آگ بجھ نہین سکتی تھی۔ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے قتل پر آمادہ ہونا قریش کے لیے نہایت آسان تھا لیکن وہ جانتے تھے کہ **بنو ہاشم** خون کا انتقام نہ چھوڑین گے اور پھر سلسلہ بسلسلہ تمام **مکہ** جنگ مین مبتلا ہوجائے گا۔ بہت سے لوگ اسلام لاچکے تھے اور قریباً کوئی قبیلہ باقی ایسا نہ تھا جسمین دو ایک شخص اسلام نہ لاچکے ہون اسلیئے **اسلام** اگر جرم تھا تو صرف ایک شخص اسکا مجرم نہ تھا۔ بلکہ سیکڑون تھے اور سب کا استیصال کرنا ممکن نہ تھا۔

روسائے قریش مین متعدد ایسے تھے جو شریف النفس تھے وہ بدنفسی کی وجہ سے نہین بلکہ اپنے خیال مین نیک نیتی کی بنا پر مخالفت کرتے تھے اس بنا پر وہ چاہتے تھے کہ معاملہ صلح و آشتی سے طے ہوجائے،

غرض جب **آنحضرت** (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اعلان دعوت کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کے چند معززون نے **ابوطالب** سے آکر شکایت کی۔ ابوطالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کردیا لیکن چونکہ بنائے نزاع قایم تھی یعنی آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) ادائے فرض سے باز نہ آسکتے تھے، اس لیے یہ سفارت دوبارہ ابوطالب کے پاس آئی۔ اس مین تمام روسائے قریش یعنی عتبۃ بن ربیعہ۔ شیبہ۔ ابوسفیان عاص بن ہشام۔ ابوجہل۔ ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل۔ وغیرہ شریک تھے۔ ان لوگون نے ابوطالب سے کہا کہ تمھارا بھتیجا ہمارے معبودون کی توہین کرتا ہی، ہمارے آبا و اجداد کو گمراہ کہتا ہی، ہم کو احمق ٹھہراتا ہی اسلیئے یا تو تم بیچ مین سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان مین آؤ کہ ہم دونون مین سے ایک کا فیصلہ ہوجائے! ابوطالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہوگئی ہی، قریش اب تحمّل نہین کرسکتے، اور مین تنہا قریش کا مقابلہ نہین کرسکتا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے مختصر لفظون مین کہا کہ جان عم! میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ مین اُٹھا نہ سکون،

رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ظاہری پشت وپناہ جو کچھ تھے ابو طالب تھے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا کہ اب اُنکے پائے ثبات مین بھی لغزش ہی۔ آپنے آب دیدہ ہو کر فرمایا "خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ مین سورج اور دوسرے مین چاند لا کر دیدین تب بھی مین اپنے فرض سے باز نہ آؤن گا، خدا یا اس کام کو پورا کریگا یا مین خود اسپر نثار ہو جاؤن گا" آپ کی پر اثر آواز نے ابو طالب کو سخت متاثر کیا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا جا! کوئی شخص تیرا بال بیکا نہین کر سکتا۔[1]

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) بدستور دعوت اسلام مین مصروف ہوے۔ قریش اگرچہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کا ارادہ نہ کر سکے لیکن طرح طرح کی اذیتین دیتے تھے راہ مین کانٹے بچھاتے تھے۔ نماز پڑھنے مین جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے تھے۔ بدزبانیان کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ حرم مین نماز پڑھ رہے تھے عقبہ بن معیط نے آپ کے گلے مین چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنون کے بل گر پڑے۔ قریش متحیر تھے کہ آپ یہ سب سختیان کیون جھیلتے ہین؟ انسانی دماغ ایسی سخت نفس کشی اور جانبازی کا مقصد جاہ و دولت اور نام و نمود کی خواہش کے سوا اور کیا خیال کر سکتا ہی۔ قریش نے بھی یہی خیال کیا۔ اس بنا پر عتبہ بن ربیعہ قریش کی طرف سے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس آیا اور کہا "محمد! کیا چاہتے ہو؟ کیا مکہ کی ریاست؟ کیا کسی بڑے گھرانے مین شادی؟ کیا دولت کا ذخیرہ؟ ہم یہ سب کچھ مہیا کر سکتے ہین اور اس پر بھی راضی ہین کہ کُل مکہ تمھارا زیر فرمان ہو جائے لیکن اِن باتون سے باز آؤ" عتبہ کو اس درخواست کی کامیابی کا یقین تھا لیکن اِن سب ترغیبات کے جواب مین آپ نے قرآن مجید کی چند آیتین پڑھین،

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ	اے محمد کہدے کہ مین تمھین جیسا آدمی ہون مجھ پر یہ وحی آئی ہو کہ تمھارا خدا
وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ	بس ایک خدا ہو پس سیدھے اُسکی طرف جاؤ اور اُسی سے معافی مانگو،

[1] ابن ہشام صفحہ ۱۰۹۔ امام بخاری نے بھی تاریخ مین یہ واقعہ اختصار کے ساتھ نقل کیا ہی،

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ

کہدے کہ کیا تم لوگ خدا کا انکار کرتے ہو جس نے دو دن مین زمین پیدا کی اور تم خدا کے شریک قرار دیتے ہو یہی سارے جہان کا پروردگار ہے۔

عتبہ واپس گیا تو وہ عتبہ نہ تھا۔ اس نے قریش سے جا کر کہدیا کہ محمد جو کلام پیش کرتے ہین وہ شاعری نہین کوئی اور چیز ہی۔ میری یہ رائے ہی کہ تم اُنکو اُن کے حال پر چھوڑ دو اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آجائین گے تو یہ تمھاری ہی عزت ہی۔ ورنہ عرب اُنکو خود فنا کر دیگا لیکن قریش نے یہ رائے نامنظور کی۔

حضرت حمزہؓ اور عمرؓ کا اسلام سنہ ۶ نبوی

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اعمام مین سے حضرت حمزہ کو آپ سے خاص محبت تھی وہ آپ سے صرف دو تین برس بڑے تھے اور ساتھ کے کھیلے تھے دونون نے ثُوَیبہ کا دودھ پیا تھا اور اس رشتہ سے بھائی بھائی تھے وہ ابھی تک اسلام نہین لائے تھے لیکن آپ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اُن کا مذاقِ طبیعت سپہگری اور شکار افگنی تھا، معمول تھا کہ مونھ اندھیرے تیر کمان لیکر نکل جاتے، دن بھر تمام تمام دن شکار مین مصروف رہتے شام کو واپس آتے تو پہلے حرم مین جاتے، طواف کرتے۔ قریش کے رُوسا صحن حرم مین الگ الگ دربار جما کر بیٹھا کرتے تھے حضرت حمزہ ان لوگون سے صاحب سلامت کرتے کبھی کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے اس طریقہ سے سب سے یارانہ تھا اور سب لوگ انکی قدر و منزلت کرتے تھے۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ مخالفین جس بے رحمی سے پیش آتے تھے بیگانون سے بھی دیکھا نہ جا سکتا تھا۔ ایک دن ابوجہل نے رُو در رُو آپ کے ساتھ نہایت سخت گستاخیان کین ایک کنیز دیکھ رہی تھی حضرت حمزہ شکار سے آئے تو اُس نے تمام ماجرا کہا حضرت حمزہ غصہ سے بیتاب ہو گئے تیر و کمان ہاتھ مین لیے حرم مین آئے اور ابوجہل سے کہا "مین مسلمان ہو گیا ہون"۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے جوشِ حمایت مین انھون نے اسلام کا اظہار تو کر دیا لیکن گھر آئے تو متردد تھے کہ آبائی دین کو دفعتہً کیونکر چھوڑ دون، تمام دن سوچتے رہے بالآخر غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ

دین برحق بھی لے ہی ہو۔ ہی چار روز کے بعد حضرت عمرؓ بھی اسلام لائے،

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں لے سال تھا کہ آفتاب رسالت طلوع ہوا یعنی رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے گھرانے مین زید کی وجہ سے توحید کی آواز نامانوس نہین رہی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے۔ سعید کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہوگئین۔ اسی خاندان مین ایک اور معزز شخص نعیم بن عبد اللہ نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا لیکن حضرت عمرؓ ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے۔ انکے کانون مین جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے یہان تک کہ قبیلہ مین جو لوگ اسلام لاچکے تھے اُن کے دشمن بن گئے۔ لبینہ اُنکے خاندان کی کنیز تھی جسنے اسلام قبول کرلیا تھا، اس کو بے تحاشا مارتے۔ اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ دم لیلون تو پھر مارون گا۔ لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زدوکوب سے دریغ نہین کرتے تھے لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جسکو چڑھ جاتا تھا اترتا نہ تھا، ان تمام سختیون پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کرسکے۔ آخر مجبور ہوکر (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام کے قتل کا ارادہ کیا۔ تلوار کمر سے لگا سیدھے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف چلے کارکنانِ قضا نے کہا ع آمد آن یارے کہ ما میخواستیم،

راہ مین اتفاقاً نعیم بن عبد اللہ ملگئے، اُنکے تیور دیکھکر پوچھا خیر ہی؟ بولے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جاتا ہون، اُنھون نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ خود تمھارے بہن اور بہنوئی اسلام لاچکے ہین" فوراً پلٹے اور بہن کے ہان پونہچے وہ قرآن پڑھ رہی تھین۔ اُنکی آہٹ پاکر چپ ہوگئین اور قرآن کے اجزا چھپالیے۔ لیکن آواز ان کے کانون مین پڑچکی تھی۔ بہن سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی؟ بولین کچھ نہین۔ انھون نے کہا مین سُن چکا ہون تم دونون مرتد ہوگئے ہو۔ یہ کہکر بہنوئی سے دست وگریبان ہوگئے اور جب انکی بہن بچانے کو آئین تو انکی بھی خبر لی۔ یہانتک کہ انکا جسم لہولہان ہوگیا لیکن اسلام کی محبت اس سے بالاتر

لے حضرت حمزہ کے اسلام کا واقعہ عموماً سب نے لکھا ہی لیکن یہ اخیر واقعہ مین نے صرف روض الانف مین دیکھا ہی۔ سے حضرت عمرؓ کا قبول اسلام، مین الفاروق مین مفصل لکھ چکا تھا اسی کو بعینہ یہان نقل کردیا ہو کہین کہین بعض الفاظ یا جملے بدل دیئے ہین۔

تھی بولین کہ "عمر جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نکل نہین سکتا" اِن الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا ان کے جسم سے خون جاری تھا، یہ دیکھکر اور بھی رقت ہوئی فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھکو بھی سناؤ۔ فاطمہ نے قرآن کے اجزا لاکر سامنے رکھدیے اٹھاکر دیکھا تو سورہ تھی

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ — زمین اور آسمان مین جو کچھ ہی خدا کی تسبیح پڑھتا ہی اور خدا ہی غالب اور حکمت والا ہی۔

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرغوب ہوتا جاتا تھا۔ یہان تک کہ جب اس آیت پر پہونچے،

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ — خدا پر اور اُسکے رسول پر ایمان لاؤ،

تو بے اختیار پکار اُٹھے کہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ — مین گواہی دیتا ہون کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہین اور یہ کہ محمد خدا کے پیغمبر ہین،

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) **ارقم** کے مکان مین جو کوہ صفا کی تلی مین واقع تھا پناہ گزین تھے حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچکر دستک دی چونکہ شمشیر بکف گئے تھے صحابہ کو تردد ہوا لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا "آنے دو مخلصانہ آیا ہی تو بہتر۔ ورنہ اسی کی تلوار سے اسکا سر قلم کردون گا" حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) خود آگے بڑھے اور انکا دامن پکڑ کے فرمایا۔ کیون عمر! کس ارادہ سے آیا ہی؟ نبوت کی پُر جلال آواز نے اِن کو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا کہ "ایمان لانے کے لیے" آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) بیساختہ اللہ اکبرؔ پکار اُٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے ملکر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیان گونج اُٹھین[1]۔

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ مین نیا دور پیدا کردیا۔ اسوقت تک اگرچہ چالیس پچاس

---

[1] انساب الاشراف بلاذری۔ وطبقات ابن سعد و اسد الغابہ۔ و ابن عساکر و کامل ابن الاثیر۔

آدمی اسلام لاچکے تھے۔ عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ سید الشہدا نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا۔ تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی علانیہ نہین ادا کرسکتے تھے۔ اور کعبہ مین نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام کے ساتھ دفعتہً یہ حالت بدلگئی۔ اُنھون نے علانیہ اسلام ظاہر کیا۔ کافرون نے اوّل اوّل بڑی شدت کی لیکن وہ ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے۔ یہانتک کہ مسلمانون کی جماعت کے ساتھ کعبہ مین جاکر نماز ادا کی ابن ہشام نے اس واقعہ کو عبد اللہ بن مسعود کی زبانی اِن الفاظ مین روایت کیا ہی،

فَلَمَّا اَسْلَمَ عُمَرُ قَاتَلَ قُرَيْشًا حَتّٰى صَلّٰى عِنْدَ الْكَعْبَةِ وَصَلَّيْنَا مَعَهٗ

جب عمر اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہان تک کہ کعبہ مین نماز پڑھی اور اُنکے ساتھ ہم لوگون نے بھی پڑھی۔

صحیح بخاری مین ہی کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو ایک ہنگامہ برپا ہوگیا اتفاق سے عاص بن وائل آنکلا اُسنے پوچھا کیا ہنگامہ ہی، لوگون نے کہا عمر مرتد ہوگئے۔ عاص بن وائل نے کہا اچھّا تو کیا ہوا۔ مین نے عمر کو پناہ دی۔ یہ سنکر لوگ ہٹ گئے۔

تعذیب مسلمین رسوخِ عزم، قوّتِ ارادہ، شدّتِ عمل، انسان کے اصلی جوہر ہین۔ اور داد کے قابل ہین لیکن انہی اوصاف کا رُخ جب بدلجاتا ہی تو وہ سخت دلی۔ بیرحمی۔ درندہ طبعی، اور سفّاکی کا مہیب قالب اختیار کرلیتے ہین،

اسلام جب آہستہ آہستہ پھیلنا شروع ہوا، اور رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) اور اکابرِ صحابہ کو اُنکے قبیلون نے اپنے حصارِ حفاظت مین لے لیا تو قریش کا طیش وغضب ہر طرف سے سمٹ کر اُن غریبون پر ٹوٹا جنکا کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ انمین کچھ غلام اور کنیزین تھین، کچھ غریب الوطن تھے جو دو ایک پشت سے مکہ مین آرہے تھے اور کچھ کمزور قبیلون کے آدمی تھے، جو کسی قسم کی عظمت واقتدار نہین رکھتے تھے۔ قریش نے اُنکو اسطرح ستانا شروع کیا کہ جور و ستم کی تاریخ مین اسکی مثال پیدا کرنا قریش کی یکتائی کی تحقیر ہی۔ یہ آسان تھا کہ مسلمانون کی خس وخاشاک سے سرزمین عرب دفعتہً پاک کردیجاتی، لیکن قریش کا نشۂ انتقام

اس سے اُن نہین سکتا تھا۔ سلمان اگر اپنے مذہب پر ثابت قدم رہکر، پیوند خاک کردیئے جاتے تو اس مین جسقدر قریش کی تعریف نکلتی اُس سے زیادہ اُن بیکسون کا صبر و استقلال، داد طلب ہوتا۔ قریش کی شان اُسوقت قایم رہ سکتی تھی جب یہ لوگ جادۂ اسلام سے پھر کر پھر قریش کے مذہب مین آجاتے۔ یا شاید انکو سلمانون کی سخت جانی کا امتحان لینا، اور اسکی داد دینا منظور تھا،

قریش مین ایسے لوگ بھی تھے جنکا دل واقعی اس حالت پر جلتا تھا کہ اُن کا مدتون کا بنا بنایا کارخانہ درہم برہم ہوا جاتا ہی۔ اُن کے آبا و اجداد کی تحقیر کیجاتی ہی، قابل احترام معبودون کی عظمت مٹی جاتی ہی۔ یہ لوگ صرف حسرت و افسوس کر کے رہجاتے تھے اور کہتے تھے کہ چند خام طبعون کے دماغ مین خلل آگیا ہی عتبہ عاص بن وائل وغیرہ، اسی قسم کے لوگ تھے لیکن ابوجہل، اُمیتہ بن خلف وغیرہ کا معیار، اس سے زیادہ بلند تھا۔

سلمانون پر ظلم وستم کے طریقے

بہر حال قریش نے جور و ظلم کے عبرت انگیز کارنامے شروع کئے، جب ٹھیک دوپہر ہوجاتی تو وہ غریب سلمانونکو پکڑتے، عرب کی تیز دھوپ، ریتلی زمین کو دوپہر کے وقت جلتا توا بنا دیتی ہی۔ وہ ان غریبون کو اسی توے پر لٹاتے، چھاتی پر بھاری پتھر رکھدیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائین، بدن پر گرم بالو بچھاتے، لوہے کو آگ پر گرم کر کے اُس سے داغتے، پانی مین ڈبکیان دیتے[1]۔

یہ مصیبتین اگرچہ تمام بیکس سلمانون پر عام تھین لیکن انمین جن لوگون پر قریش زیادہ مہربان تھے اُن کے یہ نام ہین۔

خبابؓ بن الارتؓ۔ تیم کے قبیلہ سے تھے۔ جاہلیت مین غلام بنا کر فروخت کردیئے گئے، اور ام انمار نے خرید لیا تھا۔ یہ اُس زمانہ مین اسلام لائے جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) ارقم کے گھر مین مقیم تھے، اور صرف چھ سات شخص اسلام لاچکے تھے قریش نے انکو طرح طرح کی تکلیفین دین ایک دن کوئلے جلا کر زمین پر بچھائے

[1] یہ واقعات ابن سعد نے، بلال اور صہیب کے حال مین تفصیل لکھے ہین۔ دیکھو کتاب مذکور۔ جلد ثالث۔ تذکرہ صحابۂ بدر۔

اُسپر چت لٹایا۔ ایک شخص چھاتی پر پاؤن رکھے رہا کہ کروٹ بدلنے نہ پائین۔ یہانتک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہو گئے۔ خبابؓ نے مدتون کے بعد جب یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا تو پیٹھ کھولکر دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح بالکل سپید تھی[۱] خباب جاہلیت مین لوہاری کا کام کرتے تھے اسلام لائے تو بعض لوگون کے ذمہ انکی بقایا تھی، مانگتے تو جواب ملتا جب تک محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا انکار نکرو گے ایک کوڑی نہ ملے گی، یہ کہتے کہ نہین۔ جب تک تم مرکر پھر جیو نہین[۲]۔

حضرت بلالؓ۔ یہ وہی حضرت بلال ہین جو مؤذن کے لقب سے مشہور ہین حبشی النسل اور اُمیّہ بن خلف کے غلام تھے۔ جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو اُمیّہ انکو جلتی بالو پر لٹاتا۔ اور پتھر کی چٹان سینہ پر رکھدیتا کہ جنبش نکرنے پائین۔ اِن سے کہتا کہ اسلام سے باز آ۔ ورنہ یون ہی گھٹ گھٹ کر مر جائیگا لیکن اُسوقت بھی اِن کی زبان سے "احد" کا لفظ نکلتا۔ جب یہ کسی طرح متزلزل نہ ہوئے تو گلے مین رسّی باندھی اور لونڈون کے حوالہ کیا۔ وہ انکو شہر کے اِس سرے سے اُس سرے تک گھسیٹتے پھرتے تھے لیکن اب بھی وہی رٹ تھی اَحَد، اَحَد،

عمّارؓ یمن کے رہنے والے تھے۔ انکے والد "یاسر" مکہ مین آئے۔ ابو حذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سے، جسکا نام سُمیّہ تھا شادی کر دی۔ عمّارؓ اسی کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ یہ جب اسلام لائے تو انسے پہلے صرف تین شخص اسلام لا چکے تھے۔ قریش انکو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے، اور اسقدر مارتے کہ بیہوش ہو جاتے۔ انکے والد اور والدہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا تھا،

سُمیّہ۔ حضرت عمّارؓ کی والدہ تھین۔ انکو ابو جہل نے اسلام لانے کے جُرم مین برچھی ماری اور ہلاک ہو گئین۔

یاسِر۔ حضرت عمار کے والد تھے۔ یہ بھی کافرون کے ہات سے اذیت اُٹھاتے اُٹھاتے ہلاک ہو گئے۔

صُہیب۔ یہ رومی مشہور ہین، لیکن درحقیقت رومی نہ تھے۔ انکے والد سنان، کسریٰ کی طرف سے اُبلّہ کے حاکم تھے۔ اور اِن کا خاندان موصل مین آباد تھا۔ ایک دفعہ رومیون نے اِس نواح پر حملہ کیا اور جن لوگون کو

[۱] طبقات ابن سعد، جلد سوم۔ تذکرۂ خبابؓ [۲] صحیح بخاری صفحہ ۲۹۱۔

قید کر کے لیگئے، ان مین صہیب بھی تھے - یہ روم مین پلے - اسلیے عربی زبان اچھی طرح بول نہ سکتے تھے - ایک عرب نے انکو خریدا اور مکہ مین لایا - یہان عبداللہ بن جدعان نے انکو خرید کر کے آزاد کر دیا،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے جب دعوت اسلام شروع کی، تو یہ اور عمار بن یاسر ایک ساتھ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے - آپ نے اسلام کی ترغیب دی اور یہ مسلمان ہو گئے۔ **قریش** انکو اسقدر اذیت دیتے تھے کہ انکے حواس مختل ہو جاتے تھے، جب انھون نے مدینہ کو ہجرت کرنی چاہی تو قریش نے کہا اپنا سارا مال و متاع چھوڑ جاؤ تو جا سکتے ہو - انھون نے نہایت خوشی سے منظور کیا حضرت عمرؓ جب نماز پڑھانے مین زخمی ہوئے تو اپنے بجائے انہی کو امامت دی تھی،

ابو فکیہہ صفوان بن امیۃ کے غلام تھے - اور حضرت بلال کے ساتھ اسلام لائے - اُمیّہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اُنکے پانون مین رسّی باندھی اور آدمیون سے کہا گھسیٹتے ہوے لیجائین اور تپتی ہوئی زمین پر لٹائین - ایک "گبریلا" راہ مین جا رہا تھا، اُمیہ نے اِنسے کہا "تیرا خدا یہی تو نہین ہے" اُنھون نے کہا "میرا اور تیرا دونون کا خدا اللہ تعالیٰ ہے" اسپر اُمیہ نے اس زور سے انکا گلا گھونٹا کہ لوگ سمجھے دم نکلگیا - ایک دفعہ انکے سینہ پر اتنا بھاری بوجھل پتھر رکھدیا کہ انکی زبان نکل پڑی۔

لُبَینَہ - یہ بیچاری ایک کنیز تھین، حضرت عمرؓ اُنکو مارتے مارتے تھکجاتے تو کہتے تھے "مین نے تجھکو رحم کی بنا پر نہین بلکہ اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہون" وہ نہایت استقلال سے جواب دیتین کہ "اگر تم اسلام نہ لاؤ گے تو خدا اسکا انتقام لیگا"

زنیرہ حضرت عمرؓ کے گھرانے کی کنیز تھین، اور اسوجہ سے حضرت عمرؓ (اسلام سے پہلے) انکو جی کھولکر ستاتے، ابوجہل نے انکو اسقدر مارا کہ انکی آنکھین جاتی رہین -

نہدیہ - اور **ام عبیس** - یہ دونون بھی کنیزین تھین، اور اسلام لانے کے جرم مین سخت سے سخت مصیبتین جھیلتی

۱؎ ابن الاثیر، ذکر تعذیب المستضعفین - ابن اثیر نے لکھا ہے کہ عمار، اُسوقت ایمان لائے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان مین چلے آئے تھے اور جبکہ تیس آشخص سے زیادہ اسلام لاچکے تھے ۲؎ یہ تمام تفصیلی حالات ابن سعد سے لیے گئے ہین دیکھو جلد سوم صفحہ ۱۶۱ و ۱۶۲ ۳؎ حضرت عمرؓ اُسوقت تک اسلام نہین لائے تھے،

تھین،

حضرت ابوبکرؓ کے دفتر فضائل کا یہ پہلا باب ہر کہ انھون نے ان مظلومون مین سے اکثرون کی جان بچائی حضرت بلال، عامر بن فہیرہ، لبینہ، زُنیرہ، نہدیہ، ام عبیس، سب کو بھاری بھاری دامون پر خریدا اور آزاد کردیا۔

یہ وہ لوگ تھے جنکو قریش نے نہایت سخت جسمانی اذیتین پونچائین۔ ان سے کم درجہ پر وہ لوگ تھے جنکو اور طرح طرح سے ستاتے تھے۔

(حضرت عثمان جو کبیر السن اور صاحب جاہ واعزاز تھے، جب اسلام لائے، تو دوسرون نے نہین بلکہ خود اُنکے چچا نے رسّی سے باندھکر مارا[۱]، حضرت ابوذر جو ساتوین مسلمان ہین جب مسلمان ہوئے اور کعبہ مین اپنے اسلام کا اعلان کیا تو قریش نے مارتے مارتے انکو لٹا دیا[۲]، حضرت زبیر بن العوام جنکا مسلمان ہونے والون مین پانچوان نمبر تھا، جب اسلام لائے تو انکے چچا انکو چٹائی مین لپیٹکر، انکی ناک مین دھوان دیتے تھے[۳]۔ حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی سعید بن زید جب اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے انکو رسیّون سے باندھ دیا[۴]۔ سعد بن وقاص فاتح ایران اگرچہ نہایت معزز اور اپنے قبیلہ مین نہایت مقتدر تھے، تاہم کفار کے ستم سے محفوظ نہ تھے، بنو اسد اسلام کے جرم پر ان کو سخت سزائین دیتے تھے[۵]، لیکن یہ تمام مظالم، یہ جلّادانہ بیرحمیان، یہ عبرت خیز سفاکیان ایک مسلمان کو بھی راہ حق سے متزلزل نہ کرسکین۔ ایک نصرانی مؤرخ نے نہایت سچ لکھا۔

" عیسائی اسکو یاد رکھین تو اچھا ہو کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے مسائل نے وہ درجہ نشۂ دینی کا آپ کے پیروؤن مین پیدا کیا جسکو عیسٰیؑ کے ابتدائی پیروون مین تلاش کرنا بے فائدہ ہر .... جب عیسٰیؑ کو سولی پر لیگئے تو انکے پیرو بھاگ گئے۔ اُنکا نشۂ دینی جاتا رہا، اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ مین گرفتار چھوڑکر چلدیے۔ ..... برعکس اسکے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرو، اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے، اور آپ کے بچاؤ مین اپنی جانین خطرہ مین ڈال کر، کل دشمنون پر آپکو غالب کیا[۶]۔

[۱] طبقات ترجمہ عثمان بن عفان، [۲] بخاری [۳] ریاض النضرۃ محب الطبری، [۴] بخاری صفحہ ۱۰۲۔ اسوقت تک حضرت عمرؓ اسلام نہین لائے تھے، [۵] صحیح بخاری صفحہ ۵۰۱، [۶] اپالوجی گاڈفری ہگنس۔ ترجمہ اُردو صفحہ ۶۶ و ۶۷۔ مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء۔

هجرت حبش ۵ سنہ نبوی

قریش کے ظلم و تعدی کا بادل جب پیہم برس کر نہ کھلا تو رحمت عالم نے جان نثاران اسلام کو ہدایت کی کہ حبش کو ہجرت کر جائیں، حبش قریش کا قدیم تجارت گاہ تھا۔ وہان کے حالات پہلے سے معلوم تھے۔ اہل عرب حبش کے فرمان روا کو نجاشی[1] کہتے تھے اور اسکے عدل و انصاف کی عام شہرت تھی۔

جان نثاران اسلام ہر قسم کی تکلیف جھیل سکتے تھے اور اُن کا پیمانہ صبر لبریز نہین ہو سکتا تھا لیکن مکہ مین رہکر فرائض اسلام کا آزادی سے بجالانا ممکن نہ تھا۔ اسوقت تک حرم کعبہ مین کوئی شخص بلند آواز سے قران نہین پڑھ سکتا تھا۔ عبد اللہ بن مسعود جب اسلام لائے تو انھون نے کہا مین اس فرض کو ضرور ادا کرون گا۔ لوگون نے منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے، حرم مین گئے اور مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہوکر سورۂ الرحمٰن پڑھنا شروع کیا کفار ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور اُنکے موںھ پر طمانچے مارنے شروع کئے۔ اگرچہ انھون نے جہان تک پڑھنا تھا پڑھکر دم لیا لیکن واپس گئے تو چہرہ[2] پر زخم کے نشان لیکر گئے حضرت ابوبکر جاہ و اقتدار مین دیگر روسائے قریش سے کم نہ تھے، لیکن آواز سے قرآن نہین پڑھ سکتے تھے۔ اور اسی بنا پر ایک بار ہجرت کے لیے آمادہ ہوگئے[3]۔

اسکے علاوہ ہجرت سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ جو شخص اسلام لیکر جہان جاتا وہان اسلام کی شعاعین خود بخود پھیلتی تھین۔

غرض آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایما سے اوّل اوّل گیارہ مرد اور چار عورتون نے ہجرت کی جنکے نام حسب ذیل ہین۔

حضرت عثمانؓ	مع اپنی زوجہ محترمہ رقیہؓ کے جو رسول کریم کی صاحبزادی تھین،
ابو حذیفہ عُتبہ۔ مع اپنی زوجہ کے جنکا نام سہلہ تھا	انکا باپ عتبہ قریش کا مشہور سردار تھا لیکن چونکہ سخت کافر تھا اسلیے انکو گھر چھوڑنا پڑا،

(لہ ''نجاشی'' حبشی لفظ ''نجوس'' کی تعریب ہے جس کے معنی حبشی مین بادشاہ کے ہین۔ نجاشی کا نام ''اصحمہ'' تھا بخاری باب موت النجاشی) سہ
لہ طبری صفحہ (۱۱۱۸) مطبوعہ یورپ سہ صحیح بخاری باب ہجرت مدینہ۔

زبیر بن العوام	رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پھوپھیرے بھائی اور مشہور صحابی تھے،
مُصعب بن عمیر	ہاشم کے پوتے تھے،
عبدالرحمن بن عوف	مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ مین شمار کیے جاتے ہین قبیلہ زہرہ سے تھے اور اس بنا پر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ننہالی رشتہ دار تھے۔
ابوسلمہ مخزومی مع اپنی زوجہ ام سلمہ کے،	یہ ام سلمہ وہی ہین جو ابوسلمہ کے مرنے کے بعد آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے عقد مین آئین۔
عثمان بن مظعون جمحی	مشہور صحابی ہین۔
عامرہ بن ربیعہ مع اپنی زوجہ کے جنکا نام لیلی تھا،	سابقین اولین مین ہین۔ بدر مین بھی شریک تھے حضرت عثمانؓ نے سفر حج مین انکو مدینہ کا حاکم مقرر کیا تھا (اصابہ)
ابو برۃ بن ابی رہم	انکی ماں برۃ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی پھوپھی تھین یہ سابقین فی الاسلام مین ہین حافظ ابن حجر نے اصابہ مین لکھا ہو کہ یہ ہجرت ثانیہ مین گئے تھے،
حاطب بن عمرو	بدر مین شریک تھے امام زہری کا بیان ہو کہ سب سے پہلے انہی نے ہجرت کی (اصابہ)
سہیل بن بیضاء	
عبداللہ بن مسعود	مشہور صحابی اور مجتہدین صحابہ مین داخل ہین۔

ان لوگون نے ۵ نبوی ماہ رجب مین سفر کیا حُسن اتفاق یہ کہ جب یہ بندرگاہ پر پہنچے تو دو تجارتی جہاز حبش کو جا رہے تھے، جہاز والون نے سستے کرایہ پر اُن کو بٹھالیا ہر شخص کو صرف ۵ درہم دینے پڑے قریش کو خبر ہوئی تو بندرگاہ تک تعاقب مین آئے لیکن موقع نکل چکا تھا ۱۔

۱ یہ تمام تفصیل طبری مین ہے۔

عام مورخین کا خیال ہی کہ ہجرت اُنہی لوگون نے کی جن کا کوئی حامی اور مددگار نہ تھا لیکن فہرست مہاجرین مین ہر درجہ کے لوگ نظر آتے ہین، حضرت عثمانؓ بنوامیہ سے تھے جو سب سے زیادہ صاحب اقتدار خاندان تھا۔ متعدد بزرگ مثلاً زبیر اور مصعب خود آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے خاندان سے ہین۔ عبدالرحمن بن عوف اور ابوسبرۃ معمولی لوگ نہ تھے۔ اس بنا پر زیادہ قرین قیاس یہ ہی کہ قریش کا ظلم وستم بیکسون پر محدود نہ تھا بلکہ بڑے بڑے خاندان والے بھی اُن کے ستم سے محفوظ نہ تھے۔

ایک عجیب بات یہ ہی کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے اور جنکو انگارون کے بستر پر سونا پڑا تھا یعنی حضرت بلال۔ عمار۔ یاسر۔ وغیرہ ان لوگون کا نام مُہاجرینِ حبش کی فہرست مین نظر نہین آتا۔ اس لیے یا تو اِنکی بے سروسامانی اس حد تک پہنچی تھی کہ سفر کرنا بھی ناممکن تھا۔ یا یہ کہ درد کی لذت آشنا تھے اور اس لطف کو چھوڑ نہ سکتے تھے،

دلم زجور تو آسودہ است ومی نالم ۔۔۔ کہ غیر پے نہ برد لذتِ خدنگِ ترا

نجاشی کے بدولت مسلمان حبش مین امن وامان سے زندگی بسر کرنے لگے۔ لیکن قریش یہ خبرین سُن سُن کر پیچ وتاب کھاتے تھے۔ آخر یہ رائے ٹھیری کہ نجاشی کے پاس سفارت بھیجی جائے کہ ہمارے مجرمون کو اپنے ملک سے نکال دو۔ عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص (فاتح مصر) اس کام کے لیے منتخب ہوئے۔ نجاشی اور اس کے درباریون مین سے ایک ایک کے لیے گران بہا تحفے مہیا کئے گئے[1] اور نہایت سروسامان سے یہ سفارت حبش کو روانہ ہوئی یہ سُفرا نجاشی سے پہلے درباری پادریون سے ملے اور انکی خدمت مین نذرین پیش کین اور کہا کہ ہمارے شہر کے چند نادانون نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہی۔ ہمنے انکو نکال دیا تو آپکے ملک مین بھاگ آئے کل ہم بادشاہ کے دربار مین اُنکے متعلق جو درخواست پیش کرین آپ بھی ہماری تائید فرمائین۔ دوسرے دن سفرا دربار مین گئے اور نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے مجرم ہمکو حوالہ کر دئیے جائین

[1] ابن ہشام نے لکھا ہی کہ مکہ کا بڑا تحفہ چمڑا تھا۔ اور کتابون سے ثابت ہوتا ہی کہ اہل مکہ ادر شام وغیرہ کو جو مال تجارت لے جاتے تھے وہ بھی چمڑا ہوتا تھا (مسند امام بن حنبل مین تصریح ہی کہ یہ تحفہ بھی چمڑا ہی تھا۔ مسند اہل البیت)

درباریون نے بھی تائید کی۔ نجاشی نے مسلمانون کو بلا بھیجا اور کہا "تم نے یہ کونسا دین ایجاد کیا ہی؟ جو نصرانیت اور بت پرستی دونون کے مخالف ہی"

مسلمانون نے اپنی طرف سے گفتگو کرنے کے لیے حضرت جعفرؓ (حضرت علی کے بھائی) کو انتخاب کیا، اُنھون نے اس طرح تقریر شروع کی۔

"ایُّھا الملِکُ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے بت پوجتے تھے۔ مُردار کھاتے تھے۔ بدکاریان کرتے تھے ہمسایون کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا۔ قوی لوگ کمزورون کو کھاجاتے تھے؛ اس اثنار مین ہم مین ایک شخص پیدا ہوا جسکی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے اُسنے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھلایا کہ ہم پتھرون کو پوجنا چھوڑ دین۔ سچ بولین۔ خونریزی سے باز آئین۔ یتیمون کا مال نہ کھائین۔ ہمسایون کو آرام دین عفیف عورتون پر بدنامی کا داغ نہ لگائین، نماز پڑھین، روزے رکھین، زکوۃ دین۔ ہم اُسپر ایمان لائے۔ شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال بد سے باز آئے اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہوگئی اور ہم کو مجبور کرتی ہی کہ پھر اُسی گمراہی مین واپس آجائین"

نجاشی نے کہا "جو کلام آلٰہی تھارے پیغمبر پر اُترا ہی کہین سے پڑھو"۔ جعفرؓ نے سورہ مریم کی چند آیتین پڑھین۔ نجاشی پر رقت طاری ہوئی اور آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے۔ پھر کہا "خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونون ایک ہی چراغ کے پرتو ہین"۔ یہ کہکر سُفرائے قریش سے کہا۔ تم واپس جاؤ مین ان مظلومون کو ہرگز واپس نہ دونگا"

دوسرے دن عمرو بن العاص نے پھر دربار مین رسائی حاصل کی اور نجاشی سے کہا حضور! آپکو یہ بھی معلوم ہی کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہین؟ نجاشی نے مسلمانون کو بلا بھیجا کہ اس سوال کا جواب دین۔ ان لوگون کو تردد ہوا کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کے ابن اللہ ہونے سے انکار کرتے ہین، نجاشی عیسائی ہے ناراض ہوجائے گا۔ حضرت جعفرؓ نے کہا کچھ ہو، ہم کو سچ بولنا چاہیے۔

غرض یہ لوگ دربار مین حاضر ہوئے۔ نجاشی نے کہا تم لوگ عیسےٰ ابن مریم کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟

حضرت جعفر نے کہا ہمارے پیغمبر نے بتایا ہو کہ عیسےٰ خدا کا بندہ اور پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہی" نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اُٹھا لیا۔ اور کہا واللہ جو تمنے کہا عیسےٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہین' بطریق جو دربار مین موجود تھے نہایت برہم ہوئے نتھنون سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی نجاشی نے اُنکے غصہ کی کچھ پرواہ نہ کی' اور قریش کے سفیر بالکل ناکامیاب آئے[1]

اسی اثنا مین کسی دشمن نے نجاشی کے ملک پر حملہ کیا۔ نجاشی اُسکے مقابلہ کے لیے خود گیا۔ صحابہ نے مشورہ کیا کہ ہم مین سے ایک شخص جائے اور خبر بھیجتا رہے کہ اگر ضرورت ہو تو ہم بھی نجاشی کی مدد کے لیے آئین' حضرت زبیر اگرچہ سب سے کم سن تھے لیکن انھون نے اس خدمت کے لیے اپنے آپکو پیش کیا۔ مشک کے سہارے دریائے نیل تیر کر رزمگاہ مین پہنچے' اِدھر صحابہ نجاشی کی فتح کے لیے خدا سے دعا مانگتے تھے چند روز کے بعد زبیر واپس آئے اور خوش خبری سُنائی کہ نجاشی کو خدا نے فتح دی[2]'

---

[1] مارگولیس صاحب نے ہجرت حبش کی بھی بڑی نازک اور دور از نظر وجہ تلاش کر کے پیدا کی ہو۔ فرماتے ہین کہ "جب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا کہ قریش سے عہدہ برا نہین ہو سکتے اور یہ پہلے سنا تھا کہ کعبہ کے گرانے کے لیے ابرہۃ الاشرم جو آیا تھا وہ حبش ہی کا تھا' اسلیے انھون نے چاہا کہ بادشاہِ حبش سے سازش کر کے اسکو مکہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دین تاکہ قریش کا زور ٹوٹ جائے۔ اسی غرض سے ہجرت کا بہانہ کر کے اپنے اصحاب کو حبش بھیجا لیکن پھر سمجھے کہ نجاشی اگر مکہ مین آیا تو خود مکہ پر قابض ہو جائیگا مجھکو کیا ہات آئے گا۔ اس بنا پر اس ارادے سے باز رہے" یہ بالکل بے ثبوت بات ہے۔

صاحب موصوف کو حضرت جعفر کی تقریر و مکالمت مین اس بنا پر شک ہو کہ نجاشی عربی زبان سے ناواقف تھا حالانکہ اس زمانہ مین (اولاً تو) عربی زبان عام طور سے حبش مین بے تکلف لوگ سمجھ سکتے تھے (کہ یہ دونون زبانین باہم نہایت قریب ہین۔ ثانیاً درباروں مین ترجمان ہوتے تھے جیسا کہ ابوسفیان اور قیصر روم کے باہمی مکالمہ مین مذکور ہو۔ بخاری' باب بدء الوحی) س س

[2] یہ تمام واقعات مسند ابن حنبل جلد اصفحہ ۲۰۲ مین مذکور ہین' ابن ہشام نے بھی تفصیل سے لکھے ہین لیکن طبری اور ابن سعد نے حضرت جعفر اور نجاشی کی تقریر کا ذکر نہین کیا ہو۔ امام ابن حنبل اور ابن ہشام کا سلسلہ روایت یہ ہو۔ محمد بن اسحاق' زہری' ابوبکر بن عبدالرحمان بن الحرث بن ہشام مخزومی۔ ام سلمہ یہ سب رواۃ ثقہ ہین اور سب سے اخیر راوی حضرت ام سلمہ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور خود اس واقعہ مین شریک تھین۔ وہ اس وقت تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عقد مین نہین آئی تھین۔ بلکہ اپنے پہلے شوہر ابو سلمہ بن عبدالاسد کے ساتھ حبش مین ہجرت کر کے گئی تھین۔ مؤرخ یعقوبی نے بھی بہ تفصیل یہ واقعہ لکھا ہے۔

حبش مین کم وبیش ۸۳ مسلمان ہجرت کر کے گئے چندروز آرام سے گذرنے پائے تھے کہ یہ خبر مشہور ہوئی کہ کفار نے اسلام قبول کرلیا ہی۔ یہ سنکر اکثر صحابہ نے مکّہ معظمہ کا رُخ کیا لیکن شہر کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ غلط خبر ہی اس لیے بعض لوگ واپس چلے گئے۔ اور اکثر چھپ چھپ کر مکہ مین آگئے،

یہ روایت طبری اور اکثر تاریخون مین مذکور ہی اور ممکن ہی کہ صحیح ہو لیکن ان کتابون مین اس خبر کے مشہور ہونے کی وجہ یہ لکھی ہی کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے حرم مین ایک دفعہ نماز ادا کی کفار بھی موجود تھے جب آپ نے یہ آیت پڑھی ومنٰوۃ الثالثۃ الاخرٰی تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے، سورہ نجم

تلک الغرانیق العلے وان شفاعتھن لترتجی یعنی (یہ بت اعظم و محترم ہین اور انکی شفاعت مقبول ہی،

اس کے بعد آنحضرؐ نے سجدہ کیا اور تمام کفار نے آپ کی متابعت کی۔

یہ قصہ اگرچہ سراپا بیہودہ اور ناقابل ذکر ہے۔ اور اکثر کبار محدثین مثلاً بیہقی، قاضی عیاض، علامہ عینی، حافظ منذری، علامہ نوویؒ نے اسکو باطل اور موضوع لکھا ہی۔ لیکن افسوس یہ ہی کہ بہت سے محدثین نے اس روایت کو بہ سند نقل کیا ہی۔ ان مین طبری، ابن ابی حاتم۔ ابن المنذر۔ ابن مردویہ، ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ، ابومعشرؒ، شہرت عام رکھتے ہین، اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہی کہ حافظ ابن حجر کو جن کے کمال فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہی اس روایت کی صحت پر اصرار ہی چنانچہ لکھتے ہین[۳]،

وقد ذکرنا ان ثلاثۃ اسانید منہا علے شرط الصحیح یعنے اوپر بیان کیا ہی کہ اس روایت کی تین سندین صحیح کی شرط کے موافق ہین
وھی مراسیل یحتج بمثلہا من یحتج بالمراسیل۔ اور یہ روایتین مرسل ہین اور انسے وہ لوگ استدلال کرسکتے ہین جو مرسل روایتون کے قائل ہین۔

---

[۱] دیکھو زرقانی بر مواہب لدنیہ وشفای قاضی عیاض وعینی شرح بخاری تفسیر سورہ النجم ونور النبراس۔ علامہ نووی کے یہ الفاظ ہین لا یصح فیہ شئ لا من جھۃ النقل ولا من جھۃ العقل اور علامہ عینی لکھتے ہین۔ فلا صحۃ لہ نقلا ولا عقلا،

[۲] دیکھو مواہب لدنیہ اور زرقانی واقعہ ہجرت حبشہ [۳] زرقانی بر مواہب جلد اوّل صفحہ ۳۴۳۔

حقیقت یہ ہر کہ کفار کی عادت تھی کہ جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو شور مچاتے اور اپنی طرف سے فقرے ملا دیتے، قرآن مجید کی آیت ذیل مین اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہی،

لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون ۝ — اس قرآن کو نہ سنو اور اس مین گڑبڑ کر دو شاید تم غالب آؤ۔

قریش کا معمول تھا کہ جب کعبہ کا طواف کرتے تو یہ فقرے کہتے جاتے،

واللات والعزے ومناة الثالثة الاخرے — لات اور عزّی اور تیسرے بت مناة کی قسم، یہ بلند و بزرگ ہین،

انهن الغرانق العلے وان شفاعتهن لترتجی — اور انکی شفاعت کی امید ہی۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے جب سورہ والنجم کی وہ آیتین پڑھین تو کسی شیطان (کافر) نے یہی فقرے آپ کی آواز مین آواز ملا کر پڑھ دیے ہونگے۔ دور کے لوگون کو (کفار مین سے) شبہ ہوا ہوگا کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) ہی نے وہ الفاظ ادا کئے۔ اس واقعہ کا چرچا جب مسلمانون مین ہوا ہوگا تو لوگون نے کہا ہوگا کہ کسی شیطان نے آپ کی طرف سے وہ فقرے کہدیے ہونگے، اس واقعہ نے روایتون مین صورت بدل بدل کر یہ صورت اختیار کرلی کہ شیطان نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیے اور چونکہ عام مسلمان اس بات کو تسلیم کرتے ہین کہ شیطان دوسرے شخص کی زبان سے بول سکتا ہی، اس لیے راویون نے اس روایت کو تسلیم کرلیا،

یہ صرف قیاس نہین بلکہ اگلے محققین نے بھی تصریح کی ہی مواہب مین ہی۔

قيل انه لما وصل الے قوله و مناة الثالثة الاخرے خشی المشرکون ان یاتی بعدها بشیء یذم آلهتهم فبادروا الی ذلك الكلام فخلطوه فی تلاوة النبیے صلے الله علیه وسلم علے عادتهم فی قولهم

بعض لوگون نے کہا ہی کہ جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اس آیت پر پہنچے ومناة الثالثة الاخری تو مشرکون کو یہ ڈر پیدا ہوا کہ اب انکے معبودون کی کچھ برائی کا بیان ہوگا اس بنا پر انھون نے جھپٹ کے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تلاوت مین یہ فقرے خلط کر کے پڑھ دیے جیسا کہ انکی عادت تھی کہ کہتے

۱؎ معجم البلدان لفظ عزّی،

لاتسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه — کو قرآن پر کان نہ لگاؤ اور اس مین گوبڑ مچادو۔

او المراد بالشيطان شيطان الانس — یا شیطان سے شیطان آدمی مراد ہی۔

جو لوگ حبش سے واپس آگئے تھے اہل مکہ نے اب اُن کو اور زیادہ ستانا شروع کیا اور اس قدر اذیت دی کہ دوبارہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے لیکن اب کی ہجرت کچھ آسان نہ تھی کفار نے سخت مزاحمت کی تاہم جس طرح ہوسکا بہت سے صحابہ جن کی تعداد قریباً سو تک پہنچتی ہی مکہ سے نکل گئے اور حبش مین اقامت اختیار کی جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو کچھ لوگ فوراً واپس چلے آئے اور جو لوگ رہ گئے تھے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ۷ھ مین انکو بلالیا[1]۔

کُفار کی ایذا و تعدی اب کمزورون اور بیکسون پر محدود نہ تھی حضرت ابوبکرؓ کا قبیلہ معزز اور طاقتور قبیلہ تھا انکے یار و انصار بھی کم نہ تھے تاہم وہ بھی کفار کے ظلم سے تنگ آگئے اور بالآخر حبش کی ہجرت کا ارادہ کیا برک الغماد جو مکہ معظمہ سے یمن کی سمت پانچ دن کی راہ ہی[2] وہان تک پہنچے تھے کہ ابن الدغنہ سے ملاقات ہوگئی جو قبیلۂ قارہ کا رئیس تھا اُس نے پوچھا کہان؟ حضرت ابوبکر نے کہا "میری قوم مجھکو رہنے نہین دیتی' چاہتا ہون کہین الگ جاکر خدا کی عبادت کرون" ابن الدغنہ نے کہا "نہین ہوسکتا کہ تم جیسا شخص مکہ سے نکل جائے مین تم کو اپنی پناہ مین لیتا ہون" تو حضرت ابوبکرؓ اسکے ساتھ واپس آئے۔ ابن الدغنہ مکہ پہنچکر تمام سرداران قریش سے ملا۔ اور کہا کہ ایسے شخص کو نکالتے ہو جو مہمان نواز ہے مفلسون کا مددگار ہی۔ رشتہ دارون کو پالتا ہے مصیبتون مین کام آتا ہی۔ قریش نے کہا لیکن شرط یہ ہی کہ ابوبکر نمازون مین چپکے جو چاہین پڑھین آواز سے قرآن پڑھتے ہین تو ہماری عورتون اور بچون پر اثر پڑتا ہی۔ حضرت ابوبکرؓ نے چندروز یہ پابندی اختیار کی لیکن آخر انھون نے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی اور اس مین خضوع و خشوع کے ساتھ بآواز قرآن پڑھتے تھے وہ نہایت رقیق القلب تھے، قرآن پڑھتے تو بے اختیار رو دیتے، عورتین اور بچے اُن کو دیکھتے اور متاثر

۱؎ یہ تمام تفصیل طبقات ابن سعد مین ہے بعض مورخون نے اس ہجرت ثانیہ کا ذکر نہین کیا اور بعض نے نہایت اختصار کے ساتھ کیا ہے۔ ۲؎ زرقانی بر مواہب جلد اول صفحہ ۳۴۲، ذکر ہجرت ثانیہ حبش۔

ہوتے۔ قریش نے ابن الدغنہ سے شکایت کی اُسنے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اب مین تمھاری حفاظت کا ذمہ دار نہین ہوسکتا حضرت ابوبکرؓ نے کہا "مجھکو خدا کی حفاظت بس ہے مین تمھاری جوار سے استعفا دیتا ہون"[1]

محرم ۷ نبوی

شعب ابوطالب مین محصور ہونا

قریش دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر بھی اسلام کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے، عمرؓ اور حمزہؓ جیسے لوگ ایمان لاچکے نجاشی نے مسلمانون کو پناہ دی سفراے ناکام واپس آئے، مسلمانون کی تعداد مین اضافہ ہوتا جاتا ہے، اس لیے اب یہ تدبیر سوچی کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اور آپکے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے۔ چنانچہ تمام قبایل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص خاندانِ بنی ہاشم سے نہ قرابت کریگا، نہ اُنکے ہاتھ خرید و فروخت کریگا، نہ ان سے ملے گا، نہ انکے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دیگا، جب تک وہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو قتل کے لیے حوالہ نہ کر دین[2]" یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور درِ کعبہ پر آویزان کیا گیا۔

ابوطالب مجبور ہوکر تمام خاندانِ ہاشم کے ساتھ شعبِ ابوطالب[3] مین پناہ گزین ہوئے تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار مین بسر کی یہ زمانہ ایسا سخت گذرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے، حدیثون مین جو صحابہ کی زبان سے مذکور ہے کہ ہم طلح کی پتیان کھا کھا کر بسر کرتے تھے یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہے، چنانچہ سہیلی نے روض الانف مین تصریح کی ہے، حضرت سعد وقاص کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہات آگیا مین نے اسکو پانی سے دھویا پھر آگ پر بھونا اور پانی مین ملا کر کھایا[4]۔

ابن سعد نے روایت کی ہے کہ بچے جب بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی۔ قریش سُن سُن کر خوش ہوتے تھے لیکن بعض رحمدلون کو ترس بھی آتا تھا۔ ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہ کا بھتیجا تھا تھوڑے سے گیہون اپنے غلام کے ہات حضرت خدیجہ کے پاس بھیجے راہ مین ابوجہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا۔ اتفاق سے ابوالبختری کہین سے آگیا وہ اگرچہ کافر تھا لیکن اُسکو رحم آیا اور کہا کہ ایک شخص اپنی پھوپی کو کچھ کھانے

[1] یہ پوری تفصیل صحیح بخاری باب ہجرت مدینہ مین ہے۔ [2] اس معاہدہ کا ذکر طبری نے اور ابن سعد وغیرہ نے تفصیل سے کیا ہے۔ لیکن یہ الفاظ کہ وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے حوالہ کر دین صرف مواہب لدنیہ مین مذکور ہین۔ [3] یہ پہاڑ کا ایک درہ تھا جو خاندان ہاشم کا موروثی تھا۔ [4] روض الانف۔

کے یے بھیجتا ہے تو کیون روکتا ہی،

متصل تین برس تک آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اور تمام آل ہاشم نے یہ مصیبتین جھیلین، بالاخر دشمنون ہی کو رحم آیا اور خود انہی کی طرف سے اس معاہدہ کے توڑنے کی تحریک ہوئی، ہشام مخزومی خاندانِ بنی ہاشم کا قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلہ مین ممتاز تھا وہ چوری چھپے بنو ہاشم کو غلہ وغیرہ بھیجتا رہتا تھا۔ ایک دن وہ زہیر کے پاس جو عبد المطلب کے نواسے تھے گیا۔ اور کہا کیون زہیر! تم کو یہ پسند ہی کہ تم کھاؤ پیو ہر قسم کا لطف اُٹھاؤ اور تمہارے ماموں کو ایک دانہ تک نصیب نہو۔" زہیر نے کہا کیا کرون تنہا ہون۔ ایک شخص بھی میرا ساتھ دے تو مین ظالمانہ معاہدہ کو پھاڑ کر پھینکدون۔ ہشام نے کہا مین موجود ہون۔ دونون ملکر مُطعم بن عدی کے پاس گئے، بختری ابن ہشام، زمعۃ بن الاسود نے بھی ساتھ دیا۔ دوسرے دن سب ملکر حرم مین گئے زہیر نے سب لوگون کو مخاطب کر کے کہا "اے اہل مکہ! یہ کیا انصاف ہی! ہم لوگ آرام سے بسر کرین اور بنو ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہو۔ خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کر دیا جائے گا مین باز نہ آؤن گا" ابوجہل برابر سے بولا "ہرگز اس معاہدہ کو کوئی ہات نہین لگا سکتا" زمعہ نے کہا "تو جھوٹ کہتا ہی جب یہ لکھا گیا تھا اسوقت بھی ہم راضی نہ تھے" غرض مُطعم نے ہات بڑھا کر دستاویز چاک کر دی مُطعم بن عدی، عدی بن قیس۔ زمعۃ بن الاسود۔ ابو البختری زہیر۔ سب ہتھیار باندھ باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے اور انکو درہ سے نکال لائے، بقول ابن سعد یہ سنہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہی۔ اسی زمانہ مین معراج واقع ہوئی جسکی تفصیل تیسرے حصہ مین آئیگی، اسی زمانہ مین نماز پنجگانہ فرض ہوئی۔

سنہ ۱۰ نبوی حضرت خدیجہ اور ابوطالب کی وفات

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اب شعب ابی طالب سے نکلے تھے اور چند روز قریش کے جور و ظلم سے امان ملی تھی کہ ابوطالب اور حضرت خدیجہ کا انتقال ہوگیا۔

ابوطالب کی وفات کے وقت آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اُنکے پاس تشریف لے گئے۔ ابوجہل اور عبد اللہ بن امیۃ پہلے سے موجود تھے آپ نے فرمایا "مرتے مرتے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیجئے کہ مین خدا کے ہان آپکے

ا؎ یہ تفصیل ابن ہشام، طبری وغیرہ مین مذکور ہی اخیر واقعہ صرف ابن سعد نے بیان کیا ہی۔

ایمان کی شہادت دون" ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا' ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ بالآخر ابوطالب نے کہا "مین عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہون" پھر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف خطاب کر کے کہا "مین وہ کلمہ کہدیتا لیکن قریش کہین گے کہ موت سے ڈر گیا"۔ آپ نے فرمایا "مین آپ کے لیے دعائے مغفرت کرون گا جب تک کہ خدا مجھکو اس سے منع نہ کرے[۱]"

یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہی' ابن اسحاق کی روایت ہی کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے (جو اس وقت تک کافر تھے) کان لگا کر سُنا' تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے کہا کہ تم نے جس کلمہ کے لیے کہا تھا ابوطالب وہی کہہ رہے ہین[۲]"

اس بنا پر ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہی۔ لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہی اسلیے محدثین زیادہ تر اُن کے کفر ہی کے قایل ہین۔

لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چندان قابل حُجّت نہین کہ اخیر راوی مسیّب ہین جو فتح مکہ مین اسلام لائے اور ابوطالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے' اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح مین لکھا ہی کہ "یہ روایت مرسل ہی"۔ ابن اسحاق کے سلسلۂ روایت مین عباس بن عبداللہ بن معبد اور عبداللہ بن عباس ہین۔ یہ دونون ثقہ ہین لیکن بیچ کا ایک راوی یہان بھی رہ گیا ہی' اس بنا پر دونون روایتون کے درجۂ استناد مین چندان فرق نہین،

ابوطالب نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے لیے جو جان نثاریان کین اس سے کون انکار کر سکتا ہی؟ وہ اپنے جگر گوشون تک کو آپ پر نثار کرتے تھے۔ آپ کی محبت مین تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا۔ آپکی خاطر محصور ہوئے۔ فاقے اُٹھائے' شہر سے نکالے گئے' تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت' یہ جوش۔ یہ جان نثاریان سب ضایع جائین گی؟

۱؎ صحیح بخاری باب الجنائز اور مسلم' ابوطالب کا اخیر فقرہ مسلم مین ہی۔ بخاری مین نہین ۲؎ ابن ہشام مطبوعہ مصر صفحہ ۱۴۶،

ابوطالب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے ۳۵ برس عمر مین بڑے تھے۔ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ان سے نہایت محبت تھی ایک دفعہ وہ بیمار پڑے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) انکی عیادت کے لیے گئے تو انھون نے کہا "بھتیجے! جس خدا نے تجھکو پیغمبر بنا کر بھیجا ہی اس سے دعا نہین مانگتا کہ مجھکو اچھا کر دے" آپ نے دعا کی اور وہ اچھے ہو گئے۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے کہا خدا تیرا کہنا مانتا ہی، آپ نے فرمایا کہ "آپ بھی اگر خدا کا کہنا مانین تو وہ بھی آپ کا کہنا مانے[1]"

ابوطالب کی وفات کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہ نے بھی وفات کی بعض روایتون مین ہی کہ انھون نے ابوطالب سے پہلے انتقال کیا۔ اب آپکے مددگار اور غمگسار دونون اُٹھ گئے، صحابہ خود اپنی حالت مین مبتلا تھے یہی زمانہ ہی جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہی اور خود آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اس سال کو عام الحزن (سال غم) فرمایا کرتے تھے[2]،

حضرت خدیجہؓ نے رمضان سنہ ۱۰ نبوی مین وفات کی، انکی عمر ۶۵ برس کی تھی مقام حجون مین دفن کی گئین، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) خود انکی قبر مین اُترے۔ اسوقت تک نماز جنازہ شروع نہین ہوئی تھی[3]۔

ابوطالب اور خدیجہؓ کے اُٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا؟ اب وہ نہایت بے رحمی و بیباکی سے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ستاتے تھے ایک دفعہ آپ راہ مین جارہے تھے۔ ایک شقی نے آکر فرق مبارک پر خاک ڈالدی، اسی حالت مین آپ گھر مین تشریف لائے۔ آپ کی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لیکر آئین۔ آپ کا سر دھوتی تھین اور جوشِ محبت سے روتی جاتی تھین آپنے فرمایا کہ "جانِ پدر! رو نہین خدا تیرے باپ کو بچالے گا[4]"

اہل مکّہ سے تو قطعی ناامیدی تھی۔ اِسلیے آپ نے ارادہ فرمایا کہ طایف تشریف لے جائین اور وہان دعوت اسلام فرمائین۔ طایف مین بڑے بڑے اُمرا اور ارباب اثر رہتے تھے ان مین عمیر کا خاندان

---

[1] اصابۃ فی احوال الصحابہ ذکر ابوطالب۔ [2] مواہب لدنیہ [3] یہ تفصیل ابن سعد مین ہے۔ [4] طبری اور ابن ہشام ذکر وفات خدیجہ۔

رئیس القبایل تھا، یہ تین بھائی تھے، عبد یالیل، مسعود، حبیب، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) ان کے پاس گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ ان تینوں نے جو جواب دیے وہ نہایت عبرت انگیز تھے، ایک نے کہا "اگر تجھکو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے" دوسرے نے کہا "کیا خدا کو پیغمبری کے لیے تیرے سوا اور کوئی نہین ملتا تھا" تیسرے نے کہا "مین بہرحال تجھ سے بات نہین کر سکتا تو اگر سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلاف ادب ہے اور جھوٹا ہے تو گفتگو کے قابل نہین"۔

ان بدبختون نے اسی پر اکتفا نہین کیا طایف کے بازاریون کو اُبھار دیا کہ آپ کی ہنسی اُڑائین، شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے یہ مجمع دو رویہ صف باندھکر کھڑا ہوا جب آپ اُدھر سے گذرے تو آپکے پاؤن پر پتھر مارنے شروع کیے یہان تک کہ آپ کی جوتیان خون مین بھر گئین۔ جب آپ زخمون سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے۔ جب آپ پھر چلنے لگتے تو پتھر برساتے، ساتھ ساتھ گالیان دیتے اور تالیان بجاتے جاتے[۱]، آخر آپنے ایک باغ مین انگور کی ٹٹیون مین پناہ لی۔ یہ باغ عُتبہ بن ربیعہ کا تھا جو باجود کفر کے شریف الطبع اور نیک نفس تھا۔ اُسنے آپکو اس حالت مین دیکھا تو اپنے غلام کے ہات جس کا نام عداس تھا انگور کا خوشہ ایک کشتی مین رکھکر بھیجا۔

اس سفر مین زید بن حارثہ بھی ساتھ تھے[۲]۔

رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے طایف سے پھر کر چند روز نخلہ مین قیام کیا پھر حرا مین تشریف لائے اور مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھکو اپنی حمایت مین لے سکتے ہو؟ عرب کا شعار تھا کہ جب کوئی اُنسے

---

[۱] یہ پوری تفصیل مواہب لدنیہ بحوالہ موسے بن عقبہ اور طبری و ابن ہشام مین ہے۔

[۲] کیا عجب بات ہے کہ ایک ہی واقعہ دو مختلف نگاہون کو کس طرح مختلف نظر آتا ہے۔ مرگولیس نے (نعوذ باللہ) آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سفر کو سو تدبیرون مین داخل کیا ہے وہ کہتے ہین کہ طایف مکہ سے بالکل قریب اور اُن کے زیر اثر تھا اور وہان روساء مکہ کے باغ تھے جسکی وجہ سے انکی آمدورفت رہتی تھی، اسلیے جب مکہ کے تمام روساء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تھے تو طایف کے لوگون سے کیا امید ہو سکتی تھی لیکن سر ولیم میور صاحب لکھتے ہین کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا زور اعتقاد اور اعتماد علی النفس تھا کہ باوجود تمام ناکامیون کے وہ تنہا ایک مخالف شہر مین گئے اور تبلیغ اسلام کا فرض ادا کیا۔ ع والفضل ما شهدت به الاعداء

طالب حمایت ہوتا تو گو دشمن ہوتا انکار نہین کر سکتے تھے، مطعم نے یہ درخواست منظور کی، بیٹون کو بلا کر کہا کہ ہتھیار لگا کر حرم مین جاؤ، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ مین تشریف لائے، مطعم اونٹ پر سوار ساتھ تھا، حرم کے پاس آیا تو پکارا کہ "مین نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دی ہے"۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) حرم مین آئے نماز ادا کی اور دولت خانہ کو واپس گئے مطعم اور اسکے بیٹے آپکو تلوارون کے سایہ مین لائے[1]،

مطعم نے کفر کی حالت مین غزوۂ بدر سے پہلے وفات کی حضرت حسان جو دربار رسالت کے شاعر تھے انھون نے مرثیہ لکھا، زرقانی نے یہ مرثیہ غزوۂ بدر مین نقل کیا ہے[2] اور لکھا ہے کہ اس مین کچھ مضایقہ نہین مطعم کا یہ کام بے شبہ مدح کا مستحق تھا لیکن آج کل کے مسلمان حضرت حسان اور زرقانی سے زیادہ شیفتۂ اسلام ہین، اس لیے معلوم نہین حضرت حسان کا یہ فعل آج بھی پسند کیا جاسکتا ہے یا نہین؟

قبایل کا دورہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معمول تھا جب حج کا زمانہ آتا اور عرب کے قبایل ہر طرف سے آ آ کر مکہ کے آس پاس اُترتے تو آپ ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے اور تبلیغ اسلام فرماتے عرب مین مختلف مقامات پر میلے لگتے تھے جن مین دور دور کے قبایل آتے تھے، آپ اُن میلون مین جاتے اور اسلام کی تبلیغ فرماتے۔

اِن میلون مین سے عکاظ جو اہل عرب کا قومی اور علمی دنگل تھا اور مجنۃ اور ذوالمجاز کا نام مورخین نے خاص طور پر لیا ہے قبایل عرب مین سے، بنو عامر، محارب، فزارہ، غسان، مرۃ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نضر، کندہ، کلب، حارث، ابن کعب، عذرہ، حضارمہ مشہور قبایل ہین[3]۔ ان سب قبایل کے پاس آپ تشریف لیگئے لیکن ابولہب ہر جگہ ساتھ جاتا اور جب آپ کسی مجمع مین تقریر کرتے تو برابر سے بولتا کہ "دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ کہتا ہے"۔

بنی حنیفہ یمامہ مین آباد تھے، ان لوگون نے نہایت تلخی کے ساتھ جواب دیا[4] مسیلمہ کذاب جس نے

---

[1] ابن سعد صفحہ ۱۴۲ اسیقدر تفصیل مواہب لدنیہ سے اضافہ کی گئی ہے جو ابن اسحاق کی روایت ہے، تعجب ہے کہ ابن ہشام نے یہ حالات قلم انداز کئے ہین [2] زرقانی جلد اول صفحہ ۳۶۹ [3] ابن سعد نے ان تمام قبایل کا ذکر کیا ہے۔ [4] ابن ہشام۔

آگے چلکر نبوت کا دعوےٰ کیا اسی قبیلہ کا رئیس تھا۔

قبیلہ بنو ذہل بن شیبان کے پاس جب آپ گئے تو حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ تھے حضرت ابوبکرؓ نے مفروق سے کہا تم نے کسی پیغمبر کا تذکرہ سُنا ہی؟ وہ یہی ہین۔ مفروق نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف رُخ کر کے کہا برادر قریش! تم کیا تلقین کرتے ہو؟ آپنے فرمایا "خدا ایک ہی اور مین اس کا پیغمبر ہون" اور یہ آیتین پڑھین

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ	کہدو کہ آؤ مین تمھین سناؤن کہ خدا نے کیا چیزین حرام کی ہین یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کا حق خدمت بجا لاؤ اور اپنے بچون کو افلاس کے خیال سے قتل نہ کرو ہم تم کو اور انکو دونو کو روزی دینگے فحش باتون کے پاس نہ جاؤ وہ ظاہر ہون یا پوشیدہ اور آدمی کی جان جسکو خدا نے حرام کیا ہی ہلاک نہ کرو۔

اس قبیلہ کے رؤسا مفروق، مثنّٰی اور ہانی بن قبیصہ تھے اور وہ سب اس موقع پر موجود تھے۔ ان لوگون نے کلام کی تحسین کی لیکن کہا کہ "مدتون کا خاندانی دین دفعۃً چھوڑ دینا زود اعتقادی ہی"۔ اسکے علاوہ ہم کسریٰ کے زیر اثر ہین اور معاہدہ ہو چکا ہی کہ ہم اور کسی کے اثر مین نہ آئین گے، آپنے انکی راست گوئی کی تحسین کی اور فرمایا کہ خدا اپنے دین کی آپ مدد کرے گا۔[۱]

قبیلہ بنو عامر کے پاس گئے تو ایک شخص نے جس کا نام فراس تھا آپ کی تقریر سنکر کہا "اگر یہ شخص مجھکو ہات آجائے تو مین تمام عرب کو مسخر کرلون"۔ پھر آپ سے پوچھا کہ اگر ہم تمھارا ساتھ دین اور تم اپنے مخالفون پر غالب آجاؤ تو تمھارے بعد ریاست ہمکو ملے گی؟ آپ نے فرمایا "یہ خدا کے ہات ہی"۔ اُسنے کہا "ہم اپنا سینہ عرب کا آماج گاہ بنائین اور حکومت غیرون کے ہات آئے ہمکو یہ غرض نہین"۔

رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی ایذا رسانی اسباب مذکورہ بالا کی بنا پر، قریش نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی سخت

۱؎ ابن ہشام، ۲؎ روض الانف بحوالہ قاسم بن ثابت،

مخالفت کی، اور چاہا کہ آپکو اسقدر ستائین کہ آپ مجبور ہوکر تبلیغ اسلام سے دست بردار ہوجائین۔ سو اتفاق یہ کہ جو کفار آپکے ہمسایہ تھے یعنی ابوجہل، ابولہب، اسود بن عبد یغوث، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، نضر بن حارث، منبہ بن حجاج، عقبہ بن ابی معیط، الحکم بن ابی العاص، سب قریش کے سربرآوردہ رؤسا تھے اور یہی سب سے بڑھکر آپکے دشمن [1] تھے۔ یہ لوگ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی راہ مین کانٹے بچھاتے، نماز پڑھتے وقت ہنسی اُڑاتے، سجدہ مین آپکی گردن پر اوجھڑی لاکر ڈالدیتے، گلے مین چادر لپیٹکر اس زور سے کھینچتے کہ گردن مبارک مین بدھیان پڑجاتین، آپکی روحانی قوت اثر کو دیکھکر لوگ جادوگر کہتے، دعوائے نبوت کو سنکر مجنون کہتے باہر نکلتے تو شریر لڑکے پیچھے پیچھے غول باندھکر چلتے [2]، نماز جماعت مین قرآن زور سے پڑھتے، تو قرآن، قرآن کے لانے والے (رسُول) اور قرآن کے اُتارنے والے (خدا) کو گالیان دیتے [3]۔

ایک دفعہ آپ حرم مین نماز پڑھ رہے تھے، رؤسائے قریش بھی موجود تھے۔ ابوجہل نے کہا "کاش اسوقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اُٹھا لاتا کہ جب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سجدہ مین جاتے تو اُنکے گردن پر ڈالدیتا"، عقبہ نے کہا "یہ خدمت مین انجام دیتا ہون"، چنانچہ اوجھ لاکر آپکی گردن پر ڈالدی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ کسی نے جاکر حضرت فاطمہؓ کو خبر کی، وہ اگرچہ اُسوقت صرف پانچ چھ برس کی تھین، لیکن جوش محبت سے دوڑی آئین اور اوجھ کو ہٹاکر عقبہ کو بُرا بھلا کہا اور بد دعائین دین [4]۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) جب کہین کسی مجمع عام مین دعوت اسلام کا وعظ فرماتے تو ابولہب جو آپکے ساتھ ساتھ رہتا تھا، برابر سے کہتا جاتا کہ "یہ جھوٹ کہتا ہے" ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جب کہ مین اسلام نہین لاچکا تھا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) بازار ذو المجاز مین گئے اور مجمع مین گھسکر لوگون سے کہا کہ "لا الٰہ الا اللہ کہو"۔ ابوجہل آپ پر خاک پھینکتا جاتا تھا اور کہتا کہ "اسکے فریب مین نہ آنا۔ یہ چاہتا ہے

[1] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۳۴۔ [2] مسند امام حنبل جلد ۱ صفحہ ۳۰۲۔ [3] صحیح بخاری ۶۸۶ [4] صحیح بخاری باب الطہارۃ، والصلوٰۃ والجزیہ والجہاد۔ وصحیح مسلم، وزرقانی جلد اوّل صفحہ ۲۹۸۔

کہ تم لات و عزیٰ کی پرستش چھوڑ دو[1]" طائف مین کفار نے آپ کو جو اذیتین پہنچائین اُنکا بیان آگے آئیگا

ایک دفعہ آپ حرم کعبہ مین نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ نے آپکی گردن مین چادر لپیٹ کر نہایت زور سے کھینچی اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ آگئے اور آپ کا شانہ پکڑ کر عقبہ کے ہات سے چھڑایا اور کہا کہ "اُس شخص کو قتل کرتے ہو جو صرف یہ کہتا ہی کہ خدا ایک ہی[2]"۔

جو لوگ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی دشمنی مین نہایت سرگرم تھے اور رات دن اسی شغل مین رہتے تھے اُنکے نام، جیسا کہ ابن سعد نے طبقات مین لکھے ہین، حسب ذیل ہین۔

"ابوجہل، ابولہب، اسود بن عبد یغوث، حارث بن قیس بن عدی، ولید بن المغیرہ، اُمیۂ، اُبی بن خلف، ابوقیس بن فاکہہ بن المغیرہ، عاص بن وائل، نضر بن حارث، منبہ بن الحجاج، زہیر بن ابی اُمیۃ، سائب بن صیفی، اسود بن عبد الاسد، عاص بن سعید بن العاص، عاص بن ہاشم، عقبہ بن ابی معیط، ابن الاصدی ہذلی، الحکم بن ابی العاص، عدی بن حمراء۔"

یہ سب کے سب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ہمسایہ، اور ان مین سے اکثر صاحب جاہ و اقتدار تھے۔ یہ جو کچھ ہوا، گو نہایت درد انگیز اور حسرت خیز تھا لیکن تعجب انگیز نہ تھا۔ دنیا کی تاریخ مین کوئی ایسی مثال نہین ہی کہ نامانوس اور اجنبی صدائین بہ رغبت سُن لی گئی ہون، حضرت نوح (علیہ السّلام) کو سیکڑون برس تک قوم کی نفرت اور وحشت کا سامنا رہا، یونان دنیا کی شائستگی کا مُعلّم اوّل ہی، تاہم اسی حکمت کدہ مین سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو دار و رسن کا منظر پیش آیا۔ اس بنا پر عرب اور قریش نے جو کچھ کیا وہ سلسلۂ واقعات کی غیر معمولی کڑی نہ تھی لیکن غور طلب یہ ہی کہ اس کے مقابلہ مین سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا کیا؟

سقراط پیالہ پی کر فنا ہو گیا حضرت نوح (علیہ السلام) نے مخالفت سے تنگ آ کر ایک قیامت خیز طوفان

---

[1] مسند امام حنبل جلد ۴ صفحہ ۶۳۔ [2] صحیح بخاری باب ما لقی النبی صلے اللہ علیہ وسلم واصحابہ بمکۃ الخ۔

کی استدعا کی اور دنیا کا ایک بڑا حصہ برباد ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) تین چالیس شخصون کی مختصر جماعت پیدا کر کے، بروایت نصاریٰ سولی پر چڑھ گئے۔ لیکن سرور کائنات (صلے اللہ علیہ وسلم) کا فرض ان سب سے بالاتر تھا۔ خباب بن الارت نے جب قریش کی ایذا رسانی سے تنگ آکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین عرض کی کہ آپ انکے حق مین بددعا کیون نہین فرماتے؟ تو آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ "تم سے پہلے وہ لوگ گزرے ہین جنکے سر پر آرے چلائے جاتے اور چیر ڈالے جاتے تھے تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آئے۔ خدا اس کام کو پورا کرے گا یہانتک کہ شتر سوار صنعا سے حضرموت تک کا سفر کریگا اور اُس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا۔"[1]

کیا یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری نہین ہوئی؟

---

[1] صحیح بخاری، باب مالقی النبی واصحابہ من المشرکین، ذکر ایام جاہلیۃ۔

مدینۂ منورہ اور انصار

آفتاب کی روشنی دور پہنچکر تیز ہوتی ہی شمیم گل باغ سے نکلکر عطر فشان بنتی ہی، آفتاب اسلام طلوع مکہ مین ہوا، لیکن کرنین مدینہ کے افق پر چمکین،

مدینہ کا اصلی نام یثرب ہی، رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے جب یہان آکر قیام کیا تو اسکا نام "مدینۃ النبی" یعنی "پیغمبر کا شہر" پڑگیا، اور پھر مختصر ہوکر مدینہ مشہور ہوگیا۔

یہ شہر مدتون سے آباد ہی، بہت قدیم زمانہ مین یہودی یہان آکر آباد ہوئے، انکی نسلین کثرت سے پھیلین، اور مدینہ کے تمام اطراف اُنکے قبضہ مین آگئے، انھون نے مدینہ اور اس کے حوالی مین چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لیے تھے، اور اُن مین سکونت رکھتے تھے، (یہود کے متعلق زاید تحقیق آگے آئے گی)

انصار اصل مین یمن کے رہنے والے اور قحطان کے خاندان سے تھے، یمن مین جب مشہور سیلاب آیا جسکو "سیل عرم" کہتے ہین، تو یہ لوگ یمن سے نکلکر مدینہ مین آباد ہوئے، یہ دو بھائی تھے، **اوس**، اور **خزرج**؛ تمام انصار انہی دو کے خاندان سے ہین[1]، یہ خاندان جب یثرب مین آیا تو یہود نہایت مقتدر اور اثر رکھتے تھے، آس پاس کے تمام مقامات، انکے قبضہ مین تھے اور دولت و مال سے مالامال تھے، چونکہ آل و اولاد کی کثرت سے بیس اکیس قبیلے بن گئے تھے اسلیے دور دور تک بستیان بسالی تھین، انصار کچھ زمانہ تک اُنسے الگ رہے، لیکن انکا زور اور اثر دیکھکر بالآخر انکے حلیف[2] بنگئے، ایک مدت تک یہ حالت قایم رہی لیکن اب انصار کا خاندان پھیلتا جاتا، اور اقتدار حاصل کرتا جاتا تھا۔ یہود نے پیش بینی کے لحاظ سے انسے معاہدہ توڑدیا۔

یہودیون مین ایک رئیس **فطیون** پیدا ہوا جو نہایت عیاش اور بدکار تھا۔ اُس نے یہ حکم دیا کہ جو

---

[1] انصار کے نسب، اور مدینہ مین آباد ہونے کی پوری تفصیل، وفاء الوفاء جلد اول صفحہ ۱۱۶ تا ۱۵۲ مین مذکور ہی [2] جو قبیلے آپس مین ایک دوسرے کی اعانت و شرکت کا (حلف) معاہدہ کرتے تھے وہ باہم حلیف کہلاتے تھے،

دوشیزہ لڑکی بیاہی جائے پہلے اس کے شبستان عیش مین آئے۔ یہود نے اسکو گوارا کرلیا تھا۔لیکن جب انصار کی نوبت آئی، تو اُنھون نے سرتابی کی۔اس زمانہ مین انصار کا سردار ایک شخص مالک بن عجلان تھا؛ اسکی بہن کی شادی ہوئی تو وہ عین شادی کے دن گھر سے نکلی، اور اپنے بھائی مالک بن عجلان کے سامنے سے بے پردہ گزری؛ مالک کو غیرت آئی، اٹھکر گھر مین آیا اور بہن کو سخت ملامت کی؛ اُسنے کہا "ہان! لیکن کل جو کچھ ہوگا، اس سے بھی بڑھکر ہی" دوسرے دن حسب دستور جب مالک کی بہن دُلھن بنکر فطیون کی خلوتگاہ مین گئی تو مالک بھی زنانے کپڑے پہنکر سہیلیون کے ساتھ گیا؛ اور فطیون کو قتل کر کے شام کو بھاگ گیا۔ یہان غسّانیون کی حکومت تھی اور ابو جبلہ حکمران تھا؛ اسنے یہ حالات سنے تو ایک فوج گران لیکر آیا اور اُوس اور خزرج کے رُوسا کو بلا کر انکو خلعت اور صلے دیے؛ پھر رُوسائے یہود کی دعوت کی اور ایک ایک کو دھوکے سے قتل کرادیا۔ یہود کا زور اب ٹوٹ گیا اور انصار نے نئے سرے سے قوت حاصل کی[1]۔

انصار نے مدینہ، اور حوالی مدینہ مین کثرت سے چھوٹے چھوٹے قلعے بنالیے۔ اُوس اور خزرج ایک مدت تک باہم متحد رہے؛ لیکن پھر عرب کی فطرت کے موافق خانہ جنگیان شروع ہوگئین، اور سخت خونریز لڑائیان ہوئین؛ سب سے اخیر لڑائی مین جسکو **بعاث** کہتے ہین اس زور کا معرکہ ہوا کہ دونون خاندانون کے تمام نامور لڑ لڑ کر مر گئے؛ انصار اب اسقدر ضعیف ہوگئے کہ انھون نے قریش کے پاس سفارت بھیجی کہ ہم کو حلیف بنالیجیے۔لیکن ابو جہل نے معاملہ درہم برہم کردیا۔

انصار، گو بت پرست تھے، تاہم چونکہ یہود سے میل جول تھا، اسلیے نبوت اور کتب آسمانی سے گوش آشنا تھے؛ یہود سے گو انصار، اک گونہ رقابت رکھتے تھے۔لیکن انکے علمی فضل وکمال کے معترف تھے؛ یہود نے مدینہ مین جو علمی مدارس قایم کیے تھے جنکو بیت المدراس کہتے تھے (بخاری

---

[1] وفاء الوفا، یہ واقعہ مختلف صورتون مین بیان کیا گیا ہی اور وفاء الوفا مین یہ تمام روایتین مذکور ہین۔

وغیرہ مین یہی نام مذکور ہے)[1] انہین توراۃ کی تعلیم ہوتی تھی؛ انصار جاہل تھے، اسلیے اُنپر یہود کے علمی تفوق کا خواہ مخواہ اثر پڑتا تھا؛ یہانتک کہ انصار مین سے جسکے اولاد زندہ نہین رہتی تھی، وہ مَنّت مانتا تھا کہ بچّہ زندہ رہیگا تو یہودی بنا دیا جائیگا۔ یہودی عموماً یقین رکھتے تھے کہ ایک پیغمبر ابھی اور آنے والا ہے؛ اس بنا پر انصار بھی ایک پیغمبر موعود کے نام سے آشنا تھے؛

انصار مین ایک شخص سوید بن صامت جو شاعری اور جنگ آوری مین ممتاز تھا، اُس کو امثال لقمان کا نسخہ ہاتھ آگیا تھا جسکو وہ کتاب آسمانی سمجھتا تھا؛ وہ ایک دفعہ حج کو گیا؛ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُسکے حالات سُنے، تو خود اُسکے پاس تشریف لے گئے؛ اُسنے امثال لقمان پڑھکر سنایا؛ آپ نے فرمایا "میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے" یہ کہکر قرآن مجید کی چند آیتین پڑھین؛ سوید نے تحسین کی؛ اگرچہ وہ مدینہ واپس آکر جنگِ بعاث مین مارا گیا، لیکن اسلام کا معتقد ہو چکا تھا؛

سوید، شجاعت اور شاعری دونون مین کمال رکھتا تھا؛ ایسے شخص کو اہل عرب کامل کہتے تھے؛ اور اسی بنا پر، سوید اسی لقب سے پکارا جاتا تھا[2]؛ سوید کے میلانِ اسلام کا اثر انصار پر پڑ چکا تھا۔

اَوس اور خزرج کے معرکون مین، اوس کو جب شکست ہوئی تو اَوس کے عمائد قریش کے پاس گئے کہ خزرج کے مقابلہ مین انکو حلیف بنائین، اس سفارت مین ایاس بن معاذ بھی تھے؛ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ان لوگون کا آنا معلوم ہوا تو آپ انکے پاس تشریف لے گئے اور قرآن مجید کی چند آیتین پڑھکر سنائین؛ ایاس نے ساتھیون سے کہا کہ "خدا کی قسم تم جس غرض کے لیے آئے ہو، یہ کام اس سے بھی بہتر ہے" لیکن قافلہ سالار یعنی ابو الحیس نے کنکریان اُٹھا کر اُنکے مُنھ پر مارین اور کہا کہ "ہم اس کام کے لیے نہین آئے"؛ اسکے بعد بعاث کا معرکہ پیش آگیا۔ اور ایاس آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)

---

[1] (کتب تفسیر مین لا اکراہ فی الدین کی تفسیر دیکھو)

[2] سوید کا ذکر ابن ہشام مین ہے لیکن روض الانف مین زیادہ تفصیل ہے؛ اصابہ مین بھی اس کا حال ہے؛ لیکن نسب مین اختلاف ہے اور امثال لقمان کا ذکر نہین ہے؛ طبری مین بھی سوید کا پورا واقعہ مع اسکے اشعار کے مذکور ہے؛ دیکھو صفحہ ۱۲۰۷؛

کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے، لوگون کا بیان ہو کہ مرتے وقت، ایاس کی زبان پر تکبیر جاری[۱] تھی۔

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا معمول تھا کہ حج کے زمانہ مین رؤسائے قبائل کے پاس جا کر تبلیغ اسلام فرمایا کرتے تھے، اس سال (رجب ۱۱ نبوی) مین بھی آپ متعدد قبائل کے پاس تشریف لیگئے، عقبہ کے پاس، جہان اب مسجد العقبہ ہو، خزرج کے چند اشخاص آپ کو نظر آئے، آپ نے انسے نام و نسب پوچھا، انھون نے کہا "خزرج" آپ نے دعوتِ اسلام دی، اور قرآن مجید کی آیتین سُنائین، ان لوگون نے ایکدوسرے کی طرف دیکھا اور کہا "دیکھو! یہود ہم سے اس اولیت مین بازی نہ لیجائین" یہ کہکر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا، یہ چھ شخص تھے، جنکے نام حسبِ[۲] ذیل ہین۔

۱- ابو الہیثم بن تیہان،

۲- اسعد بن زرارہ، — سلہ ھ مین وفات پائی

۳- عوف بن حرث،

۴- رافع بن مالک بن عجلان، — اسوقت تک جسقدر قرآن اُتر چکا تھا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُنکو عنایت فرمایا۔ جنگِ اُحد مین شہید ہوئے

۵- قُطبہ بن عامر، — یمامہ مین شہید ہوئے۔

۶- جابر بن عبد اللہ

دوسرے سال بارہ ۱۲ شخص مدینہ منورہ سے آئے اور بیعت کی، اسکے ساتھ اس بات کی بھی خواہش کی کہ احکام اسلام کے سکھانے کے لیے کوئی مُعلّم انکے ساتھ کر دیا جائے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے

---

۱ طبری اور اصابہ مین یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہو، اصابہ مین لکھا ہو کہ ایاس کا حال امام بخاری نے تاریخ کبیر مین لکھا ہو۔ ۲ یہ واقعات تمام تاریخون مین مذکور ہین ہمنے زرقانی کو پیش نظر رکھا ہو کیونکہ اسنے تمام مختلف روائتین جمع کر دی ہین۔ ان لوگون کی تعداد بعضون نے آٹھ بیان کی ہے۔ اسعد بن زرارہ، اور ابو الہیثم کا پہلے سے موجود ہونا ابن سعد نے طبقات مین لکھا ہو، دیکھو کتاب مذکور جزء ثالث انصار بدریین، صفحہ ۲۲، واقدی کا بیان ہو کہ اسعد بن زرارہ اس واقعہ سے پہلے مکہ مین جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاچکے تھے۔

مُصعب بن عمیر کو اس خدمت پر مامور فرمایا، مُصعب، ہاشم بن عبد مناف کے پوتے اور سابقین اسلام مین سے تھے، غزوہ بدر مین لشکر کی علمبرداری کا منصب انہی کو ملا تھا۔ وہ مدینہ مین آکر اسعد بن زرارہ کے مکان پر ٹھہرے جو مدینہ کے نہایت معزز رئیس تھے۔ روزانہ معمول تھا کہ انصار کے ایک ایک گھر کا دورہ کرتے، لوگون کو اسلام کی دعوت دیتے، اور قرآن مجید پڑھکر سناتے؛ روزانہ ایک دو نئے آدمی اسلام قبول کرتے۔ رفتہ رفتہ، مدینہ سے قُبا تک، گھر گھر اسلام پھیلگیا، صرف خطمہ، وائل، واقف، کے چند گھرانے باقی رہ گئے، ابن سعد نے طبقات مین یہ واقعات تفصیل سے لکھے ہین۔

قبیلۂ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ تھے، قبیلہ پر انکا یہ اثر تھا کہ ہر کام مین لوگ اُنکے اشارون پر چلتے تھے، مصعبؓ نے جب انکے پاس جاکر اسلام کی دعوت دی تو انھون نے پہلے نفرت ظاہر کی لیکن جب مُصعب نے قرآن مجید کی چند آیتین پڑھین تو پتھر موم تھا؛ انکا اسلام لانا، تمام قبیلۂ اوس کا اسلام قبول کرلینا تھا۔

اگلے سال بہتر شخص حج کے زمانے مین آئے، اور اپنے ساتھیون سے (جو بت پرست تھے) چھپکر، بمقام منیٰ (عقبہ) آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ہات پر بیعت کی؛ اس موقع پر حضرت عباسؓ بھی جو اسوقت تک اسلام نہین لائے تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ تھے؛ انھون نے انصار سے خطاب کرکے کہا "گروہ خزرج! محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان مین معزز اور محترم ہین، دشمنون کے مقابلہ مین ہم ہمیشہ اُنکے سینہ سپر رہے ہے؛ اب وہ تمھارے پاس جانا چاہتے ہین، اگر مرتے دم تک اُن کا ساتھ دے سکو تو بہتر، ورنہ ابھی سے جواب دیدو"

براء نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف خطاب کرکے کہا "ہملوگ تلوارون کی گود مین پلے ہین" وہ اسیقدر کہنے پائے تھے کہ ابوالہیثم نے بات کاٹ کر کہا "یارسول اللہ! ہمسے اور یہود سے تعلقات ہین، بیعت کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائینگے، ایسا تو نہو کہ جب آپکو قوت اور اقتدار

حاصل ہوجائے تو آپ ہمکو چھوڑکر اپنے وطن چلے جائین؟" آپ نے مسکرا کر فرمایا "نہین، تمھارا خون میرا خون ہے، تم میرے ہو اور مین تمھارا ہون"۔

آپ نے اس گروہ مین سے بارہ۱۲ شخص نقیب انتخاب کئے، جنکے نام خود انصار نے پیش کئے تھے، انمین نو۹ خزرج کے اور تین۳ اوس کے تھے، انکے نام حسب روایت ابن سعد حسب ذیل ہین؛

اسید بن حضیر،	جنگ بعاث مین انہی کے باپ اوس کے سردار تھے۔
ابو الہیثم بن تیہان،	
سعد بن خیثمہ،	جنگ بدر مین شہید ہوئے۔
اسعد بن زرارہ،	انکا ذکر اوپر گذر چکا، یہ امام نماز تھے۔
سعد بن الربیع،	جنگ احد مین شہید ہوئے؛
عبد اللہ بن رواحہ،	مشہور شاعر ہین، جنگ موتہ مین شہید ہوئے؛
سعد بن عبادہ،	معزز اور مشہور صحابی ہین، سقیفۂ بنی ساعدہ مین انہی نے پہلے خلافت کا دعوی کیا تھا۔
منذر بن عمرو	بیر معونہ مین شہید ہوئے؛
براء بن معرور	بیعت عقبہ مین انہی نے انصار کی طرف سے تقریر کی تھی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے۔
عبد اللہ بن عمرو،	جنگ احد مین شہید ہوئے،
عبادہ بن الصامت،	مشہور صحابی ہین، انسے اکثر حدیثین مروی ہین۔
رافع بن مالک،	جنگ احد مین شہید ہوئے۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے جن باتون پر انصار سے بیعت لی یہ تھین؛ شرک، چوری، زنا، قتل اولاد

اور افترا کے مرتکب نہونگے، اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُنسے جو اچھی بات کہینگے اُس سے سرتابی نہ کرینگے[1]۔"

جب **انصار** بیعت کر رہے تھے تو اسعد بن زرارۃ نے کھڑے ہوکر کہا "بھائیو! یہ بھی خبر ہی؟ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم اور جن و انس سے اعلانِ جنگ ہی" سب نے کہا "ہان ہم اسی پر بیعت کر رہے ہین"۔

بارہ شخص جو نقیب انتخاب کئے گئے، رئیس القبائل تھے؛ ان کا اسلام قبول کرنا تمام انصار کا اسلام قبول کرنا تھا؛ صبح کو مکہ مین اس بیعت کی اُڑتی سی خبر پھیلی **قریش**، انصار کے پاس آئے اور شکایت کی؛ انصار کے ساتھ جو بُت پرست تھے اُنکو اس بیعت کی خبر نہ تھی؛ انھون نے تکذیب کی کہ "ایسا ہوتا تو ہمسے کیونکر چُھپ سکتا تھا"۔

مدینہ مین اسلام کو پناہ حاصل ہوئی تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے صحابہؓ کو اجازت دی کہ مکہ سے ہجرت کر جائین، قریش کو معلوم ہوا تو انھون نے روک ٹوک شروع کی؛ لیکن چوری چُھپے لوگون نے ہجرت شروع کردی۔ رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے؛ صرف آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے؛ جو لوگ مفلسی سے مجبور تھے، وہ مدت تک نہ جا سکے؛ یہ آیت اُنہی کی شان مین ہے۔

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ	کمزور مرد، عورتین، اور بچّے، جو یہ کہتے ہین کہ اے خدا!
الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ	ہمکو اس شہر سے نکال کہ یہان کے لوگ ظالم
الظَّالِمِ أَهْلُهَا	ہین؛

---

[1] یہ صحیح بخاری کی روایت ہی؛ سیرت کی کتابون مین مذکور ہی کہ یہ عقبۂ اولیٰ کی شرائط ہین، اخیر بیعت اس بات پر ہوگئی تھی کہ انصار آپ کی جان کی حفاظت کرینگے،

سنہ ۱ھ

ہجرت

(اسوقت جبکہ دعوتِ حق کے جواب مین ہرطرف سے تلوار کی جھنکارین سنائی دے رہی تھین، حافظِ عالم نے مسلمانون کو دارالامانِ مدینہ کی طرف رخ کرنیکا حکم دیا، لیکن خود وجودِ اقدس جوان ستمگارون کا حقیقی ہدف تھا، اپنے لیے حکم خدا کا منتظر تھا، مکہ کے باہر اطراف مین جو صاحب اثر مسلمان ہو چکے تھے وہ جان نثارانہ اپنی حفاظت کی خدمت پیش کرتے تھے۔ قبیلۂ دوس ایک محفوظ قلعہ کا مالک تھا اُسکے رئیس طفیل بن عمر نے اپنا قلعہ پیش کیا کہ آپ یہان ہجرت کر آئین، لیکن آپنے انکار فرمایا کہ کارساز قضا نے یہ شرف صرف انصار کے لیے مخصوص کیا تھا[۱] چنانچہ قبل ہجرت آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے خواب دیکھا کہ دارالہجرت ایک پُر باغ وبہار مقام ہے، خیال تھا کہ وہ یمامہ کا شہر ہوگا لیکن وہ شہر مدینہ نکلا[۲]۔)

نبوت کا تیرھوان[۱۳] سال شروع ہوا، اور اکثر صحابہ مدینہ پہنچ چکے تو وحی آلہی کے مطابق آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا؛ یہ داستان نہایت پراثر ہے، اور اسی وجہ سے امام بخاری نے باوجود اختصار پسندی کے اسکو خوب پھیلا کر لکھا ہے، اور حضرت عایشہ کی زبانی لکھا ہے؛ حضرت عایشہ گو اُسوقت چھہ سات برس کی تھین، لیکن انکا بیان درحقیقت خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ابوبکرؓ کا بیان ہے، کہ اُنہی سے سنکر کہا ہوگا؛ اور ابتدائے واقعہ مین وہ خود بھی موجود تھین،

قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ مین جا کر طاقت پکڑتے جاتے ہین اور وہان اسلام پھیلتا جاتا ہے؛ اس بنا پر انھون نے دارالندوہ مین، جو دارالشورٰی تھا۔ اجلاس عام کیا، ہر قبیلہ کے روسا یعنی عتبہ، ابوسفیان، زبیر بن مطعم، نضر بن حارث بن کلدۃ، ابوالبختری، ابن ہشام، زمعہ بن اسود بن مطلب،

۱ھ صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۵، باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر ۲ھ صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی صلعم،

حکیم بن حزام، ابوجہل، نبیہ ومنبہ، امیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ، یہ سب شریک تھے، لوگون نے مختلف رائین پیش کین، ایک نے کہا "محمد کے ہات پانون مین زنجیرین ڈالکر مکان مین بند کردیا جاے"، دوسرے نے کہا "جلا وطن کردینا کافی ہی"، ابوجہل نے کہا "ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص انتخاب ہو، اور پورا مجمع ایکساتھ ملکر تلوارون سے اُن کا خاتمہ کردے، اس صورت مین انکا خون تمام قبائل مین بٹجائیگا، اور آل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نکرسکینگے" اس اخیر راے پر اتفاق عام ہوگیا، اور جھٹ پٹے سے آکر، رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے آستانۂ مبارک کا محاصرہ کرلیا۔ اہل عرب، زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے، اس لیے باہر ٹھہرے رہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نکلین تو یہ فرض ادا کیا جاے؛

رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) سے قریش کو اس درجہ کی عداوت تھی تاہم آپ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپ ہی کے پاس لاکر رکھتا تھا۔ اسوقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتین جمع تھین؛ آپ کو قریش کے ارادہ کی پہلے سے خبر ہوچکی تھی، اس بنا پر جناب امیر کو بلاکر فرمایا کہ "مجھکو ہجرت کا حکم ہوچکا ہی، مین آج مدینہ روانہ ہوجاؤنگا، تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھکر سو رہو، صبحکو سب کی امانتین جاکر واپس دے آنا"۔ یہ سخت خطرہ کا موقع تھا؛ جناب امیر کو معلوم ہوچکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کرچکے ہین، اور آج رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کا بستر خواب قتلگاہ کی زمین ہی، لیکن فاتح خیبر کے لیے قتلگاہ، فرش گل تھا۔

ہجرت سے ڈھائی تین دن پہلے، رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) دوپہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے گھر پر گئے؛ دستور کے موافق دروازہ پر دستک دی؛ اجازت کے بعد گھر مین تشریف لیگئے، حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ "کچھ مشورہ کرنا ہی، سبکو ہٹادو"۔ بولے کہ "یہان آپ کی حرم کے سوا اور کوئی نہین ہی" (اس وقت حضرت عایشہ سے شادی ہوچکی تھی) آپ نے فرمایا "مجھکو ہجرت کی اجازت ہوگئی ہی" حضرت

ابوبکرؓ نے نہایت بیتابی سے کہا "میرا باپ آپ پر فدا ہو، کیا مجھکو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا؟" ارشاد ہوا "ہان"۔ حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کے لیے چار مہینہ سے دو اونٹنیان ببول کی پتیان کھلا کھلا کر تیار کی تھین، عرض کی کہ انمین سے ایک آپ پسند فرمائین، محسن عالم کو کسی کا احسان گوارا نہین ہو سکتا تھا، ارشاد ہوا "اچھا، مگر بقیمت" حضرت ابوبکر نے مجبوراً قبول کیا، حضرت عایشہ اُسوقت کمسن تھین اُنکی بڑی بہن اسماءؓ نے جو حضرت عبد اللہ بن زبیر کی مان تھین، سفر کا سامان کیا، دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان مین رکھا، نطاق، جسکو عورتین کمر سے لپیٹتی ہین، پھاڑ کر اُس سے ناشتہ دان کا مُنہ باندھا۔ یہ وہ شرف تھا، جسکی بنا پر آجتک انکو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

کُفّار نے جب آپ کے گھر کا محاصرہ کیا اور رات زیادہ گزر گئی تو قدرت نے انکو بے خبر کر دیا۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اُنکو سوتا چھوڑ کر باہر آئے، کعبہ کو دیکھا اور فرمایا "مکہ! تو مجھکو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھکو رہنے نہین دیتے"۔ حضرت ابوبکرؓ سے پہلے سے قرارداد ہو چکی تھی دونون صاحب پہلے جبل ثور کے غار مین جاکر پوشیدہ ہوئے، یہ غار آج بھی موجود ہے[1] اور بوسہ گاہ خلایق ہے[2]، حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبد اللہ، جو نوخیز جوان تھے، شبکو غار مین ساتھ سوتے، صبح منھ اندھیرے شہر چلے جاتے، اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورے کر رہے ہین؟ جو کچھ خبر ملتی، شام کو آکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کرتے، حضرت ابوبکر کا غلام کچھ رات گئے بکریان چرا کر لاتا، آپ اور حضرت ابوبکر اُنکا دودھ پی لیتے، تین دن تک صرف یہی غذا تھی، لیکن ابن ہشام نے لکھا ہے کہ روزانہ شام کو اسماءؓ گھر سے کھانا پکا کر غار مین پہونچا آتی تھین، اسی طرح تین راتین غار مین گزرین[3]۔

صبحکو قریش کی آنکھین کھلین تو پلنگ پر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے بجائے جناب امیرؓ تھے، ظالمون نے آپکو پکڑا اور حرم مین لیجا کر تھوڑی دیر محبوس رکھا اور چھوڑ دیا[4]۔ پھر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تلاش مین نکلے

---

[1] یہ غار مکہ سے تین میل دہنی جانب ہے، پہاڑ کی چوٹی قریباً ایک میل بلند ہے، سمندر یہان سے دکھائی دیتا ہے دیکھو زرقانی۔ [2] یہ پوری تفصیل صحیح بخاری، باب الہجرت مین ہے، باب مناقب المہاجرین مین بعض مزید حالات ہین وہ بھی ہمنے شامل کر لیے ہین۔ [3] تاریخ طبری۔

ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دہانہ تک آگئے، آہٹ پاکر حضرت ابوبکر غمزدہ ہوئے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کی کہ "اب دشمن اسقدر قریب آگئے ہیں کہ اگر اپنے قدم پر انکی نظر پڑجائے تو ہمکو دیکھ لینگے" آپنے فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا گھبراؤ نہین، خدا ہمارے ساتھ ہی۔

مشہور ہی کہ جب کفار، غار کے قریب آ گئے تو خدا نے حکم دیا، دفعۃً ببول کا درخت اُگا۔ اور اُسکی ٹہنیون نے پھیلکر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو چھپالیا، ساتھ ہی دو کبوتر آئے اور گھونسلا بناکر انڈے دیئے، حرم کے کبوتر انہی کبوترون کی نسل سے ہین، اس روایت کو مواہب لدنیہ مین تفصیل سے نقل کیا ہی؛ اور زرقانی نے بزاز وغیرہ سے اسکے ماخذ بتائے ہین لیکن یہ تمام روایتین غلط ہین؛ اس روایت کا اصلی راوی عون بن عمرو ہی، اسکی نسبت امام فن رجال یحییٰ بن معین کا قول ہی "لاشیئی" یعنی ہیچ ہے؛ امام بخاری نے کہا ہی کہ "وہ منکر الحدیث اور مجہول ہی" اس روایت کا ایک اور راوی ابو مصعب مکی ہی؛ وہ مجہول الحال ہی۔ چنانچہ علامۂ ذہبی نے میزان الاعتدال مین عون بن عمرو کے حال مین یہ تمام اقوال نقل کیے ہین، اور خود اس روایت کا بھی ذکر کیا ہی؛

بہرحال، چوتھے دن آپ غار سے نکلے، عبداللہ بن اریقط ایک کافر، جسپر اعتماد تھا رہنمائی کے لیے اجرت پر مقرر کرلیا گیا تھا، وہ آگے آگے رستہ بتاتا جاتا تھا ایک رات دن برابر چلے گئے دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ سخت ہوگئی تو حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) سایہ مین آرام فرمالین، چارون طرف نظر ڈالی۔ ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا، سواری سے اتر کر زمین جھاڑی پھر اپنی چادر بچھادی، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے آرام فرمایا تو تلاش مین نکلے کہ کہین کچھ کھانے کو ملجائے تو لائین، پاس ہی ایک چرواہا بکریان چرا رہا تھا، اُس سے کہا ایک بکری کا تھن گرد و غبار سے صاف کردے؛ پھر اُسکے ہاتھ صاف کرائے اور دودھ دوہایا۔ برتن کے منہ پر کپڑا لپیٹ دیا کہ گرد نہ پڑنے پائے؛ دودھ لیکر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے، اور تھوڑا سا پانی ملاکر پیش کیا، آپ نے

پی کر فرمایا کہ "کیا ابھی چلنے کا وقت نہین آیا؟" آفتاب اب ڈھل چکا تھا، اسلیے آپ وہان سے روانہ ہوئے۔

قریش نے اشتہار دیا تھا کہ جو شخص محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائیگا اسکو ایک خونبہا کے برابر (یعنی سٹو اونٹ) انعام دیا جائیگا، سُراقہ بن جعشم نے سنا تو انعام کی امید مین نکلے، عین اس حالت مین کہ آپ روانہ ہو رہے تھے، اُسنے آپ کو دیکھ لیا اور گھوڑا دوڑا کر قریب آگیا، لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، وہ گر پڑا، ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیے یا نہین؟ جواب مین "نہین" نکلا لیکن سٹو اونٹون کا گرانبہا معاوضہ ایسا نہ تھا کہ تیر کی بات مان لی جاتی۔ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور آگے بڑھا۔ اب کی گھوڑے کے پانون گھٹنون تک زمین مین دھنس گئے، گھوڑے سے اُتر پڑا اور پھر فال دیکھی، اب بھی وہی جواب تھا، لیکن مکرر تجربہ نے اُسکی ہمت پست کر دی، اور یقین ہوگیا کہ یہ کچھ اور آثار ہین، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس آکر قریش کے اشتہار کا واقعہ سنایا اور درخواست کی کہ مجھکو امن کی تحریر لکھدیجیے حضرت ابوبکرؓ کے غلام، عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمانِ امن[۱] لکھدیا۔

حُسن اتفاق یہ کہ حضرت زبیرؓ شام سے تجارت کا سامان لیکر آرہے تھے، انھون نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت مین چند کپڑے پیش کیے، جو اس بے سروسامانی مین غنیمت تھے[۲]

ابن سعد نے طبقات مین اس مُقدّس سفر کی تمام منزلین گنائی ہین۔ اگرچہ عرب کے نقشون مین آج انکا نشان نہین ملتا، تاہم عقیدتمند صرف نام سے لذّت یاب ہو سکتے ہین۔ خرّار، ثنیّۃ المرۃ، لقف، مدلجہ، مرجح، حدائد، اذاخر، رابغ، (یہ مقام آج بھی حجاج کے رستہ مین آتا ہے، یہان آپ نے مغرب کی نماز پڑھی) ذوسلم، عثانیہ، فاحتہ، عرج، جدوات، رکوبہ، عقیق، جثجاثہ،

---

۱ یہ پوری تفصیل حرف بحرف صحیح بخاری، باب مناقب المہاجرین مین ہے، ہمنے تمام جزئیات اسلیے نقل کین کہ اس سے حضرت ابوبکرؓ کی صفائی پسندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ ۲ سراقہ بعد مین اسلام لائے، اور جب ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے زیورات لوٹ مین آئے تو حضرت عمرؓ نے انہی کو وہ زیورات پہنا کر عالم کی نیرنگی کا تماشا دیکھا۔

۳ صحیح بخاری، باب ہجرۃ النبی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پریشانی مین بھی دوات قلم ساتھ رہتا تھا۔

تشریف آوری کی خبر مدینہ مین پہلے پہنچ چکی تھی، تمام شہر ہمہ تن چشم انتظار تھا معصوم بچے فخر اور جوش مین کہتے پھرتے تھے کہ پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) آرہے ہین، لوگ ہر روز تڑکے سے نکل نکل کر شہر کے باہر جمع ہوتے اور دوپہر تک انتظار کر کے حسرت کے ساتھ واپس چلے آتے۔ ایکدن انتظار کر کے واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے قلعہ سے دیکھا، اور قرائن سے پہچان کر پکارا کہ "اہل عرب تم جس کا انتظار کرتے تھے وہ آگیا" تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اٹھا؛ انصار ہتیار سج سج کر بیتابانہ گھرون سے نکل آئے

مدینۂ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جو بالائی آبادی ہی اسکو عالیہ اور قبا، کہتے ہین، یہان انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے؛ انمین سب سے زیادہ ممتاز عمرو بن عوف کا خاندان تھا۔ اور کلثوم بن الہدم خاندان کے افسر تھے۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) یہان پونہچے تو تمام خاندان نے جوشِ مسرت مین اللہ اکبر کا نعرہ مارا؛ یہ فخر انکی قسمت مین تھا کہ میزبانِ دوعالم نے انہی کی مہمانی قبول کی؛ انصار ہر طرف سے جوق جوق آتے اور جوشِ عقیدت کے ساتھ سلام عرض کرتے؛

اکثر اکابرِ صحابہ، جو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے پہلے مدینہ مین آچکے تھے وہ بھی انہی کے گھر مین اُترے تھے؛ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ، مقداد، خبّاب، سہیل، صفوان، عیاض، عبداللہ بن مخرمة، وہب ابن سعد، معمر بن ابی سرح، عمیر بن عوف، اب تک انہی کے مہمان تھے[۱]؛

جناب امیر، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے روانہ ہونے کے تین دن بعد مکہ سے چلے تھے وہ بھی آگئے اور یہین ٹھہرے؛ تمام مؤرخین اور ارباب سیر لکھتے ہین کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے یہان صرف چار دن قیام فرمایا؛ لیکن صحیح بخاری مین چوّدہ دن ہی اور یہی قرینِ قیاس ہی؛

یہان آپکا پہلا کام مسجد کا تعمیر کرانا تھا؛ کلثوم کی ایک اُفتادہ زمین تھی؛ جہان کھجورین سکھلائی جاتی تھین یہین دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی؛ یہی مسجد ہی جسکی شان مین قرآن مجید مین ہی۔

---

[۱] صحیح بخاری صفحہ ۵۶۰، طبقات، جلد سیرت نبوی صفحہ ۱۵۸؛ [۲] ابن سعد تذکرۂ کلثوم بن ہدم

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۔

وہ مسجد جسکی بنیاد پہلے ہی دن پرہیزگاری پر رکھی گئی ہو وہ اسبات کی زیادہ مستحق ہو کہ تم اس مین کھڑے ہو اسمین ایسے لوگ ہین جنکو صفائی بہت پسند ہو اور خدا صاف رہنے والون کو دوست رکھتا ہو۔

مسجد کی تعمیر مین مزدورون کے ساتھ آپ خود بھی کام کرتے تھے۔ بھاری بھاری پتھرون کے اُٹھاتے وقت جسم مبارک خم ہو جاتا تھا، عقیدت مند آتے اور عرض کرتے کہ "ہمارے مان باپ آپ پر فدا ہون، آپ چھوڑ دین ہم اُٹھا لینگے"، آپ اُنکی درخواست قبول فرماتے لیکن پھر اسی وزن کا دوسرا پتھر اُٹھا لیتے[1]

عبداللہ بن رواحہ، شاعر تھے، وہ بھی مزدورون کے ساتھ شریک تھے، اور جس طرح مزدور کام کرنے کے وقت تھکن مٹانے کو گاتے جاتے ہین، وہ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے!۔

اَفْلَحَ مَنْ يُّعَالِجُ الْمَسَاجِدَا	وہ کامیاب ہو، جو مسجد تعمیر کرتا ہو!
وَيَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ قَائِمًا وَّقَاعِدًا	اور اُٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہو!
وَلَا يَبِيْتُ اللَّيْلَ عَنْهُ رَاقِدًا	اور رات کو جاگتا رہتا ہو!

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے[2]!

قبا مین آپ کا داخلہ، اسلام کے دور خاص کی ابتدا ہو! اسلیے مورخین نے اس تاریخ کو زیادہ اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا ہو! اکثر مورخین کا اتفاق ہو کہ یہ آٹھ ربیع الاول ۱۱؁ نبوی تھی، موسیٰ خوارزمی نے لکھا ہو کہ جمعرات کا دن، اور فارسی ماہ تیر کی چوتھی تاریخ، اور رومی ماہ ایلول ۹۳۲؁ اسکندری کی دسوین تاریخ تھی[3]۔ مورخ یعقوبی نے ہیئت دانون سے یہ زائچہ نقل کیا ہو!

آفتاب	برج سرطان مین	۲۳ درجہ ۶ دقیقہ پر
زحل	برج اسد مین	۲ درجہ

[1] وفاءالوفاء بحوالہ طبرانی کبیر، [2] وفاءالوفاء بحوالہ ابن شیبہ [3] عینی شرح بخاری جلد دوم صفحہ ۳۵۴،

مشتری	برج حوت مین	۶ درجہ
زحل	برج اسد مین	۱۳ درجہ
عطارد	برج اسد مین	۱۵ درجہ

چودہ[1] دن کے بعد (جمعہ[2] کو) آپ شہر کی طرف تشریف فرما ہوے (راہ مین بنی سالم کے محلہ مین نماز کا وقت آگیا، جمعہ کی نماز یہین ادا فرمائی۔ نماز سے پہلے خطبہ دیا۔ یہ تاریخ اسلام مین سب سے پہلی نماز جمعہ اور سب سے پہلا خطبۂ نماز تھا، لوگون کو جب تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو ہر طرف سے لوگ جوش مسرت سے پیشقدمی کے لیے دوڑے) آپ کے ننہالی رشتہ دار بنو نجار ہتیار سج سج کر آئے۔ قبا سے مدینہ تک دو رویہ جان نثار ون کی صفین تھین؛ راہ مین انصار کے خاندان آتے تھے، ہر قبیلہ سامنے آکر عرض کرتا "حضور! یہ گھر ہی، یہ مال ہی، یہ جان ہی" آپ منّت کا اظہار فرماتے اور دعاے خیر دیتے شہر قریب آگیا تو جوش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خاتونین چھتون پر نکل آئین، اور گانے لگین،

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا	چاند نکل آیا ہی؛
مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ	کوہِ وداع کی گھاٹیون سے؛
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا	ہمپر خدا کا شکر واجب ہی؛
مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ	جبتک دعا مانگنے والے دعا مانگین؛

معصوم لڑکیان دف بجا بجا کر گاتی تھین؛

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ	ہم خاندان نجار کی لڑکیان ہین

---

(1) یہ طبری کی روایت ہی جو اگر صحیح ہے تو خوارزمی کا بیان صحیح نہین۔)

(2) یہ واقعہ بخاری کے متعدد ابواب "مسجد ہجرت" وغیرہ مین مذکور ہی؛ (3) وفاء الوفا جلد اول صفحہ ۱۸۰، پہلے اشعار کے متعلق زرقانی مین نہایت محققانہ، محدثانہ بحث کی ہی اور ابن قیم کے اس اعتراض کا جواب دیا ہی کہ ثنیۃ الوداع شام کی طرف ہی، نہ کہ مکہ کی طرف۔ مواہب مین لکھا ہی کہ یہ اشعار حلوانی نے شیخین کی شرط پر روایت کئے ہین۔ بخاری مین بھی یہ اشعار منقول ہین مگر غزوہ تبوک کے موقع پر لیکن ان دونون روایتون مین کچھ تناقض نہین۔ ممکن ہی دونون موقعون پر یہ اشعار پڑھے گئے ہون۔

يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارٍ — محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اچھا ہمسایہ ہو

آپ نے ان لڑکیون کی طرف خطاب کرکے فرمایا "کیا تم مجھکو چاہتی ہو؟" بولین ہان " فرمایا کہ "مین بھی تمکو چاہتا ہون!"

جہان اب مسجد نبوی ہو' اُس سے متصل حضرت ابوایوب انصاری کا گھر تھا' گو کہ نبوی یہان پونچھا' سخت کشمکش تھی کہ آپ کی میزبانی کا شرف کس کو حاصل ہو' قرعہ ڈالا گیا اور آخر یہ دولت حضرت ابوایوب[1] کے حصہ مین آئی۔

حضرت ابوایوبؓ کا مکان دو منزلہ تھا' انھون نے بالائی منزل پیش کی' لیکن آپنے زائرین کی آسانی کے لیے نیچے کا حصہ پسند فرمایا' ابوایوب دو وقتہ آپکی خدمت مین کھانا بھیجتے' اور آپ جو چھوڑ دیتے' ابوایوب اور اُنکی زوجہ کے حصہ مین آتا' کھانے مین جہان حضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی انگلیون کا نشان پڑا ہوتا' ابوایوب بھی تبرکاً وہین انگلیان ڈالتے؛

ایک دن اتفاق سے بالائی منزل مین پانی کا برتن ٹوٹ گیا' اندیشہ ہوا کہ پانی بہ کر نیچے جائے اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو تکلیف ہو' گھر مین اوڑھنے کا صرف ایک لحاف تھا' حضرت ابوایوب نے اُسکو ڈالدیا کہ پانی جذب ہو کر رہجائے[2]؛

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سات مہینہ تک یہین قیام فرمایا' اس اثنا مین جب مسجد نبوی اور آس پاس کے حجرے طیار ہو گئے' تو آپنے نقل مکان فرمایا' تفصیل آگے آتی ہو؛

مدینہ مین آکر آپ نے حضرت زید کو' دو اونٹ اور پانسو درہم دیکر بھیجا کہ مکہ جا کر صاحبزادیون اور حرم نبوی کو لے آئین' حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبد اللہ بھی ساتھ گئے۔ صاحبزادیون مین

---

[1] ابوایوب کا نام خالد ہو' اصابہ فی احوال الصحابہ مین اسی نام سے انکا ذکر کیا ہو اور وہین یہ واقعہ لکھا ہو؛ اکثر سیر اور تواریخ کی کتابون مین لکھا ہو کہ چونکہ ہر شخص اپنے گھر مین اُتارنے کی درخواست کرتا تھا' آپنے فرمایا کہ "میرے ناقہ کو چھوڑ دو' وہ خدا کی طرف سے مامور ہو" چنانچہ ناقہ حضرت ابوایوب کے گھر کے سامنے جا کر بیٹھ گیا' اسلیے آپ نے انھی کے گھر پر قیام فرمایا' لیکن صحیح مسلم باب الہجرۃ مین ہو کہ جب لوگون مین آپکی میزبانی کے متعلق جھگڑا ہوا تو آپ نے کہا کہ مین بنو نجار کے ہان اترون گا جو عبد المطلب کے ماموں تھے' اس سے ثابت ہوتا ہو کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عمداً ایسا کیا تھا' حضرت ابوایوب اسی خاندان سے تھے۔ امام بخاری نے تاریخ صغیر مین تصریح کی ہو کہ ابوایوب کے گھر اترنا' اسی قرابت کی وجہ سے تھا

[2] اصابہ' ذکر ابوایوب' اور زرقانی بحوالہ قاضی ابویوسف وحاکم و وفاء الوفاء۔

سے بڑی، رقیہ حضرت عثمان کے ساتھ حبش مین تھین، زینب کو انکے شوہر نے آنے نہ دیا؛ زید حضرت حضرت فاطمہ زہرا، اور حضرت سودہ (زوجہ محترم نبوی) کو لیکر آئے، حضرت عایشہ اپنے بھائی عبداللہ کے ساتھ آئین[۱]۔

مسجد نبوی اور ازواج مطہرات کے حجرون کی تعمیر

مدینہ مین قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانۂ خدا کی تعمیر تھی، اب تک یہ معمول تھا کہ مویشی خانہ مین آپ نماز پڑھا کرتے تھے، دولت کدہ کے قریب خاندان نجار کی زمین تھی جس مین کچھ قبرین تھین، کچھ کھجور کے درخت تھے، آپ نے ان لوگون کو بلا کر فرمایا کہ "مین یہ زمین بقیمت لینا چاہتا ہون" وہ بولے کہ "ہم قیمت لینگے لیکن آپ سے نہین بلکہ خدا سے" چونکہ اصل مین وہ زمین دو یتیم بچّون کی تھی۔ آپ نے خود اُن یتیمون کو بلا بھیجا، ان یتیم بچون نے بھی اپنی کائنات نذر کرنی چاہی لیکن آپ نے گوارا نہ کیا۔ حضرت ابوایوب نے قیمت ادا کی، قبرین اُکھڑوا کر زمین ہموار کر دی گئی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی، شہنشاہِ دوعالم، پھر مزدورون کے لباس مین تھا۔ صحابہ پتھر اُٹھا اُٹھا کر لاتے تھے اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے، آنحضرت بھی ان کے ساتھ آواز ملاتے اور فرماتے[۲]،

اللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃ	اے خدا! کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے،
فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃ	اے خدا! مہاجرین اور انصار کو بخش دے،

یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی، یعنی کچی اینٹون کی دیوارین، برگ خرما کا چھپّر، کھجور کے ستون تھے۔ قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا۔ لیکن جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہو گیا تو شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کر دیا گیا، فرش چونکہ بالکل خام تھا، بارش مین کیچڑ ہو جاتی تھی، ایک دفعہ صحابہ نماز کے لیے آئے تو کنکریان لیتے آئے اور اپنی اپنی نشستگاہ پر بچھا لین، آنحضرت نے پسند فرمایا اور سنگریزون کا فرش بنوا دیا۔ مسجد کے ایک سرے پر ایک مُسقّف چبوترہ تھا جو صُفّہ کہلاتا تھا۔ یہ اُن لوگون کے لیے تھا جو اسلام لاتے تھے اور گھر بار نہین رکھتے تھے۔ مسجد نبوی جب تعمیر ہو چکی تو مسجد سے متصل ہی آپ نے ازواجِ مُطہرات کے لیے مکان بنوائے۔

[۱] ابن سعد، [۲] بخاری باب المساجد و باب الہجرۃ و ج دباب البیوع؛ و عینی شرح بخاری جلد ۴ صفحہ ۲۵۰ و زرقانی،

اسوقت تک حضرت سودہ اور حضرت عائشہ عقد نکاح مین آچکی تھین، اسلیے [1] دو ہی حجرے بنے، جب اور ازواج آتی گیئن تو اور مکانات بنتے گئے۔ یہ مکانات کچی اینٹون کے تھے، انمین سے پانچ کھجور کی ٹٹیون سے بنے تھے، جو حجرے اینٹون کے تھے، انکے اندرونی حجرے بھی ٹٹیون کے تھے، ترتیب یہ تھی کہ حضرت ام سلمہ، ام حبیبہ، زینب، جویریہ، میمونہ، زینب بنت حجش کے مکانات شامی جانب تھے اور حضرت عائشہ، صفیہ، سودہ، مقابل جانب تھین [2] یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ جب آپ مسجد مین اعتکاف مین ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے، اور ازواج مطہرات گھر مین بیٹھے بیٹھے آپکے بال دھو دیتی تھین؛

یہ مکانات چھ چھ، سات سات ہاتھ چوڑے، اور دس دس ہاتھ لانبے تھے، چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا، دروازون پر کمل کا پردہ پڑا رہتا تھا [3]، راتون کو چراغ نہین جلتے تھے [4]

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ہمسایہ مین جو انصار رہتے تھے، انمین سعد بن عبادہ، سعد بن معاذ، عمارہ بن حزم، اور ابو ایوب، رئیس اور دولتمند تھے۔ یہ لوگ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین دودھ بھیجدیا کرتے تھے اور اسی پر آپ بسر فرماتے تھے، سعد بن عبادہ نے التزام کر لیا تھا کہ رات کے کھانے پر ہمیشہ اپنے ہان سے ایک بڑا بادیہ بھیجا کرتے تھے جسمین کبھی سالن، کبھی دودھ، کبھی گھی ہوتا تھا [4]۔ حضرت انس کی مان ام انس نے اپنی جائداد آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین پیش کی، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے قبول فرما کر اپنی دایہ ام ایمن کو دیدیا [5]، اور خود فقر و فاقہ اختیار فرمایا۔

اذان کی ابتدا اور رکعات نماز

اسلام کے تمام عبادات کا اصلی مرکز وحدت واجتماع ہی، اس وقت تک کسی خاص علامت کے نہ ہونے کی وجہ سے نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ لوگ آگے پیچھے آتے اور

---

[1] طبقات ابن سعد جلد سیرت نبوی، صفحہ ۱۶۱؛ [2] منازل نبوی کا حال، طبقات ابن سعد جز ۶، صفحہ ۱۱۷؛ اور وفاء الوفا مین تفصیلاً ہی۔ [3] بخاری، باب الصلوۃ علی الفراش؛ [4] طبقات ابن سعد جلد کتاب النساء، صفحہ ۱۱۶؛ [5] صحیح بخاری صفحہ ۳۵۸، باب فضل المنیحہ۔

جو جس وقت آتا نماز پڑھ لیتا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو یہ پسند نہ تھا، آپ نے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کر دیئے جائیں جو وقت پر لوگون کو گھرون سے بُلا لائیں لیکن اس مین زحمت تھی، صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا، لوگون نے مختلف رائین دین، کسی نے کہا نماز کے وقت مسجد پر ایک علم کھڑا کر دیا جائے لوگ دیکھ دیکھکر آتے جائینگے، آپ نے، یہ طریقہ ناپسند فرمایا، عیسائیون اور یہودیون کے ہان اعلان نماز کے جو طریقے ہین وہ بھی آپ کی خدمت مین عرض کیے گئے لیکن آپنے حضرت عمرؓ کی راے پسند کی اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ اذان دین، اس سے ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہو جاتی تھی۔ دوسری طرف دن مین پانچ دفعہ دعوتِ اسلام کا اعلان ہو جاتا تھا۔

صحاح ستہ کی بعض کتابون مین ہے کہ اذان کی تجویز عبد اللہ بن زید نے پیش کی تھی جو انھون نے خواب مین دیکھی تھی، ایک اور روایت مین ہے کہ حضرت عمر کو بھی خواب مین توارُد ہوا لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ مین کسی روایت کو ترجیح نہین دیجا سکتی۔

بخاری مین صاف تصریح ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے سامنے بوق۔ اور ناقوس کی تجویزین پیش کی گئین لیکن حضرت عمرؓ نے اذان کی تجویز پیش کی، اور آپنے اسکے موافق حضرت بلال کو بلا کر اذان کا حکم دیا۔ خواب کا ذکر نہین۔

مواخاۃ مہاجرین، مکہ معظمہ سے بالکل بے سروسامان آئے تھے، گو ان مین دولتمند اور خوشحال بھی تھے لیکن کافرون سے چھپ کر نکلے تھے اسلیے کچھ ساتھ نہ لا سکے تھے۔

اگرچہ مہاجرین کے لیے **انصار** کا گھر مہمانخانۂ عام تھا تاہم ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی، مہاجرین نذر اور خیرات پر بسر کرنا پسند نہین کرتے تھے، وہ دست و بازو سے کام لینے کے خوگر تھے۔ تاہم چونکہ بالکل نگھرے تھے اور ایک حبّہ تک پاس نہ تھا اسلیے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خیال فرمایا کہ انصار

۱؎ ابو داؤد باب بدء الاذان و بخاری باب الاذان، بخاری مین زید کے واقعہ کا ذکر نہین،

اور اُن مین رشتۂ اخوت قائم کردیا جائے جب مسجد کی تعمیر قریب ختم ہوئی تو آپ نے انصار کو طلب فرمایا۔ حضرت انس بن مالک جو اُسوقت دَہ سالہ تھے، اُن کے مکان مین لوگ جمع ہوئے۔ مہاجرین کی تعداد پینتالیس تھی، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے انصار کی طرف خطاب کرکے فرمایا "یہ تمھارے بھائی ہین" پھر مہاجرین اور انصار مین سے دو دو شخص کو بلاکر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو، اور اب وہ درحقیقت بھائی بھائی تھے۔ انصار نے مہاجرین کو ساتھ لیجاکر گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ دیدیا کہ آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہی۔ سعد بن الربیع، جو عبدالرحمن بن عوف کے بھائی قرار پائے تھے، اُنکی دو بیویان تھین عبدالرحمن سے کہاکہ ایک کو مین طلاق دیدیتا ہون آپ اس سے نکاح کرلیجیے، لیکن انھون نے احسانمندی کے ساتھ انکار کیا[1]،

انصار کا مال و دولت جو کچھ تھا نخلستان تھے۔ روپے پیسے تو اُس زمانہ مین تھے نہین[2]۔ اُنھون نے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) سے درخواست کی کہ یہ باغ ہمارے بھائیون مین برابر تقسیم کردیے جائین، مُہاجرین تجارت پیشہ تھے اور اس وجہ سے کھیتی کے فن سے بالکل ناآشنا تھے، اس بنا پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انکی طرف سے انکار کیا، انصار نے کہا سب کاروبار ہم خود انجام دے لین گے جو کچھ پیداوار ہوگی اُس مین نصف حصّہ مہاجرین کا ہوگا۔ مہاجرین نے اس کو منظور کیا[3]۔

یہ رشتہ بالکل حقیقی رشتہ بنگیا، کوئی انصاری مرتا تھا تو اُسکی جائداد اور مال، مہاجر کو ملتا تھا اور بھائی بند محروم رہتے۔ یہ اس فرمان الٓہی کی تعمیل تھی،

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا	جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی، اور خدا کی راہ مین
بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	مال وجان سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنھون نے ان لوگون کو
وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُھُمْ	پناہ دی اور ان کی مدد کی۔ یہ لوگ باہم بھائی

[1] مواخاۃ کا ذکر اور ایک ایک کا نام ابن ہشام صفحہ ۱۰۰ میں ہے، حضرت عبدالرحمن بن عوف کا واقعہ صحیح بخاری، کتاب المناقب باب اخاء النبی میں ہے
[2] صحیح بخاری صفحہ ۳۱۳ - [3] صحیح بخاری صفحہ ۳۱۲، [4] صحیح بخاری، کتاب التفسیر آیہ واولوا الارحام بعضہم اولیٰ ببعض

اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ (انفال رکوع آخر) بھائی ہین۔

جنگِ بدر کے بعد جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت اُتری۔

وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ ارباب قرابت ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہین۔

اُس وقت سے یہ قاعدہ جاتا رہا چنانچہ کتب تفسیر و حدیث مین بہ تصریح مذکور ہے۔

سنہ۴ھ مین بنو نضیر جب جلاوطن ہوے، اور ان کی زمین اور نخلستان قبضہ مین آئے تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ "مہاجرین نادار ہین، اگر تمھاری مرضی ہو تو نئے مقبوضات تنہا انکو دیدیے جائین اور تم اپنے نخلستان واپس لیلو" انصار نے عرض کی کہ نہین ہمارے نخلستان بھائیون ہی کے قبضہ مین رہنے دیجیے، اور نئے بھی انہی کو عنایت فرمائیے[1]۔

دنیا انصار کے اس ایثار پر ہمیشہ ناز کریگی، لیکن یہ بھی دیکھو کہ مہاجرین نے کیا کیا؟ سعد بن الربیع نے جب عبدالرحمن بن عوف کو ایک ایک چیز کا جائزہ دیکر نصف لے لینے کی درخواست کی تو انھون نے کہا "خدا یہ سب آپکو مبارک کرے۔ مجھکو صرف بازار کا راستہ بتا دیجیے" انھون نے قینقاع کا، جو مشہور بازار تھا، جا کر راستہ بتا دیا، انھون نے کچھ گھی کچھ پنیر خریدا، اور شام تک خرید و فروخت کی، چند روز مین اتنا سرمایہ ہو گیا کہ شادی[2] کرلی، رفتہ رفتہ ان کی تجارت کو یہ ترقی ہوئی کہ خود انکا قول تھا کہ خاک پر ہات ڈالتا ہون تو سونا بنجاتی ہے۔ انکا اسباب تجارت سات سات سو اونٹون پر لد کر آتا تھا، اور جس دن مدینہ مین پہنچتا، تمام شہر مین دھوم مچ جاتی تھی[3]۔

بعض صحابہ نے دکانین کھول لین حضرت ابوبکر کا کارخانہ، مقام سنح مین تھا، جہان وہ کپڑے

---

[1] فتوح البلدان، مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۲۰،

[2] صحیح بخاری مین دو مختلف موقعون پر یہ واقعہ مذکور ہے،

[3] اصابہ وغیرہ مین یہ واقعہ مذکور ہے،

کی تجارت کرتے تھے[1] حضرت عثمان بنو قینقاع کے بازار مین کھجور کی خرید و فروخت کرتے تھے[2] حضرت عمر بھی تجارت مین مشغول ہو گئے تھے[3] اور شاید ان کی اس تجارت کی وسعت ایران تک پہنچ گئی تھی[4] اور صحابہ نے بھی اسی قسم کی چھوٹی بڑی تجارت شروع کر دی تھی صحیح بخاری مین روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ پر لوگون نے جب کثرتِ روایت کی بنا پر اعتراض کیا کہ اور صحابہ تو اس قدر روایت نہین کرتے تو انھون نے کہا "اس مین میرا کیا قصور ہے، اور لوگ بازار مین تجارت کرتے تھے اور مین رات دن بارگاہ نبوت مین حاضر رہتا تھا۔"

پھر جب خیبر فتح ہوا تو تمام مہاجرین نے یہ نخلستان، انصار کو واپس کر دیے صحیح مسلم باب الجہاد مین ہے،

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما فرغ من قتال اھل خیبر وانصرف الی المدینۃ رد المھاجرون الی الانصار منائحھم التی کانوا منحوھم من ثمارھم

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب جنگ خیبر سے فارغ ہوئے اور مدینہ واپس آئے تو مہاجرین نے انصار کے عطیے جو نخلستان کی صورت مین تھے، واپس کر دیئے۔

مہاجرین کے لیے مکانات کا یہ انتظام ہوا کہ انصار نے اپنے گھرون کے آس پاس جو افتادہ زمینین تھین اُن کو دیدین، اور جنکے پاس زمین نہ تھی انھون نے اپنے مسکونہ مکانات دیدیے، سب سے پہلے حارثہ بن نعمان نے اپنی زمین پیش کی، بنو زہرہ، مسجد نبوی کے عقب مین آباد ہوئے، عبدالرحمن بن عوف نے یہان ایک قلعہ (جسکو گڑھی کہنا زیادہ موزون ہوگا) بنوایا حضرت زبیر بن العوام کو ایک وسیع زمین ہات آئی حضرت عثمان، مقداد، عبید، کو انصار نے اپنے مکانات کے پہلو مین زمینین دین[5]۔

مُواخاۃ کے رشتہ سے، جو لوگ آپس مین بھائی بھائی بنے، ان مین سے بعض حضرات کے نام یہ ہین[6]۔

۱؎ ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۳۰ ۔ ۲؎ مسند امام حنبل جلد ۱ صفحہ ۶۲ ۔ ۳؎ مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۴۰۰ ۔ ۴؎ ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۴۷ ،
۵؎ یہ پوری تفصیل معجم البلدان مدینہ منورہ کے ذکر مین ہے ۶؎ یہ تفصیل ابن ہشام صفحہ ۱۷۹ مین ہے،

مہاجرین	انصار
حضرت ابوبکرؓ،	خارجہؓ بن زید انصاری،
حضرت عمرؓ،	عِتبانؓ بن مالک انصاری،
حضرت عثمانؓ،	اَوسؓ بن ثابت انصاری،
حضرت ابوعبیدہؓ جَرّاحؓ،	سعدؓ بن معاذ انصاری،
حضرت زبیر بن العوامؓ	سلامہ بن وقشؓ،
مصعب بن عمیرؓ	ابوایوبؓ انصاری،
عَمّار بن یاسرؓ،	حذیفہ بن یمانؓ،
ابوذر غِفاریؓ	منذر بن عمروؓ،
سلمان فارسیؓ	ابودرداؓ،
حضرت بلالؓ	ابورویحہؓ،
ابوحذیفہؓ بن عُتبہ بن ربیعہ،	عباد بن بشرؓ،
سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نفیل،	اِبی بن کعبؓ،

مُواخات کا رشتہ، بظاہر ایک عارضی ضرورت کے لیے قائم کیا گیا کہ بے خانماں مہاجرین کا چند روزہ انتظام ہو جائے لیکن درحقیقت یہ عظیم الشان اغراض اسلامی کی تکمیل کا سامان تھا۔ اسلام، تہذیبِ اخلاق وتکمیل فضائل کی شاہنشاہی ہے۔ اس سلطنتِ آلٰہی کے لیے وُزرائ، اربابِ تدبیر، سپہ سالارانِ لشکر، ہر قابلیت کے لوگ درکار ہین، شرفِ صحبت کی برکت سے مُہاجرین مین ان قابلیتون کا ایک گروہ طیار ہو چکا تھا، اور اُن مین یہ وصف پیدا ہو چکا تھا کہ انکی درسگاہِ تربیت سے اور ارباب استعداد بھی تربیت پا کر نکلین، اس بنا پر جن لوگون مین رشتۂ اخوت قائم کیا گیا ان مین اس

بات کا لحاظ رکھا گیا کہ اُستاد اور شاگرد مین وہ اتحادِ مذاق موجود ہو جو تربیت پذیری کے لیے ضرور ہی تفحص اور استقصا سے معلوم ہوتا ہی کہ جو شخص جسکا بھائی بنایا گیا۔ دونون مین یہ اتحادِ مذاق ملحوظ رکھا گیا، اور جب اس بات پر لحاظ کیا جاے کہ اتنی کم مدت مین سیکڑون اشخاص کی طبیعت او فطرت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا، قریباً ناممکن ہی تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ شانِ نبوت کی خصوصیات مین سے ہی۔

حضرت **سعید بن زید** عشرۂ بشرہ مین ہین اُنکے والد زید آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی بعثت سے پہلے ملت ابراہیمی کے پیرو ہو چکے تھے اور گویا اسلام کے مقدمۃ الجیش تھے، سعید نے اُنہی کے دامن تربیت مین پرورش پائی تھی اسلیے اسلام کا نام سُننے کے ساتھ انھون نے لبیک کہا، انکی مان بھی اُنکے ساتھ یا انسے پہلے اسلام لائین، حضرت عمر اُنہی کے گھر مین اور انہی کی ترغیب سے اسلام کی طرف مائل ہوئے تھے علم و فضل کے لحاظ سے فُضلائے صحابہ مین تھے اُنکی اُخوت **اُبی بن کعب** سے قائم کی گئی جنھون نے یہ مرتبہ حاصل کیا کہ حضرت عمر انکو سید المسلمین کہتے تھے، بارگاہِ نبوت مین منصب انشا پر سب سے پہلے وہی ممتاز ہوے، فن قرأت کے وہ امام تسلیم کیے جاتے ہین[1]۔

حضرت **ابو خدیفہ**، عتبہ بن ربیعہ کے فرزند تھے جو قریش کا رئیس اعظم تھا، اس مناسبت سے انکو عباد بن بشیر کا بھائی بنایا گیا جو قبیلۂ اشہل کے سردار تھے۔

حضرت **ابو عبیدہ جراح**، جنکو رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے امین الامۃ کا خطاب دیا تھا، ایک طرف تو فاتح شام ہونے کی قابلیت رکھتے تھے، دوسری طرف اسلام کے مقابلہ مین پدری اور فرزندی جذبات اُنپر کچھ اثر نہین کر سکتے تھے، چنانچہ غزوۂ بدر مین جب اُنکے باپ اُنکے مقابلہ مین آئے تو انھون نے پہلے حقوق اُبوت کی مراعات کی لیکن بالآخر اسلام پر باپ کو نثار کر دینا پڑا، انکی تربیت مین **سعد بن معاذ** دیے گئے، جو قبیلۂ اوس کے رئیس اعظم تھے، اُنمین بھی ایثار کا یہ وصف نمایان طور پر نظر آتا ہی،

---

[1] اصابہ، ذکر ابی کعب،

بنو قریظہ انکے حلیف تھے اور عرب مین حلیف کا رشتہ اُخوت اور اُبوت کے برابر ہوتا تھا تاہم غزوۂ بنی قریظہ مین جب اسلام کا مقابلہ پیش آیا تو انھون نے اپنے چارسو حلیفون کو اسلام پر نثار کر دیا۔

حضرت بلال اور ابورویحہ، سلمان فارسی اور ابودردا، عمار بن یاسر اور خدیفہ بن یمان، مصعب اور ابوایوب، مین وہ وحدت موجود تھی جسکی بدولت نہ صرف شاگرد، بلکہ استاد بھی شاگرد سے اثر پذیر ہوسکتا تھا، حضرت عبد الرحمن بن عوف مدینہ مین آئے تو بے نیر سر پر رکھکر بیچتے تھے۔ سعد ابن الربیع کی صحبت مین جو امیر الامرا تھے، دولت اور امارت کے جس درجہ پر پونچے ہم اوپر لکھ آئے ہین۔

انصار نے مُہاجرین کی مہمانی اور ہمدردی کا جو حق ادا کیا، دنیا کی تاریخ مین اسکی نظیر نہین ملسکتی۔ بحرین جب فتح ہوا تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے انصار کو بلاکر فرمایا کہ "مین اسکو انصار مین تقسیم کر دینا چاہتا ہون" انھون نے عرض کی کہ "پہلے ہمارے بھائی مہاجرون کو اتنی ہی زمین عنایت فرمایئے، تب ہم لینا منظور کرینگے[1]۔

ایک دفعہ ایک فاقہ زدہ شخص آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین آیا کہ سخت بھوکا ہون، آپ نے گھر مین دریافت فرمایا کہ کچھ کھانے کو ہی؟ جواب آیا کہ "صرف پانی" آپ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا "کوئی ہی؟ جو انکو آج اپنا مہمان بنائے"۔ ابوطلحہؓ نے عرض کی "مین حاضر ہون" غرض وہ اپنے گھر لے گئے لیکن وہان بھی برکت تھی۔ بیوی نے کہا صرف بچّون کا کھانا موجود ہی، انھون نے بیوی سے کہا، چراغ بجھادو، اور وہی کھانا، مہمان کے سامنے لاکر رکھدو، تینون ساتھ کھانے پر بیٹھے، میان بیوی بھوکے بیٹھے رہے اور اس طرح ہاتھ چلاتے رہے کہ گویا کھارہے ہین، اسی واقعہ[2] کے بارہ مین یہ آیت اُتری ہی۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ — اور گو ان کو خود تنگی ہوتا ہم اپنے اوپر دوسرونکو

[1] صحیح بخاری، فضائل انصار۔ [2] صحیح بخاری، و فتح الباری، فضائل انصار،

وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ترجیح دیتے ہین۔

صفہ اور اصحاب صفہ

اصحاب صُفّہ اسلامی لغۃ کا ایک متداول لفظ ہے گو اسکی حقیقت سے لوگ اچھی طرح واقف نہین۔

صُفّہ، سائبان کو کہتے ہین، یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبوی کے ایک کنارہ پر مسجد سے ملا ہوا طیار کیا گیا تھا۔ صحابہ مین سے اکثر تو مشاغل دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی تجارت یا زراعت وغیرہ بھی کرتے تھے لیکن چند لوگون نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت صلعم کی تربیت پذیری پر نذر کر دی تھی، ان لوگون کے بال بچے نہ تھے، اور جب شادی کر لیتے تھے، تو اس حلقہ سے نکل آتے تھے۔ ان مین ایک ٹولی دن کو جنگل سے لکڑیان چُن لاتی اور بیچ کر اپنے بھائیون کے لیے کچھ کھانا مُہیا کرتی۔

یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت مین حاضر رہتے اور حدیثین سنتے اور رات کو اسی چبوترہ (صفہ) پر پڑ رہتے حضرت ابوہریرہ بھی انہی لوگون مین تھے۔ ان مین سے کسی کے پاس، چادر اور تہمد دونون چیزین کبھی ساتھ مُہیا نہ ہو سکین۔ چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے کہ رانون تک لٹک آتی۔ اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخین توڑ کر لاتے اور چھت مین لگا دیتے۔ کھجورین جو ٹپک ٹپک کر گرتین، یہ اُٹھا کر کھا لیتے کبھی دو دو دن کھانے کو نہین ملتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) مسجد مین تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے، یہ لوگ آکر شریک نماز ہوتے لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت مین گر پڑتے باہر کے لوگ آتے اور ان کو دیکھتے تو سمجھتے کہ دیوانے ہین[1]۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس جب کہین سے کوئی صدقہ کا کھانا آتا تو مُسَلَّم انکے پاس بھیجدیتے، اور جب دعوت کا کھانا آتا تو انکو بلا لیتے اور انکے ساتھ بیٹھکر کھاتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ راتون کو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) ان کو مہاجرین اور انصار پر تقسیم کر دیتے یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور ان کو

[1] صحیح ترمذی، باب معیشۃ النبی صلعم،

کھانا کھلائے۔

حضرت سعد بن عبادہ نہایت فیاض اور دولتمند تھے، وہ کبھی کبھی اسّی اسّی مہمانون کو اپنے ساتھ لیکر جاتے[۱] آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگون کا اسقدر خیال رکھتے تھے کہ جب ایک دفعہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے فاطمہ زہرا نے درخواست کی کہ میرے ہاتھون مین چکّی پیستے پیستے نیل پڑ گئے ہین مجھکو ایک کنیز عنایت ہو، تو فرمایا کہ "یہ نہین ہوسکتا کہ مین تمکو دون اور صفہ والے بھوکون مرین[۲]"۔ راتون کو عموماً یہ لوگ عبادت کرتے اور قرآن مجید پڑھا کرتے انکے لیے ایک معلّم مقرر تھا اسکے پاس جاکر پڑھتے[۳]، اسی بناپر ان مین سے اکثر قاری کہلاتے تھے، دعوت اسلام کے لیے کہین بھیجنا ہوتا تو یہ لوگ بھیجے جاتے تھے۔ غزوۂ معونہ مین انہی مین سے ستّر آدمی اسلام سکھانے کے لیے بھیجے گئے تھے۔

انکی تعداد گھٹتی اور بڑھتی رہتی تھی۔ کُل مجموعی تعداد ۴۰۰ تک پہنچی تھی، لیکن کبھی ایک زمانہ مین اسقدر تعداد نہین ہوئی۔ نہ صفہ مین اسقدر گنجایش تھی، ان لوگون کا مفصل[۴] حال ابن الاعرابی احمد بن محمد البصری المتوفی ۳۴۰ھ (جو ابن مندہ کے استاد تھے) نے ایک الگ تصنیف مین لکھا ہی، سلمی نے بھی انکے حالات مین ایک الگ کتاب لکھی[۵] ہے

مدینہ کے یہود اور اُنسے معاہدہ

مؤرخینِ عرب کا بیان ہی کہ مدینہ کے یہود، نسلاً یہودی تھے اور اس تقریب سے عرب مین آئے تھے کہ حضرت موسےٰ (علیہ السلام) نے انکو عمالقہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا تھا لیکن تاریخی قرائن سے اسکی تصدیق نہین ہوتی، یہود گو تمام دنیا مین پھیلے لیکن انھون نے اپنے نام کہین نہین بدلے، آج بھی وہ جہان ہین، اسرائیلی نام رکھتے ہین۔ بخلاف اس کے عرب کے یہودیون کے نام نضیر، قینقاع

---

۱ زرقانی، ذکر اصحاب صفہ و مسجد نبوی۔ ۲ زرقانی، ذکر اصحاب صفہ۔ ۳ مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۳۷، ۴ (حافظ سیوطی نے دو صفحہ کا ایک رسالہ اصحاب صفہ کے نام مین لکھا ہی اس رسالہ مین ۱۰۱ آدمیون کے نام بہ ترتیب ہجا مذکور ہین۔) ۵ اصحاب صفہ کا حال بخاری باب المغازی وغیرہ۔ اور صحیح مسلم مین جستہ جستہ مذکور ہی۔ زرقانی نے اور کتابون سے لیکر اضافہ کیا ہی مین نے یہ واقعات بخاری و مسلم کے علاوہ زرقانی ہی کے حوالہ سے لکھے ہین (نیز مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۳۷ مین بھی ہین)

مرحب، حارث وغیرہ ہوتے تھے جو خالص عربی نام ہین۔ یہود عموماً بزدل، اور دنی الطبع ہوتے ہین چنانچہ جب حضرت موسےؑ نے اِن سے لڑنے کے لیے کہا تو بولے،

اِذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا ھٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (مائدہ) — تم مع اپنے خدا کے جاؤ اور لڑو۔ ہم یہان بیٹھے رہین گے،

بخلاف اِسکے، مدینہ کے یہود، نہایت دلیر، شجاع، اور بہادر تھے۔

اِن قرائن عقلی کے علاوہ ایک بڑے مؤرخ (یعقوبی) نے صاف تصریح کی ہو کہ قریظہ اور نضیر، عرب تھے جو یہودی بنگئے تھے۔

ثُمَّ كَانَتْ وَقْعَةُ بَنِي النَّضِيرِ وَهُمْ فَخِذٌ مِنْ جُذَامٍ، اِلَّا اَنَّهُمْ تَهَوَّدُوْا * * * * وَكَذٰلِكَ قُرَيْظَةُ — پھر بنو نضیر کا معرکہ ہوا، یہ قبیلۂ جذام کا ایک خاندان تھا۔ لیکن یہودی ہو گیا تھا۔ اور اسی طرح قریظہ بھی۔

مؤرخ مسعودی نے بھی کتاب الاشراف والتنبیہ مین ایک روایت لکھی ہو کہ "یہ جذام کے قبیلہ سے تھے۔ کسی زمانہ مین عمالقہ سے اور اُنکی بت پرستی سے بیزار ہو کر حضرت موسےؑ پر ایمان لائے، اور شام سے نقل مکان کر کے حجاز چلے آئے"۔

یہ تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر، اور بنو قریظہ، مدینہ کے اطراف مین آباد تھے، اور مضبوط برج اور قلعے بنا لیے تھے۔

انصار کے جو دو قبیلے تھے، یعنی اوس، اور خزرج، انمین باہم جو اخیر معرکہ ہوا تھا (جنگ بعاث) اُسنے انصار کا زور بالکل توڑ دیا تھا۔ یہود اِس مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے کہ انصار باہم کبھی متحد نہ ہونے پائین۔

۱؎ مسٹر مرگولیس نے یہود کے متعلق تفصیل سے محققانہ بحث کی ہو، انکا میلان رایہ ہو، اور غالباً صحیح ہے کہ یہودیون کی اس بڑی آبادی مین ایک دو خاندان اصلی یہودی بھی تھے، عرب جو یہودی ہوتے گئے وہ بھی انمین شامل ہوتے گئے ۲؎ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۹ ۳؎ مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۴۷۔

ان اسباب کی بناپر جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) مدینہ مین تشریف لائے تو پہلا کام یہ تھا کہ مسلمانون اور یہودیون کے تعلقات واضح اور منضبط ہوجائین، آپ نے انصار اور یہود کو بلاکر حسب ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا جسکو دونون فریق نے منظور کیا، یہ معاہدہ ابن ہشام مین پورا مذکور ہی۔ خلاصہ یہ ہی۔

(۱) خونبہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلاآتا تھا اب بھی قائم رہیگا۔

(۲) یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی، اور اُنکے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہین کیا جائیگا۔

(۳) یہود اور مسلمان، باہم دوستانہ برتاؤ رکھینگے۔

(۴) یہود یا مسلمانون کو کسی سے لڑائی پیش آئیگی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کریگا۔

(۵) کوئی فریق قریش کو امان نہ دیگا۔

(۶) مدینہ پر کوئی حملہ ہوگا تو دونون فریق، شریک یکدگر ہونگے،

(۷) کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کریگا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا، لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنے ہوگی۔

واقعات متفرقہ اس سال انصار مین سے دو نہایت معزز شخصون نے جو مقربین خاص مین تھے وفات پائی، کلثوم بن ہدم اور اسعد بن زرارۃ۔ کلثوم وہ شخص ہین کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) جب قبار مین تشریف لائے تو انہی کے مکان مین ٹھہرے، اکثر بڑے بڑے صحابہ بھی انہی کے گھر اُترے تھے۔ اسعد بن زرارہ اُن چھ شخصون مین ہین جنھون نے سبسے پہلے مکہ مین جاکر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ہات پر بیعت کی تھی، اور ابن سعد کی روایت کے موافق، ان چھ شخصون مین جس نے سبسے پہلے بیعت کے لیے ہات بڑھایا ہی اسعد تھے، یہ فخر بھی انہی کو حاصل ہی کہ سب سے پہلے انہی نے مدینہ مین آکر جمعہ کی نماز قائم کی۔

چونکہ یہ قبیلہ بنی نجار کے نقیب تھے اسلیے انکی وفات کے بعد اس قبیلہ نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)

سے درخواست کی کہ اُن کے بجائے کوئی شخص اس منصب پر مقرر کیا جائے چونکہ یہ احتمال تھا کہ کوئی شخص مقرر ہوگا تو اوروں کو رشک ہوگا اسلیے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ مین خود تمہارا نقیب ہون چونکہ آپکی ننہیال اسی قبیلہ مین تھی اس لیے اور قبائل کو رشک اور منافست کا موقع نہ تھا۔

اسعد کی وفات کا آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو نہایت صدمہ ہوا۔ منافقین اور یہود نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اگر پیغمبر ہوتے تو اُن کو یہ صدمہ کیون پہنچتا؟ آپ نے سنا تو فرمایا۔

لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِي وَلَا لِصَاحِبِي مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا۔ مین اپنے لیے اور اپنے ساتھیون کے لیے خدا کے ہان کوئی اختیار نہین رکھتا،

(طبری صفحہ ۱۲۶۱)

یہ عجب اتفاق ہے کہ عین اسی زمانہ مین دو بڑے رئیسانِ کفر نے بھی وفات پائی یعنی ولید بن المغیرہ جو حضرت خالدؓ کا باپ تھا اور عاص بن وائل سہمی جن کے صاحبزادے عمرو بن عاص ہین جو فاتح مصر اور امیر معاویہ کے وزیر اعظم تھے،

اسی زمانہ مین حضرت عبد اللہ بن زبیر کی ولادت ہوئی اُنکے والد زبیر، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پھوپھیرے بھائی تھے اور اُنکی والدہ (اسماء) حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی اور حضرت عائشہؓ کی بہن تھین، اب تک مہاجرین مین سے کسی کے اولاد نہین ہوئی تھی اسلیے یہ مشہور ہوگیا تھا کہ یہودیون نے جادو کر دیا ہے۔ عبد اللہ بن زبیر پیدا ہوئے تو مہاجرین نے خوشی کا نعرہ مارا،

اب تک نمازون مین صرف دو رکعتین تھین۔ اب ظہر، و عصر و عشا مین چار چار ہوگئین۔ لیکن سفر کے لیے اب بھی وہی دو رکعتین قائم رہین۔

سلہ طبری صفحہ (۱۲۶۱ و ۱۲۶۲)

سنہ ۲ ھ

(اس سال سے اسلام کی زندگی مین دو عظیم الشان واقعات پیدا ہوتے ہین ایک یہ کہ اسلام اپنے لیے ایک خاص قبلہ قرار دیتا ہی جو اب ۴۵ کروڑ قلوب کا مرکز ہی، دوسرا یہ کہ دشمنانِ اسلام اب مخالفت کے لیے تلوار اٹھاتے ہین اور مسلمان اس کی مدافعت کے لیے طیار ہوتے ہین۔)

تحویل قبلہ۔ شعبان سنہ ۲ھ ہر گروہ، ہر قوم اور ہر مذہب کے لیے ایک خاص امتیازی شعار ہوتا ہی جس کے بغیر اُس قوم کی مستقل ہستی نہین قایم ہو سکتی۔ اسلام نے یہ شعار قبلۂ نماز قرار دیا، جو اصل مقصد کے علاوہ اور بہت سے حِکَم و اسرار کا جامع ہی۔ اسلام کا خاص نمایان وصف، مُساواتِ عام، جمہوریت اور توحیدِ عمل ہی یعنی تمام مسلمان یکسان اور متحد الجہۃ نظر آئین۔ مذہب اسلام کا رکنِ اعظم نماز ہی جس سے ہر روز پانچ وقت کام پڑتا ہی۔ نماز کی اصلی صورت یہ ہی کہ جمعیت اور افراد کثیر کے ساتھ ادا کیجائے لیکن اس طرح کہ ہزارون لاکھون اشخاص کی منفرد ہستیان مٹ کر ایک ہستی بن جائے، اسی بنا پر نماز جماعت مین ایک امام ہوتا ہی کہ مقتدیون کی ایک ایک حرکت اُسکے اشارون سے وابستہ ہوتی ہی اسلیے ضرور ہی کہ سب کا مرجع عمل بھی ایک نظر آئے یہی اصول ہی جسکی بنا پر نماز کے لیے ایک خاص قبلہ قرار پایا اور اس شعار کا دائرہ اس قدر وسیع کیا گیا کہ اس قبلہ کی طرف رُخ کرنا ہی کفر کے دائرہ سے نکل آنا ہی۔ اب صرف یہ بحث باقی تھی کہ قبلہ کس سمت قرار دیا جائے، یہودی۔ اور عیسائی بیت المقدس کو قبلہ سمجھتے تھے کیونکہ اُنکی قومی اور مذہبی ہستی بیت المقدس سے وابستہ تھی۔ لیکن ابراہیم بت شکن کے جانشین کے لیے صرف کعبہ قبلہ ہو سکتا تھا جو اُس مُوحّدِ اعظم کی یادگار اور توحید خالص کا سب سے بڑا مظہر ہی۔

رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) جب تک مکہ مین تھے دو ضرورتین ایک ساتھ درپیش تھین، ملتِ ابراہیمی کی تاسیس و تجدید کے لحاظ سے کعبہ کی طرف رُخ کرنے کی ضرورت تھی لیکن یہ مشکل تھی کہ قبلہ کی جو اصلی غرض ہے

یعنی امتیاز اور اختصاص وہ نہین حاصل ہوتی تھی کیونکہ مشرکین اور کفار بھی کعبہ ہی کو اپنا قبلہ سمجھتے تھے اس بنا پر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) مقام ابراہیم کے سامنے نماز ادا کرتے تھے جسکا رخ بیت المقدس کی طرف تھا، اس طرح دونون قبلے سامنے آجاتے تھے، مدینہ مین دو گروہ آباد تھے، مشرکین جنکا قبلہ کعبہ تھا، اور اہلِ کتاب جو بیت المقدس کی سمت نماز ادا کرتے تھے۔ شرک کے مقابلہ مین یہودیت اور نصرانیت دونون کو ترجیح تھی اسلیے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ایک مدت یعنی تقریباً (۱۶) مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی لیکن جب مدینہ مین اسلام زیادہ پھیل گیا تو اب کوئی ضرورت نہ تھی کہ اصل قبلہ کو چھوڑ کر دوسری طرف رُخ کیا جاتا۔ اس بنا پر یہ آیت اُتری اور دفعۃً قبلہ بدل گیا۔[۱]

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (بقرہ) — تو اپنا مونھ مسجد الحرام کی طرف پھیر دو اور جہان کہین رہو اُسی طرف مونھ پھیرو،

تحویلِ قبلہ نے یہودیون کو سخت برہم کردیا، اُن کو مشرکین کے مقابلہ مین مذہبی تفوّق کا دعوے تھا، اور اسلام سے پہلے مشرکین بھی انکے مذہبی امتیاز کے معترف تھے یہان تک کہ (جیسا ابوداؤد مین روایت ہی) جن لوگونکی اولاد زندہ نہین رہتی تھی وہ منتین مانتے تھے کہ بچہ زندہ رہیگا تو ہم اسکو یہودی بنائین گے، اسلام نے انکی اس مذہبی اعزاز کو صدمہ پہنچایا تاہم چونکہ اب تک اسلام کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا، اسلیے وہ فخر کرتے تھے کہ اسلام بھی انہی کے قبلہ کی طرف رُخ کرتا ہی۔ جب اسلام نے قبلہ بھی بدلدیا تو انکی ناراضی اور برہمی کا پیالہ بالکل لبریز ہوگیا۔ انھون نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) چونکہ ہر بات مین ہماری مخالفت کرنا چاہتے ہین اسلیے قبلہ بھی مخالفت کے ارادہ سے بدلدیا ہی، ڈودِلے اور ضعیف الایمان مسلمانون کو بھی یہ بات کھٹکتی تھی کہ قبلہ بدلنے کی چیز نہین اور اس سے بے استقلالی اور تزلزلِ اعتقاد کا اظہار ہوتا ہے، اس بنا پر قبلہ کی اصلیت اور ضرورت اور تحویل قبلہ کی مصالح کی

---

[۱] اس مضمون مین جسقدر واقعات ہین وہ صحیح بخاری (حدیث قبلہ نماز) اور فتح الباری شرح صحیح بخاری سے ماخوذ ہین۔

متعلق چند آیتین اترین جن سے یہ شکلین حل ہوتی ہین۔

سَیَقُوۡلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمۡ عَنۡ قِبۡلَتِهِمُ الَّتِیۡ کَانُوۡا عَلَیۡهَا قُلۡ لِّلّٰهِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ وَمَا جَعَلۡنَا الۡقِبۡلَةَ الَّتِیۡ کُنۡتَ عَلَیۡهَاۤ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ یَّتَّبِعُ الرَّسُوۡلَ مِمَّنۡ یَّنۡقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیۡهِ وَاِنۡ کَانَتۡ لَکَبِیۡرَةً اِلَّا عَلَی الَّذِیۡنَ هَدَی اللّٰهُ

سفہا یہ اعتراض کرینگے کہ مسلمانون کا جو قبلہ تھا اس سے انکو کسنے پھیر دیا۔ کہدو کہ شرق و مغرب سب خدا ہی کا ہی تیرا جو پہلے قبلہ تھا (کعبہ) اسکو جو ہم نے پھر قبلہ کر دیا تو اسکی یہ وجہ ہی کہ یہ معلوم ہو جائے کہ پیغمبر کا پیرو کون ہی اور پیچھے پھر جانے والا کون ہی۔ اور بے شبہ یہ قبلہ نہایت گران اور ناگوار ہی بجز ان لوگو کے جن کو خدا نے ہدایت کی ہی۔

لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَکُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓئِکَةِ وَالۡکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ وَالسَّآئِلِیۡنَ وَفِی الرِّقَابِ ۔ بقرہ

پورب پچھم رخ کرنا کوئی ثواب کی بات نہین ثواب تو یہ ہی کہ آدمی خدا پر قیامت پر ملائکہ پر خدا کی کتابون پر پیغمبرون پر ایمان لائے اور خدا کی محبت مین عزیزو کو یتیمون کو مسکینون کو۔ مسافرون کو سائلون کو غلامون کو اپنی دولت دیدے۔

ان آیتون مین خدا نے پہلے یہ بتایا کہ **قبلہ** خود کوئی مقصود بالذات چیز نہین۔ خدا کی عبادت کے لیے پورب پچھم سب برابر ہین۔ خدا ہر جگہ ہی ہر سمت ہی ہر طرف ہی پھر قبلہ کی تعیین کی ضرورت بتائی کہ وہ خصوصی شعار ہی اور اصلی اور نمائشی مسلمانون کو الگ کر دیتا ہی بہت سے یہودی تھے جو منافقانہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور مسلمانون کے ساتھ نماز مین بھی شرکت کرتے تھے یہ اسلام کے لیے مار آستین تھے لیکن جب قبلہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ سے بدل گیا تو نفاق کا راز بالکل فاش ہو گیا کوئی یہودی کسی طرح یہ گوارا نہین کر سکتا تھا کہ جو چیز انکی قومیت۔ مذہب۔ بلکہ انکی ہستی کی بنیاد ہی (یعنی بیت المقدس) اسی سے اسکا رشتہ ٹوٹ جائے۔ پھر دوبارہ خدا نے اس نکتہ کو زیادہ واضح کر دیا کہ کسی خاص قبلہ کی طرف رخ کرنا اصلی ثواب نہین بلکہ ثواب درحقیقت ایمان اور اعمال صالحہ کا نام ہی۔

سلسلۂ[1] غزوات

کیا عجیب بات ہو' ارباب سیر' مغازی کی داستان جس قدر زیادہ درازنفسی اور بلندآہنگی سے بیان کرتے ہین' یورپ اُسی قدر اسکو زیادہ شوق سے جی لگا کر سنتا ہو' اور چاہتا ہو کہ یہ داستان اور پھیلتی جائے' کیونکہ اُس کو اسلام کے جور وستم کا جو مُرقع آراستہ کرنا ہو' اُس کے نقش ونگار کے لیے لہو کے چند قطرے نہین' بلکہ چشمہ ہائے خون درکار ہین'

یورپ کے تمام مورخون نے سیرت نبوی کو اس انداز مین لکھا ہو کہ وہ لڑائیون کا ایک مُسلسل سلسلہ ہو جس کا مقصد یہ ہو کہ لوگ زبردستی مسلمان بنائے جائین۔

لیکن یہ خیال چونکہ واقع مین غلط' اور سرتاپا غلط ہو اس لیے **مغازی** کی ابتدا سے پہلے ضرور ہے کہ اس بحث کا فیصلہ کیا جائے۔

عام خیال یہ ہو کہ اسلام جب تک مکہ مین تھا' مصائب گوناگون کا آماج گاہ تھا' مدینہ مین آکر اس کی کلفتین دور ہوئین۔ مگر یہ خیال صحیح نہین مکہ مین جو مُصیبت تھی گو سخت تھی لیکن تنہا اور منفرد تھی' مدینہ مین آکر وہ متعدد اور گوناگون بن گئی۔ مکہ کل ایک قوم تھا' مدینہ مین انصار کے ساتھ یہود بھی تھے' جو عادات خصایل۔ مذہب اور دیانت مین انصار سے بالکل مختلف اور اُنکے حریف مقابل تھے' اس پر ایک تیسری قسم (منافقین) کا اضافہ ہوا' جو مار آستین ہونے کی وجہ سے دونون سے زیادہ خطرناک تھے' مکہ اگر قابو مین آجاتا تو حرم کی وسعت اثر کی وجہ سے تمام عرب کی گردنین خم ہو جاتین' لیکن مدینہ کا اثر چاردیواری

---

[1] غزوات کا سلسلہ جن اسباب سے پیدا ہوا اور جس قسم کے واقعات غزوات مین پیش آئے ان کے لیے ہم نے ایک مستقل عنوان قائم کیا ہو کیونکہ ضمنی طریقہ سے وہ ادا نہین ہو سکتے تھے لیکن یہ عنوان اچھی طرح سے اُسیوقت ذہن نشین ہو سکتا ہو کہ ایک دفعہ تمام غزوات سرسری نظر سے گذر جائین اسلیے ہم نے اسکو تمام غزوات کے بعد لکھا ہو ناظرین ابھی سے اسکا خیال رکھین۔

تک محدود تھا، مدینہ اب تک بیرونی خطرات سے بالکل مطمئن تھا لیکن رسول اللہ کی قیام گاہ ہونے نے اسکو قریش کے غیظ وغضب کا تاراج گاہ بنا دیا۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) جب مکہ سے چلے آئے تو چند ہی روز کے بعد قریش نے عبد اللہ بن اُبَی کو جو واقعہ ہجرت کے قبل رئیس الانصار تھا۔ اور انصار نے اسکی تاجپوشی کی شاہانہ رسم ادا کرنے کے لیے تاج طیار کرلیا تھا، خط لکھا، جس کے الفاظ یہ تھے،

انکم اٰویتم صاحبنا وانا نقسم باللہ لتقاتلنہ او لتخرجنہ او لنسیرن الیکم باجمعنا حتے نقتل مقاتلتکم ونستبیح نسائکم (سنن ابی داؤد صفحہ ۷ جلد ۲ باب خبر النضیر)

تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہان پناہ دی ہے، ہم خدا کی قسم کھاتے ہین کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کرڈالو۔ یا مدینہ سے نکال دو، ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کرین گے اور تم کو فنا کرکے تمھاری عورتوں پر تصرف کرینگے،

جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ عبد اللہ کے پاس تشریف لے گئے، اسکو سمجھایا کہ کیا تم خود اپنے بیٹون اور بھائیون سے لڑو گے؟ چونکہ انصار اکثر مسلمان ہوچکے تھے اسلیے عبد اللہ اس نکتہ کو سمجھا اور قریش کے حکم کی تعمیل نہ کرسکا، بدر کے بعد پھر قریش نے اسی مضمون کا خط لکھا چنانچہ اسکی تفصیل آگے آئے گی،

تاہم قریش کی شہ سے منافقین و یہود مدینہ کا سر پھر چکا تھا، اسی زمانہ مین یعنی بدر سے پہلے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) بنو الحارث بن خزرج کے محلہ مین سوار ہوکر تشریف لے گئے، ایک جگہ مشرکین و منافقین مدینہ، یہود اور بعض مسلمان بیٹھے تھے، گدھے کے چلنے سے گرد اڑی تو عبد اللہ بن اُبَی نے منھ پر کپڑا ڈال دیا۔ اور حقارت سے بولا گرد نہ اڑاؤ، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مجمع کو سلام کیا اور کچھ قرآن کی آیتین سنائین عبد اللہ نے کہا[۱] اے شخص مجھکو یہ پسند نہین، اگر تمھاری بات سچ بھی ہو، تو ہماری مجلس مین آکر ہمکو نہ ستایا کرو، جو تمھارے

---

[۱] بخاری باب السلام علے جماعۃ فیہا المسلم والکافر [۲] صحیح مسلم صفحہ ۹۲ جلد ۲۔ و بخاری باب مذکور۔

پاس جاے اُس سے بیان کیا کرو"۔ مسلمان اس تحقیر سے برافروختہ ہوگئے اور قریب تھا کہ کشت و خون ہو جاے۔ آخر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے دونون کو ٹھنڈا کیا[1]

اسی زمانہ کے قریب سعد بن معاذ جو قبیلۂ خزرج کے رئیس الاعظم تھے عُمرہ کرنے کے لیے مکہ معظمہ گئے، اُمیۃ بن خلف سے اور اُن سے مدت کا یارانہ تھا اور یہ تعلق اسلام کے بعد بھی قایم رہا۔ اس تعلق سے سعد اب بھی اُمیۃ ہی کے مہمان ہوئے، ایک دن وہ اُمیۃ کو لے کر کعبہ کے طواف کو نکلے، اتفاق سے ابوجہل سامنے سے آگیا۔ اُمیۃ سے اُسنے پوچھا کہ یہ تمھارے ساتھ کون ہی؟ اُمیۃ نے کہا "سعد ہین" ابوجہل نے کہا تم لوگون نے صابیون (کفار آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اور اہل اسلام کو صابی یعنی مرتد کہتے تھے) کو پناہ دی ہی۔ مین کبھی یہ نہین دیکھ سکتا کہ تم کعبہ مین آسکو، خدا کی قسم اگر تم اُمیۃ کے ساتھ نہ ہوتے تو بچکر واپس نہین جاسکتے تھے"۔ سعد نے کہا "اگر تمنے ہم کو حج سے روکا تو ہم تمھارا مدینہ کا راستہ روک[2] دین گے (یعنی شام کی تجارت کا راستہ)

حرم کی تولیت اور مجاورت کی وجہ سے تمام عرب، قریش کا احترام کرتا تھا اور مکہ سے مدینہ تک جو قبائل پھیلے ہوئے تھے سب قریش کے زیر اثر تھے[3]، اس بنا پر قریش نے تمام قبائل کو اسلام کا مخالف بنا دیا ہجرت کے چھٹے سال تک یمن وغیرہ کے لوگ، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس نہین پہنچ سکتے تھے، چنانچہ سنہ ھ مین جب بحرین سے عبدالقیس کی سفارت آئی تو ان لوگون نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین عرض کی کہ مُضر کے قبائل، ہم کو آپ تک پہنچنے نہین دیتے، اسلیے ہم صرف ایام حج مین جب کہ لڑائی عموماً موقوف ہوجاتی ہی آپ کی خدمت مین آسکتے ہین[4]۔

قریش نے انہی باتون پر اکتفا نہین کیا، بلکہ جیسا کہ انھون نے عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا، اسکی طیاریان

---

[1] یہ پورا واقعہ مزید تفصیل کے ساتھ صحیح بخاری باب المغازی کی ابتدا مین مذکور ہی۔ [2] ابن ہشام واقعات وفود مین ہی۔ وذلک ان قریشا کانوا امام الناس، وقادۃ العرب لا ینکرون ذلک وکانت قریش ہی التی نصبت الحرب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [3] وفد بنی عبدالقیس کے ذکر مین صحیح بخاری اور دیگر تمام کتابون مین یہ واقعہ منقول ہی۔

کررہے تھے کہ مدینہ پر حملہ کرکے اسلام کا استیصال کردین۔ مدت تک یہ حال رہا کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) راتون کو جاگ جاگ کر بسر کرتے تھے صحیح نسائی مین ہے

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول ماقدم المدینۃ یسھر من اللیل

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اوّل جب مدینہ مین آئے تو راتونکو جاگا کرتے تھے،

صحیح بخاری باب الجہاد مین ہے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ آج کوئی اچھا آدمی پہرہ دیتا۔ چنانچہ سعد وقاص نے ہتھیار لگاکر رات بھر پہرہ دیا تب آپ نے آرام فرمایا۔ اس سے بڑھ کر حاکم کی روایت ہے جس کے یہ الفاظ ہین۔

عن ابی بن کعب قال لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ المدینۃ و آوتھم الانصار رمتھم العرب عن قوس واحدۃ وکانوا لا یبیتون الا بالسلاح ولا یصبحون الا فیہ،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ جب مدینہ آئے، اور انصار نے اُن کو پناہ دی تو تمام عرب ایک ساتھ اُنسے لڑنے کو آمادہ ہو گئے، صحابہ صبح تک ہتھیار باندھکر سوتے تھے،

مورخین، مغازی کی ابتدا انہی واقعات سے کرتے ہین اور لکھتے ہین کہ اسی سال خدانے جہاد کی اجازت دی لیکن ایک دقیقہ مین اُنہی کی تصریحات سے پتہ لگا سکتا ہے کہ اصل واقعہ کیا تھا۔ مواہب لدنیہ اور زرقانی مین لکھا ہے کہ خدانے ۱۲ صفر ۲ھ مین جہاد کی اجازت دی اسکی سند مین امام زہری کا قول نقل کیا ہے

اول آیۃ نزلت فی الاذن بالقتال اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ (زرقانی بحوالہ صحیح نسائی جلد ۱ صفحہ ۲۶۶۔)

پہلی آیت جو قتال کی اجازت مین نازل ہوئی وہ یہ ہے "اُذِنَ لِلَّذِیْنَ" الخ "یعنی جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) انکو بھی اب لڑنے کی اجازت دیجاتی ہے کیونکہ اُنپر ظلم کیا جارہا ہے اور خدا انکی مدد پر یقیناً قادر ہے"

تفسیر ابن جریر مین ہے کہ قتال کے متعلق سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے۔

۱؎ لباب فی اسباب النزول للسیوطی، سورۂ نور آیت وعد اللہ الذین آمنوا منکم الخ مسند داری مین بھی یہ روایت مذکور ہے۔

قَاتِلُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ الَّذِینَ یُقَاتِلُونَکُمْ خدا کی راہ مین اُن لوگون سے لڑو جو تم سے لڑتے ہین۔

لیکن غور سے دیکھو کہ دونون آیتون مین اُنہی لوگون سے لڑنے کی اجازت ہو جو پہلے مسلمانون سے لڑنے آتے ہین اور اس سے ظاہر ہوتا ہو کہ مسلمان درحقیقت لڑنے پر مجبور کیے جاتے تھے۔

بہرحال واقعہ یہ ہو کہ مدینہ مین آکر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا سب سے پہلا کام، حفاظتِ خوداختیاری کی تدبیر تھی۔ نہ صرف اپنی، اور مہاجرین کی بلکہ انصار کی بھی۔ کیونکہ اس جرم مین کہ انصار نے مسلمانون کو پناہ دی ہو۔ قریش نے مدینہ کی بربادی کا فیصلہ کرلیا اور اپنے تمام قبایل متحدہ مین یہ آگ بھڑکا دی تھی۔ اس بنا پر آپ نے دو تدبیرین اختیار کین **اوّل** یہ کہ قریش کی شامی تجارت جو انکا مایۂ غرور تھی بند کر دی جائے تاکہ وہ صلح پر مجبور ہو جائین۔ اور یاد ہوگا کہ سعدؓ بن معاذ نے مکہ مین ابوجہل کو اسی کی دھمکی دی تھی۔ **دوسرے** یہ کہ مدینہ کے قرب وجوار کے جو قبایل ہین اُن سے امن وامان کا معاہدہ ہو جائے

بدر سے پہلے جو مہمیں بھیجی گئیں

(غرض ان حالات کی بنا پر غزوۂ بدر سے پہلے سو سو پچاس پچاس کی ٹکڑیان مکہ کی طرف روانہ کیجانے لگین، ابواء کی مہم سے پہلے بذاتِ خاص آپنے کسی مہم مین شرکت نہین کی، اس ابواء کی مہم سے پہلے جو صفر ۲ھ مین واقع ہوئی اور جس مین آپ نے خود شرکت فرمائی تھی۔ ارباب سیر نے تین مہم کا ذکر کیا ہو جنکو انکی زبان مین "سریہ" کہتے ہین سریۂ حمزہ، سریۂ عبیدہ بن حارث، سریۂ سعد بن وقاص، لیکن ان مین سے کسی مہم مین کوئی کشت وخون نہین ہوا، یا بیچ بچاؤ ہوگیا، یا بچکر نکل گئے، ارباب سیر نے ان سرایا کا مقصد یہ بتایا ہو کہ یہ قریش کے تجارتی قافلہ کو چھیڑنے کے لیے بھیجے جاتے تھے، یعنی حضرت سعد کی تہدید کے مطابق انکی شامی تجارت کو بند کرنا مقصود تھا۔ مخالفین کہتے ہین کہ صحابہ کو غارتگری کی تعلیم دیجاتی تھی لیکن یہ الزام کسقدر جہالت پر مبنی ہو کہ اوّل تو اسلام کی شریعت مین یہ سخت ترگناہ ہو، ثانیاً واقعہ کیا بتاتا ہو؟ کیا انمین سے کسی مہم مین بھی یہ مذکور ہو کہ صحابہ نے قافلہ کا مال لوٹ لیا؟ ثالثاً اگر ان سرایا کا مقصد لوٹنا اور ڈاکہ ڈالنا ہی ہوتا تھا تو قریش کے قافلۂ تجارت کے سوا، یہ مقصد کہین اور نہین حاصل ہوسکتا تھا؟)

اطراف کے جن قبائل کے پاس معاہدہ کے لیے مہم بھیجی گئی ان مین سب سے پہلے جُہینہ کا قبیلہ ہے۔

جہینہ کا قبیلہ مدینہ سے تین منزل پر آباد تھا اور ان کا کوہستان دور تک پھیلا ہوا تھا ان سے یہ معاہدہ ہوا کہ وہ فریقین سے یکسان[1] تعلقات رکھین گے یعنی دونون سے الگ رہین گے،

صفر ۲ سنہ مین آپ ساٹھ مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور ابوا تک گئے جس کو وَدّان بھی کہتے ہین اور جہان آپ کی والدہ ماجدہ کا مزار ہی، ابوا، کا صدر مقام فرع ہی جو ایک وسیع قصبہ ہی اور جہان قبیلہ مُزینہ آباد ہی اور جو مدینہ سے تقریباً ۸ منزل (۸۰ میل) ہی، یہ مدینہ کی اخیر سرحد ہی۔ اِن اطراف مین قبیلہ بنو ضمرہ آباد تھا، اور یہ نواح ان کی حدود حکومت مین داخل تھے۔ یہان آپ نے چند روزہ قیام کرکے بنوضمرہ سے معاہدہ کیا جن کا سردار مخشی بن عمرو ضمری تھا، معاہدہ کے یہ الفاظ تھے،

هذا الكتاب من محمد رسول الله لبني ضمرة انهم امنون على اموالهم وانفسهم وان لهم النصر على من رامهم الا ان يحاربوا في دين الله ما بل بحر صوفة وان النبي اذا دعاهم لنصره اجابوه الخ	یہ محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تحریر ہی بنو ضمرہ کے لیے ان لوگون کا جان اور مال محفوظ رہے گا اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا اُس کے مقابلہ مین اُنکی مدد کی جائے گی بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلہ مین لڑین اور پیغمبر جب ان کو مدد کے لیے بلائین گے تو یہ مدد کو آئین گے،

(روض الانف و زرقانی جلد اصفحہ ۴۰۷)

تمام محدثین، مغازی کی ابتدا اسی واقعہ سے کرتے ہین، صحیح بخاری مین بھی اسی کو اول الغزوات قرار دیا ہی،

قریباً ایک مہینہ کے بعد کرز بن جابر فہری نے جو مکہ کے روسا[2] مین تھا مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے مویشی لوٹ لیے، اس کا تعاقب کیا گیا لیکن وہ بچکر نکل گیا تھا۔

جمادی الثانی یعنی اس واقعہ کے تیسرے مہینے آپ دوسو مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقام ذوالعشیرہ پہنچ کر بنو مدلج سے معاہدہ کیا۔ یہ مقام مدینہ سے ۹ منزل پر ینبوع کے نواحی مین ہی۔

بنو مدلج، بنو ضمرہ کے حلیف تھے اور چونکہ بنو ضمرہ پہلے اسلام کے معاہدہ مین داخل ہو چکے تھے اِسلیے

---

[1] اس واقعہ کا ذکر مؤرخین نے مستقل طور پر نہین کیا۔ بلکہ جہان سب سے پہلے سریہ حمزہ کا ذکر کیا ہی وہان مجدی جہنی (رئیس قبیلہ) کی نسبت لکھا ہی کان موادعًا للفریقین، یعنی اُسنے دونون فریق سے صلح کر رکھی تھی [2] اصابہ ذکرہ کرز بن فہری،

انھون نے آسانی سے یہ شرطین منظور کرلین[1]۔

چند روز کے بعد یعنی رجب سنہ ۲ھ مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے عبداللہ بن جحش کو بارہ آدمیون کے ساتھ بطن نخلہ کی طرف بھیجا، یہ مقام مکہ اور طایف کے بیچ مین، مکہ سے ایک شبانہ روز کی مسافت پر ہے، آپ نے عبداللہ کو ایک خط دیکر فرمایا تھا کہ دو دن کے بعد اسکو کھولنا، عبداللہ نے خط کھولا تو لکھا تھا کہ مقام نخلہ مین قیام کرو اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ، اور اطلاع دو۔ اتفاق یہ کہ قریش کے چند آدمی جو شام سے تجارت کا مال لیے آتے تھے سامنے سے نکلے، عبداللہ نے اُن پر حملہ کیا، اُن مین سے ایک شخص عمرو بن الحضرمی مارا گیا، دو گرفتار ہوئے اور مالِ غنیمت ہاتھ آیا، عبداللہ نے مدینہ مین آکر یہ واقعہ بیان کیا اور غنیمت کی چیزین پیش کین، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ "مین نے تمکو یہ اجازت نہین دی تھی" غنیمت کے قبول کرنے سے بھی آپ نے انکار فرمایا، صحابہ نے عبداللہ سے نہایت برہم ہو کر کہا،

صنعتم مالم تومروا بہ وقاتلتم فی الشھر الحرام ولم تومروا بقتالٍ — تم نے وہ کام کیا (قافلہ لوٹنا) جسکا تم کو حکم نہین دیا گیا تھا اور ماہِ حرام مین لڑے حالانکہ اس مہینہ مین تمکو لڑنے کا حکم نہ تھا۔ (طبری صفحہ ۱۲۷۵)

جو لوگ گرفتار اور قتل ہوئے وہ بڑے معزز خاندان کے لوگ تھے۔ عمرو بن الحضرمی جو مقتول ہوا عبداللہ حضرمی کا بیٹا تھا، جو حرب بن امیہ (امیر معاویہ کا دادا) کا حلیف[2] تھا، حرب قریش کا رئیس اعظم تھا اور عبدالمطلب کے بعد ریاستِ عام اُسی کو حاصل ہوئی تھی، جو لوگ گرفتار ہوئے یعنی عثمان و نوفل دونون مغیرہ کے پوتے[3] تھے، مغیرہ، ولید کا باپ حضرت خالد کا دادا، اور حرب کے بعد دوسرے درجہ کا رئیس تھا، اس بنا پر اس واقعہ نے

---

[1] مین تسلیم کرتا ہون کہ مورخین نے دونون پہلے واقعون کی نسبت لکھا ہے کہ ان کا مقصد قریش کے کاروان کا لوٹنا تھا لیکن اتفاق سے کاروان ہات نہ آیا اور بچ بچ کر نکل گیا" لیکن مین واقعات کا پابند ہون، راے اور قیاس سے غرض نہین۔ اس قدر واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مقامات تک گئے اور وہان کے قبائل سے معاہدہ کیا، اس سے آگے مورخین کا قیاس ہے کہ قریش کے کاروان پر حملہ کرنا مقصود تھا گو یہ مقصود نہ حاصل ہو سکا، اگر خدانخواستہ کاروان کا لوٹنا ہی مقصود ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عیاذاً باللہ اس قدر بے تدبیر فرض کرنا پڑے گا کہ ہر مرتبہ ناکامیابی ہوتی تھی اور قافلہ بچ بچکر نکل جاتا تھا، یہانتک کہ بار بار تجربہ کے بعد بھی بدر مین اسی قسم کی ناکامیابی ہوئی اور قافلہ صحیح و سلامت نکل گیا [2] اصابہ ترجمہ علا حضرمی [3] طبری صفحہ ۱۲۷۴

تمام قریش کو مشتعل کردیا، اور ثار یعنی انتقام خون کی بنیاد قائم ہوگئی، معرکۂ بدر کا سلسلہ اسی واقعہ سے وابستہ ہی، حضرت عروۃ بن زبیر حضرت عائشہ کے بھانجے تھے، انھون نے تصریح کی ہو کہ غزوۂ بدر اور تمام لڑائیان جو قریش سے پیش آئین سب کا سبب یہی حضرمی کا قتل ہو، علامہ طبری لکھتے ہین۔

وکان الذی هاج وقعة بدر و سائر الحروب التی کانت بین رسول الله صلّے الله علیه وسلم و بین مشرکی قریش فیما قال عروة بن الزبیر ما کان من قتل واقد بن عبد الله السهمی عمرو بن الحضرمی

اور جس چیز نے بدر کے واقعہ کو ابھارا، اور وہ تمام لڑائیان چھیڑدین جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مشرکین قریش مین پیش آئین، سب کا سبب یہی تھا کہ واقد سہمی نے حضرمی کو قتل کردیا تھا۔

چونکہ غزوۂ بدر تمام غزوات کی اصلی بنیاد ہی اسلیے ہم پہلے اس واقعہ کو سادہ صورت مین لکھ کر پھر تفصیل سے اس کے متعلق گفتگو کرین گے،

غزوۂ بدر

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

رمضان سنہ ۲ھ

بدر ایک گاؤن کا نام ہے جہان سال کے سال میلہ لگتا تھا، یہ مقام اُس نقطہ کے قریب ہے جہان شام سے مدینہ جانے کا راستہ دشوار گذار گھاٹیون مین سے ہوکر گذرتا ہے، مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین، قریش نے ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کی طیاریان شروع کردی تھین عبداللہ ابن اُبی کو انھون نے خط لکھ بھیجا تھا کہ یا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو قتل کردو یا ہم آکر اُن کے ساتھ تمھارا بھی فیصلہ کردیتے ہین۔ قریش کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیان مدینہ کی طرف گشت لگاتی رہتی تھین۔ کرز فہری مدینہ کی چراگاہون تک آکر غارت گری کرتا تھا۔

حملہ کے لیے سب سے بڑی ضروری چیز مصارفِ جنگ کا بندوبست تھا، اسلیے اب کے موسم مین قریش کا جو کاروانِ تجارت شام کو روانہ ہوا اس سروسامان سے روانہ ہوا کہ مکہ کی تمام آبادی نے جس کے پاس جو رقم تھی کُل کی کُل دے دی۔[1]

نہ صرف مرد بلکہ عورتین جو کاروبارِ تجارت مین بہت کم حصہ لیتی ہین انکا بھی ایک ایک فرد اس مین شریک تھا، قافلہ ابھی شام سے روانہ نہین ہوا تھا کہ حضرمی کے قتل کا اتفاقیہ واقعہ پیش آگیا، جس نے قریش کی آتشِ غضب کو اور بھڑکا دیا۔

اسی اثنا مین یہ غلط خبر مکہ معظمہ مین پھیل گئی کہ مسلمان قافلہ کے لوٹنے کو آرہے ہین، قریش کے غیظ و غضب

---

[1] ابن سعد صفحہ مین ابوسفیان سردار قافلہ کا قول لکھا ہے: واللہ ما بمکۃ من قرشی ولا قرشیۃ لہ نش فصاعداً الا بعث به معنا ہمارے مورخین کو اسباب و نتایج کی جستجو نہین ہوتی اس لیے انھون نے اس واقعہ کو محض ایک واقعہ کی حیثیت سے لکھ دیا لیکن انکو احساس نہین کہ مکہ کو تمام سرمایہ کے اُگل دینے کی ضرورت کیا تھی۔

کا بادل بڑے زور شور سے اُٹھا اور تمام عرب پر چھا گیا،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابہ کو جمع کیا اور واقعہ کا اظہار فرمایا حضرت ابوبکرؓ وغیرہ نے جان نثارانہ تقریرین کین لیکن رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) **انصار کی طرف** دیکھتے تھے، کیونکہ انصار نے بیعت کے وقت صرف یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اُس وقت تلوار اُٹھائین گے جب دشمن، مدینہ پر چڑھ آئین، سعد بن عبادہ (سردار خزرج) نے اُٹھ کر کہا "کیا حضور کا اشارہ ہماری طرف ہی؟ خدا کی قسم آپ فرمائین تو ہم سمندر مین کود پڑین"۔

یہ صحیح مسلم کی روایت ہی، بخاری مین ہی کہ مقداد نے کہا کہ "ہم موسےٰ کی قوم کی طرح یہ نہ کہین گے کہ آپ اور آپ کا خدا جاکر لڑین، ہم لوگ آپ کے داہنے سے بائین سے، سامنے سے پیچھے سے لڑین گے" اُنکی اس تقریر سے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کا چہرہ چمک اُٹھا"۔

غرض ۱۲ رمضان ۲ھ کو آپ تقریباً تین سو جان نثارون کے ساتھ شہر سے نکلے، ایک میل چلکر فوج کا جائزہ لیا، جو کم عمر تھے واپس کردیئے گئے[1] کہ ایسے پرخطر موقع پر بچّون کا کام نہین۔ عمیرؓ بن ابی قاص ایک کم سن بچّہ تھے جب اُنسے واپسی کو کہا گیا تو رو پڑے، آخر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اجازت دیدی، عمیرؓ کے بھائی سعد بن ابی قاص نے کم سن سپاہی کے گلے مین تلوار حمائل کی[2]۔ اب فوج کی کل تعداد ۳۱۳ تھی جس مین ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے، چونکہ غیبت کی حالت مین منافقین اور یہود کی طرف سے اطمینان نہ تھا اسلیے ابولبابہ بن عبدالمنذر کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا، اور حکم دیا کہ مدینہ کو واپس جائین۔ **عالیہ** (مدینہ کی بالائی آبادی) پر عاصم بن عدی کو مقرر فرمایا۔ اِن انتظامات کے بعد آپ بدر کی طرف بڑھے جدھر سے اہل مکہ کی آمد کی خبر تھی دو خبر رسان بسبسہ اور عدی آگے روانہ کردیئے گئے تھے کہ قریش کی نقل و حرکت کی خبر لائین۔ روحا، منصرف ذات اجذال، معلاة، اثیل سے گذرتے ہوئے ۱۷ رمضان کو بدر کے قریب پہنچے، خبر رسالون نے

---

[1] ابن سعد صفحہ ۶، [2] منتخب کنز العمال بروایت ابن عساکر۔ بدر

خبر دی کہ قریش وادی کے دوسرے سرے تک آگئے ہین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) یہین رُک گئے اور فوجین اُتر پڑین۔

مکہ معظمہ سے قریش بڑے سروسامان سے نکلے تھے، ہزار آدمی کی جمعیت تھی، سَو سوارون کا رسالہ تھا، روساے قریش سب شریک تھے، ابولہب مجبوری کی وجہ سے نہ آسکا تھا، اسلیے اپنی طرف سے اپنے قایم مقام بھیجدیا تھا، رسد کا یہ انتظام تھا کہ اُمراے قریش یعنی عباس، عتبہ بن ربیعہ، حرث بن عامر، نضر بن الحارث، ابوجہل، اُمیّہ وغیرہ، باری باری ہر روز دس دس اونٹ ذبح کرتے اور لوگون کو کھلاتے تھے،[1] عُتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا فوج کا سپہ سالار تھا،

قریش کو بدر کے قریب پہنچکر جب معلوم ہوا کہ ابوسفیان کا قافلہ خطرہ کی زد سے نکل گیا ہی تو قبیلۂ زہرہ اور عدی کے سردارون نے کہا "اب لڑنا ضرور نہین" لیکن ابوجہل نے نہ مانا، زہرہ اور عدی کے لوگ واپس چلے گئے، باقی فوج آگے بڑھی۔

قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے اُنھون نے مناسب موقعون پر قبضہ کرلیا تھا، بخلاف اس کے مسلمانون کی طرف چشمہ یا کنوان تک نہ تھا، زمین ایسی ریتلی تھی کہ اونٹون کے پانون ریتی مین دھنس دھنس جاتے تھے، حُباب بن منذر نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین عرض کی کہ جو مقام انتخاب کیا گیا ہی وحی کی رو سے ہی یا فوجی تدبیر ہی؟ ارشاد ہوا کہ وحی نہین ہی، حُباب نے کہا تو بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کرلیا جائے اور آس پاس کے کنوئین بیکار کردیئے جائین،[2] آپ نے یہ راے پسند فرمائی اور اسی پر عمل کیا گیا، تائید ایزدی اور حُسنِ اتفاق سے مینہ برس گیا جس سے گرد جم گئی اور جابجا پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنالیے گئے کہ وضو اور غسل کے کام آئین، اس قدرتی احسان کا خدا نے قرآن مجید مین بھی ذکر کیا ہی،

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ — اور جبکہ خدا نے آسمان سے پانی برسایا کہ تم کو پاک کرے۔

---

[1] معارف بن قتیبہ، [2] ابن ہشام،

پانی پر اگرچہ قبضہ کرلیا گیا لیکن ساقی کوثر کا فیض عام تھا اسلیے دشمنوں کو بھی پانی لینے کی عام اجازت تھی[۱] یہ رات کا وقت تھا تمام صحابہ نے کمر کھول کھول کر رات بھر آرام کیا لیکن صرف ایک ذات تھی (ذات نبوی) جو صبح تک بیدار اور مصروف دعا رہی صبح ہوئی تو لوگوں کو نماز کے لیے آواز دی، بعد نماز جہاد پر وعظ فرمایا[۲]

قریش جنگ کے لیے بیتاب تھے، تاہم کچھ نیک دل بھی تھے جن کے دل خونریزی سے لرزتے تھے ان میں حکیم بن حزام (جو آگے چل کر اسلام لائے) نے سردار فوج، عتبہ سے جاکر کہا آپ چاہیں تو آج کا دن آپ کی نیکنامی کی ابدی یادگار رہ جائے، عتبہ نے کہا کیونکر؟ حکیم نے کہا قریش کا جو کچھ مطالبہ ہے وہ صرف حضرمی کا خون ہے، وہ آپ کا حلیف تھا، آپ اسکا خون بہا ادا کر دیجئے، عتبہ نیک نفس آدمی تھا، اُسنے نہایت خوشی سے منظور کیا، لیکن چونکہ ابوجہل کا اتفاق رائے ضرور تھا، حکیم عتبہ کا پیغام لے کر گئے، ابوجہل ترکش سے تیر نکال کر پھیلا رہا تھا، عتبہ کا پیغام سنکر بولا، ہاں عتبہ کی ہمت نے جواب دیدیا، عتبہ کے فرزند ابو حذیفہ اسلام لاچکے تھے اور اس معرکہ میں آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ آئے تھے، اس بنا پر ابوجہل نے یہ بدگمانی کی کہ عتبہ اس لیے لڑائی سے جی چراتے ہیں کہ اُسکے بیٹے پر آنچ نہ آئے،

ابوجہل نے حضرمی کے بھائی عامر کو بلا کر کہا، دیکھتے ہو! تمہارا خون بہا تمہاری آنکھ کے سامنے آکر نکلا جاتا ہے، عامر نے عرب کے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ ڈالے اور گرد اڑا کر واعمراہ واعمراہ کا نعرہ مارنا شروع کیا، اس واقعہ نے تمام فوج میں آگ لگادی۔

عتبہ نے ابوجہل کا طعنہ سنا تو غیرت سے سخت برہم ہوا، اور کہا، میدان جنگ بتادیگا کہ نامردی کا داغ کون اُٹھاتا ہے؟ یہ کہکر مغفر مانگا، لیکن اس کا سر اس قدر بڑا تھا کہ کوئی مغفر اسکے سر پر ٹھیک نہ اترا، مجبوراً سر سے کپڑا لپیٹا اور لڑائی کے ہتھیار سجے۔

چونکہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنے ہاتھ کو خون سے آلودہ کرنا پسند نہیں فرماتے تھے، صحابہؓ

---

[۱] ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۶، [۲] منتخب کنز العمال غزوہ بدر بروایت مسند ابن حنبل و ابن ابی شیبہ

سے میدان کے کنارے ایک چھپر کا سائبان طیار کیا کہ آپ اس مین تشریف رکھین سعد بن معاذ دروازہ پر تیغ بکف کھڑے ہوئے کہ کوئی ادھر نہ بڑھنے پائے،

اگرچہ بارگاہ الٰہی سے فتح و نصرت کا وعدہ ہو چکا تھا عناصرِ عالم آمادۂ مدد تھے، ملایکہ کی فوجین ہمرکاب تھین، تاہم عالمِ اسباب کے لحاظ سے آپ نے اصولِ جنگ کے مطابق فوجین مرتب کین، مہاجرین اور اوس اور خزرج کے تین دستے قایم کیے، مہاجرین کا علم مصعب بن عمیر کو عنایت فرمایا، خزرج کے علمبردار حباب بن منذر اور اوس کے سعد بن معاذ مقرر ہوئے،

صبح ہوتے ہوتے آپ نے صف آرائی شروع کی، دستِ مبارک مین ایک تیر تھا اُسکے اشارہ سے صفین قایم کرتے تھے کہ کوئی شخص تِل بھر آگے یا پیچھے نہ رہنے پائے، لڑائی مین شور و غل عام بات ہے لیکن منع کر دیا گیا کہ کسی کے موںھ سے آواز تک نہ نکلنے پائے،

اس موقع پر بھی جبکہ دشمن کی عظیم الشان تعداد مقابل تھی، اور مسلمانون کی طرف ایک آدمی بھی آگے بڑھ جاتا تو کچھ نہ کچھ مسرت ہوتی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمہ تن وفا تھے، ابو حذیفہ بن الیمان اور ابو حسل دو صحابی مکہ سے آرہے تھے راہ مین کفار نے روکا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی مدد کو جا رہے ہو۔ انھون نے انکار کیا اور عدم شرکت کا وعدہ کیا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے تو صورتِ حال عرض کی، فرمایا ہم ہر حال مین وعدہ وفا کرینگے، ہمکو صرف خدا کی مدد درکار ہے[1]،

اب دو صفین آمنے سامنے مقابل تھین، حق و باطل، نور و ظلمت، کفر و اسلام،

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ اٰیَةٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰی کَافِرَةٌ (انفال)

جو لوگ باہم لڑے ان مین تمہارے لیے عبرت کی نشانیان مین ایک خدا کی راہ مین لڑ رہا تھا، اور دوسرا منکر خدا تھا۔

یہ عجیب منظر تھا۔ اتنی بڑی وسیع دنیا مین توحید کی قسمت صرف چند جانون پر منحصر تھی۔ صحیح مسلم مین ہے

---

[1] صحیح مسلم

کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی۔ دونوں ہات پھیلا کر فرماتے تھے۔ خدایا! تونے مجھسے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر" محویت اور بیخودی کے عالم مین چادر کندھے پر سے گر گر پڑتی تھی اور آپ کو خبر تک نہ ہوتی تھی کبھی سجدہ مین گرتے تھے اور فرماتے تھے کہ "خدایا! اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا"

اس بیقراری پر بندگانِ خاص کو رقت آگئی، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی "حضور خدا اپنا وعدہ وفا کریگا" آخر روحانی تسکین کے ساتھ

سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (قمر) فوج کو شکست دیجائے گی اور وہ پشت پھیر دین گے،

پڑھتے ہوئے لبِ مبارک غزوۂ فتح کی پیشینگوئی سے آشنا ہوئے۔

قریش کی فوجین اب بالکل قریب آگئین تاہم آپ نے صحابہ کو پیش قدمی سے روکا اور فرمایا کہ جب دشمن پاس آجائین تو تیر سے روکو،

یہ معرکہ، ایثار اور جان بازی کا سب سے بڑا حیرت انگیز منظر تھا۔ دونون فوجین سامنے آئین تو لوگون کو نظر آیا کہ خود اُن کے جگر کے ٹکڑے تلوار کے سامنے ہین، حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے (جو اب تک کافر تھے) میدانِ جنگ مین بڑھے تو حضرت ابوبکرؓ تلوار کھینچکر نکلے۔ عتبہ میدان مین آیا تو حضرت حذیفہؓ (عتبہ کے فرزند تھے) اس کے مقابلہ کو نکلے، حضرت عمرؓ کی تلوار ماموں کے خون سے رنگین تھی،

لڑائی کا آغاز یون ہوا کہ سب سے پہلے عامر حضرمی جسکو بھائی کے خون کا دعویٰ تھا، آگے بڑھا مہجع حضرت عمرؓ کا غلام اُس کے مقابلہ کو نکلا اور مارا گیا۔

عُتبہ جو سردارِ لشکر تھا، ابوجہل کے طعنہ سے سخت برہم تھا، سب سے پہلے وہی بھائی اور بیٹے کو لیکر میدان مین نکلا، اور مبارزطلبی کی۔ عرب مین دستور تھا کہ نامور لوگ کوئی امتیازی نشان لگا کر میدان جنگ مین

۱؎ استیعاب ذکر عبدالرحمن بن ابی بکرؓ۔ ۲؎ سیرت ابن ہشام،

جاتے تھے، عتبہ کے سینہ پر شترمرغ کے پر تھے، عوف، معاذ، عبداللہ بن رواحہ، مقابلہ کو نکلے، عتبہ نے نام ونسب پوچھا اور جب یہ معلوم ہوا کہ انصار ہین، تو عتبہ نے کہا ہم کو تم سے غرض نہین، پھر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف خطاب کرکے پکارا کہ محمد! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہین[۱]، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد کے مطابق انصار ہٹ آئے اور حضرت حمزہ، علی، عبیدہ میدان مین آئے، چونکہ ان لوگون کے چہرون پر نقاب[۲] تھی، عتبہ نے پوچھا تم کون ہو؟ سب نے نام ونسب بتائے، عتبہ نے کہا ہان اب ہمارا جوڑ ہے"

عتبہ حضرت حمزہ سے اور ولید حضرت علی سے مقابل ہوا، اور دونون مارے گئے، لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ کو زخمی کیا، حضرت علی نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کردیا، اور عبیدہ کو کندھے پر اٹھا کر رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین لائے، عبیدہ نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ کیا مین دولتِ شہادت سے محروم رہا؟ آپ نے فرمایا "نہین۔ تمنے شہادت پائی" عبیدہ نے کہا آج ابوطالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ اُنکے اس شعر کا مستحق مین ہون[۳]،

ونسلمہ حتے نصرع حولہ — ہم محمد کو اُسوقت دشمنون کے حوالہ کرین گے جب اُنکے گرد لڑکر

ونذھل عن ابنائنا والحلائل — مرجائین، اور ہم محمد کے لیے اپنے بیٹون اور بی بیون کو بھول جاتے ہین[۴]

سعید بن العاص کا بیٹا (عبیدۃ) سر سے پانون تک لوہے مین ڈوبا ہوا صف سے نکلا اور پکارا کہ مین ابو کرش ہون" حضرت زبیر اسکے مقابلہ کو نکلے۔ اور چونکہ صرف اسکی آنکھین نظر آتی تھین تاک کر آنکھ مین برچھی ماری وہ زمین پر گرا اور مرگیا۔ برچھی اسطرح پیوست ہوگئی تھی کہ حضرت زبیر نے اسکی لاش پر پانون اڑا کر کھینچا تو بڑی مشکل سے نکلی لیکن دونون سرے خم ہوگئے۔ یہ برچھی یادگار رہی، یعنی حضرت زبیر سے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے

---

[۱] کتب حدیث مین جو الفاظ ہین مختلف ہین۔ ابوداؤد مین ہے کہ عتبہ نے کہا، کہ ہم کو صرف اپنے برادرانِ عم زاد سے غرض ہے۔ تم سے کام نہین۔ انصاری محدثین نے اس کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ اُس سے انصار کی توہین منظور نہ تھی بلکہ یہ غرض تھی کہ انتقام خون کا مطالبہ قریش سے ہو انصار سے نہین" لیکن اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ مکہ والے انصار کو اپنا ہمسر نہین سمجھتے تھے صحیح روایتون مین مذکور ہے کہ جب ابوجہل انصار کے ہات سے مارا گیا تو مرتے وقت اُسنے کہا کاش! مجھکو فلاحون (کاشتکار) کے سوا کسی اور نے مارا ہوتا۔ انصار کھیتی کا پیشہ کرتے تھے جو قریش کے نزدیک معیوب تھا۔ [۲] زرقانی [۳] زرقانی۔ ان واقعات مین روائتین مختلف ہین اور قریباً سب ہم رتبہ ہین اسلیے جو روایت اختیار کرلی جائے قابل الزام نہین۔

مانگ لی، پھر چاروں خلفاء کے پاس منتقل ہوتی رہی، پھر حضرت عبداللہ بن زبیر کے پاس آئی[1]

حضرت زبیر نے اس معرکہ میں کئی کاری زخم اٹھائے۔ شانہ میں جو زخم تھا اتنا گہرا تھا کہ اچھے ہوجانے پر اس میں انگلی چلی جاتی تھی، چنانچہ ان کے بیٹے (عروۃ) بچپن میں ان زخموں سے کھیلا کرتے تھے، جس تلوار سے لڑے تھے وہ لڑتے لڑتے کر گئی تھی، چنانچہ جب عبداللہ بن زبیر شہید ہوئے تو عبدالملک نے عروۃ سے کہا تم زبیر کی تلوار پہچان لوگے، انھوں نے کہا ہاں۔ عبدالملک نے پوچھا کیونکر؟ بولے کہ بدر کے معرکہ میں اس میں دندانے پڑ گئے تھے، عبدالملک نے تصدیق کی اور یہ مصرع پڑھا، بھن فلول من قراع الکتائب۔ عبدالملک نے تلوار عروۃ کو دیدی، انھوں نے اسکی قیمت لگوائی تو تین ہزار ٹھہری، اسکے قبضہ پر چاندی کا کام تھا[1]۔

اب عام حملہ شروع ہوگیا، مشرکین اپنے بل بوتے پر لڑ رہے تھے لیکن ادھر سرور عالم سربسجدہ، صرف خدا کی قوت کا سہارا ڈھونڈھ رہا تھا،

ابوجہل کی شرارت اور دشمنیِ اسلام کا عام چرچا تھا، اس بنا پر انصار میں سے معوذ اور معاذ دو بھائیوں نے عہد کیا تھا کہ یہ شقی جہاں نظر آجائے گا یا اس کو مٹا دینگے یا خود مٹ جائیں گے، حضرت عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ میں صف میں تھا کہ دفعۃً مجھکو داہنے بائیں دو نوجوان نظر آئے ایک نے مجھ سے کان میں پوچھا کہ ابوجہل کہاں ہے؟ میں نے کہا، برادرزادہ! ابوجہل کو پوچھ کر کیا کریگا۔ بولا کہ میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ ابوجہل کو جہاں دیکھ لونگا یا اسے قتل کردونگا یا خود لڑ کر مارا جاؤنگا" میں جواب نہیں دینے پایا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے کانوں میں یہی باتیں کہیں۔ میں نے دونوں کو اشارہ سے بتایا کہ ابوجہل وہ ہے، بتانا تھا کہ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور ابوجہل خاک پر تھا۔ یہ دونوں جوان عفراء کے بیٹے تھے[2] "معوذ و معاذ" ابوجہل کے بیٹے عکرمۃ نے عقب سے آکر معاذ کے بائیں شانہ پر تلوار ماری جس سے بازو کٹ گیا لیکن تسمہ باقی لگا رہا، معاذ نے عکرمۃ کا تعاقب کیا، وہ بچکر نکل گیا، معاذ اسی حالت میں لڑ رہے تھے لیکن ہات کے لٹکنے سے زحمت ہوتی تھی، ہات کو

---

[1] صحیح بخاری غزوہ بدر میں پورا واقعہ منقول ہے [2] یہ پوری تفصیل صحیح بخاری غزوہ بدر کے ذکر میں ہے، بعض روایتوں میں معاذ بن عمرو معاذ بن عفراء ہے

پانون کے نیچے دبا کر کھینچا کہ تسمہ بھی الگ ہوگیا، اور اب وہ آزاد تھے،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے لڑائی سے پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ کفار کے ساتھ جو لوگ آئے ہین ان مین ایسے بھی لوگ ہین جو خوشی سے نہین بلکہ قریش کے جبر سے آئے ہین، ان لوگون کے نام بھی آپ نے بتا دیئے تھے، ان مین ابو البختری بھی تھا مجذر انصاری کی نظر ابو البختری پر پڑی مجذر نے کہا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے تیرے قتل سے منع فرمایا ہو، اسلیے تجھ کو چھوڑ دیتا ہون، ابو البختری کے ساتھ اُس کا ایک رفیق بھی تھا، ابو البختری نے کہا اسکو بھی؟ مجذر نے کہا "نہین" ابو البختری نے کہا تو مین خاتونانِ عرب، کا یہ طعنہ نہین سُن سکتا کہ ابو البختری نے اپنی جان بچانے کے لیے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا، یہ کہکر ابو البختری یہ رجز پڑھتا ہوا مجذر پر حملہ آور ہوا اور مارا گیا،

لن یسلم ابن حرۃ زمیلہ	شریف زادہ اپنے رفیق کو چھوڑ نہین سکتا۔
حتّٰی یموت او یری سبیلہ	جب تک مر نہ جائے یا موت کا راستہ نہ دیکھے۔

عتبہ اور ابوجہل کے مارے جانے سے قریش کا پائے ثبات اُکھڑ گیا اور فوج مین بیدلی چھا گئی،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا شدید دشمن اُمیّہ بن خلف بھی جنگ بدر مین شریک تھا حضرت عبد الرحمن بن عوف نے اس سے کسی زمانہ مین معاہدہ کیا تھا کہ وہ مدینہ مین آئیگا تو یہ اسکی جان کے ضامن ہونگے، بدر مین اس دشمنِ خدا سے انتقام لینے کا خوب موقع تھا لیکن چونکہ عہد کی پابندی اسلام کا شعار ہو، حضرت عبد الرحمن بن عوف نے چاہا کہ وہ بچکر نکل جاے۔ اسکو لیکر ایک پہاڑ پر چلے گئے۔ اتفاق یہ کہ حضرت بلال نے دیکھ لیا، انصار کو خبر کر دی، دفعتہ لوگ ٹوٹ پڑے، انھون نے امیّہ کے بیٹے کو آگے کر دیا۔ لوگون نے اس کو قتل کر دیا لیکن اسپر بھی قناعت نہ کی اور اُمیّہ کی طرف بڑھے، انھون نے اُمیّہ سے کہا کہ تم زمین پر لیٹ جاؤ وہ لیٹ گیا تو یہ اسپر چھا گئے کہ لوگ اس کو مارنے نہ پائین، لیکن لوگون نے انکی ٹانگون کے اندر سے ہات ڈال کر اس کو قتل کر دیا۔ حضرت عبد الرحمن کی بھی ایک ٹانگ زخمی ہوئی اور زخم کا نشان مدتون

تک قایم رہا،

ابوجہل اور عتبہ وغیرہ کے قتل کے بعد قریش نے سپر ڈال دی اور مسلمانون نے ان کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔

حضرت عباس، عقیل (حضرت علی کے بھائی) نوفل، اسود بن عامر، عبد بن زمعہ، اور بہت سے بڑے بڑے معزز لوگ گرفتار ہوئے،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے حکم دیا کہ کوئی شخص جاکر خبر لائے ابوجہل کا کیا انجام ہوا؟ عبد اللہ بن مسعود نے جاکر لاشون مین دیکھا تو زخمی پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا، بولے تو ابوجہل ہی؟ اُسنے کہا "ایک شخص کو اسکی قوم[1] نے قتل کر دیا، تو یہ فخر کی کیا بات ہی" ابوجہل نے ایک دفعہ ان کو تھپڑ مارا تھا، انھون اسکے انتقام مین اسکی گردن پر پانون رکھا، ابوجہل نے کہا "او بکری چرانے والے! دیکھ تو کہان پانون رکھتا ہی"! عبد اللہ بن مسعود اس کا سر کاٹ لائے، اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے قدمون پر ڈال[2] دیا

مغربی مورخین کو جنکے نزدیک عالم اسباب مین جو کچھ ہی صرف اسباب ظاہری کے نتائج ہین حیرت ہو کہ تین سو بیدل آدمیون نے ایک ہزار پر جن مین سو سوارون کا رسالہ تھا کیونکر فتح پائی، لیکن تائید آسمانی نے بارہا ایسے حیرت انگیز مناظر دکھائے ہین، تاہم اس واقعہ مین ظاہر بینون کے اطمینان کے سامان بھی موجود ہین۔ اوّل تو قریش مین باہم اتفاق نہ تھا، عتبہ سردار لشکر لڑنے پر راضی نہ تھا، قبیلہ زہرہ کے لوگ بدر تک آکر واپس چلے گئے، پانی برسنے سے موقع جنگ کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ قریش جہان صف آرا تھے وہان کیچڑ اور دلدل کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل تھا۔ قریش مرعوب ہو کر اسلامی فوج کا تخمینہ غلط کر رہے تھے یعنی اصل تعداد سے دوگنا، چنانچہ قرآن مجید مین ہی،

يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ (آل عمران) — وہ اپنی آنکھون سے مسلمانون کو اپنے آپسے دوگنا دیکھ رہے تھے،

کفّار کی فوج مین کوئی ترتیب او صف بندی نہ تھی، بخلاف اسکے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے

---

[1] یہ پورا واقعہ صحیح بخاری مین ہی لیکن چونکہ کتاب المغازی مین نہین بلکہ کتاب الوکالہ مین ہی اسلیے ارباب سیر کی نظر نہین پڑی [2] صحیح بخاری،

خود دست مبارک مین تیر لے کر نہایت ترتیب سے صفین درست کی تھین، مسلمان رات کو اطمینان سے سوئے تھے، صبح اُٹھے تو تازہ دم تھے، بخلاف اسکے کفار بے اطمینانی کی وجہ سے رات کو سو نہ سکے تھے،

تاہم یہ اسباب ہین، انکا اجتماع اور نتیجہ یہی تائید الٰہی ہی، پھر قریش اور مسلمانون کی فوج کا باہم مقابلہ کرو تو نظر آئے گا کہ عام فوجی نظر کیا مسلمانون کی فتح کی مقتضی تھی، قریش کی فوج مین بڑے بڑے دولتمند تھے جو تنہا تمام فوج کی رسد کا سامان کرتے تھے، مسلمانون کے پاس کچھ نہ تھا، قریش کی تعداد ایک ہزار تھی مسلمان صرف ۳۰۰ تھے، قریش مین سو سوار تھے، مسلمانون کی فوج مین صرف دو گھوڑے تھے، مسلمانون مین بہت کم سپاہی تمام ہتھیارون سے پورے تھے اور اُدھر قریش کا ہر سپاہی لوہے مین غرق تھا،

باایں ہمہ خاتمۂ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانون مین سے صرف ۱۴ شخصون نے شہادت پائی جن مین ۶ مہاجر اور باقی انصار تھے، لیکن دوسری طرف قریش کی اصلی طاقت ٹوٹ گئی، روسائے قریش جو شجاعت مین نامور اور قبایل کے سپہ سالار تھے ایک ایک کر کے مارے گئے، ان مین شیبہ، عتبہ، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہشام، امیۃ بن خلف، منبہ بن الحجاج قریش کے سرتاج تھے، قریباً ۷۰ آدمی قتل اور اسیقدر گرفتار ہوئے، اسیرانِ جنگ مین سے عقبہ اور نضر بن حارث قتل کر دیے گئے، باقی گرفتار ہو کر مدینہ مین آئے ان مین حضرت عباس، عقیل (حضرت علی کے بھائی) ابوالعاص (آنحضرت ؐ کے داماد) بھی تھے،

لڑائیون مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا معمول تھا کہ جہان کوئی لاش نظر آتی تھی آپ اسکو زمین مین دفن[1] کرا دیتے تھے، لیکن اسموقع پر کشتون کی تعداد زیادہ تھی اسلیے ایک ایک کا الگ الگ دفن کرانا مشکل تھا، ایک وسیع کنوان تھا تمام لاشین آپ نے اس مین ڈلوا دین لیکن اُمیّہ کی لاش پھول کر اس قابل نہین رہی تھی کہ جگہ سے ہٹائی جاوے، اسلیے وہین خاک مین دبا دی گئی،

اسیرانِ جنگ جب مدینہ مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے سامنے آئے، تو حضرت سودہ

---

[1] روض الانف [2] ابن ہشام،

(آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی زوجہ محترمہ) بھی تشریف رکھتی تھین، اِن قیدیون مین اُن کے عزیز سہیل بن عمر بھی تھے، اُن پر نگاہ پڑی تو بے ساختہ بول اٹھین کہ تمنے عورتون کی طرح خود بیڑیان پہن لین یہ نہو سکا کہ لڑکر مرجاتے[1]

اسیرانِ جنگ دو دو، چار چار صحابہ کو تقسیم کردیے گئے اور ارشاد ہوا کہ آرام کے ساتھ رکھے جائین، صحابہؓ نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے، اِن قیدیون مین ابوعزیز بھی تھے، جو حضرت مصعب بن عمیر کے بھائی تھے، ان کا بیان ہو کہ مجھکو جن انصاریون نے اپنے گھر مین قید کر رکھا تھا، جب صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے، اور خود کھجورین اُٹھا لیتے۔ مجھکو شرم آتی، اور مین روٹی ان کے ہات مین دیدیتا، لیکن وہ ہات بھی نہ لگاتے اور مجھی کو واپس دیتے اور یہ اس بنا پر تھا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تاکید کی تھی کہ قیدیون کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے[2]

(قیدیون مین ایک شخص سہیل بن عمرو تھا، جو نہایت فصیح اللسان تھا اور عام مجمعون مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے خلاف تقریرین کیا کرتا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ اسکے دو نچلے دانت اُکھڑوا دیجیے، کہ پھر اچھا نہ بول سکے، آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مین اگر اسکے عضو بگاڑونگا (مثلہ) تو گو نبی ہون، لیکن خدا اسکی جزا مین، میرے اعضا بھی بگاڑیگا[3])

اسیرانِ جنگ کے پاس کپڑے نہ تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے سب کو کپڑے دلوائے، لیکن حضرت عباس کا قد اسقدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتہ اُن کے بدن پر ٹھیک نہین اترتا تھا۔ عبداللہ بن اُبَی (رئیس المنافقین) نے کہ حضرت عباس کا ہم قد تھا، اپنا کرتہ منگوا کر دیا۔ صحیح بخاری مین ہو کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے عبداللہ کے کفن کے لیے جو اپنا کرتہ عنایت فرمایا تھا وہ اسی احسان کا معاوضہ تھا[4]

عام روایت ہو کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ مین آکر صحابہ سے مشورہ کیا کہ اسیرانِ جنگ کے معاملہ مین کیا کیا جائے، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ سب اپنے ہی عزیز واقارب مین، فدیہ لے کر چھوڑ دیے جائین لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک اسلام کے مسئلہ مین دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ، قریب و بعید، کی تمیز نہ تھی، اس لیے انھون نے

---

[1] ابن ہشام۔ [2] تاریخ طبری صفحہ ۱۳۳۸ [3] طبری صفحہ ۱۳۴۴۔ [4] صحیح بخاری صفحہ ۴۴۲۔

یہ راے دی کہ سب قتل کردیے جائین اور ہم مین سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کرے" آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے صدیق اکبر کی راے پسند کی، اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا، اس پر خدا کا عتاب آیا اور یہ آیت اُتری،

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ — اگر خدا کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جاچکا ہوتا تو جو کچھ تمنے لیا، اس پر بڑا عذاب نازل ہوتا،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ابوبکرؓ یہ عتاب ربانی سنکر رو پڑے۔

یہ روایت تمام تاریخون مین مذکور اور احادیث مین بھی موجود ہی لیکن سبب عتاب کے بیان مین اختلاف ہی، ترمذی مین جو روایت ہی اسکا ماحصل یہ ہی کہ اسوقت تک مال غنیمت کے متعلق احکام نہین آئے تھے، عرب کے عام دستور کے موافق صحابہ غنیمت مین مصروف ہوگئے اس پر عتاب آیا لیکن چونکہ اسکے متعلق پہلے کوئی حکم نہین دیا گیا تھا اسلیے یہ جرم معاف کردیا گیا اور حکم آیا کہ مال غنیمت جو ہات آئے حلال ہی،

قرآن مجید مین عتاب کے بعد یہ الفاظ ہین،

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا — تو جو تم نے لوٹا ہی اب کھاؤ کہ حلال طیب ہی،

اس آیت مین صاف تصریح ہی کہ مال جو ہات آیا تھا وہ حلال کردیا گیا اور وہ مال غنیمت تھا، غرض صحیح مسلم اور ترمذی دونون سے یہ ثابت ہوتا ہی کہ عتاب فدیہ لینے، یا مال غنیمت کے لوٹنے پر تھا صحیح مسلم مین یہ الفاظ ہین کہ جب عتاب کی آیت نازل ہوئی تو آپ رونے لگے، اور جب حضرت عمرؓ نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا أَبْكِي لِلَّذِي عَرَضَ عَلَيَّ أَصْحَابُكَ مِنْ أَخْذِهِمُ الْفِدَاءَ یعنی تمھارے ساتھیون نے جو فدیہ لیا، اسکے پر جو خدا کی طرف سے پیش کیا گیا اسپر مین رو رہا ہون" عموماً لوگون نے غلط فہمی سے یہ سمجھا ہی کہ عتاب اس پر آیا کہ اسیران جنگ کو قتل کیون نہین کرڈالا۔ چنانچہ لوگون نے اس آیت سے استدلال کیا ہی،

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ — کسی نبی کو یہ مناسب نہین کہ بغیر اچھی طرح خون ریزی کرنے کے لوگون کو قیدی بنائے،

لیکن اس آیت کا صرف یہ ماحصل ہو کہ میدانِ جنگ مین جب تک کافی خونریزی نہ ہو چکے، قیدی بنانا مناسب نہین، اس سے یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہو کہ اگر خونریزی سے پہلے لوگ گرفتار کر لیے گئے تو لڑائی کے بعد بھی وہ قتل کئے جا سکتے ہین۔

بہرحال اسیرانِ جنگ سے چار چار ہزار درہم فدیہ لیا گیا، لیکن جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہین کر سکتے تھے وہ چھوڑ دیئے گئے، ان مین سے جو لکھنا جانتے تھے، ان کو حکم ہوا کہ دس دس بچّون کو لکھنا سکھا دین تو چھوڑ دیے جائین گے، حضرت زید بن ثابت نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا[۱]

انصار نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین عرض کی کہ حضرت عباس ہمارے بھانجے ہین ہم اُن کا فدیہ چھوڑ دیتے ہین لیکن آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مساوات کی بنا پر گوارا نہین فرمایا[۲] اور انکو بھی فدیہ ادا کرنا پڑا۔ فدیہ کی عام مقدار ۴ ہزار درہم تھی، لیکن امرا سے زیادہ لیا گیا۔ حضرت عباس دولتمند تھے اسلیے ان سے بھی زیادہ رقم وصول کی گئی، انھون نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے شکایت کی، لیکن انکو کیا معلوم تھا کہ اسلام نے جو مساوات قایم کی اس مین قریب و بعید، عزیز و بیگانہ، عام و خاص کے تمام تفرقے مٹ چکے تھے (لیکن ایک طرف تو ادائے فرض کی یہ مساوات تھی، دوسری طرف محبّت کا تقاضا یہ تھا کہ حضرت عباس کی کراہ سنکر رات کو آپ آرام نہ فرما سکے، لوگون نے اُنکی گرہ کھولی تو آپ نے آرام فرمایا)

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے داماد ابو العاص بھی اسیرانِ جنگ مین آئے تھے، اُن کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی، آنحضرت صلعم کی صاحبزادی زینب کو (جو اُنکی زوجہ تھین، اور مکہ مین تھین) کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیجدین۔ حضرت زینبؓ کا جب نکاح ہوا تھا، تو حضرت خدیجہؓ نے جہیز مین اُنکو ایک قیمتی ہار دیا تھا، حضرت زینبؓ نے وہی ہار گلے سے اتار کر بھیجدیا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا، تو ۲۵ برس کا محبّت انگیز واقعہ یاد آگیا، آپ بے اختیار رُو پڑے، اور صحابہ سے فرمایا کہ تمھاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کردو،

---

[۱] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۴۷ [۲] طبقات ابن سعد صفحہ ۴ [۳] بخاری صفحہ ۵۰۷

سب نے تسلیم کی گردنین جھکادین اور وہ ہار واپس کردیا[1]،

(ابوالعاص رہا ہوکر مکہ آئے اور حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیجدیا، ابوالعاص بہت بڑے تاجر تھے۔ چند سال کے بعد بڑے سروسامان سے شام کی تجارت لیکر نکلے، واپسی مین مسلمان دستون نے اُن کو مع تمام مال واسباب گرفتار کرلیا۔ اسباب ایک ایک سپاہی پر تقسیم ہوگیا۔ یہ چھُپکر حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے، انھون نے پناہ دی، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے لوگون سے فرمایا کہ اگر مناسب سمجھو تو ابوالعاص کا اسباب واپس کردو، پھر تسلیم کی گردنین جھک گئین، اور ایک ایک دھاگا تک سپاہیون نے لالاکر واپس کردیا، اب یہ وار ایسا نہ تھا جو خالی جاتا، ابوالعاص مکہ گئے اور تمام شرکا کو حساب سمجھاکر، دولتِ اسلام سے فائز ہوئے، اور کہدیا کہ مین اس لیے یہان آکر اور حساب سمجھاکر جاتا ہون تاکہ یہ نہ کہو کہ ابوالعاص ہمارا روپیہ کھاکر تقاضے کے ڈر سے مسلمان ہوگیا[2])

بدر کی خبر مکہ مین پہنچی تو گھر گھر ماتم تھا، لیکن غیرت کی وجہ سے قریش نے منادی کرادی کہ کوئی شخص رونے نہ پائے، اس لڑائی مین اسود کے تین لڑکے مارے گئے تھے، اُسکا دل اُمنڈا آتا تھا، لیکن قومی عزت کے خیال سے رو نہین سکتا تھا، اتفاق یہ کہ ایک دن کسی طرف سے رونے کی آواز آئی سمجھا کہ اب قریش نے رونے کی اجازت دیدی ہے، نوکر سے کہا دیکھنا کون روتا ہے؟ کیا رونے کی اجازت ہوگئی، میرے سینہ مین آگ لگ رہی ہے جی کھولکر رولون تو تسکین ہوجائے، آدمی نے آکر کہا ایک عورت کا اونٹ گم ہوگیا ہے اُس کے لیے رو رہی ہے، اسود کی زبان سے بے اختیار یہ شعر نکلے،

اتبکے ان یضلّ لھا بعیر	اونٹ کے گم ہونے پر روتی ہو اور اس کو
ویمنعھا من النوم السھود	نیند نہین آتی، بکر پر تجھکو رونا نہین آتا، ہیچ
ولا تبکے علے بکر ولکن	یہ ہو کہ بدر مین قسمت نے کمی کی،
علے بدر تقاصرت الجدود	تجھکو رونا ہی تو عقیل پر رو، اور حارث پر رو،

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۱۳۴۸ و ابوداؤد، [2] تاریخ طبری،

فبکّے ان بکیت علے عقیل   جو شیرون کا شیر تھا، (بکر اور عقیل وحارث)

وبکّے حارثا اسد الاسود   اسود کے بیٹون کے نام ہین)

(عمیر بن وہب قریش مین اسلام کا ایک سخت دشمن تھا، وہ اور صفوان بن امیہ حجر مین بیٹھے ہوئے مقتولین بدر کا ماتم کر رہے تھے، صفوان نے کہا کہ "خدا کی قسم اب جینے کا مزہ نہین"۔ عمیر نے کہا سچ کہتے ہو اگر مجھپر قرض نہ ہوتا اور بچّون کا خیال نہ ہوتا تو مین سوار ہوکر جاتا اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر آتا، میرا بیٹا بھی وہان قید ہے، صفوان نے کہا تم قرض کی اور بچّون کی فکر نہ کرو، انکا مین ذمہ دار ہون، عمیر نے گھر آکر تلوار زہر مین بجھائی اور مدینہ پہنچا، حضرت عمرؓ نے اسکے تیور دیکھ لیے، گلا دبائے اُسکو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین لائے، آپ نے فرمایا عمر! چھوڑ دو، عمیر قریب آجاؤ، پوچھا کس ارادہ سے آئے؟ جواب دیا کہ بیٹے کو چھڑانے آیا ہون، فرمایا پھر تلوار کیون حمائل ہے؟ عمیر نے کہا آخر تلوارین بدر مین کس کام آئین، فرمایا، کیون نہین، تم نے اور صفوان نے حجر مین بیٹھکر میرے قتل کی سازش نہین کی؟ عمیر یہ بات سُنکر سناٹے مین آگیا، بے اختیار ہوکر بولا، محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بیشک تم پیغمبر ہو، بخدا میرے اور صفوان کے سوا اس معاملہ کی کسی کو خبر نہ تھی، قریش جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کی خبر سننے کے منتظر تھے اُنھون نے عمیر کے مسلمان ہونے کی خبر سُنی،

عمیر مسلمان ہوکر بہادرانہ مکہ مین آئے، جہان کا ہر ذرہ اس وقت مسلمانون کے خون کا پیاسا تھا، انکو اسلام کے دوستون سے جس شدت کے ساتھ عداوت تھی، اسی شدت سے وہ اب دشمنانِ اسلام کے دشمن تھے، یہان پہنچکر اُنھون نے اسلام کی دعوت کو پھیلایا اور ایک مجمع کثیر کو اس روشنی سے منور کر دیا[۱])

غزوۂ بدر کا بیان قرآن مین (اس غزوہ کو دیگر غزوات پر جو امتیازات حاصل ہین، اُن مین ایک یہ بھی ہے کہ خود خدا نے اپنے کلام پاک مین اس کا مفصل ذکر کیا ہے، اور ایک خاص سورہ (انفال) بدر کے احسانات ونعم کی تفصیل اور بعض مسائل متعلقۂ بدر کی توضیح کے لیے مخصوص کر دیا ہے، واقعہ کی اصل حقیقت جاننے کے لیے آسمان کے نیچے

(۱) یہ تمام واقعات تاریخ طبری مین بحوالۂ عروہ بن زبیر مذکور ہین، صفحہ ۱۳۵۴)

اس سے زیادہ کوئی صحیح ماخذ موجود نہین،

(۱) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ
وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ
يَتَوَكَّلُوْنَ ج اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
يُنْفِقُوْنَ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ج كَمَآ اَخْرَجَكَ
رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ص وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
لَكٰرِهُوْنَ ٥ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا
يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ٥ وَاِذْ يَعِدُكُمُ
اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ
ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ
وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ
لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ٥ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ
لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ٥ وَمَا
جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ج وَمَا
النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ٥ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ
النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ
مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ
وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ٥

(۱) مومن وہ ہین کہ جب خدا کا نام لیا جائے تو اُن کے دل دہل جائین، اور جب اُسکی آیتین پڑھکر سنائی جائین تو اُنکا ایمان بڑھ جاتا ہی، اور وہ اپنے خدا پر بھروسہ کرتے ہین، جو نماز بہ پابندی پڑھتے ہین، اور خدا نے جو اُنکو روزی دی ہی اُس سے راہِ خدا مین بھی کچھ دیتے ہین، یہ ہین سچے مومن، اُنکے لیے خدا کے پاس رُتبے ہین بخشش ہے، اور اچھی روزی ہی،

جسطرح، اے پیغمبر تیرا خدا تجکو حق پر تیرے گھر سے (بدر تک) نکال لایا، حالانکہ مسلمانون کا ایک گروہ اِس سے ناخوش تھا، وہ تجھسے حق ظاہر ہوئے پیچھے بھی جھگڑتا ہے، گویا کہ وہ موت کی طرف ہنکائے جاتے ہین، اور وہ موت کو دیکھتے ہین، اور جب خدا تمسے قریش کے قافلہ اور قریش کی فوج مین سے ایک کا وعدہ کرتا ہے کہ وہ تمھارے لیے ہے، تم چاہتے ہو کہ بے خرخشہ والا گروہ تمکو ملجائے (یعنی قافلہ) اور خدا یہ چاہتا ہی کہ حق کو اپنے حکم سے ثابت کرے، اور باطل کو مٹائے، گو گنہگار اس سے رنجیدہ ہون گے، یاد کرو، جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے، اُسنے تمھاری سُنی (اور کہا) مین تمھاری لگاتار ہزار فرشتون سے مدد کرون گا، خدا نے یہ صرف مسلمانونکی خوشی اور اطمینان قلب کے لیے کہا، اور فتح تو صرف خدا کے پاس ہی خدا غالب دانا ہی،

اِذْ یُوحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَةِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ،
فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْھُمْ کُلَّ
بَنَانٍ، ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ شَآقُّوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ
فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ ذٰلِکُمْ فَذُوْقُوْہُ
وَاَنَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ، یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْ
ھُمُ الْاَدْبَارَ ۝ وَمَنْ یُّوَلِّھِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَہٗ
اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ
بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاْوٰہُ جَھَنَّمُ ۝ وَبِئْسَ
الْمَصِیْرُ، فَلَمْ تَقْتُلُوْھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَھُمْ وَ
مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۝ وَلِیُبْلِیَ
الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْہُ بَلَآءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ، ذٰلِکُمْ
وَاَنَّ اللّٰہَ مُوْھِنُ کَیْدِ الْکٰفِرِیْنَ ۝ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ
جَآءَکُمُ الْفَتْحُ ۝ وَاِنْ تَنْتَھُوْا فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا
نَعُدْ ۝ وَلَنْ تُغْنِیَ عَنْکُمْ فِئَتُکُمْ شَیْئًا، وَّلَوْ کَثُرَتْ وَاَنَّ
اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ،

(٢) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ
وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ

یاد کرو، جب تھاری تسکین کے لیے اپنی طرف سے اونگھ تپر طاری کر رہا
تھا، اور آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ تمکو پاک کرے اور شیطان کی ناپاکی تمسے
دور کرے اور تمھارے دل مضبوط کرے، اور ثابت قدم رکھے،
یاد کرو، جب خدا فرشتونکو حکم دے رہا تھا کہ: مین تمھارے ساتھ
ہون، مسلمانون کو ثابت قدم رکھنا، مین کافرون کے دلمین
رعب ڈالدونگا، کافرونکی گردنین ماردو اور ہر جوڑ پر مار دو یہ اسلیے
کہ اُنھون نے خدا اور خدا کے رسول سے دشمنی کی ہی خدا سخت عذاب
دینے والا ہی، یہ ہی عذاب اسکا مزہ چکھو کافرونکے لیے عذاب دوزخ ہے،
مسلمانو! جب میدان جنگ مین کافرونکے مقابل آؤ تو پشت نہ پھیرو
اور بجز اسکے کہ لڑنیکے لیے مُڑے یا کسی دستہ کیطرف پھرے، جو کوئی پشت
پھیرے وہ خدا کا غضب لائیگا، اور اُسکا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور وہ کیا برا
ٹھکانا ہی، مسلمانو! ان کافرونکو تمنے نہین مارا لیکن خدا نے مارا، اور اے
محمد تمنے نہین پھینکا، جب تمنے پھینکا، لیکن خدا نے پھینکا، تاکہ اپنی طرف سے
اہل ایمان کو اچھا انعام دے، خدا دانا اور بینا ہی اور کافرونکے داؤ پیچ کو کمزور
کرنیوالا ہی، اگر فتح چاہتے تھے تو فتح آچکی اگر اب رُک جاؤ تو بہتر ہی۔ اور اگر
تم پھر مخالفت پر آمادہ ہوگے تو ہم پھر مسلمانونکی مدد کرینگے، یاد رکھو کہ تھاری
جمیعت کچھ مفید نہین گو وہ کتنی ہی کثیر ہو، اور خدا مومنون کے ساتھ ہے،

(٢) جان لو کہ جو مال غنیمت ملے، تو اُسکا پانچوان حصہ خدا کے
لیے اور اُسکے رسول کے لیے، اہل قرابت کے لیے، یتیمون کے لیے

وَابْنِ السَّبِيْلِ ۵ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا
عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۵ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا
وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ
مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ
وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا لِّيَهْلِكَ مَنْ
هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ط
وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۵ اِذْ يُرِيْكَهُمُ
اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ط وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ
كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ سَلَّمَ ط اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۵
وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا
وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا
كَانَ مَفْعُوْلًا ط وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۵
يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا
وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ
وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا
وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ

سکینون کے لیے اور مسافرون کے لیے ہے، اگر خدا پر تم ایمان لاچکے
ہو اور حق و باطل مین فرق کر دینے والے دن مین (یعنی بدر مین)
خدا نے اپنے بندہ پر جو (فتح) اتاری، اسکو مان چکے جب دونون
فوجین آمنے سامنے آگئین، اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، جب
تم قریب کے میدان مین اور قریش کی فوج دور کے میدان
مین اور قافلہ تمسے نیچے تھا، اگر تم ایک دوسرے سے وقت مقرر
کرکے آتے تو وقت مین اختلاف ہوجاتا لیکن (خدا نے یہ اسلیے
کردیا) تاکہ جو ہونیوالا تھا، خدا اسکو کردے، تاکہ جسکو مرنا ہو وہ بھی
دلیل دیکھ کے مرے، اور جسکو زندہ رہنا ہو وہ بھی دلیل دیکھ کے
زندہ رہے، اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

یاد کرو جب خدا تم کو جنگ کی حالت مین اُنکو تھوڑا دکھا رہا
تھا، اگر زیادہ کرکے دکھاتا تو تم سُست پڑجاتے اور باہم جھگڑے
پڑتے، لیکن خدا نے محفوظ رکھا، وہ سینون کے بھید سے واقف ہے
جب تمھاری نظر مین خدا اُنکو تھوڑا دکھا رہا تھا، اور تم کو انکی نگاہ
مین، تاکہ جو ہونیوالا ہے خدا اُسکو پورا کرے، اور اسی کی طرف
تمام معاملے پھرتے ہین۔

مسلمانو! جب کسی دستہ فوج سے مقابلہ آپڑے تو ثابت قدم رہو
اور خدا کو اکثر یاد کیا کرو تاکہ کامیاب ہو، اور خدا اور اُسکے رسول
کی اطاعت کرو، اور جھگڑا نکرو، ورنہ سُست پڑجاؤگے اور تمھاری ہوا

بَطَرًا وَّرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ٥

اکڑ جائے گی مستقل رہو، خدا مستقل لوگوں کے ساتھ ہے، اور اُن لوگوں (یعنی قریش) کیطرح نہ ہو جو اپنے گھروں سے مغرورانہ نمایش اور دکھاوے کیساتھ اور خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہوئے نکلے، اور خدا اُنکے تمام کاموں کو گھیرے ہوئے ہے

(۳) مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ط تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۞ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ، فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ، يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ، وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (انفال)

(۳) پیغمبر کے لیے یہ مناسب نہ تھا کہ اُسکے پاس قیدی ہوں تا آنکہ خوب زمین میں لڑ نہ لے، تم دنیا کی دولت چاہتے ہو (قیدی ہونگے تو فدیہ ہاتھ آئیگا) اور خدا آخرۃ چاہتا ہے، خدا دانا و توانا ہے، اگر خدا کی تقدیر پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو تمنے جو قیدیوں سے لے لیا، اِس پر تمکو دردناک عذاب پہنچتا، اب جو کچھ تم کو غنیمت میں ملا، کھاؤ، وہ حلال وطیب ہے، اور خدا سے ڈرا کرو، خدا آمرزگار او رمہربان ہے اے پیغمبر تمہارے ہاتھ میں جو قیدی ہیں اُن سے کہو کہ خدا اگر تمہارے دلوں میں کچھ نیکی دیکھیگا تو تمسے جو لیا گیا ہے اُسکے بدلہ وہ نیکی عطا کریگا اور تمہیں معاف کریگا وہ بخشش اور مہربانی والا ہے، اور اگر یہ قیدی تجھسے خیانت کرنا چاہتے ہیں تو اِس سے پہلے وہ خدا کیساتھ خیانت کر چکے ہیں اسی لیے تو خدا نے اُنکو تمہارے قابو میں کر دیا، خدا دانا اور باخبر ہے،

خدا نے اسی احسان کو اُحد کے موقع پر یاد دلایا ہے،

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ،

یقیناً خدا نے تمہاری بدر میں مدد کی جب تم کمزور تھے، تو خدا سے ڈرو تا کہ تم شکر گذار بن جاؤ،

غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر

سادہ واقعات بیان کرنے کے بعد اب وقت آیا ہے کہ محققانہ طور سے اس بات پر بحث کی جائے کہ غزوۂ بدر کا مقصد جیسا کہ عام مورخین نے بیان کیا ہے، کاروان تجارت کو لوٹنا تھا یا قریش کے حملہ کا دفاع تھا۔ مین اس بات سے خوب واقف ہون کہ تاریخ اور محکمۂ عدالت مین فرق ہے۔ مجھکو یہ بھی معلوم ہے کہ تاریخ کا اندازِ بیان مقدمۂ دیوانی یا فوجداری کے فیصلہ لکھنے سے بالکل مختلف ہے، مین اسکو بھی تسلیم کرتا ہون کہ میرا منصب واقعہ نگاری ہے، فیصلہ نویسی نہین، لیکن موقع ایسا آپڑا ہے کہ ایک واقعۂ تاریخی نے مقدمۂ عدالت کی حیثیت حاصل کرلی ہے، اسلیے مجھکو اپنے منصب سے ہٹ کر فصل مقدمہ کا قلم ہاتھ مین لینا پڑتا ہے،

اس بات کا مجھکو مطلق خوف نہین کہ اس فیصلہ مین عام مورخین اور ارباب سیر میرے حریف مقابل ہین، نہایت جلد نظر آجائیگا کہ حق اکیلا تمام دنیا پر فتح پاسکتا ہے، سلسلۂ کلام کے اچھی طرح پیش نظر رکھنے کے لیے سب سے پہلے ہمکو بتا دینا چاہیے کہ (ہماری تحقیقات کے رو سے) واقعہ کی اصلی صورت کیا تھی؟

واقعہ یہ ہے کہ حضرمی کے قتل نے تمام مکہ کو جوشِ انتقام سے لبریز کردیا تھا، اور اس سلسلہ مین چھوٹی چھوٹی لڑائیاں بھی پیش آگئین، دونون فریق ایک دوسرے سے پُر حذر رہتا تھا، اور جیسا کہ ایسی حالتون مین عام قاعدہ ہے، غلط خبرین خود بخود مشہور ہوکر پھیل جاتی ہین۔ اسی اثنا مین ابو سفیان قافلۂ تجارت کے ساتھ شام گیا، اور ابھی وہ شام مین تھا کہ یہ خبر وہان مشہور ہوگئی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے ہین، ابوسفیان نے وہین سے گرگ کو آدمی دوڑایا کہ قریش کو خبر ہوجائے۔ قریش نے لڑائی کی طیاریان کردین، مدینہ مین یہ مشہور ہوا کہ قریش ایک جمعیت عظیم لیکر مدینہ آرہے ہین، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مدافعت کا قصد کیا، اور بدر کا معرکہ پیش آیا۔

اس بحث کے فیصلہ کے لیے سب سے پہلے اُن واقعات کو یکجا لکھدینا چاہیے جنپر دونون فریق کا اتفاق ہے، تاکہ وہ انفصال بحث مین اصول موضوعہ کے طور پر کام آئین، وہ یہ ہین۔

(۱) قرآن مجید مین اگر کسی واقعہ کا صاف ذکر ہے تو اسکے مقابلہ مین کسی روایت اور تاریخ کا اعتبار نہ کیا جائیگا۔

(۲) کتب حدیث مین صحت کے لحاظ سے باہم جو فرق مراتب ہے، اس کا لحاظ رکھا جائیگا۔

اِس قدر عموماً مسلم ہے کہ جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ قریش بڑی طیاری کے ساتھ مکہ سے نکلے ہین، تو آپ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر انکا استمزاج کیا، مہاجرین نے نہایت جوش کے ساتھ آمادگی ظاہر کی، لیکن آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) انصار کی مرضی دریافت کرنا چاہتے تھے، یہ دیکھکر سعد یا اور کوئی معزز انصاری اُٹھے اور کہا، یا رسول اللہ! کیا آپکا روے سخن ہماری طرف ہی؟ ہم وہ لوگ نہین ہین جنھون نے موسیٰ سے کہا تھا کہ "تم اور تمھارا خدا دونون جاکر لڑو، ہم یہین بیٹھے رہین گے" خدا کی قسم اگر آپ حکم دین تو ہم آگ اور سمندر مین کود پڑین۔

یہ بھی مُسَلّم ہے کہ صحابہ مین کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو شرکت سے ہچکچاتے تھے چنانچہ خود قرآن مجید مین تصریح ہی؛

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ — اور مسلمانون کا ایک گروہ قطعاً ناخوش تھا

عموماً تمام ارباب سیر اور محدثین نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے انصار کی رضامندی جو خاص طور پر دریافت کی اسکی وجہ یہ تھی کہ انصار نے مکہ مین جب آپکے ہاتھ پر بیعت کی تو صرف یہ اقرار کیا تھا کہ "جب کوئی دشمن خود مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو انصار مقابلہ کرینگے"۔ یہ اقرار نہ تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر بھی لڑینگے، اِن واقعات کے بعد اب مرکز بحث یہ ہی کہ "یہ واقعات کہان پیش آئے"؟ ارباب سیر لکھتے ہین کہ مدینہ سے جب آپ نکلے تو صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود تھا، دو چار منزل چلکر معلوم ہوا کہ قریش فوجین لیے چلے آتے ہین، اُس وقت آپنے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا کہ انکا عندیہ دریافت فرمائین، آگے کے واقعات یہین پیش آئے لیکن کُتب سیر، تاریخ، اور تمام دیگر شہادتون سے بالاتر ایک اور چیز ہمارے پاس موجود ہی (قرآن) جسکے آگے ہم سب کو گردن جھکا دینی چاہیے:-

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ — جس طرح تجھکو تیرے خدا نے تیرے گھر سے حق پر نکالا در انحالیکہ

فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ۝ يُجَادِلُونَكَ
فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ
وَهُمْ يَنظُرُونَ ۝ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى
الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ
ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ
أَن يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝

(انفال - پہلا رکوع)

مسلمانون کا ایک گروہ اسکو پسند نہین کرتا تھا۔ یہ لوگ حق کے
ظاہر ہوئے پیچھے تجھ سے حق بات مین جھگڑا کرتے تھے گویا کہ
موت کی طرف ہنکائے جارہے ہین اور موت کو آنکھون سے
دیکھ رہے ہین۔ اور جبکہ خدا تمسے یہ وعدہ کرتا تھا کہ دو جماعتون مین
کوئی جماعت تمکو ہاتھ آئے گی اور تم یہ چاہتے تھے کہ بے کھٹکے والی
جماعت تمکو ہاتھ آجائے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ حق کو اپنی باتون
سے قائم کردے اور کافرون کی جڑ کاٹ دے۔

(۱) ترکیب نحوی کے رو سے وَاِنَّ مین جو واؤ ہے حالیہ ہے جسکے یہ معنی ہین کہ مسلمانون کا ایک گروہ جو لڑائی سے جی چُراتا ہے۔ یہ موقع عین وہ موقع تھا جب آپ مدینے سے نکل رہے تھے۔ نہ کہ مدینہ سے نکلکر جب آپ آگے بڑھے، کیونکہ واؤ حالیہ کے لحاظ سے خروج من البیت، اور اس گروہ کے جی چُرانے کا وقت اور زمانہ ایک ہی ہونا چاہئے،

(۲) آیت مذکورہ مین بہ تصریح مذکور ہے کہ یہ جس وقت کا واقعہ ہے اس وقت دو گروہ سامنے تھے۔ ایک کاروانِ تجارت، اور ایک قریش کی فوج جو مکہ سے آرہی تھی۔ ارباب سیر کہتے ہین کہ آیت قرآنی مین یہ اُس وقت کا واقعہ مذکور ہے جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) بدر کے قریب پُہنچ چکے تھے، لیکن بدر کے قریب پُہنچکر تو کاروانِ تجارت صحیح سلامت بچکر نکل گیا تھا۔ اُس وقت یہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ" دونون مین سے ایک کا وعدہ ہے" اِسلیے یہ بالکل ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے نص کے مطابق یہ واقعہ اس وقت کا ہونا چاہیے جب دونون گروہ کے ہاتھ آنے کا احتمال ہوسکتا ہو اور یہ صرف وہ وقت ہوسکتا ہے جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) مدینہ مین تھے اور دونون طرف کی خبرین آگئین تھین کہ اُدھر ابوسفیان کاروانِ تجارت لیکر چلا ہے، اور ادھر قریش جنگ کے سروسامان کے ساتھ مکہ سے نکل چکے ہین۔

(۳) سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ قرآن مجید کی آیت مذکورہ بالا مین کُفّار کے دو فریق کا خدا نے بیان کیا ہے

ایک قافلۂ تجارت اور دوسرا اصحابِ شوکت یعنی کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لیے آرہے تھے، آیت مین تصریح ہی کہ مسلمانون مین ایک جماعت ایسی تھی جو چاہتی تھی کہ کاروانِ تجارت پر حملہ کیا جائے، خدانے ان لوگون پر ناراضی ظاہر کی اور فرمایا،

تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ	تم چاہتے ہو کہ بے خرخشہ والا گروہ تم کو ہات آجائے اور خدا
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ	یہ چاہتا ہے کہ اپنی باتون سے حق کو قائم کردے اور کافرونکی
دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ (انفال رکوع ۱)	جڑ کاٹ دے۔

ایک طرف وہ لوگ ہین جو قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا چاہتے ہین، دوسری طرف خدا ہے جو چاہتا ہے کہ حق کو قائم کردے، اور کافرون کی جڑ کاٹ دے، اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) ان دو مین سے کس کے ساتھ ہین؟ عام روایتون کے مطابق اس سوال کا کیا جواب ہوگا؟ مین اس تصور سے کانپ اٹھتا ہون،

(۴) اب واقعہ کی نوعیت پر غور کرو، واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) مدینہ منورہ سے اس سروسامان کے ساتھ نکل رہے ہین کہ تین سو سے زیادہ جانباز مہاجر اور انصار ساتھ ہین، ان مین فاتح خیبر اور حضرت امیر حمزہ سید الشہدا بھی ہین، جن مین سے ہر ایک بجائے خود ایک لشکر ہے، باوجود اس کے (جیسا کہ قران مجید مین بہ تصریح مذکور ہے) ڈر کے مارے بہت سے صحابہؓ کا دل بیٹھا جاتا ہے اور ان کو نظر آتا ہے کہ کوئی اُن کو موت کے مُنھ مین لیے جاتا ہے،

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ يُجَادِلُوْنَكَ	مسلمانون کی ایک جماعت کارہ تھی، وہ تجھسے حق ظاہر ہوئے
فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ	پیچھے بھی جھگڑا کرتی تھی، گویا کہ موت کی طرف ہنکائے جارہے ہین،

اگر صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو یہ خوف، یہ اضطراب، یہ پہلوتہی کس بنا پر تھی، اس سے پہلے بارہا (بقول ارباب سیر) قافلۂ قریش پر حملہ کرنے کے لیے تھوڑے تھوڑے آدمی بھیجدیے گئے تھے، اور کبھی ان کو ضرر نہین پُہنچا تھا، اس دفعہ اسی قافلہ کا اتنا ڈر ہے کہ تین سو چیدہ اور منتخب فوج ہے اور پھر لوگ ڈر کے

مارے سہے جاتے ہین۔ یہ قطعی دلیل ہی کہ مدینہ ہی مین یہ خبر آگئی تھی کہ قریش مکہ سے جمعیت عظیم لیکر مدینہ پر آرہے ہین

(۵) قرآن مجید مین ایک اور آیت اسی بدر کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہی اور اسوقت جب آپ مدینہ ہی مین تشریف رکھتے تھے، چنانچہ صحیح بخاری تفسیر سورۂ انفال مین تصریحًا مذکور ہی۔ آیت یہ ہی۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ،	بجز معذورون کے، وہ لوگ جو بیٹھ رہے، اور وہ لوگ جو خدا کی راہ مین اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہین برابر نہین ہوسکتے: خدانے مجاہدین کو جو مال اور جان سے جہاد کرتے ہین درجہ مین فضیلت دی ہے،

صحیح بخاری مین اِس آیت کے متعلق حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ یعنی وہ لوگ جو بدر مین نہین شریک ہوے اور وہ جو شریک ہوئے، دونون برابر نہین ہو سکتے۔ صحیح بخاری مین یہ بھی ہی کہ جب یہ آیت مدینہ مین نازل ہوئی تو پہلے غیر اولی الضرر کا جملہ نہ تھا۔ یہ آیت سُنکر عبد اللہ ابن مکتوم آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور اپنے اندھے پن کا عذر کیا، اُس پر وہین یہ جملہ نازل ہوا غیر اولی الضرر "یعنی معذورون کے سوا" یہ صاف اِس بات کی دلیل ہی کہ مدینہ ہی مین معلوم ہوگیا تھا کہ قافلہ پر حملہ کرنا نہین بلکہ لڑنا اور جان دینا ہے۔

(۶) کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لیے بدر مین آئے انکی نسبت قرآن مجید مین ہی:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ	(اُن لوگون کی طرح نہ ہو) جو اپنے گھرون سے مغرورانہ اور شان دکھاتے اور خدا کی راہ سے روکتے ہوئے نکلے،

اگر قریش صرف قافلۂ تجارت کے بچانے کے لیے نکلتے تو خدا یہ کیون کہتا کہ وہ اظہار شان اور دکھاوے کے لیے خدا کی راہ سے لوگون کو روکتے ہوئے نکلے؟ اس مین اظہار شان اور دکھاوے کی کیا بات تھی؟ اور خدا کی راہ سے لوگون کو روکنا کیا تھا؟ البتہ چونکہ درحقیقت وہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلے تھے جس سے مقصود

اپنے زور اور قوت کا اعلان و نمایش اور اسلام کی ترقی کا انسداد تھا اسلیے خدا نے اسکو غرور و نمایش اور صد عن سبیل اللہ کہا۔

(قرآن مجید کے بعد احادیث نبوی کا درجہ ہی' احادیث کی متعدد کتابون مین غزوہ بدر کا مفصل و مجمل ذکر ہی لیکن کعب بن مالک والی حدیث کے سوا اور کسی حدیث مین یہ واقعہ میری نظر سے نہین گذرا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بدر مین قریش کے قافلہ تجارت کو لوٹنے کے لیے نکلے تھے' کعب بن مالک کی حدیث متعدد وجوہ سے قابل بحث ہے'

(۱) حضرت کعب بن مالک غزوہ بدر مین شریک نہین تھے۔ اس لیے انکی روایت اس موقع پر مشاہدہ دو واقفیت کی روایت نہین۔

(۲) اس واقعہ کی روایت سے انکا مقصود یہ ہی کہ غزوہ بدر کی اہمیت کم ہو جائے' تاکہ عدم شرکت سے انکا وزن کم نہو' حالانکہ بدر کو تاریخ اسلام مین جو اہمیت حاصل ہو وہ اس سے ظاہر ہی کہ قرآن نے اسکو یوم الفرقان کہا ہی' خدا نے تمام شرکاے بدر کے گناہ معاف کر دیئے ہین' بدری صحابہ کی یہ عزت تھی کہ حضرت عمرؓ کے عہد مین انکے وظایف سب سے زیادہ تھے' کسی صحابی کے نام کے ساتھ **بدری** کہنا خاص امتیاز کا سبب شمار کیا جاتا تھا'

حضرت کعب کی حدیث یہ ہی۔

عن عبد اللہ بن کعب قال کعب لما تخلف عن رسول اللہ صلعم فی غزوۃ غزاھا الا غزوۃ بتوک، غیر انی کنت تخلفت فی غزوۃ بدر ولم یعاتب احد تخلف عنہا، انما خرج النبی صلعم یرید عیر قریش، حتے جمع اللہ بینہ و بینھم علے غیر میعاد (غزوہ تبوک بخاری)	کعب کہتے ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کسی غزوہ سے پیچھے نہین رہا، بجز غزوہ تبوک کے، اور ہان غزوہ بدر مین بھی شریک نہ تھا، اور جو اس مین شریک نہ ہوا اُس پر کچھ عتاب نہین ہوا کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم قریش کے قافلہ کیلیے نکلے تھے کہ خدا نے دونون فریق کو اچانک مقابل کر دیا۔

اس کے برخلاف حضرت انس کی حدیث ہی جو بخاری و مسلم دونون مین مذکور ہی،

١- عن انس ان رسول الله صلعم شاور حين بلغه اقبال ابی سفيان قال فتكلم ابوبكر فاعرض عنه، فتكلم عمر فاعرض عنه فقام سعد بن عبادة فقال ايانا تريد يا رسول الله والذی نفسی بيده لو امرتنا ان نخيضها البحر لاخضناها، ولو امرتنا ان نضرب اكبادها الی برك الغماد لفعلنا قال فندب رسول الله صلعم الناس فانطلقوا حتی نزلوا بدرا

١- انس سے مروی ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ابو سفیان کے آنیکی خبر معلوم ہوئی تو آپنے مشورہ طلب کیا۔ حضرت ابوبکر بولے تو آپنے توجہ نفرمائی، پھر حضرت عمر بولے آپنے انکی طرف بھی توجہ نکی، پھر سعد بن عبادہ کھڑے ہوے اور کہا کہ یا رسول اللہ! کیا آپکا روے خطاب ہم انصار کیطرف ہی؟ خدا کی قسم اگر دریا مین سواری ڈالنے کا آپ حکم دین تو ہم ڈالدینگے، اور اگر برک الغماد تک جانیکا حکم دین گے تو ہم کرین گے۔ حضرت انس کہتے ہین کہ اسکے بعد آپنے لوگونکو شرکت جنگ کی دعوت دی۔ لوگ چل پڑے اور بدر پر اترے۔

٢- ووردت عليهم روايا قريش وفيهم غلام اسود لبنی الحجاج فاخذوه فكان اصحاب رسول الله صلعم يسألونه عن ابی سفيان واصحابه فيقول مالی علم بابی سفيان ولكن هذا ابوجهل وعتبة وشيبة وامية بن خلف فاذا قال ذلك ضربوه فقال نعم انا اخبركم هذا ابوسفيان فاذا تركوه فقال مالی بابی سفيان من علم هذا ابوجهل و...... ورسول الله صلعم قائم يصلی فلما رای ذلك الضرب قال والذی نفسی بيده لتضربوه اذا صدقكم وتتركوه اذا كذبكم

٢- اور (پہلے) قریش کا ہراول آکر اترا، اس مین بنی حجاج کا ایک حبشی غلام تھا، مسلمانون نے اُسکو گرفتار کرلیا اور اُس سے ابوسفیان کا حال پوچھنے لگے۔ وہ کہتا تھا مجھے ابوسفیان کی خبر نہین۔ لیکن یہ ابوجہل، عتبہ، شیبہ، اُمیہ بن خلف آرہے ہین، جب وہ یہ کہتا تو لوگ اسکو مارتے، وہ کہتا اچھا ابوسفیان کو بتاتا ہون تب اسکو چھوڑ دیتے تو پھر وہ کہتا مجھکو ابوسفیان کی خبر نہین لیکن ابوجہل وغیرہ وسائے قریش آرہے ہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز مین مشغول تھے۔ آپ نے یہ دیکھکر فرمایا! قسم ہے اُس ذات کی جسکے ہاتھ مین میری جان ہی جب وہ سچ کہتا ہی تو تم اسکو مارتے ہو، اور جب جھوٹ بولتا ہی تو چھوڑ دیتے ہو۔

حدیث کے پہلے ٹکڑے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب ابوسفیان کے آنے کا حال معلوم ہوا، اُسیوقت آپنے مہاجرین وانصار سے مشورہ کیا، اور انصار سے اعانت کی خواہش کی، اور یہ متفقاً ثابت ہے کہ ابوسفیان کی آمد کا حال مدینہ ہی مین معلوم ہوچکا تھا، اِس بنا پر یہ محقق طور پر ثابت ہوگیا کہ اس غزوہ کی شرکت کے لیے آپ نے انصار سے مدینہ ہی مین خواہش کی تھی، ورنہ اگر باہر نکل کر یہ معاملہ پیش آتا جیسا کہ کتب سیرت مین مذکور ہے تو اُس وقت انصار وہان کہان ہوتے ؟ اور نیز اسی ٹکڑے مین مذکور ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مشورہ کے بعد، لوگونکو شرکت کی دعوت دی، حالانکہ ارباب سیرت کے مطابق واقعہ یہ ہونا چاہیے، کہ انصار معاہدہ اور معمول سابق کے خلاف شرکت کے لیے نکلے! آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے پھر انکا عندیہ دریافت فرمایا! اور اسکے بعد شرکت کے لیے آمادہ کیا! ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک مجنونانہ بات ہے،

حدیث کے دوسرے ٹکڑے سے بوضاحت تمام محقق ہوتا ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو وحی کے ذریعہ سے یا کسی اور طریقہ سے یہ پہلے ہی سے معلوم تھا کہ تجارتی قافلہ کا نہین، بلکہ جنگی فوج کا مقابلہ ہے، گو عام لوگونکو یہ معلوم نہ ہو،

اِس حدیث مین ایک گرہ اور کھولنا ہے، اگر پہلے صرف ابوسفیان کا آنا معلوم ہوا تھا اور قریش کے حملہ کی خبر نہ تھی تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اس اصرار اور سروسامان سے کیون اجتماع کا اہتمام فرماتے ؟ اسلیے ابوسفیان کی آمد کے بجاے موقع کا اقتضا یہ ہے کہ یہ ہو کہ "جب مشرکین مکہ کی آمد کی خبر معلوم ہوئی" چنانچہ اسی واقعہ کو انھیں الفاظ کے ساتھ، امام احمد بن حنبل نے مسند[1] مین، ابن ابی شیبہ نے مصنف[2] مین، ابن جریر نے تاریخ[3] مین، اور بیہقی نے دلائل مین روایت کیا ہے، اور اس کو "صحیح" کہا ہے، اور اُسکے راوی معرکہ بدر کے ہیرو اسداللہ علی بن ابی طالب ہین،

عن علی قال لما قدمنا المدینۃ اصبنا من — حضرت علی فرماتے ہین کہ جب ہم مدینہ آے تو وہان

---

[1] جلد اوّل صفحہ ۱۱۷، [2] منتخب کنز العمال غزوۂ بدر، [3] جلد ۳ صفحہ ۱۲۸۹،

ثمارها فاجتویناها واصابنا بها وعک وکان	پھل کھانے کو ملے جو ہمارے ناموافق مزاج تھے اسلیے
النبی صلعم یتخبر عن بدر فلما بلغنا ان المشرکین	ہملوگ بیمار ہو گئے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) بدر کو
قد اقبلوا سار رسول اللہ صلعم الی بدر و بدر بئر	پوچھا کرتے تھے، جب ہمکو خبر ملی کہ مشرکین آرہے ہین، تو
فسبقنا المشرکین الیہا، (اسکے بعد بدر کے تمام واقعات	رسول اللہ صلعم بدر کو چلے، بدر ایک کنوان کا نام ہے، جہان
وجزئیات مذکور ہین)	ہم مشرکین سے پہلے پہونچگئے،

اس مین صاف تصریح ہے کہ مشرکین مکہ کے حملہ کی خبر سنکر آپ نکلے تھے اور بدر پر آکر قیام فرمایا تھا - اس پوری حدیث مین ابوسفیان کے قافلۂ تجارت کا ذکر تک نہین ہے)

ان قطعی نصوص کے بعد اگرچہ کسی اور استدلال کی ضرورت نہین لیکن لیطمئن قلبی کے طور پر واقعات ذیل پر لحاظ کرنا چاہیے،

(۱) آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اس سے پہلے قریش کے قافلون پر حملہ کرنے کے لیے جسقدر سرایا بھیجے اور جنمین بیس تیس آدمی سے لیکر سوسو، دو دو سو تک کی جمعیت تھی، ان مین کبھی کسی انصاری کو نہین بھیجا، ارباب سیر اس خاص امر کو تصریح لکھتے ہین اور اس تصریح کی اسلیے ضرورت سمجھتے ہین کہ انصار نے بیعت کے وقت مدینہ سے باہر نکلنے کا اقرار نہین کیا تھا، اس بنا پر اگر اس دفعہ بھی مدینہ سے نکلنے کے وقت صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو انصار ساتھ نہ ہوتے، حالانکہ اس واقعہ مین انصار کی تعداد مُہاجرین سے زیادہ تھی، یعنی کل فوج ۳۰۵ تھی جن مین ۷۴ مہاجرین، اور باقی سب انصار تھے،

یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ جس وقت مدینہ سے آپ نکلے یہ خبر آچکی تھی کہ قریش، مدینہ پر آرہے ہین، اسی بنا پر آپ نے انصار کو مخاطب کیا، کیونکہ معاہدۂ بیعت کے موافق اب انصار سے کام لینے کا وقت آچکا تھا،

(۲) مکہ سے جو قافلہ تجارت کے لیے شام کو جایا کرتا تھا، مدینہ کے پاس سے ہو کر گزرتا تھا، مدینہ سے مکہ

تک جس قدر قبائل آباد تھے عموماً قریش کے زیر اثر تھے، بخلاف اس کے مدینہ سے شام تک کے حدود تک قریش کا اثر نہ تھا۔ اس بنا پر اگر کاروانِ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو شام کی طرف بڑھنا تھا۔ یہ بالکل خلافِ قیاس ہو کہ کاروانِ تجارت شام سے آرہا ہے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو خبر ہو چکی ہو اور آپ بجائے اسکے کہ شام کی طرف بڑھین، مکہ کی طرف جاتے ہین اور پانچ منزل مکہ کی طرف جاکر خبر آتی ہو کہ قافلہ بچکر نکل گیا اور قریش سے جنگ پیش آجاتی ہو۔

(۳) واقعات کی ترتیب یہ ہو۔

۱۔ قریش نے عبداللہ بن ابی کو خط لکھا کہ محمد اور اُنکے رفقا کو مدینہ سے نکال دو، ورنہ ہم مدینہ مین آکر تم کو بھی برباد کردینگے (بحوالہ سنن ابی داؤد اوپر گذر چکا)

۲۔ ابوجہل نے سعد بن معاذ سے کہا کہ تم نے ہمارے مجرمون کو پناہ دی ہو۔ اگر امیہ کی ضمانت نہ ہوتی تو مین تجھکو قتل کردیتا۔

۳۔ کرز بن جابر نے جمادی الثانی ۲ سنہ ھ مین مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اونٹ لوٹ لیے۔

۴۔ اسکے بعد ہی رجب ۲ سنہ ھ مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے عبداللہ بن جحش کو تجسُّس کے لیے بھیجا کہ قریش کی نقل و حرکت کی خبر لائین۔

۵۔ عبداللہ بن جحش نے (آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف) قریش کا ایک مختصر قافلہ لوٹ لیا اور ایک آدمی قتل اور دو اسیر کیے،

قریش نے مکہ مین جو کچھ مسلمانون کے ساتھ کیا تھا اسکو پیش نظر رکھو پھر یہ خیال کرو کہ انکا جوش انتقام کسی طرح کم نہین ہوتا، اور وہ عبداللہ بن ابی کو لکھتے ہین کہ ہم مدینہ مین آکر تمکو اور محمد دونون کو فنا کردین گے' کرز فہری مدینہ پر چھاپہ مارتا ہو' اسی اثنا مین قریش کا اشتعال اس سے اور بڑھ جاتا ہو کہ عبداللہ بن جحش نے ان کا قافلہ لوٹ لیا

اور اُن کے دو معزز خاندان کے ممبر اسیر کر لیئے ان تمام باتون کے ساتھ قریش صبر کرتے ہین اور کسی قسم کے انتقام کا ارادہ نہین کرتے، جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اُنکے قافلہ کو جس مین مکہ کی کل کائنات تھی لوٹنے کے لیے نکلتے ہین تب مجبوراً اُن کو مدافعت کے لیئے نکلنا پڑتا ہی، اسپر بھی بدر کے قریب پہنچکر جب انکو معلوم ہوتا ہے کہ قافلہ بچکر نکل گیا تو اُن کے بڑے بڑے سردار اور خود عتبہ بھی جو سالار لشکر تھا رائے دیتا ہی کہ اب لڑنے کی ضرورت نہین واپس چلنا چاہیے، کیا واقعات کا یہ نقشہ قریش کے جوش عداوت اور رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی شانِ نبوت کے موافق ہی؟

(۴) ارباب سیر عموماً لکھتے ہین کہ "جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ منورہ مین صحابہ کو کاروانِ تجارت پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تو لوگون نے چندان مستعدی ظاہر نہین کی، کیونکہ لوگ سمجھے کہ کوئی مہم اور معرکہ وجہاد نہین ہی بلکہ صرف تحصیل غنیمت ہی، اسلیے جن لوگون کو مال کی حاجت تھی رہ گئے"۔ لیکن ہم دیکھتے ہین کہ انصار مین جسقدر اعیان قوم اور سرلشکر تھے، سب گئے۔ زر و مال کے محتاج اگر تھے تو مہاجرین تھے، لیکن جانے والون مین انصار کی تعداد، مہاجرین سے دُگنی تگنی ہی،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے استمزاج کے جواب مین جن لوگون نے جان نثارانہ فقرے کہے تھے، مہاجرین مین حضرت ابوبکر و عمر و مقداد تھے، اور انصار مین سعد بن عبادہ[1] تھے، سعد بن عبادہ، غزوۂ بدر مین شریک نہو سکے تھے اور مدینہ سے باہر نہین جا سکے تھے، اسلیے قطعاً یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ سعد نے یہ جواب مدینہ ہی مین دیا تھا۔ اور وہین قریش کے حملہ کا حال معلوم ہو گیا تھا، اور اس لیے یہ قطعی ہی کہ مدینہ ہی مین اس بات کی ضرورت پیش آئی تھی کہ انصار کا استمزاج لیا جائے۔

(۵) عام ارباب سیر، بلکہ احادیث کی کتابون مین بھی منقول ہی کہ غزوۂ بدر مین، جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے لوگون کو چلنے کی ترغیب دی تو بہت سے لوگ آمادہ نہ ہوئے، اور کسما ئے جسکی وجہ یہ تھی کہ وہ جانتے تھے

---

[1] صحیح مسلم و صحیح بخاری باب غزوۂ بدر،

کہ جہاد یا غزوہ نہین ہے۔ صرف قافلہ کا مال لوٹنا ہے۔ اسلیے یہ اپنی مرضی پر موقوف ہے جسکا جی چاہے جائے جس کا نہ چاہے نہ جائے۔ طبری مین ہے۔

قالوا لما سمع رسول اللہ بابی سفیان مقبلا من الشام ندب المسلمین الیھم وقال ھذہ عیر قریش فیہا اموالھم فاخرجوا الیھا لعل اللہ ان ینفلکموھا فانتدب الناس فخف بعضھم وثقل بعضھم وذلک انھم لم یظنوا ان رسول اللہ یلقی حربا (صفحہ ۱۲۹۲)

لوگون نے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ابوسفیان کا شام سے روانہ ہونا سنا، تو مسلمانون کو بلایا اور فرمایا کہ یہ قریش کا قافلہ آرہا ہے جس مین ان کا مال ہے۔ چلو شاید خدا انکو اس مین سے مال غنیمت دلوادے۔ لوگ آمادہ ہوئے لیکن بعضون نے پہلوتہی کی۔ کیونکہ وہ سمجھے کہ آنحضرت صلعم کو کوئی لڑائی تو پیش نہین آئے گی،

لیکن یہ واقعات صریح آیات قرانی کے خلاف ہین، قران مجید مین بتصریح موجود ہے کہ جو لوگ مدینہ سے نکلتے ہوے کسمساتے تھے، وہ عدم ضرورت کی وجہ سے نہین، بلکہ اس وجہ سے کہ انکو یہ نظر آتا تھا کہ موت کے منہ مین جارہے ہین۔

وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ (انفال)

اور مسلمانون کا ایک فریق نکلنے سے ناراض تھا، وہ تجھ سے حق کے متعلق جھگڑتا تھا بعد اسکے کہ حق ظاہر ہوگیا تھا۔ وہ گویا موت کی طرف ہنکائے جارہے ہین۔

(۲) تمام کتب احادیث اور سیر مین تصریح ہے کہ مدینہ منورہ سے ایک میل چلکر (مقام بیر ابی عنبۃ مین) آپ نے فوج کا جائزہ لیا اور حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہ اس بنا پر واپس بھیجدیے گئے کہ انکی عمرین پندرہ برس سے کم تھین یا یہ کہ سن بلوغ کو نہین پہنچے تھے۔ اگر صرف قافلہ کا لوٹنا مقصود ہوتا تو یہ کام نوخیز نوجوان، زیادہ خوبی سے انجام دے سکتے ہین لیکن چونکہ واقع مین **جہاد** مقصود تھا، جو ایک فریضۂ الٰہی ہے اور اسکے لیے بلوغ کی قید ہے، اسلیے نابالغ لوگ واپس کردیے گئے کہ ابھی اسکے اہل نہین،

(۷) حافظ ابن عبد البر نے استیعاب[1] مین روایت کی کہ جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے لوگون کو قافلۂ قریش پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تو خثیمہ جو ایک انصاری تھے اپنے بیٹے سعد سے کہا کہ مجھے جانے دو، اور تم یہان مستورات کی خبر گیری کرو، سعد نے کہا حضور ''اگر کوئی اور موقع ہوتا تو ضرور مین آپ کو اپنے اوپر ترجیح دیتا لیکن یہ شہادت کا درجہ ہے مین اسکو کیونکر چھوڑ سکتا ہون'' چنانچہ قرعہ اندازی ہوئی اور سعد کے نام قرعہ نکلا، سعد شریک جنگ ہوکر شہید ہوے،

اس سے صاف ثابت ہے کہ قافلہ لوٹنا نہین بلکہ جہاد پیش نظر تھا اور لوگون کو دولت شہادت کے حاصل ہونے کی آرزو ہے۔

غزوۂ بدر کا اصلی سبب عرب کا خاصۂ قومی تھا کہ جب کسی قبیلہ کا کوئی آدمی کسی طریقہ سے کسی کے ہات سے قتل ہو جاتا تھا تو ایک سخت ہنگامۂ کارزار قائم ہو جاتا تھا، دونون طرف ٹڈی دل اُمنڈ آتا تھا اور خون کی ندیان بہ جاتی تھین یہ لڑائیان مدتون تک قایم رہتی تھین، قبیلے کے قبیلے کٹ جاتے تھے تاہم یہ سلسلہ بند نہین ہوتا تھا۔ عرب لکھے پڑھے نہ تھے تاہم مقتول کا نام کاغذ پر درج ہوکر خاندان مین وراثۃً چلا آتا تھا، بچون کو یہ نام یاد کرایا جاتا تھا کہ بڑے ہوکر اس خون کا انتقام لینا ہے۔ داحس اور بسوس کی قیامت خیز لڑائیان جو چالیس۔ چالیس برس قایم رہین اور جن مین ہزارون لاکھون جانین برباد ہوگئین۔ اسی بنا پر ہوئین۔ عربی زبان مین اس انتقام کو ثار کہتے ہین۔ اور یہ عرب کی قومی تاریخ کا سب سے بڑا اہم لفظ ہے،

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین عبد اللہ بن جحش کے واقعہ مین **عمرو بن حضرمی** قتل کر دیا گیا تھا حضرمی عتبہ بن ربیعہ کا حلیف تھا جو تمام قریش کا سردار تھا، بدر اور تمام غزوات کا سلسلہ اسی خون کا انتقام تھا۔ عروہ بن زبیر (حضرت عائشہ کے بھانجے) نے اس واقعہ کو بہ تصریح بیان کیا ہے۔

وکان الذی هاج وقعة بدر وسائر الحروب   جس چیز نے غزوۂ بدر اور دیگر وہ تمام لڑائیان برپا کین جو آنحضرت

---

[1] استیعاب، تذکرہ سعد بن خیثمہ اصابہ اور طبقات مین بھی یہ واقعہ بہ اختلاف الفاظ منقول ہے۔

التی کانت بین رسول اللہ صلعم و بین	جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مشرکین عرب کے درمیان
مشرکی قریش فیما قال عروۃ بن الزبیر	واقع ہوئین وہ جیسا کہ عروہ بن زبیر کا بیان ہے عمرو
ما کان من قتل واقد[1] بن عبد اللہ التمیمی	بن حضرمی کا قتل کیا جانا ہے جس کو واقد بن عبداللہ
عمرو بن الحضرمی (تاریخ طبری ۱۲۸۴)	تیمی نے قتل کر دیا تھا،

ایک عام غلطی جس نے واقعہ بحث طلب مین غلطی پیدا کر دی ہو یہ ہے کہ سب سے پہلے جو لڑائی کفار سے ہوئی وہ بدر تھی، حالانکہ بدر سے پہلے لڑائیان شروع ہو چکی تھین **عروہ بن الزبیر** نے غزوۂ بدر کے متعلق عبدالملک کو جو خط لکھا تھا اُسکے ابتدائی فقرے یہ ہین۔

ان ابا سفیان بن حرب اقبل من الشام فی قریب	ابو سفیان بن حرب تقریباً ستر سوار کے ساتھ شام سے آرہا تھا،
من سبعین راکبا من قبائل قریش فذکروا الرسول	جو کل کے کل قریشی تھے، آنحضرت صلعم اور صحابہ سے اسکا تذکرہ
اللہ صلعم واصحابہ وقد کانت الحرب بینھم فقتلت	ہوا۔ اور دونون فریق مین لڑائی شروع ہو چکی تھی، اور اُدھر کے
قتلی وقتل ابن الحضرمی فی اناس بنخلۃ واسرت	چند لوگ جن مین ابن حضرمی بھی تھا، مارے جا چکے تھے
اساری من قریش ۔ × × × × × ×	اور کچھ قید بھی ہو چکے تھے ....
وکانت تلک الوقعۃ ھاجت الحرب بین	اور اسی واقعہ نے آنحضرت صلعم اور قریش مین جنگ برپا کر دی
رسول اللہ صلعم وبین قریش واول ما اصاب بہ	تھی اور یہی سب سے پہلا واقعہ تھا جسمین دونون فریق نے ایک
بعضھم بعضا من الحرب وذلک قبل مخرج ابی	دوسرے کو صدمہ پہنچایا اور یہ لڑائی ابو سفیان کی روانگی شام
سفیان واصحابہ الی الشام ۔ (طبری صفحہ ۱۲۸۵)	سے پہلے وقوع مین آچکی تھی۔

اس مین تصریح ہے کہ ابو سفیان جب شام کو روانہ بھی نہین ہوا تھا اُسی وقت لڑائی شروع ہو چکی تھی، غزوۂ بدر

---

[1] عبداللہ بن جحش جن کی سرداری مین یہ قتل واقع ہوا حضرت حمزہ کے بھانجے اور آنحضرت صلعم کے ماموں زاد بھائی تھے قاتل یعنی واقد بن عبداللہ حضرت عمرو کے خاندان کے حلیف تھے اور حضرت عمر کے آغاز خلافت تک زندہ رہے دیکھو طبقات ابن سعد ذکر عبداللہ بن جحش و واقد بن عبداللہ۔

ابوسفیان کی واپسیِ شام کے بعد واقع ہوا ہے۔

اصلیتِ واقعہ کی تحقیق کا سب سے بڑا اصلی ذریعہ یہ ہو کہ خود حریفانِ جنگ کی شہادت بہم پہنچائی جائے، اس قسم کی شہادتین بہت کم ہات آسکتی ہین لیکن خوش قسمتی سے یہان اس قسم کی شہادت موجود ہو، حکیم بن حزام (حضرت خدیجہ کے بھتیجے) غزوۂ بدر مین شریک تھے اور اسوقت تک کافر تھے، وہ عمر مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) سے پانچ برس بڑے تھے اور گو زمانۂ جاہلیت مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نہایت محبت رکھتے تھے اور نبوت کے بعد بھی یہ محبت قایم رہی، تاہم فتح مکہ تک ایمان نہین لائے، وہ رُوسائے قریش مین تھے، حرم کا ایک بڑا منصب یعنی رفادۃ انہی کے ہات مین تھا۔ دارالندوہ کے مہتمم اور مالک بھی وہی تھے[1]، وہ مروان بن حکم کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہے۔ ایک دفعہ وہ مروان سے ملنے گئے، مروان نے نہایت تعظیم و تکریم کی، صدرِ مجلس سے اُٹھ کر اُن کے پاس آبیٹھا اور کہا کہ بدر کا واقعہ بیان کیجیے۔ انھون نے واقعہ کے ابتدائی حالات بیان کر کے کہا کہ جب ہماری فوجین میدان مین اُترین تو مین عتبہ کے پاس گیا اور مین نے اس سے یہ کہا۔

یا ابا الولید هل لك ان تذهب بشرف	اے ابوالولید! کیا تم چاہتے ہو کہ تمام عمر کے لیے ساری نیکنامی
هذا الیوم ما بقیت، قال افعل ماذا؟	تم ہی کو ہات آئے، عتبہ نے کہا کیونکر، مین نے کہا تم (یعنی قریش) محمد سے
قلت انکم لا تطلبون من محمد الا دم ابن الحضرمی	ابن حضرمی کے خون کے سوا اور کچھ نہین چاہتے، اور وہ تمہارا حلیف تھا
وهو حلیفك فتحمل دیته فترجع بالناس[2]	اسلیے تم اُسکا خون بہا ادا کر دو، کہ سب لوگ واپس چلے جائین۔

عتبہ نے یہ تجویز پسند کی لیکن ابوجہل نے نہ مانا اور حضرمی کے بھائی، عامر حضرمی کو بلا کر کہا۔ خون کا بدلا سامنے ہے کھڑے ہو کر قوم سے دُہائی دو، عامر عرب کے دستور کے موافق ننگا ہوگیا اور پکارا[3]

واعمراه واعمراه	ہائے عمر (حضرمی) ہائے عمر،

---

[1] اصابہ تذکرہ حکیم بن حزام [2] طبری صفحہ ۱۳۱۳ [3] یہ پوری تفصیل طبری صفحہ ۱۳۱۴ تا ۱۳۱۶ مین ہے۔

آغاز جنگ کے وقت سب سے پہلے جو شخص میدانِ جنگ مین نکلا وہ یہی عامر حضرمی تھا۔

حکیم بن حزام، اور عامر حضرمی غزوۂ بدر تک کافر تھے، عتبہ وابوجہل جو سرداران قریش تھے کفر پر تا دم مرگ قائم رہے، اگر اِس درجہ کے لوگ غزوۂ بدر کو حضرمی کے خون کا انتقام سمجھتے تھے اور سمجھتے رہے، تو ہمکو کچھ پرواہ نہین کرنی چاہیے کہ اورون نے جو اِسکے سیکڑون برس بعد پیدا ہوئے اسکا سبب قافلۂ تجارت کا بچانا سمجھا، وشتان بینہما

| ایک ضروری نکتہ | گویہ امر اب قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ غزوۂ بدر کا سبب کاروانِ تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا، تاہم اِس گرہ کا کھولنا ضرور ہی کہ ایسے صاف اور صریح واقعہ کے متعلق تمام ارباب سیر نے متفقاً کیون غلطی کی، اور صحیح بخاری وغیرہ مین یہ تصریحات کیون پائی جاتی ہین کہ بدر کی ابتدا قافلہ ہی پر حملہ کرنے کی غرض سے ہوئی تھی،

اصل یہ ہی کہ اصول جنگ کے موافق، اکثر غزوات مین یہ ظاہر نہین کیا جاتا تھا کہ کدھر جانا اور کس غرض سے جانا مقصود ہی؟ صحیح بخاری (غزوۂ تبوک) مین حضرت کعب بن مالک جو مشہور صحابی ہین انکا قول نقل کیا ہی،

ولم یکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یرید غزوۃ الا وریٰ بغیرھا

اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تھے، توکسی اور موقع کا توریہ فرماتے تھے،

توریہ کے معنی شارحین بخاری نے یہ لکھے ہین کہ "آپ ایسے موقع پر مبہم اور محتمل المعنیین الفاظ استعمال فرماتے تھے" گو میرے نزدیک یہ کلیہ اس معنی مین صحیح نہین تاہم واقعات کی اِستقصا سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہی کہ بعض موقعون پر واقعہ اس طرح مبہم رکھا جاتا تھا کہ لوگ مختلف قیاس پیدا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہی کہ جنگ بدر مین سعد بن خیثمہ کو پہلے ہی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ قافلہ نہین بلکہ فوج کا مقابلہ ہی، بخلاف اسکے صحیح بخاری مین انہی کعب بن مالک کا قول منقول ہی کہ بدر مین صرف قافلہ سے تعرض کرنا مقصود تھا۔

دیباچہ مین ہم لکھ آئے ہین کہ راوی، (جس مین صحابہ بھی داخل ہین) بہت سے موقعون پر جو واقعہ

بیان کرتا ہی وہ حقیقت مین واقعہ نہین بلکہ اُسکا استنباط ہوتا ہی یعنی اُس نے اِسکو یون ہی سمجھا۔ بدر مین بھی یہی صورت پیش آئی اور اِسلیے یہ کوئی تعجب کی بات نہین کہ صحابہؓ نے مختلف قیاس کیے اور جو قیاس، مذاقِ عام کے مناسب تھا وہی پھیل گیا۔

بدر کے نتائج

بدر کے معرکہ نے مذہبی اور ملکی حالت پر گوناگون اثرات پیدا کیے، اور حقیقت مین یہ اسلام کی ترقی کا قدم اوّلین تھا، قریش کے تمام بڑے بڑے روسا جن مین سے ایک ایک اسلام کی ترقی کی راہ مین سدِّ آہن تھا، فنا ہوگئے، عتبہ اور ابوجہل کی موت نے قریش کی ریاستِ عامہ کا تاج ابوسفیان کے سر پر رکھا جس سے دولتِ اموی کا آغاز ہوا لیکن قریش کے اصلی زور وطاقت کا معیار گھٹ گیا،

مدینہ مین اب تک **عبداللہ** بن ابی بن سلول علانیہ کافر تھا۔ لیکن اب بظاہر وہ اسلام کے دائرہ مین آگیا۔ گو تمام عمر منافق رہا، اور اسی حالت مین جان دی، قبائلِ عرب جو سلسلۂ واقعات کا رُخ دیکھتے تھے اگرچہ رام نہین ہوئے تاہم سہم گئے،

اِن موافق حالات کے ساتھ مخالف اسباب مین بھی انقلاب شروع ہوگیا، یہود سے معاہدہ ہوچکا تھا کہ وہ ہر معاملہ مین یکسو رہین گے لیکن اس فتح نمایان نے اُن مین حسد کی آگ بھڑکا دی، اور وہ اسکو ضبط نہ کر سکے، چنانچہ اسکی تفصیل یہودیون کے واقعات مین بتفصیل آتی ہی،

قریش کو پہلے صرف حضرمی کا رونا تھا، **بدر** کے بعد گھر گھر ماتمکدہ تھا، اور مقتولینِ بدر کے انتقام کے لیے مکہ کا بچہ بچہ مضطر تھا۔ چنانچہ **سویق** کا واقعہ اور **اُحُد** کا معرکہ اسی جوش کا مظہر تھا۔)

غزوۂ سویق، ذی حجہ ۲ھ

ابوسفیان اب قریش کا رئیس تھا، اور اس منصب کا سب سے بڑا فرض، غزوہ بدر کا انتقام تھا، اُسنے بدر سے واپس جاکر منّت مانی تھی، کہ جب تک مقتولانِ بدر کا انتقام نہ لے گا نہ غسل جنابت کرے گا، نہ سر مین تیل ڈالے گا، چنانچہ دو سو شتر سوارون کے ساتھ مدینہ پر بڑھا، یہود کی نسبت معلوم تھا کہ وہ مسلمانون کے مقابلہ مین مدد دینگے اس لیے پہلے حیی بن اخطب کے پاس گیا، لیکن اُسنے دروازہ

نہ کھولا، مایوس ہوکر سلام بن مشکم کے پاس آیا۔ وہ یہود بنو نضیر کا سردار تھا۔ اور تجارتی خزانہ اسی کے زیر اہتمام رہتا تھا، اُسنے بڑے جوش سے استقبال کیا، خوشگوار کھانے کھلائے، شراب پلوائی۔ مدینہ کے مخفی راز بتائے، صبح کو ابوسفیان عریض پر حملہ آور ہوا جو مدینہ سے ۳ میل کے فاصلہ پر ہے، ایک انصاری کو جن کا نام سعد بن عمرو تھا قتل کیا، چند مکانات اور گھانس کے انبار جلا دیے، اِن باتون سے اُس کے نزدیک قسم پوری ہوگئی آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو خبر ہوئی تو آپ نے تعاقب کیا، ابوسفیان کے پاس رسد کا سامان صرف ستّو تھا۔ گھبراہٹ مین ستّو کے بورے پھینکتا گیا، جو مسلمانون کے ہات آئے، عربی مین ستّو کو سویق کہتے ہین اِسلیے یہ واقعہ غزوۂ سویق کے نام سے مشہور ہی،

حضرت فاطمہ زہرا کی شادی ذیحجہ ۲ھ

حضرت فاطمہ جو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی صاحبزادیون مین سب سے کم سن تھین، اب اونکی عمر ۱۸ برس کی ہوچکی تھی، اور شادی کے پیغام آنے لگے تھے، ابن سعد نے روایت کی ہی کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ جو خدا کا حکم ہوگا۔ پھر حضرت عمرؓ نے جرات کی، اُنکو بھی آپنے کچھ جواب نہین دیا، بلکہ وہی الفاظ فرمائے لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہین معلوم ہوتی، حافظ ابن حجر نے اصابہ مین، ابن سعد کی اکثر روائتین حضرت فاطمہؓ کے حال مین روایت کی ہین لیکن اسکو نظر انداز کر دیا ہی۔

بہرحال حضرت علی نے جب درخواست کی تو آپ نے حضرت فاطمہؓ کی مرضی دریافت کی، وہ چپ رہین، یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا، آپنے حضرت علی سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر مین دینے کے لیے کیا ہے بولے کچھ نہین آپ نے فرمایا "اور وہ حطیتہ زرہ کیا ہوئی (جنگ بدر مین ہات آئی تھی) عرض کی وہ تو موجود ہی آپ نے فرمایا بس وہ کافی ہی"۔

ناظرین کو خیال ہوگا کہ بڑی قیمتی چیز ہوگی، لیکن اگر وہ اسکی مقدار جاننا چاہتے ہین، تو جواب یہ ہی کہ صرف سوا روپیے (۱۲۰؍) ۔ زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علی کا سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی،

حضرت علی نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہرا کے نذر کیا، حضرت علی اب تک آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہی پاس رہتے تھے، شادی کے بعد ضرورت ہوئی الگ گھر لین، حارثہ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے، جن مین سے وہ کئی آنحضرت صلعم کو نذر کر چکے تھے۔ حضرت فاطمہ نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے کہا کہ انہی سے کوئی اور مکان دلوا دیجیے۔ آپنے فرمایا کہ کہان تک، اب ان سے کہتے شرم آتی ہی۔ حارثہ نے سُنا تو دوڑے آئے کہ حضور مین اور میرے پاس جو کچھ ہی سب آپکا ہی، خدا کی قسم میرا جو مکان آپ لے لیتے ہین، مجھکو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہی کہ وہ میرے پاس رہ جائے، غرض انھون نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا، حضرت فاطمہ اس مین اُٹھ گئین۔

شہنشاہ کونین نے سیدۂ عالم کو جو جہیز دیا، وہ بان کی چارپائی، چمڑے کا گدا جسکے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیان، اور دو مٹی کے گھڑے۔

حضرت فاطمہ جب نئے گھر مین جا لین، تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) ان کے پاس تشریف لے گئے دروازہ پر کھڑے ہو کر اذن مانگا، پھر اندر آئے، ایک برتن مین پانی منگوایا، دونون ہات اس مین ڈالے، اور حضرت علی کے سینہ اور بازؤن پر پانی چھڑکا، پھر حضرت فاطمہ کو بلایا، وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئین۔ ان پر بھی پانی چھڑکا۔ اور فرمایا کہ مین نے اپنے خاندان مین سب سے افضل تر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہی[1]

واقعات متفرقہ سنہ ۲ھ (مورخین کے بیان کے مطابق اسی سال رمضان مبارک کے روزے فرض ہوئے صدقۂ عید الفطر کا حکم بھی اسی سال سے جاری ہوا، پہلے آپ نے ایک خطبہ دیا جس مین اس صدقہ کے فضائل بیان فرمائے، پھر صدقہ کا حکم دیا۔

عید الفطر کی نماز باجماعت، عیدگاہ مین بھی اسی سال ادا فرمائی۔ اس سے پہلے عید کی نماز نہین ہوتی تھی،

---

[1] یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد و اصابہ سے ماخوذ ہی،

ارباب سیر کی ترتیب کے مطابق غزوۂ بنی قینقاع کا ذکر بھی اسی سال کے واقعات مین ہونا چاہئے تھا، لیکن اتصال و تسلسل واقعہ کی بناپر وہ آیندہ مذکور ہوگا)

غزوۂ اُحد[1] ۳ھ

(وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ - آل عمران)

عرب مین صرف ایک شخص کا قتل لڑائی کا ایک سلسلہ چھیڑ دیتا تھا جو سیکڑون برس تک ختم نہین ہو سکتا تھا، طرفین مین سے جسکو شکست ہوتی تھی وہ انتقام کو ایسا فرض مؤبد جانتا تھا جس کے ادا کئے بغیر اسکی ہستی نہین قائم رہ سکتی تھی۔ بدر مین قریش کے ستر آدمی مارے گئے تھے جنمین اکثر وہ تھے جو قریش کے تاج وافسر تھے۔ اس بنا پر تمام مکہ جوشِ انتقام سے لبریز تھا۔

قریش کا کاروانِ تجارت جو جنگِ بدر کے زمانے مین نفع کثیر کے ساتھ شام سے واپس آ رہا تھا۔ اُس کا راس المال حصہ دارون کو تقسیم کر دیا گیا تھا لیکن زرِ منافع امانت کے طور پر محفوظ تھا۔

قریش کو کُشتگانِ بدر کے ماتم سے فرصت ملی تو اس فرض کے ادا کا خیال آیا۔ چند سردارانِ قریش جنمین ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا۔ اُن لوگون کو جنکے عزیز و اقارب جنگِ بدر مین قتل ہو چکے تھے ساتھ لیکر ابوسفیان کے پاس گئے۔ اور کہا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ہماری قوم کا خاتمہ کر دیا۔ اب انتقام کا وقت ہے۔ ہم چاہتے ہین کہ مالِ تجارت کا جو نفع اب تک جمع ہے وہ اس کام مین صرف کیا جائے' یہ ایک ایسی درخواست تھی جو پیش ہونے سے پہلے قبول کر لی گئی تھی۔ لیکن قریش کو اب مسلمانون کے قوت و زور کا اندازہ ہو چکا تھا، وہ جانتے تھے کہ جنگِ بدر مین جس سامان سے وہ گئے تھے اُس سے اب کچھ زیادہ درکار ہے۔ عرب مین جوش پھیلانے اور دلون کے گرمانے کا سب سے بڑا آلہ شعر تھا۔ قریش مین دو شاعر، شاعری مین مشہور تھے، عمرو جمحی' اور مسافع۔ عمرو جمحی غزوہ بدر مین گرفتار ہو گیا تھا لیکن رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اقتضائے رحم سے اُسکو رہا کر دیا تھا۔ قریش کی درخواست پر وہ' اور مسافع مکہ سے نکلے اور تمام قبائل قریش مین ابنی

[1] مدینہ منورہ سے شمالی جانب تقریباً ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ کا نام ہے۔ (صحیح بخاری باب غزوہ احد مین ہے کہ آیت غزوہ احد مین نازل ہوئی)

آتش بیانی سے آگ لگا آئے،

لڑائیون مین ثابت قدمی اور جوشِ جنگ کا بڑا ذریعہ خاتونان حرم تھین، جس لڑائی مین خاتونین ساتھ ہوتی تھین، عرب، جانون پر کھیل جاتے تھے کہ شکست ہوگی تو عورتین بےحرمت ہونگی، بہت سی عورتین ایسی تھین جنکی اولاد جنگ بدر مین قتل ہو چکی تھی اسلیے وہ خود جوشِ انتقام سے لبریز تھین اور انھون نے منتین مانی تھین کہ اولاد کے قاتلون کا خون پی کر دم لین گے، غرض جب فوجین تیار ہوئین تو بڑے بڑے معزز گھرانون کی عورتین بھی فوج مین شامل ہوئین، ان مین سے بعض کے نام حسب ذیل ہین،

ہند	عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہ کی مان،
ام حکیم	عکرمۃ (فرزند ابوجہل) کی بیوی،
فاطمہ	حضرت خالد کی بہن،
برزۃ	مسعود ثقفی جو طائف کا رئیس تھا اسکی بیٹی،
ریطہ	عمرو بن العاص کی زوجہ،
خناس	حضرت مصعب بن عمیر کی مان،

حضرت حمزہ نے ہند کے باپ عتبہ کو بدر مین قتل کیا تھا، جبیر بن مطعم کا چچا بھی حضرت حمزہ کے ہات سے مارا گیا تھا اس بنا پر ہند نے وحشی کو جو جبیر کا غلام اور حربہ اندازی مین کمال رکھتا تھا، حضرت حمزہ کے قتل پر آمادہ کیا، اور یہ اقرار ہوا کہ اس کارگزاری کے صلہ مین وہ آزاد کر دیا جائے گا،

حضرت عباسؓ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے چچا گو اسلام لاچکے تھے، لیکن اب تک مکہ ہی مین مقیم تھے، اُنھون نے تمام حالات لکھکر ایک تیز رو قاصد کے ہات رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس بھیجے اور قاصد کو تاکید کی کہ تین دن رات مین مدینہ پہنچ جائے،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو یہ خبرین پہنچین تو آپ نے پانچوین شوال ۳ھ کو دو خبر رسان جن کے نام

انس اور مونس تھے، خبر لانے کے لیے بھیجے، انھون نے آکر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا، اور مدینہ کی چراگاہ (عریض) کو انکے گھوڑون نے صاف کر دیا،

آپ نے حباب بن منذر کو بھیجا کہ فوج کی تعداد کی خبر لائین، انھون نے آکر صحیح تخمینہ سے اطلاع دی، چونکہ شہر پر حملہ کا اندیشہ تھا، ہر طرف پہرے بٹھا دیے گئے، حضرت سعد بن عبادۃ، اور سعد بن معاذ ہتیار لگا کر تمام رات مسجد نبوی کے دروازہ پر پہرہ دیتے رہے،

صبح کو آپنے صحابہ سے مشورہ کیا، مہاجرین نے عموماً اور انصار مین سے اکابر نے راے دی کہ عورتین باہر قلعون مین بھیجدی جائین، اور شہر مین پناہگیر ہو کر مقابلہ کیا جائے، عبد اللہ بن ابی سلول جو اب تک کبھی شریک مشورہ[1] نہین کیا گیا تھا، اُسنے بھی یہی راے دی لیکن اُن نوخیز صحابہ نے جو جنگ بدر مین شریک نہ ہو سکے تھے اس بات پر اصرار کیا کہ شہر سے نکلکر حملہ کیا جائے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) گھر مین تشریف لیگئے اور زرہ پہنکر باہر تشریف لائے، اب لوگون کو ندامت ہوئی کہ ہم نے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو خلاف مرضی نکلنے پر مجبور کیا، سب نے عرض کی کہ ہم اپنی راے سے باز آتے ہین، ارشاد ہوا کہ پیغمبر کو زیبا نہین کہ ہتیار پہنکر اُتار دے"،

قریش، بُدھ کے دن مدینہ کے قریب پُہنچے، اور کوہ اُحد پر پڑاو ڈالا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھکر ایک ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے نکلے، عبد اللہ بن ابی، تین سو کی جمعیت لیکر آیا تھا، لیکن یہ کہکر واپس چلا گیا کہ "محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے میری راے نہ مانی" آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ اب صرف سات سو صحابہ رہ گئے، ان مین ایک سو زرہ پوش تھے، مدینہ سے باہر نکل کر فوج کا جائزہ لیا گیا، اور جو لوگ کمسن تھے واپس کر دئے گئے، ان مین حضرت زید بن ثابت، برا بن عازب، ابو سعید خدری عبد اللہ بن عمر، اور عرابۃ اوسی بھی تھے، لیکن جان نثاری کا یہ ذوق تھا کہ نوجوانون مین سے جب رافع بن خدیج

[1] طبری،

سے کہا گیا کہ تم عمر مین چھوٹے ہو واپس جاؤ، تو وہ انگوٹھون کے بل تن کر کھڑے ہو گئے کہ قد اونچا نظر آے چنانچہ انکی یہ ترکیب چلگئی اور وہ لے لیے گئے، سمرۃ ایک نوجوان جوان کے ہمسن تھے انھون نے یہ دلیل پیش کی کہ مین رافع کو لڑائی مین پچھاڑ لیتا ہون اس لیے اگر انکو اجازت ملتی ہو تو مجھکو بھی ملنی چاہیے، دونون کا مقابلہ کرایا گیا اور سمرۃ نے رافع کو زمین پر دے مارا اس بنا پر انکو اجازت ملگئی۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُحُد کو پشت پر رکھکر صف آرائی کی، مصعب بن عمیر کو علم عنایت کیا۔ زبیر بن العوام رسالے کے افسر مقرر ہوئے، حضرت حمزہ کو اُس حصّہ فوج کی کمان ملی جو زرہ پوش نہ تھے، پشت کی طرف احتمال تھا کہ دشمن اُدھر سے آئین اس لیے پچاس تیراندازون کا ایک دستہ متعین فرمایا اور حکم دیا کہ گو لڑائی فتح ہو جائے تاہم وہ جگہ سے نہ ہٹین عبداللہ بن جبیر ان تیراندازون کے افسر مقرر ہوئے،

قریش کو بدر مین تجربہ ہو چکا تھا، اسلیے انھون نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی، میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا، میسرہ عکرمہ کو دیا جو ابوجہل کے فرزند تھے، سوارون کا دستہ صفوان بن امیتہ کی کمان مین تھا جو قریش کا مشہور رئیس تھا، تیراندازون کے دستے الگ تھے جن کا افسر عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا، طلحہ علمبردار تھا۔ دوسو گھوڑے کوتل رکاب مین تھے کہ ضرورت کے وقت کام آئین۔

سب سے پہلے طبل جنگ کے بجائے خاتونانِ قریش دف پر اشعار پڑھتی ہوئی بڑھین جنمین کشتگانِ بدر کا ماتم اور انتقام خون کے رجز تھے، ہند (ابوسفیان کی بیوی) آگے آگے اور چودہ عورتین ساتھ ساتھ تھین۔ اشعار یہ تھے۔

نحنُ بناتُ طارق	ہم آسمان کے تارون کی بیٹیان ہین
نمشی علے النمارق	ہم قالینون پر چلنے والیان ہین
ان تقبلوا نعانق	اگر تم بڑھکر لڑو گے تو ہم تمسے گلے ملین گے۔

---

۱ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۹۱۔ ۲ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۹۴،

ان تُدْبِرُوا نُفَارِق — اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائینگے۔

لڑائی کا آغاز اس طرح ہوا کہ ابو عامر جو مدینہ منورہ کا ایک مقبولِ عام شخص تھا۔ اور مدینہ چھوڑ کر مکہ مین آباد ہوگیا تھا، ڈیڑھ سو آدمیون کے ساتھ میدان مین آیا۔ اسلام سے پہلے زہد اور پارسائی کی بناپر تمام مدینہ اسکی عزت کرتا تھا چونکہ اسکو خیال تھا کہ انصار جب اسکو دیکھین گے تو رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ چھوڑ دینگے میدان مین آکر پکارا "مجھکو پہچانتے ہو؟ مین ابو عامر ہون!" انصار نے کہا "ہان او بدکار! ہم تجھکو پہچانتے ہین۔ خدا تیری آرزو بر نہ لائے"!

قریش کا علمبردار طلحہ صف سے نکلکر پکارا "کیون مسلمانون! تم مین کوئی ہے؟ کہ یا مجھکو جلد دوزخ مین پہونچا دے یا خود میرے ہاتون بہشت مین پہنچ جائے[1]"۔ علی مرتضیٰ نے صف سے نکلکر کہا "مین ہون" یہ کہکر تلوار ماری اور طلحہ کی لاش زمین پر تھی، طلحہ کے بعد اُسکے بیٹے عثمان نے جسکے پیچھے پیچھے عورتین اشعار پڑھتی آتی تھی۔ علم ہات مین لیا اور رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا۔

اِنَّ عَلٰی اَهْلِ اللِّوَاءِ حَقًّا — نیزہ بردار کا فرض ہے کہ نیزہ کو خون مین رنگ دے

اَنْ تَخْضِبَ الصَّعْدَةَ اَوْ تَنْدَقَّا — یا وہ ٹکرا کر ٹوٹ جائے۔

حضرت حمزہ مقابلہ کو نکلے اور شانہ پر تلوار ماری کہ کمر تک اُتر آئی۔ ساتھ ہی انکی زبان سے نکلا کہ "مین ساقیِ حُجّاج کا بیٹا ہون"

اب عام جنگ شروع ہوگئی۔ حضرت حمزہ، حضرت علی، ابو دجانہ فوجون کے دل مین گھسے اور صفین کی صفین صاف کردین۔ ابو دجانہ عرب کے مشہور پہلوان تھے۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے دستِ مبارک مین تلوار لیکر فرمایا "کون اسکا حق ادا کرتا ہے"؟ اِس سعادت کے لیے دفعۃً بہت سے ہاتھ بڑھے لیکن یہ فخر ابو دجانہ کے نصیب مین تھا۔ اِس غیر متوقع عزت نے انکو مغرور کردیا، سر پر سُرخ رومال باندھا اور اکڑتے

[1] یہ اس بات پر طنز تھا کہ مسلمان ایسا سمجھتے ہین۔

تنتے ہوئے فوج سے نکلے۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ "یہ چال خدا کو سخت ناپسند ہے۔ لیکن اسوقت پسند ہی" ابو دجانہ فوجون کو چیرتے لاشون پر لاشے گراتے بڑھتے چلے جاتے تھے یہانتک کہ ہند سامنے آگئی۔ اُسکے سر پر تلوار رکھکر اُٹھالی کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تلوار اس قابل نہین کہ عورت پر آزمائی جاے۔

حضرت حمزہ دو دستی تلوار مارتے جاتے تھے۔ اور جس طرف بڑھتے تھے صفین کی صفین صاف ہو جاتی تھین۔ اسی حالت مین سباع غبشانی سامنے آگیا۔ پکارے کہ "او ختانۃ النساء کے بچے! کہان جاتا ہے" یہ کہکر تلوار ماری وہ خاک پر ڈھیر تھا

وحشی جو ایک حبشی غلام تھا اور جس سے جبیر بن مطعم اسکے آقا نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ حمزہ کو قتل کردے تو آزاد کر دیا جائیگا۔ وہ حضرت حمزہ کی تاک مین تھا۔ حضرت حمزہ برابر آئے تو اسنے چھوٹا سا نیزہ جسکو حربہ کہتے ہین اور جو حبشیون کا خاص ہتھیار ہی پھینک کر مارا جو ناف مین لگا اور پار ہو گیا حضرت حمزہ نے اسپر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔[1]

کفار کے علمبردار لڑ لڑ کر قتل ہو جاتے تھے۔ تاہم علم گرنے نہین پاتا تھا۔ ایک کے گرنے سے پہلے دوسرا جانباز بڑھکر علم کو ہات مین لے لیتا تھا، ایک شخص نے جسکا نام صواب تھا جب علم ہات مین لیا تو کسی نے بڑھ کر اس زور سے تلوار ماری کہ دونون ہات ساتھ کٹ کر گر پڑے لیکن وہ قومی عَلَم کو اپنی آنکھون سے خاک پر نہین دیکھ سکتا تھا۔ علم کے گرنے کے ساتھ سینہ کے بل زمین پر گرا اور عَلَم کو سینہ سے دبا لیا۔ اسی حالت مین یہ کہتا ہوا مارا گیا کہ "مین نے اپنا فرض ادا کر دیا"[2] عَلَم دیر تک خاک پر پڑا رہا آخر ایک بہادر خاتون (عمرۃ بن علقمہ) دلیرانہ بڑھی اور عَلَم کو ہات مین لیکر بلند کیا، یہ دیکھکر ہر طرف سے قریش سمٹ آئے اور اُکھڑے ہوے پانون پھر جم گئے۔

---

[1] صحیح بخاری باب قتل حمزہ صفحہ ۵۸۳ [2] ابن ہشام وطبری۔

ابو عامر کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا لیکن اسکے صاحبزادے حضرت حنظلہ اسلام لا چکے تھے انھون نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے باپ کے مقابلہ مین لڑنے کی اجازت مانگی لیکن رحمتِ عالم نے یہ گوارا نہ کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار اُٹھائے۔ حنظلہ نے کفار کے سپہ سالار (ابو سفیان) پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ انکی تلوار ابو سفیان کا فیصلہ کردے۔ دفعۃً پہلو سے شداد بن الاسود نے جھپٹکر انکے وار کو روکا اور انکو قتل کر دیا۔ تاہم لڑائی کا پلّہ مسلمانون ہی کی طرف بھاری تھا۔ علمبردارون کے قتل اور حضرت علی اور ابو دجانہ کے بے پناہ حملون سے فوج کے پانون اُکھڑ گئے۔ بہادر نازنینین جو رجز سے دلون کو اُبھار رہی تھین بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹین اور مطلع صاف ہو گیا لیکن ساتھ ہی مسلمانون نے لوٹ شروع کردی۔ یہ دیکھکر تیر انداز جو پشت پر مقرر کئے گئے تھے وہ بھی غنیمت کی طرف جھکے،

عبداللہ بن جبیر نے بہت روکا لیکن وہ رُک نہ سکے۔ تیر اندازون کی جگہ خالی دیکھکر خالد نے عقب سے حملہ کیا۔ عبداللہ بن جبیر چند جانبازون کے ساتھ جمکر لڑے لیکن سب کے سب شہید ہوئے۔ اب راستہ صاف تھا۔ خالد نے سوارون کے دستہ کے ساتھ نہایت بے جگری سے حملہ کیا۔ لوگ لوٹنے مین مصروف تھے مڑکر دیکھا تو تلوارین برس رہی ہین۔ بدحواسی مین دونون فوجین اس طرح باہم مل گئین کہ خود مسلمان مسلمانون کے ہات سے مارے گئے۔ مصعب بن عمیر جو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے صورت مین مشابہ اور علم بردار تھے۔ ابن قمیئہ نے انکو شہید کر دیا۔ اور غل مچگیا کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے شہادت پائی[۱] اس آواز سے عام بدحواسی چھاگئی۔ بڑے بڑے دلیرون کے پانون اُکھڑ گئے۔ بدحواسی مین اگلی صفین پچھلی صفون پر ٹوٹ پڑین اور دوست دشمن کی تمیز نرہی۔ حضرت حذیفہ کے والد (یمان) اس کشمکش مین آگئے اور پر تلوارین برس پڑین۔ حضرت حذیفہ چلاتے رہے کہ میرے باپ ہین لیکن کون سُنتا تھا۔ غرض وہ شہید ہو گئے اور حضرت حذیفہ نے ایثار کے لہجہ مین کہا مسلمانون! خدا تم کو بخش دے[۲]۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

---

۱ صحیح بخاری غزوۂ اُحُد صفحہ ۵۷۹، ۲ صحیح بخاری غزوۂ اُحُد صفحہ ۵۸۱۔

نے مڑکر دیکھا تو صرف گیارہ جان نثار پہلو میں ہیں جنمیں جناب علی مرتضیٰ حضرت ابوبکر حضرت سعد وقاص۔ زبیر بن العوام۔ ابودجانہ۔ طلحہ۔ کا نام تخصیص معلوم ہے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ صرف طلحہ اور سعد رہ گئے تھے،

اِس ہلچل اور اضطراب میں اکثروں نے تو بالکل ہمت ہار دی لیکن جانبازوں کا بھی زور نہیں چلتا تھا، جو جہاں تھا وہیں گھر کر رہ گیا۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلّم) کی کسیکو خبر نہ تھی۔ حضرت علیؓ تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفیں اُلٹتے جاتے تھے لیکن کعبۂ مقصود رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلّم) کا پتہ نہ تھا۔ حضرت انسؓ کے چچا، ابن نضر لڑتے بھڑتے موقع سے آگے نکل گئے۔ دیکھا تو حضرت عمرؓ[1] نے مایوس ہوکر ہتھیار پھینک دیا ہے۔ پوچھا یہاں کیا کرتے ہو؟ بولے "اب لڑکر کیا کرین! رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلّم) نے تو شہادت پائی" ابن نضر نے کہا انکے بعد ہم زندہ رہکر کیا کرینگے" یہ کہکر فوج مین گھس گئے۔ اور لڑکر شہادت پائی۔ لڑائی کے بعد جب انکی لاش دیکھی گئی تو اسّی سے زیادہ تیر، تلوار، اور نیزہ کے زخم تھے، کوئی شخص پہچان تک نہ سکا۔ اُن کی بہن نے انگلی دیکھکر پہچانا۔[2]

جان نثارانِ خاص برابر لڑتے جاتے تھے لیکن نگاہیں **سرورِ عالم** (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ڈھونڈھتی تھیں سب سے پہلے کعب بن مالک کی نظر آپ پر پڑی۔ چہرۂ مبارک پر مغفر تھا لیکن آنکھیں نظر آتی تھیں۔ کعب نے پہچان کر پکارا، مسلمانو! رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلّم) یہ ہیں"۔ یہ سُن کر ہر طرف سے جان نثار ٹوٹ پڑے کفار نے اب ہر طرف سے ہٹکر اُسی رُخ پر زور دیا۔ دَل کا دَل ہجوم کر کے بڑھتا تھا لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹکر پھٹکر رہ جاتا تھا۔ ایک دفعہ ہجوم ہوا تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلّم) نے فرمایا "کون مجھپر جان دیتا ہے؟" زیاد بن سکن پانچ انصاری لیکر اس خدمت کے ادا کرنے کے لیے بڑھے۔ اور ایک ایک نے جانبازی سے لڑکر جانیں فدا کردین[3]۔ زیاد کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے حکم دیا کہ ان کا لاشہ قریب لاؤ۔ لوگ اُٹھا کر لائے،

[1] یہ عام ارباب سیر کی روایت ہے، صحیح بخاری میں یہ واقعہ مذکور ہے لیکن حضرت عمر کا نام نہیں [2] صحیح بخاری غزوۂ احد صفحہ ۸۰ ، ۵ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۸ - باب ثبوت الجنۃ للشہید) [3] (صحیح مسلم ذکر غزوۂ احد مین ہے کہ سات انصاری تھے اور ساتوں نے باری باری اپنی جانین فدا کین -)

کچھ کچھ جان باقی تھی۔ قدمون پر منھ رکھدیا، اور اسی حالت مین جان دی۔

بچہ ناز رفتہ باشد زجہان نیازمندے ... کہ بوقت جان سپردن بسرش رسیدہ باشی

(ایک بہادر مسلمان اس عالم مین بھی بے پروائی کے ساتھ کھڑا کھجورین کھا رہا تھا، اُسنے بڑھکر پوچھا کہ "یا رسول اللہ اگر مین مارا گیا تو کہان ہونگا؟ آپ نے فرمایا "جنّت مین" اس بشارت سے بیخود ہو کر وہ اسطرح کفار پر ٹوٹ پڑا کہ مارا گیا[1])

عبد اللہ بن قمیۃ جو **قریش** کا مشہور بہادر تھا، صفون کو چیرتا پھاڑتا آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے قریب آگیا اور چہرۂ مبارک پر تلوار ماری۔ اسکے صدمہ سے مِغفر کی دو کڑیان چہرۂ مبارک مین چبھکر رہ گیئن۔ چارون طرف سے تلوارین اور تیر برس رہے تھے، یہ دیکھکر جان نثارون نے آپ کو دائرہ مین لے لیا۔ ابودجانہ جھک کر سپر بن گئے، اب جو تیر آتے تھے انکی پیٹھ پر آتے تھے۔ طلحہ نے تلوارون کو ہات پر روکا ایک ہات کٹکر گر پڑا، بے درد رحمتِ عالم پر تیر برسا رہے تھے، اور آپکی زبان پر یہ الفاظ تھے،

رَبِّ اغفر قومی فانہم لا یعلمون[2] ... اے خدا! میری قوم کو بخشدے، وہ جانتے نہین،

ابوطلحہ جو حضرت انس کے علاتی باپ تھے مشہور قدر انداز تھے انہون نے اسقدر تیر برسائے کہ دو تین کمانین اُنکے ہات مین ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گیئن۔ انہون نے سپر سے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے چہرہ پر اوٹ کر لیا تھا کہ آپ پر کوئی وار نہ آنے پائے، آپ کبھی گردن اُٹھا کر دشمنون کی فوج کی طرف دیکھتے تو عرض کرتے کہ آپ گردن نہ اُٹھائین ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے۔ یہ میرا سینہ سامنے ہے[3] حضرت سعد بن وقاص بھی مشہور تیر انداز تھے اور اسوقت آپکے رکاب مین حاضر تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اپنا ترکش اُنکے آگے ڈالدیا اور فرمایا "تم پر میرے باپ مان قربان" تیر مارتے جاؤ[4])

اسی حالت مین آپ کی زبان سے عبرت کے لہجہ مین یہ لفظ نکلا کہ "وہ قوم کیا فلاح پاسکتی ہے جو اپنے

۱؎ بخاری غزوۂ احد صفحہ ۵۷۹) ۲؎ صحیح مسلم غزوۂ اُحد ۳؎ صحیح بخاری غزوۂ اُحد صفحہ ۵۸۱ ۴؎ صحیح بخاری غزوۂ اُحد صفحہ ۵۸۰۔

پیغمبر کو زخمی کرتی ہے" بارگاہ خداوندی مین یہ الفاظ پسند نہ آئے اور یہ آیت اتری،

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ   تم کو اس معاملہ مین کچھ اختیار نہین

چنانچہ صحیح بخاری غزوۂ اُحد مین یہ واقعہ مذکور ہی۔

رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) ثابت قدمون کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے کہ دشمن ادھر نہین آسکتے تھے، ابوسفیان نے دیکھ لیا۔ فوج لیکر پہاڑی پر چڑھا لیکن حضرت عمرؓ اور چند صحابہ نے پتھر برسائے جس سے وہ آگے نہ بڑھ سکا۔[1]

آپکی وفات کی خبر مدینہ مین پہونچی تو اخلاص شعار نہایت بیتابی کے ساتھ دوڑے۔ جناب فاطمہ زہراؓ نے آکر دیکھا تو ابھی تک چہرۂ مبارک سے خون جاری ہی حضرت علیؓ سپر مین بھر کر پانی لائے، جناب سیدہ دھوتی تھین لیکن خون نہین تھمتا تھا۔ بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور زخم پر رکھدیا خون فوراً تھم گیا۔[2]

ابوسفیان سامنے کی پہاڑی پر چڑھکر پکارا کہ "یہان محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہین ؟" آپ نے حکم دیا کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کا نام لیکر پکارا، اور جب کچھ آواز نہ آئی تو پکار کر بولا سب مارے گئے حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہوسکا، بول اُٹھے "او دشمنِ خدا! ہم سب زندہ ہین"۔

ابوسفیان نے کہا،

اُعْلُ ھُبَلْ[3]   اے ہبل! تو اونچا رہ،

صحابہ نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے حکم سے کہا،

اَللہُ اَعْلٰی وَ اَجَلُّ۔   خدا اونچا اور بڑا ہے،

---

[1] طبری صفحہ ۱۴۱۰ و ۱۴۱۱۔

[2] صحیح بخاری غزوۂ اُحد۔

[3] بت کا نام

ابو سفیان نے کہا،

لنا العُزّٰی ولا عُزّٰی لکم — ہمارے پاس عزّٰی[1] ہے تمہارے پاس نہین،

صحابہ نے کہا،

اللہ مولانا ولا مولی لکم — خدا ہمارا آقا ہے اور تمھارا کوئی آقا نہین۔

ابو سفیان نے کہا "آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے" فوج کے لوگون نے مُردون کے ناک کان کاٹ لیے ہین، مین نے یہ حکم نہین دیا تھا لیکن مجھکو معلوم ہوا تو کچھ رنج بھی نہین ہوا[2]،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مستورات اور بچّون کو یمان اور ثابت کی حفاظت مین مدینہ کے پاس کے قلعون مین بھیجدیا تھا، ان لوگون کو شکست کی خبر معلوم ہوئی تو سب کو چھوڑ کر اُحد کی طرف بڑھے۔ **ثابت** مشرکون کے ہات سے مارے گئے، یمان کو مسلمان، ہجوم عام مین پہچان نہ سکے، اُن پر تلوارین برس پڑین انکے صاحبزادے حذیفہ نے ہر چند "ہان! ہان!!" کہا اور پکارا کہ "میرے باپ ہین" لیکن ہنگامہ مین کون سنتا تھا، حذیفہ یہ کہکر رہ گئے کہ "مسلمانون! خدا تمھارے اس گناہ کو بخشدے" آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے **یمان** کا خونبہا مسلمانون کی طرف سے ادا کرنا چاہا، لیکن حذیفہ نے معاف کردیا۔ ابن ہشام مین یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے، صحیح بخاری مین بھی ہے، لیکن مختصر ہے،

خاتونانِ قریش نے انتقام بدر کے جوش مین مسلمانون کی لاشون سے بھی بدلہ لیا۔ انکے ناک کان کاٹ لیے، **ہند** (امیر معاویہ کی مان) نے ان پھولون کا ہار بنایا۔ اور اپنے گلے مین ڈالا حضرت امیر حمزہ کی لاش پر گئی اور انکا پیٹ چاک کرکے کلیجہ نکالا اور چبا گئی، لیکن گلے سے اتر نہ سکا، اسلیے اُگل دینا پڑا۔ تاریخون مین **ہند** کا لقب جو جگر خوار لکھا جاتا ہے اسی بنا پر لکھا جاتا ہے، **ہند** فتح مکہ مین ایمان لائی لیکن جس طرح ایمان لائی وہ عبرت خیز ہے تفصیل آگے آئے گی،

---

[1] بت کا نام ہے لفظی معنی عزت کے ہین۔ [2] یہ تمام تفصیل بخاری غزوۂ اُحد کے ذکر مین ہے۔

اس غزوہ مین اکثر خاتونانِ اسلام نے بھی شرکت کی حضرت عایشہ اور ام سلیم جو حضرت انس کی مان تھین زخمیون کو پانی پلاتی تھین صحیح بخاری مین حضرت انس سے منقول ہو کہ "مین نے عایشہ اور ام سلیم کو دیکھا کہ پائنچے چڑھائے ہوئے مشک بھر بھر کر لاتی تھین اور زخمیون کو پانی پلاتی تھین۔ مشک خالی ہوجاتی تھی تو پھر جاکر بھر لاتی تھین[1]" ایک اور روایت مین ہے کہ ام سلیط نے بھی جو حضرت ابو سعید خدری کی مان تھین یہی خدمت انجام دی[2] عین اُسوقت جب کہ کافرون نے عام حملہ کردیا تھا اور آپ کے ساتھ صرف چند جان نثار رہ گئے تھے،

اُمِّ عمارۃ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس پھونچین اور اپنا سینہ سپر کردیا۔ کفار جب آپ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھین، ابن قمیئہ جب دَرّاتا ہوا آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلّم) کے پاس پہنچ گیا تو ام عمارۃ نے بڑھکر روکا چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑگیا انھون نے بھی تلوار ماری لیکن وہ دُہری زرہ پہنے ہوئے تھا اسلیے کارگر نہ ہوئی[3]۔

حضرت صفیہ (حضرت حمزہ کی بہن) شکست کی خبر سنکر مدینہ سے نکلین، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلّم) نے انکے صاحبزادے زبیر کو بلاکر ارشاد کیا کہ حمزہ کی لاش نہ دیکھنے پائین۔ زبیر نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیغام سنایا۔ بولین کہ مین اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہون، لیکن خدا کی راہ مین یہ کوئی بڑی قربانی نہین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اجازت دی، لاش پر گئین، خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہوئے تھے، لیکن اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ کہکر چپ ہورہین اور مغفرت کی دعا مانگی[4]،

انصار مین سے ایک عفیفہ کے باپ، بھائی، شوہر سب اس معرکہ مین مارے گئے تھے، باری باری تین سخت حادثون کی صدا اسکے کانون مین پڑتی جاتی تھی لیکن وہ ہر بار صرف یہ پوچھتی تھی کہ رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلم) کیسے ہین؟ لوگون نے کہا بخیر ہین، اُسنے پاس آکر چہرہ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اُٹھی[5]،

کُلُّ مُصِیْبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ ۔۔۔ تیرے ہوتے سب مصیبتین ہیچ ہین،

---

[1] صفحہ ۵۸۱ کتاب المغازی غزوۂ احد [2] صحیح بخاری صفحہ ۵۰۲ ذکر ام سلیط [3] ابن ہشام صفحہ ۸۴ [4] طبری [5] طبری ۱۴۲۵،

اے شہِ دین ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہین ہم　　مین بھی، اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا

(مسلمانون کی طرف سترآدمی مارے گئے، جن مین زیادہ تر انصار تھے لیکن مسلمانون کے افلاس کا یہ حال تھا کہ اتنا کپڑا بھی نہ تھا کہ شہدا کی پردہ پوشی ہوسکتی، مصعب بن عمیر ایک صحابی تھے کہ انکا پاؤن چھپایا جاتا تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تو پانون کھل جاتا، آخر پاؤن اذخر کی گھاس سے چھپا دیئے گئے، یہ وہ حیرت انگیز منظر تھا کہ بعد کو بھی یہ واقعہ مسلمانون کو یاد آجاتا تو آنکھین تر ہوجاتین، شہدا بے غسل اسیطرح خون مین لتھڑے ہوئے دو دو ملا کر ایک ایک قبر مین دفن کئے گئے، جسکو قرآن زیادہ یاد ہوتا اُسکو مقدم کیا جاتا، اُن شہدا پر نماز جنازہ بھی اسوقت نہین پڑھی گئی، آٹھ برس کے بعد وفات سے ایک دو برس پہلے جب آپ اُدھر سے گذرے تو بے اختیار آپ پر رقت طاری ہوئی اور اس طرح آپ نے پُر درد کلمات فرمائے جیسا کوئی زندہ کسی مُردہ سے رخصت ہورہا ہو، اور اسکے بعد آپ نے ایک خطبہ دیا کہ "مسلمانو! تمسے یہ خوف نہین کہ تم پھر مشرک بنجاؤ گے، لیکن یہ ڈر ہے کہ دنیا مین نہ پھنس جاؤ"[۱]

دونون فوجین جب میدان سے الگ ہوئین، تو مسلمان زخم سے چُور تھے تاہم یہ خیال کر کے کہ **ابوسفیان** مسلمانون کو مغلوب سمجھکر دوبارہ حملہ آور نہ ہو۔ آپنے مسلمانون کی طرف رُوئے خطاب کر کے فرمایا کہ کون اُن کا تعاقب کریگا، فوراً ستر آدمیون کی ایک جماعت اس مُہم کے لیے طیار ہوگئی، جن مین حضرت ابوبکرؓ و زبیرؓ بھی داخل[۲] تھے،)

ابوسفیان، اُحد سے روانہ ہوکر جب مقام **روحا** پہنچا، یہان خیال آیا کہ کام ناتمام رہ گیا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو پہلے ہی سے گمان تھا، دوسرے ہی دن آپنے اعلان کرادیا کہ کوئی واپس نہ جائے، چنانچہ **حمراء الاسد** تک جو **مدینہ** سے ۸ میل ہے تشریف لیگئے۔ قبیلۂ خزاعہ اس وقت تک ایمان نہین لایا تھا۔ لیکن درپردہ اسلام کا طرفدار تھا۔ اس کا رئیس معبد خزاعی شکست کی خبر سنکر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت

(۱) یہ تمام واقعات صحیح بخاری غزوۂ اُحد کے متفرق ابواب مین ہین۔ (۲) صحیح بخاری صفحہ ۵۸۴، (۳) طبری صفحہ ۱۴۲۸-۱۴۲۹۔

مین حاضر ہوا، اور واپس جاکر ابوسفیان سے ملا، ابوسفیان نے اپنا ارادہ ظاہر کیا، معبد نے کہا "مین دیکھتا آتا ہون، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سروسامان سے آرہے ہین کہ اُن کا مقابلہ ناممکن ہی، غرض ابوسفیان واپس گیا[۱] یہی واقعہ ہی جسکو مورخین نے تکثیر غزوات کے شوق مین، ایک نیا غزوہ بنالیا ہی۔ اور حمرا الاسد کا ایک نیا عنوان قائم کیا ہے،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ مین تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتمکدہ تھا، آپ جس طرف سے گذرتے تھے گھرون سے ماتم کی آوازین آتی تھین، آپ کو عبرت ہوئی کہ سب کے عزیز واقارب ماتمداری کا فرض ادا کر رہے ہین، لیکن حمزہ کا کوئی نوحہ خوان نہین ہی۔ رقت کے جوش مین آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا،

لٰکِنَّ حَمْزَۃَ فَلَا بَوَاکِیَ لَہٗ — لیکن حمزہ کا کوئی رونے والا نہین،

انصار نے یہ الفاظ سُنے تو تڑپ اُٹھے۔ سب نے جاکر اپنی بیویون کو حکم دیا کہ دولتکدہ پر جاکر حضرت حمزہ کا ماتم کرو۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینان انصار کی بھیڑ تھی اور حمزہ کا ماتم بلند تھا، اُنکے حق مین دعائے خیر کی اور فرمایا مین تمھاری ہمدردی کا شکر گذار ہون لیکن مُردون پر نوحہ کرنا جائز نہین۔ عرب مین دستور تھا کہ سال کے خاص خاص ایام مین عورتین اپنے مقتول عزیزون کا ماتم کرتی تھین۔ اس واقعہ کے بعد سے مدتون تک معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو یہ داستان حضرت حمزہ سے شروع کی جاتی تھی، اور یہ پابندی رسم نہ تھی بلکہ حضرت حمزہ کی حقیقی محبت تھی۔

(قرآن مجید مین سورۂ آل عمران مین، غزوۂ اُحُد کا مفصل ذکر موجود ہی)۔

---

[۱] طبری صفحہ ۱۴۳۸-۱۴۲۹۔

سنہ ۴ھ

سلسلۂ غزوات وسرایا

تمام قبائل عرب، بجز ایک دو کے، اسلام کے دشمن تھے۔ دشمنی زیادہ تر اس بنا پر تھی کہ ہر قبیلہ بت پرستی کو اپنا دین وآئین سمجھتا تھا، اسلام اسی کو مٹاتا تھا، اسکے ساتھ قریش کا اثر تمام عرب پر تھا، حج کے زمانے مین تمام قبائل مکہ مین جمع ہوتے تھے، اور قریش اونکو اسلام کی دشمنی پر برانگیختہ کرتے تھے، ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ تمام قبائل کی وجہ معاش، لوٹ اور غارت گری تھی اور اسلام اس کو نہ صرف قولاً بلکہ عملاً بھی ردکتا تھا اس لیے وہ جانتے تھے کہ اسلام اگر قائم ہوگیا تو ہمارے ذرائع معاش بند ہوجائین گے، تاہم بدر کی فتح نے ایک عام رعب بٹھا دیا تھا جسکی وجہ سے تمام قبیلے اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھ گئے تھے لیکن اُحد کی شکست نے حالت بدل دی۔ دوبارہ تمام قبائل دفعۃً اٹھ کھڑے ہوئے۔ سیرت نبوی مین سرایا (چھوٹی چھوٹی لڑائیان) کا جو ایک وسیع سلسلہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی زنجیر کی کڑیان ہین۔ عام مورخون نے اگرچہ اپنی عادت کے موافق، ان لڑائیون کے ذکر مین ان کے اسباب سے بحث نہین کی لیکن ابن سعد[۱] نے طبقات مین، اور اور ائمہ فن نے قریباً ہر واقعہ کا سبب لکھدیا ہے، یعنی کسی خاص قبیلہ نے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مدافعت کے لیے فوجین بھیجین۔

سریۂ ابی سلمہ

سب سے پہلے محرم سنہ ۴ھ مین طلحہ اور خویلد نے اپنے قبیلہ کو جو فید کے کوہستانی علاقہ قطن مین رہتا تھا، مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو خبر ہوئی تو آپ نے ابوسلمہ کو ایک سو پچاس مہاجرین اور انصار کے ساتھ اُس طرف روانہ کیا۔ یہ خبر سنکر اُنکی جماعت منتشر ہوگئی[۲]۔

---

۱ غزوہ۔ اور سریہ مین جو فرق ہے اسکی نسبت، علمائے سیرت مختلف الرائے ہین۔ زیادہ مقبول یہ رائے ہے کہ جس واقعہ مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) خود شریک ہوے وہ غزوہ کے نام سے موسوم ہے اور جس مین صحابہ افسر مقرر کرکے بھیجدیے جاتے تھے وہ سریہ کہلاتا تھا۔

۲ ابن سعد صفحہ ۳۵۔ اصل عبارت یہ ہے بلغ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) ان طلحۃ وسلمۃ ابنا خویلد قد سارا فی قومھما ومن اطاعھما یدعوھم الی حرب رسول اللہ۔

سریۂ ابن انیس

اسکے بعد محرم سنہ ۴ھ مین سفیان بن خالد جو قبیلہ لحیان کا تھا اور جو کوہستان عرنہ کا رئیس تھا، مدینہ پر حملہ کا قصد کیا، اسکے مقابلہ کے لیے آپ نے عبداللہ بن انیس کو بھیجا جنھون نے لطائف الحیل سے موقع حاصل کیا اور سفیان کو قتل کر دیا[1]۔

صفر سنہ ۴ھ مین ابو برا کلابی جو قبیلۂ کلاب کا رئیس تھا آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین حاضر ہوا اور درخواست کی کہ چند لوگون کو میرے ساتھ کر دیجیے کہ میری قوم اسلام کی دعوت دین، آپ نے فرمایا "مجھکو نجد کی طرف سے ڈر لگتا ہے"۔ ابو برا نے کہا "اُن کا ضامن مین ہون"۔ آپ نے منظور فرمایا اور ستر انصار ساتھ کر دیے۔ یہ لوگ نہایت مقدس اور درویش تھے اور اکثر اصحاب صفہ مین سے تھے۔ ان کا معمول تھا دن بھر لکڑیان چنتے شام کو فروخت کر کے کچھ اصحاب صفہ کی نذر کرتے، کچھ اپنے لیے رکھتے۔

بیر معونہ

اِن لوگون نے بیر معونہ پہنچ کر قیام کیا۔ اور حرام بن ملحان کو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا خط دیکر عامر بن طفیل کے پاس بھیجا جو قبیلہ کا رئیس تھا۔ عامر نے حرام کو قتل کر دیا، اور آس پاس کے جو قبائل تھے، یعنی عصیتہ رعل، ذکوان، سب کے پاس آدمی دوڑا دیے کہ طیار ہو کر آئین، ایک بڑا لشکر طیار ہو گیا، اور عامر کی سرداری مین آگے بڑھا۔ صحابہ حرام کی واپسی کے منتظر تھے۔ جب دیر لگی تو خود روانہ ہوے۔ راستہ مین عامر کی فوج کا سامنا ہوا۔ کفار نے اُنکو گھیر لیا اور سب کو قتل کر دیا۔ صرف عمرو بن اُمیتہ کو عامر نے یہ کہکر چھوڑ دیا کہ "میری ماں نے ایک غلام کے آزاد کرنے کی منت مانی تھی، مین تجھکو آزاد کرتا ہون"۔ یہ کہکر انکی چوٹی کاٹی اور چھوڑ دیا۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اسقدر صدمہ ہوا کہ تمام عمر کبھی نہین ہوا۔ مہینہ بھر، نماز فجر مین، ان ظالمون کے حق مین بد دعا کی۔ عمرو بن اُمیتہ نے جو دو آدمیون کو قتل کر دیا تھا، اسپر آپ نے ناراضی ظاہر فرمائی، اور دونون کا خون بہا

---

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۳۵۔ اصل عبارت یہ ہے۔ وذلک انہ بلغ رسول اللہ ان سفین بن خالد الھذلی . . . قد جمع الجموع لرسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم)

[2] (اور یہ کچھ بیجا بھی نہ تھا عامر بن طفیل جو ان اطراف کا رئیس تھا اُسنے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے کہا تھا کہ "میرے تمھارے درمیان تین باتین ہین، بادیہ کے تم مالک ہو، اور شہرون کا مین ہون، یا، اپنے بعد مجھکو اپنا جانشین بناؤ۔ ورنہ غطفان کو لیکر مین چڑھ آؤن گا"۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے منظور نہین فرمایا تھا اسلیے اسکی طرف سے ڈر تھا۔ (صحیح بخاری غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان)

اُنکے قبیلہ مین بھیجدیا۔

واقعۂ رجیع

اِنہی دنون عضل اور قارہ جو دو مشہور قبیلے ہین انکے چند آدمی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے، کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کرلیا ہی، چند لوگون کو ہمارے ہان بھیجیے کہ اسلام کے احکام اور عقائد سکھائین آپنے دس شخص ساتھ کردیے، جنکے سردار عاصم بن ثابت تھے، یہ لوگ جب مقام رجیع پر پہونچے جو عسفان اور مکہ کے وسط مین ہے، توان غدّارون نے بدعہدی کی اور قبیلۂ بنولحیان کو اشارہ کیا کہ انکا کام تمام کردین۔ بنولحیان، دو سو آدمی لیکر جن مین ایکسو تیر انداز تھے، اِن لوگون کے تعاقب مین چلے اور انکے قریب آگئے، اِن لوگون نے ایک ٹیکرے پر پناہ لی، تیر اندازون نے اِن سے کہا کہ "اُترآؤ، ہم تمکو امن دیتے ہین"۔ عاصم نے کہا "مین کافر کی پناہ مین نہین آتا"۔ یہ کہکر خدا سے خطاب کیا کہ "اپنے پیغمبر کو خبر پہونچا دے"۔ غرض، وہ مع ساتؔ آدمیون کے لڑکر تیراندازون کے ہات سے شہید ہوئے۔ (قریش نے چند آدمیون کو بھیجا کہ عاصم کے بدن سے گوشت کا ایک لوتھڑا کاٹ لائین کہ اُنکی شناخت ہو، قدرتِ خداوندی نے شہید مسلم کی یہ تحقیر گوارا نہ کی۔ شہد کی مکھیون نے لاش پر پرا ڈالدیا، قریش ناکام پھر گئے) لیکن دو شخصون نے، جنکے نام خبیب اور زید تھے، کافرون کے وعدہ پر اعتماد کیا، اور ٹیکرے سے اُترآئے۔ کافرون نے بدعہدی کرکے انکی مشکین کس لین۔ اور مکہ مین لیجاکر بیچڈالا۔ خبیب نے جنگ اُحد مین حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ اسلیے اُنکو حارث کے لڑکون نے خریدا کہ باپ کے بدلہ مین قتل کرینگے۔ چندروز انہی کے گھر مین رہے، ایکدن یہ حارث کی نواسی کو کھلا رہے تھے اتفاق سے ہات مین چھری[1] تھی، بچّی کی ماں اتفاقًا کہین سے آگئی، دیکھا کہ خبیب کے ہاتھ مین ننگی چھری ہے۔ کانپ اُٹھی۔ خبیب نے کہا کیا تو یہ سمجھی کہ مین اسکو قتل کردونگا؟ ہمارا یہ کام نہین"۔ خاندانِ حارث ان کو حرم کے حدود سے باہر لیگیا، اور قتل کرنا چاہا۔ انھون نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی، قاتلون نے اجازت دی، انھون نے دو رکعت نماز پڑھکر کہا "دیر تک نماز پڑھنے کو جی چاہتا تھا، لیکن تمکو خیال ہوگا کہ موت سے ڈرتا ہون"۔ پھر یہ اشعار پڑھے۔

[1] (صحیح بخاری مین استرہ لکھا ہے)

وما ان اُبالی حین اقتل مسلما ۔۔۔ جب مین اسلام کے لیے قتل کیا جارہا ہون

على اى شق كان لله مصرعى	تو مجھکو اسکی پروا نہین کہ کس پہلو پر قتل کیا جاؤنگا
وذلك فى ذات الاله وان يشاء	یہ جو کچھ ہے خالصًا خدا کے لیے ہے اگر وہ چاہیگا تو
يبارك على اوصال شلو ممزع	جسم کے ان پارہ پارہ ٹکڑون پر برکت نازل کریگا،

اسی زمانہ سے دستور ہے کہ کسی کو قتل کرتے ہین تو مقتول پہلے دو رکعت نماز ادا کرلیتا ہے[1]۔

دوسرے صاحب زید تھے، ان کو صفوان بن امیہ نے قتل کے ارادہ سے خریدا تھا، انکے قتل کے وقت قریش کے معزز سردار تماشا دیکھنے آئے، جن مین ابوسفیان بھی تھا، جب قاتل نے تلوار ہاتھ مین لی تو ابوسفیان نے کہا "سچ کہنا، اسوقت تمہارے بدلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کیے جاتے تو کیا تم اسکو اپنی خوش قسمتی نہ سمجھتے" بولے "خدا کی قسم، مین تو اپنی جان کو اسکے برابر بھی عزیز نہین رکھتا کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے تلوؤن مین کانٹا چبھ جائے" صفوان کے غلام نسطاس نے ان کی گردن ماردی۔

ان لڑائیون کا سلسلہ یہود کی لڑائیون سے ملجاتا ہے، اور چونکہ یہود کے واقعات، اور انکی سرگزشت تاریخ اسلام سے گوناگون تعلقات رکھتی ہے، اسلیے ہم اُنکے واقعات مستقل حیثیت سے لکھتے ہین، اور اس غرض کے لیے کسی قدر ہمکو پچھلے زمانہ کی طرف واپس آنا پڑیگا۔

واقعات متفرقہ اسی سال شعبان مین امام حسین علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

اسی سال ازواجِ مطہرات مین سے حضرت زینب بنت خزیمہ نے انتقال فرمایا جن سے اِسی سال نکاح بھی ہوا تھا۔

اسی سال آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ وہ عبرانی زبان لکھنا پڑھنا سیکھ لین اور فرمایا کہ مجھکو یہود پر اطمینان نہین، تاریخون مین لکھا ہے کہ حضرت زید نے صرف پندرہ دن مین عبرانی زبان سیکھ لی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ مین عبری زبان سے لوگ بہت کچھ آشنا تھے۔

---

[1] طبری صفحہ ۱۴۳۵ و طبقات ابن سعد اشعار اور اکثر جزئیات واقعہ صحیح بخاری۔ غزوۃ الرجیع سے لیے گئے ہین۔ نیز صحیح بخاری ہل یستاسر ومن لم یستاسر وصلی رکعتین عند القتل،

اسی سال شوال مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح فرمایا۔

اسی سال، یہودیون نے آپ کے سامنے ایک یہودی کا مقدمہ پیش کیا، اور آپنے توراۃ کے مطابق رجم کا حکم دیا، (تفصیل اِن واقعات کی دوسرے حصّون مین آئے گی)

بعض مورخون کے نزدیک شراب کی حرمت کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا، لیکن اِس مین روایتین نہایت مختلف ہین، پوری تحقیق، احکام شرعیہ کے ذکر مین آئے گی۔

یہودیون کے ساتھ معاہدہ اور جنگ

سنہ ۲ھ و سنہ ۳ھ

اوپر گزر چکاہے کہ "یہود' مدت دراز سے مدینہ پر فرمانروا تھے' انصار نے آکر اُنکے ساتھ تعلقات پیدا کئے' اور رفتہ رفتہ حریفانہ اقتدار حاصل کیا' لیکن جنگ بعاث نے انکی قومی طاقت توڑدی' اور اب وہ اس قابل نہین رہے تھے کہ یہود سے ہمسری کا دعویٰ کرسکتے"۔

یہود کے تین قبیلے تھے' قینقاع' نضیر' قریظہ' یہ سب مدینہ کے اطراف اور حوالی مین آباد تھا اور عموماً زمیندار' دولتمند' تجارت پیشہ' اور صنّاع تھے قینقاع زرگری کا پیشہ کرتے تھے' اور چونکہ سب مین زیادہ بہادر اور شجاع تھے اسلیے ہمیشہ انکے پاس اسلحۂ جنگ کے ذخیرے مُہیّا رہتے تھے۔ انصار عموماً اُنکے مقروض اور زیر بار تھے۔ ملکی اور تجارتی افسری کے ساتھ ان لوگون کا مذہبی اور علمی اثر بھی تھا' انصار عموماً بت پرست اور جاہل تھے' اس بنا پر وہ یہود کو عزت کی آنکھ سے دیکھتے تھے۔ اور انکو اپنے آپ سے زیادہ مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے' جن لوگون کے بچے زندہ نہین رہتے تھے' وہ منت مانتے تھے کہ ہمارا بیٹا زندہ رہیگا تو ہم اس کو یہودی بنائینگے' چنانچہ مدینہ مین اس قسم کے بہت سے جدید الیہودیۃ موجود[1] تھے۔

یہود مین امتداد زمانہ سے' نہایت اخلاق ذمیمہ پیدا ہو گئے تھے' انکے امتیازی خصائص زندگی یہ تھے کہ ہر طرف لین دین کا کاروبار پھیلا رکھا تھا' اور تمام آبادی' انکے قرضون مین زیر بار تھی اور چونکہ تنہا وہی صاحبِ دولت تھے' اسلیے نہایت بیرحمی سے سود کی بڑی بڑی شرحین مقرر کرتے تھے اور قرضہ کی کفالت مین لوگون کے بال بچے' یہانتک کہ مستورات کو رہن رکھواتے تھے۔ کعب اشرف نے خود اپنے انصاری دوستون سے یہی درخواست کی[2] تھی۔ اور مختلف طریقون سے لوگون کے مال اور جائداد پر تصرف کرتے تھے۔

---

[1] ابو داؤد کتاب الجہاد باب الاسیر [2] بخاری و مسلم ذکر قتل کعب اشرف۔

طمّاعی اور حرص کی شدت سے یہ حالت تھی کہ معصوم بچّون کو دو چار روپے کے زیور کے لیے پتھر سے مار ڈالتے تھے[1]۔ دولت کی بہتات سے زنا اور بدکاری کا عام رواج تھا اور چونکہ زیادہ تر امرا اسکے مرتکب ہوتے تھے اسلیے اُنکو سزا نہین دے سکتے' ایک دفعہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ایک یہودی سے دریافت فرمایا کہ "کیا تمھاری شریعت مین' زنا' کی سزا' صرف درّہ مارنا ہے؟" اُسنے کہا "نہین' بلکہ سنگسار کرنا ہی' لیکن ہمارے شرفا مین زنا کی کثرت ہوگئی' اور جب کوئی شریف اس جرم مین پکڑا جاتا تھا' تو ہم اسکو چھوڑ دیتے تھے' البتہ عام آدمیون کو یہ سزا دیتے تھے' بالآخر یہ قرار پایا کہ سنگسار کرنے کی سزا دُرّہ سے بدلدیجائے تاکہ شریف اور رذیل سب کو یکسان سزا دیجاسکے[2]"

اسلام مدینہ مین آیا تو یہود کو نظر آیا کہ اب اُن کا جابرانہ اور خود غرضانہ اقتدار قائم نہین رہ سکتا۔ اسلام' جسقدر روز بروز مدینہ مین پھیلتا جاتا تھا اُسیقدر یہودیون کے مذہبی وقار کو جو اُنکو مدتون سے حاصل تھا' زوال ہوتا جاتا تھا۔ مدینہ کے مشرکین مین یہودیت جو تدریجاً پھیل رہی تھی دفعتہً رُک گئی۔ نئے نئے فتوحات کی بدولت' انصار جسقدر دولتمند ہوتے جاتے تھے' یہودیون کے قرض کے شکنجون سے آزاد ہوتے جاتے تھے۔ یہودیون مین جو اخلاقِ بد عموماً پھیلے ہوے تھے' اور جنپر دولتمندی اور مذہبی پیشوائی نے پردہ ڈال رکھا تھا' اب ان کا راز فاش ہونے لگا۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اگرچہ ان سے معاہدہ کیا تھا کہ انکے جان و مال سے کچھ تعرض نہین کیا جائے گا اور ان کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہوگی' لیکن منصب نبوّت کی حیثیت سے' ذمائم اخلاق پر وعظ اور تذکیر آپکا فرض نبوت تھا۔ قران مجید مین' انکے اخلاق کی پردہ دری پر' صاف صاف آیتین نازل ہوتی تھین۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (مائدہ) — وہ جھوٹ باتون کے سننے والے اور مال حرام کے بڑے کھانے والے ہین۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۶۔ [2] اسباب النزول' واحدی صفحہ ۱۴۵ مصر (و صحیح مسلم ذکر رجم الیہود)

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ	اور تو ان مین سے اکثرون کو دیکھیگا گناہ اور
وَالْعُدْوَانِ (مائدہ)	تعدی کی طرف بڑی تیزی سے بڑھتے ہین۔
وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ	اور چونکہ یہ سود خوری کرتے ہین، حالانکہ انکو سود
وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ	سے منع کر دیا گیا تھا اور چونکہ یہ لوگون کا مال
بِالْبَاطِلِ۔ (نساء)	خورد برد کر جاتے ہین۔

اِن اسباب سے تمام یہودمین اسلام کی طرف سے سخت ناراضی پھیلادی، اوراب انھون نے طرح طرح سے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کواذیتین دینی، اوراسلام کے خلاف کوششین کرنی شروع کین لیکن آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو حکم تھا کہ انکی ہر طرح کی ایذا رسانیون کی برداشت کرین۔

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ	اور اہل کتاب اور مشرکون سے تم بہت سی ایذا
مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى	(کی باتین) سنوگے، اور اگر صبر کیے رہو اور
كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ	پرہیزگاری پر قائم رہو تو یہ ہمت
مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (آل عمران۔ رکوع ۱۹)	کے کام ہین۔

یہودیون نے معمول کرلیا تھا کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے سلام علیکم کرتے توبجاے السلام علیک کے السام علیک کہتے تھے جسکے معنی یہ ہین کہ "تجھکو موت آئے"۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ بھی موجود تھین، انھون نے سنا تو اُن کو سخت غصہ آیا۔ اور بے اختیار ہوکر بول اُٹھین کہ "کمبختو! تمکو موت آئے" آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ "نرمی سے کام لو"۔ حضرت عائشہ نے کہا "آپ نے کچھ سنا بھی کہ ان لوگون نے کیا کہا؟" آپنے ارشاد فرمایا کہ ہان! لیکن یہ کافی ہے کہ مین نے علیک کہدیا"۔[1]

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) صرف مجاملت اور درگزرہی پر اکتفا نہین فرماتے تھے اکثر معاشرت کی باتومین

---

[1] یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب مین مذکور ہے۔

یہود کے ساتھ اتفاق فرماتے، اور انکی مذہبی توقیر قائم رکھنا چاہتے تھے۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ بالون مین مانگ نکالتے تھے، بخلاف اسکے یہودی بالون کو یون ہی چھوڑ دیتے تھے۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) بھی یہودیون ہی کی موافقت کرتے تھے۔ صحیح بخاری مین ہے۔

وكان يحب موافقة اهل الكتاب فيما لم يؤمر فيه بشئ[1] (بخاری کتاب اللباس باب الفرق)	اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن چیزون مین جن مین کوئی خاص حکم آلہی نہین ہوتا تھا، اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) جب مدینہ مین تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی، عاشورا کے دن روزہ رکھتے ہین۔ آپ نے بھی حکم دیا کہ لوگ عاشورہ کا روزہ رکھین[1]۔ کسی یہودی کا جنازہ گذرتا تو آپ تعظیماً کھڑے ہوجاتے،[2] ایک دفعہ، ایک یہودی نے حضرت موسےٰ کی فضیلت اسطرح بیان کی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے بھی افضل ہین۔ اِسپر ایک انصاری کو غصہ آگیا، انھون نے اسکو تھپڑ مارا۔ یہودی نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے شکایت کی، آپ نے فرمایا "مجھکو اورپیغمبرون پر فضیلت نہ دو۔ قیامت کے دن لوگ بیہوش ہوجائینگے، اور سب سے پہلے مجھکو ہوش آئیگا، اسوقت مین دیکھونگا کہ موسےٰ عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہین[3]۔"

احکام آلہی جو قرآن مجید مین نازل ہورہے تھے، سرتاپا، اہل کتاب کے ساتھ مُدارات اور معاشرت کی ترغیب مین تھے۔

وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ	اہل کتاب کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے۔

عموماً اُن کی قدر و منزلت کا خیال دلایا جاتا تھا۔

يٰبَنِىٓ إِسْرَآءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِىَ الَّتِىٓ أَنْعَمْتُ	اے بنی اسرائیل! میری نعمتون کا خیال کرو جو مین نے

[1] بخاری، جلد اول، صفحہ ۵۶۲۔ [2] بخاری کتاب الجنائز، [3] بخاری جلد ۲، صفحہ ۶۶۸ تفسیر سورہ اعراف

عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ — تم کو دین اور یہ کہ مین نے تمکو تمام عالم پر فضیلت دی۔

تبلیغ اسلام کی حیثیت سے جو کچھ اسوقت اُنکے سامنے پیش کیا جاتا تھا، صرف اسقدر تھا،

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى — کہدو کہ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف

كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ — آؤ جسکو ہم تم دونون یکسان مانتے ہین۔ وہ یہ کہ ہم

اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ — خدا کے سوا کسیکو نہ پوجین اور اس کا کسیکو شریک

شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا — نہ بنائین اور ہم مین سے کوئی خدا کو چھوڑ کر کسیکو اپنا رب نہ

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا — بنائے، تو اگر وہ منہ پھیرلین تو تم کہدو کہ اچھا تم گواہ

اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (آل عمران، رکوع ۹) — رہو، ہم تو مسلمان ہین،

ان باتون مین سے ایک بھی اُنکے معتقدات اور مزعومات کے خلاف نہ تھی لیکن ان تمام مہربانیون اور اظہار لطف و مدارات کا جو صلہ تھا یہ تھا کہ اُنھون نے ہر طرح سے اسلام کی خانہ براندازی کا عزم کرلیا۔

اسلام کی عظمت اور وقار کم کرنے کے لیے مشرکون سے کہتے تھے کہ مذہب مین مسلمانون سے تو تم ہی اچھے ہو

وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى — اور کافرون کی نسبت کہتے ہین کہ مسلمانون سے یہ

مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (نساء) — زیادہ ہدایت یافتہ ہین۔

مذہب اسلام کی بے اعتباری پھیلانے کے لیے یہانتک آمادہ ہوے کہ مسلمان ہوکر پھر مرتد ہوجائین تاکہ لوگون کو خیال ہو کہ اگر یہ مذہب سچا ہوتا تو اسکو قبول کرکے، کوئی کیون چھوڑ دیتا؟

وَقَالَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا — اور اہل کتاب مین سے ایک گروہ کہتا ہے کہ مسلمانون

بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ — پر جو اترا ہے، اسپر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو اس سے

وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّھُمْ يَرْجِعُوْنَ — پھر جاؤ، شاید کہ وہ لوگ (مسلمان) بھی

آل عمران۔ رکوع ۸ — پھر جائین۔

ان باتون کے علاوہ، اسلام کی بربادی کی تکی تدبیرین اختیار کین۔ وہ یہ جانتے تھے کہ مسلمانون کو جو قوت ہی وہ اس وجہ سے ہی کہ انصار کے دو قبیلے "اوس" اور "خزرج" جو باہم لڑتے بھڑتے رہتے تھے، اسلام نے انکو باہم متحد کردیا ہے، ان دونون کو اگر پھر لڑا دیا جائے تو اسلام خودبخود فنا ہوجائیگا، عرب مین پچھلی کینہ آوریون کو تازہ کردینا، نہایت آسان کام تھا، ایک دفعہ دونون قبیلون کے بہت سے آدمی جلسہ مین بیٹھکر بات چیت کررہے تھے، چند یہودیون نے اس صحبت مین جاکر، جنگ بعاث کا تذکرہ چھیڑا، یہ وہ لڑائی تھی جس مین انصار کے یہ دونون قبیلے آپس مین لڑے تھے، اور اسی لڑائی نے انکی تمام قوت برباد کردی تھی اس لڑائی کے تذکرہ نے، دونون کو پرانے واقعے یاد دلائے اور دفعۃً عداوت کی دبی ہوئی آگ بھڑک اٹھی، لعن وطعن سے گزر کر تلوارین کھنچ گئین۔ حسن اتفاق سے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو خبر ہوگئی آپ نے فوراً موقع پر پہنچکر، وعظ و پند سے دونون فریق کو ٹھنڈا کیا، اسی پر یہ آیت اُتری۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا فَرِيقًا	مسلمانو! اگر تم اہل کتاب کے بعض لوگون کا کہا مانوگے
مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ	تو وہ تم کو ایمان لائے بعد پھر کافر
إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ (آل عمران)	بنا دینگے۔

منافقین کا ایک گروہ پہلے سے موجود تھا جو اگرچہ بظاہر مسلمان ہوگیا تھا، لیکن درحقیقت اسلام کا سخت دشمن تھا، اس گروہ کا سردار، عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ یہودیون نے اس کو نہایت آسانی سے درپردہ ملالیا، اور انکے ساتھ ملکر سازش شروع کی۔ اتفاق یہ کہ عبداللہ بن ابی پہلے سے بھی یہود بنی نضیر کا حلیف اور ہم پیمان تھا۔

قریش نے بدر سے پہلے، عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا کہ "مسلمانون کو نکال دو، ورنہ ہم آکر تمہارا استیصال کردینگے" لیکن جب اس مین کامیابی نہین ہوئی، جسکی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، تو بدر کے بعد انھون نے یہود

۱۔ اصابہ فی احوال الصحابہ للحافظ ابن حجر العسقلانی، مطبوعہ مصر، جلد ۱، صفحہ ۸۸۔

یہود کو خط لکھا

اِنَّکُمْ اَھْلُ الْحَلْقَةِ وَالْحُصُوْنِ	تم لوگون کے پاس اسلحۂ جنگ اور قلعجات ہین۔ تم ہمارے
وَاِنَّکُمْ تُقَاتِلُنَّ صَاحِبَنَا اَوْ لَنَفْعَلَنَّ	حریف (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑو۔ ورنہ ہم تمہارے
کَذَا وَکَذَا، وَلَا یَحُوْلُ بَیْنَنَا	ساتھ یہ یہ کرینگے۔ اور کوئی چیز ہمکو تمہاری عورتون
وَبَیْنَ خَدَمِ نِسَائِکُمْ شَیْءٌ[1]	کے گردن تک پہنچنے سے روک نہ سکے گی۔

ابوداود نے چونکہ بنونضیر کے ذکر مین اِس واقعہ کا ذکر کیا ہی، اِسلیے صرف بنونضیر کا نام لیا ہے ورنہ قریش کا خط عام یہود کے نام تھا اور نتیجہ بھی عام تھا۔ اسی بنا پر محدث **حاکم** نے بنونضیر اور قینقاع دونون کے واقعہ کو ایک ہی واقعہ خیال کیا ہے۔ غرض اب حالت یہ ہوگئی تھی کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) راتون کو گھر سے نکلتے تھے تو یہودیون کی وجہ سے جان کا خطرہ رہتا تھا۔ طلحہ بن برا، ایک صحابی تھے، وہ مرنے لگے تو وصیت کی کہ اگر مین رات کے وقت مرون تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو خبر نہ کرنا اسلیے کہ یہود کی طرف سے ڈر ہے۔ ایسا نہو کہ میری وجہ سے آپ پر حادثہ گذر جاے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ مین ابوداود وغیرہ کی سند سے پورا واقعہ نقل کیا ہے[2]۔

شوال سنہ ۲ھ غزوۂ بنی قینقاع

بدر کی فتح نے یہود کو زیادہ اندیشہ ناک کردیا، انکو علانیہ نظر آیا کہ اسلام اب ایک طاقت بنا جاتا ہے۔ اور چونکہ قبائلِ یہود مین سب سے زیادہ جری اور بہادر قینقاع[3] تھے اسلیے سب سے پہلے انہی نے اعلانِ جنگ کی جرأت کی۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے جو معاہدہ کیا تھا سب سے پہلے انہی نے اسکی عہد شکنی کی۔ ابن ہشام وطبری نے ابن اسحاق کی روایت سے عاصم بن قتادہ انصاری کی روایت نقل کی ہے۔

اِنَّ بَنِیْ قَیْنُقَاعَ کَانُوْا اَوَّلَ یَهُوْدٍ نَقَضُوْا	بنو قینقاع پہلے یہود تھے جنھون نے اُس معاہدہ کو

---

[1] سنن ابی داود۔ ذکر نضیر۔ [2] دیکھو اصابہ ترجمہ طلحہ بن برا۔ [3] طبقات ابن سعد

ما بینھم وبین رسول اللہ، وحاربوا	جو اُن مین اور انحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مین تھا توڑ
فیما بین بدر واُحد	ڈالا اور بدر اور اُحد کے درمیانی زمانہ مین مسلمانون سے لڑائی کی۔

ابن سعد نے غزوۂ بنو قینقاع کے ذکر مین لکھا ہے۔

فلما کانت وقعۃ بدر اظھروا البغی	واقعۂ بدر مین یہودیون نے شورش اور حسد ظاہر
والحسد ونبذوا العھد والمرۃ	کیا اور عہد کو توڑ دیا۔

ایک اتفاقیہ سبب پیش آگیا جسنے اس آگ کو اور بھڑکا دیا ایک انصاری عورت مدینہ کے بازار مین ایک یہودی کی دکان مین آئی، یہودیون نے اسکی بےحرمتی کی، ایک مسلمان یہ دیکھکر غیرت سے بیتاب ہوگیا، اور اُسنے یہودی کو مار ڈالا۔ یہودیون نے مسلمان کو قتل کر دیا۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو جب یہ حالات معلوم ہوے، تو انکے پاس تشریف لیگئے اور فرمایا کہ "خدا سے ڈرو، ایسا نہو تم پر بھی بدر والون کی طرح عذاب آئے"۔ بولے کہ "ہم قریش نہین ہین، ہم سے معاملہ پڑیگا تو ہم دکھادینگے کہ لڑائی اس کا نام ہے"۔ چونکہ اُنکی طرف سے نقض عہد اور اعلانِ جنگ ہوگیا تھا، مجبور ہوکر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے لڑائی کی طیاری کی، وہ قلعہ بند ہوئے پندرہ دن تک محاصرہ رہا، بالآخر اسپر راضی ہوئے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) جو فیصلہ کرینگے، اُن کو منظور ہوگا۔ عبد اللہ بن اُبی اُنکا حلیف تھا، اُسنے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے درخواست کی کہ وہ جلاوطن کردیے جائین۔ غرض، وہ اذرعات مین جو شام کے علاقہ مین ہے۔ جلاوطن کردیے گئے۔ یہ سات سو شخص تھے جنمین تین سو زرہ پوش تھے۔ یہ شوال ۲ھ کا واقعہ ہے۔

قتل کعب بن اشرف

ربیع الاول ۳ھ

یہودیون مین **کعب بن اشرف** ایک مشہور شاعر تھا، اس کا باپ قبیلہ طے سے تھا۔ مدینہ مین بنو نضیر کا حلیف ہوکر اُسنے اسقدر عزت اور اعتبار پیدا کیا کہ ابو رافع ابن ابی الحقیق جو یہود کا مقتدا اور تاجر الحجاز جسکا خطاب تھا، اسکی لڑکی سے شادی کی، کعب اسکے بطن سے پیدا ہوا، اس دو طرفہ

۱؎ عام ارباب سیر کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اُنکو قتل کر دینا چاہتے تھے۔ عبد اللہ بن ابی کے اصرار سے مجبور ہوگئے لیکن سنن ابی داؤد مین جسطرح یہ واقعہ مذکور ہے اس سے اس قیاس کی غلطی ثابت ہوتی ہے ۲؎ صحیح بخاری باب قتل النائم المشرک۔ ۳؎ الخمیس صفحہ ۴۶۴۔

رشتہ داری کی بنا پر کعب' یہود اور عرب سے برابر کا تعلق رکھتا تھا اور شاعری کی وجہ سے قوم پر اسکا عام اثر تھا' رفتہ رفتہ دولتمندی کی وجہ سے تمام یہودیان عرب کا رئیس بن گیا' یہودی علما اور پیشوایان مذہب کی تنخواہین مقرر کین۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) جب مدینہ مین تشریف لاے اور علماے یہود اس سے ماہوارین لینے آئے' تو اسنے ان لوگون سے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے متعلق راے دریافت کی۔ اور جب اپنا ہم خیال بنالیا تب اُنکے مقررہ روزینے جاری کئے[۱]۔

اسکو اسلام سے سخت عداوت تھی' بدر کی لڑائی مین سرداران قریش مارے گئے تو اسکو نہایت صدمہ ہوا' تعزیت کے لیے مکہ گیا' کشتگانِ بدر کے پُر درد مرثیے جنمین انتقام کی ترغیب تھی لوگون کو جمع کر کے' نہایت درد سے پڑھتا' اور روتا اور رُلاتا تھا' ابن ہشام نے اِن واقعات کے ساتھ اشعار بھی نقل کیے ہین' اگرچہ اس قسم کے اشعار اکثر مصنوعی ہین' تاہم جہانتک اُس زمانہ کی زبان معلوم ہوتی ہے' ہم ایک دو شعر نقل کرتے ہین'

طحنت رحی بدر لمھلک اھلہ	جنگ بدر کی چکّی نے اہل بدر کو پیس ڈالا
ولمثل بدر تستھل وتدمع	بدر جیسے واقعات کے لیے رونا پیٹنا چاہئے'
کم قد اصیب بہ من ابیض ماجد	کتنے شریف' سپید و بارونق چہرے جنکے
ذی بھجۃ تأوی الیہ الضیع	یہان اہل حاجت پناہ لیتے تھے مارے گئے۔

مدینہ مین واپس آیا تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ہجو مین اشعار کہنا' اور لوگون کو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے برخلاف برانگیختہ کرنا شروع کیا[۲]۔

عرب مین شاعری کا وہ اثر تھا جو آج یورپ مین بڑے بڑے ملکی مدبرون کی پُر جوش تقریرون اور نامور اخبارات کی تحریرون کا ہوتا ہے' تنہا ایک شاعر قبیلہ کے قبیلہ مین شعر کے اثر سے آگ لگا دیتا تھا۔

ایک روایت مین ہے کہ مکہ مین چالیس آدمی لیکر گیا۔ وہان ابوسفیان سے ملا۔ اور اس کو بدر کے

[۱] زرقانی بحوالہ ابن اسحاق وغیرہ [۲] ابوداؤد مین ہے وکان کعب بن الاشرف یھجو النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویحرض علیہ کفار قریش (ابوداؤد جلد دوم باب کیف کان اخراج الیہود) ابن سعد مین ہے کان رجلا شاعرا یھجو النبیؐ واصحابہ ویحرض علیھم

انتقام پر برانگیختہ کیا۔ ابوسفیان سکو لیکر حرم مین آیا۔ سب نے حرم کا پردہ تھام کر معاہدہ کیا کہ بدر کا انتقام لینگے ۔

اسپر اکتفا نہ کرکے، قصد کیا کہ چپکے سے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرادے، علامہ یعقوبی اپنی تاریخ مین بنونضیر کے واقعہ مین لکھتے ہین ۔

کعب بن الاشرف الیہودی الذی اراد ان یمکر برسول اللہ — کعب بن اشرف یہودی جسنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکے سے قتل کرادینا چاہا تھا ۔

اس روایت کی تائید اُس روایت سے ہوتی ہے جو حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین (ذکر قتل کعب اشرف) مین عکرمتہ کی سند سے نقل کی ہے کہ کعب نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو دعوت مین بلایا، اور لوگون کو معین کردیا کہ جب آپ تشریف لائین تو دھوکے سے آپ کو ہلاک کردین ۔ حافظ ابن حجر نے گو لکھا ہی کہ اس روایت کی سند مین ضعف ہی لیکن جب قراین اور دیگر شواہد موجود ہین تو یہ ضعف رفع ہوجاتا ہے ۔

فتنہ انگیزی کا زیادہ اندیشہ ہوا تو آپ نے بعض صحابہ سے شکایت کی اور آپ کی مرضی سے محمد بن مسلمتہ نے بشورہ رؤسائے اوس جاکر اسکو ربیع الاول ۳ھ مین قتل کردیا۔ ارباب روایت نے لکھا ہے کہ محمد بن مسلمتہ نے آپ کی خدمت مین یہ بھی عرض کیا تھا کہ "ہمکو کچھ کہنے کی اجازت دیجاے" ارباب سیر نے اسکے یہ معنی لگائے ہین کہ انھون نے جھوٹ باتین کہنے کی اجازت مانگی، اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اجازت دیدی، کیونکہ الحرب خدعۃ "یعنی لڑائی مین دھوکا دینا جائز ہے" لیکن بخاری کی روایت مین صرف یہ لفظ ہے،

اذن لنا فلنقل — ہمکو اجازت دیجاے کہ ہم گفتگو کرین

اس سے غلط گوئی کی اجازت کہان نکلتی ہے؟ (لیکن جو گفتگو ہوئی اُس سے کعب اور عموماً یہود کے اخلاق اور

---

[۱] خمیس صفحہ ۱۰ ه، غالباً یہ وہی پہلا واقعہ ہی۔ ابن خمیس نے اسکے متعلق یہ مزید تفصیل بیان کی ہی [۲] ابن سعد مغازی، صفحہ ۲۱،

دلی خیالات کا پتہ چلتا ہے، محمد بن سلمۃ نے کہا "ہمنے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دیکر تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لیا۔ اب اُن سے کچھ مانگتے ہین تو دیتے بھی نہین، اب تمین سے کچھ رکھکر قرض لینا ہے" کعب نے کہا "تم خود محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے اُکتا جاؤ گے اچھا قرض کے لیے اپنی بیویون کو رہن رکھو" ابن سلمۃ نے کہا "تمھارے اس حسن وجمال کے سبب سے ہمکو اپنی بیویون پر وفاداری کا یقین نہین" اُسنے کہا "اچھا اپنے بچون کو گرو رکھو" اُنھون نے کہا اس سے تو تمام عرب مین ہماری بدنامی ہوگی، ہم اپنے ہتھیار گرو رکھین گے اور تم جانتے ہو آجکل ان کی جیسی ضرورت ہی"

صحیح بخاری مین جو روایت ہے، اس مین قتل کا واقعہ اس طرح منقول ہے کہ ان لوگون نے دوستانہ طریقہ سے اسکو گھر سے باہر بلایا، پھر بال سونگھنے کے بہانہ سے اسکی چوٹی پکڑ لی اور قتل کر ڈالا[۱] لیکن روایت مین یہ مذکور نہین کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ان باتون کی اجازت دی تھی! اُسوقت تک عرب مین، ان طریقون سے قتل کرنا معیوب بات نہ تھی۔ آگے چلکر، نہایت مفصل طور سے، ایک مستقل عنوان مین یہ بحث آئیگی، کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے کیسطرح تدریج کے ساتھ، عرب کے ان طریقون کی اصلاح کی۔

غزوۂ بنو نضیر عمرو امیۃ نے قبیلہ عامر کے دو آدمی جو قتل کر دیے تھے، اور اُن کا خونبہا ابتک واجب الادا تھا اور جسکا ایک حصہ معاہدہ کی رو سے یہود بنی نضیر پر واجب الادا تھا، اُسکے مطالبہ کے لیے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) بنو نضیر کے پاس تشریف لیگئے۔ انھون نے قبول کیا، لیکن درپردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص چُپکے سے بالاخانہ پر چڑھکر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) پر پتھر گرائے۔ اتفاق سے اُسوقت آپ بالاخانہ کی دیوار کے سایہ مین کھڑے تھے، عمرو بن حجاش ایک یہودی، اِس ارادہ سے کوٹھے پر چڑھا۔ آپ کو اُسکے ارادہ کا حال معلوم ہوگیا، اور آپ فوراً مدینہ کو واپس چلے آئے۔[۲]

---

[۱] صحیح بخاری باب قتل کعب۔ [۲] یہ روایت ابن ہشام وغیرہ مین مذکور ہے۔ زرقانی نے موسی بن عقبہ کی مغازی سے جو صحیح ترین مغازی ہے یہ عبارت نقل کی ہے۔ وکانوا قد دسّوا الی قریش فی قتاله صلی الله علیه وسلم فحضوهم علی القتال ودلوهم علی العورة (زرقانی صفحہ ۹۳ جلد ۲) یعنی ان لوگون نے قریش سے درپردہ سازش کر کے انکو آمادۂ جنگ کیا اور انکو مخفی موقع بتائے۔

اوپر گزر چکا ہے کہ قریش نے بنو نضیر کو کہلا بھیجا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دو، ورنہ ہم خود آکر تمہارا بھی استیصال کر دینگے، بنو نضیر پہلے سے اسلام کے دشمن تھے، قریش کے پیغام نے انکو اور زیادہ آمادہ کیا، بنو نضیر نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ تیس آدمیون کو لیکر آئین، ہم بھی اپنے احبار لیکر آئینگے، آپ کا کلام سنکر اگر ہمارے احبار آپ کی تصدیق کرینگے تو ہمکو بھی کچھ عذر نہ ہوگا۔ چونکہ وہ بغاوت کی طیاری کر چکے تھے، آپ نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم ایک معاہدہ نہ لکھدو مین تیرا اعتماد نہین کرسکتا لیکن وہ اسپر راضی نہ ہوئے، آپ یہود بنی قریظہ کے پاس تشریف لے گئے، اور اُن سے تجدید معاہدہ کی درخواست کی، اُنھون نے تعمیل کی، بنو نضیر کے لیے یہ نظیر موجود تھی کہ اُنکے برادران دینی نے معاہدہ لکھدیا ہے، لیکن وہ کسی طرح بھی معاہدہ کرنے پر راضی نہ ہوئے، بالآخر انھون نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کیخدمت مین پیغام بھیجا کہ آپ تین آدمی لیکر آئین۔ ہم بھی تین عالم ساتھ لیکر آتے ہین۔ یہ علماء اگر آپ پر ایمان لائین گے توہم بھی لائین گے، آپ نے منظور فرمایا لیکن راہ مین آپ کو ایک صحیح ذریعہ سے معلوم ہوا کہ یہود تلوارین باندھکر طیار ہین کہ جب آپ تشریف لائین تو آپ کو قتل کر دین[۲]۔

بنو نضیر کی سرکشی کے مختلف اسباب تھے۔ وہ نہایت مضبوط قلعون مین پناہ گزین تھے جنکا فتح کرنا آسان نہ تھا، اِسکے ساتھ، عبد اللہ بن ابی نے کہلا بھیجا تھا کہ "تم اطاعت نہ کرنا، بنو قریظہ تمہارا ساتھ دینگے، اور مین دو ہزار آدمی لیکر تمہاری اعانت کو آونگا" قرآن مجید مین ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ	تمنے دیکھا! منافق اپنے کافر بھائیون سے کہتے ہین
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ	کہ تم نکلو گے توہم بھی تمہارے ساتھ نکلین گے، اور ہم

[۱] یہ تمام تفصیل سنن ابی داؤد مین ہے۔ تعجب ہی کہ ارباب سیرت، ابوداؤد کی اس روایت سے بالکل بیخبر ہین۔

[۲] فتح الباری واقعہ غزوۂ بنو نضیر جلد سابع صفحہ ۲۵۵ فتح الباری مین یہ روایت ابن مردویہ سے نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ اسکی سند صحیح ہے۔ صحیح بخاری سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بنو نضیر نے آنحضرت صلعم کے ساتھ اس قسم کی عیاری کا ارادہ کیا تھا بخاری مین ترجمۃ الباب یہ ہے باب حدیث بنی النضیر و مخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیهم فی دیة الرجلین وما ارادوا من الغدر برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا ۙ تمھارے باب مین کسی کا کہنا نہ مانین گے۔اور اگر تمسے

وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ (سورہ حشر) کوئی لڑا تو ہم بھی تمھاری مدد کو آئین گے۔

لیکن بنو نضیر کے تمام خیالات غلط نکلے۔بنو قریظہ نے انکا ساتھ نہین دیا، اور منافق علانیۃ اسلام کے مقابلہ مین آنہین سکتے تھے۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کیا، قلعہ کے گرد جو اُنکے نخلستان تھے اُنکے چند درخت کٹوا دیے، سہیلی نے روض الانف مین لکھا ہو کہ سب نخلستان نہین کاٹا گیا، بلکہ صرف لینتہ جو ایک خاص قسم کی کھجور ہے اور جو عرب کی عام خوراک نہین ہو اسکے درخت کٹوا دیے گئے تھے قرآن مجید مین بھی اس کا ذکر ہے۔

مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا تمنے لینتہ کے جو درخت کٹوائے اور جس قدر قائم

قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ رہنے دیے، سب خدا کے حکم سے تھا، تاکہ خدا

وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ (سورہ حشر) نا فرمانون کو رسوا کرے۔

ممکن ہو کہ درختون کے جُھنڈ سے کمین گاہ کا کام لیا جاتا ہو، اسلیے وہ صاف کرا دیے گئے کہ محاصرہ مین کوئی چیز حائل نہ ہو۔

بالآخر بنو نضیر اس شرط پر راضی ہوے کہ جسقدر مال و اسباب اونٹون پر لیجا سکین لے جائین اور مدینہ سے باہر نکل جائین، چنانچہ سب گھرون کو چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے۔ان مین سے معزز رؤسا مثلاً سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع، حُیئ بن اخطب، خیبر چلے گئے۔وہان لوگون نے انکا اسقدر احترام کیا کہ ان کو خیبر کا رئیس تسلیم کر لیا[1]۔اس واقعہ کو اس غرض سے یاد رکھنا چاہیے کہ یہ غزوۂ خیبر کی داستان کا دیباچہ ہی۔

---

[1] طبری، صفحہ ۱۴۵۲،

بنونضیر اگرچہ وطن چھوڑکر نکلے لیکن اس شان سے نکلے کہ جشن کا دھوکا ہوتا تھا۔ اونٹون پر سوار تھے ساتھ ساتھ باجا بجتا جاتا تھا مطربہ عورتین دف بجاتی اور گاتی جاتی تھین۔ عروۃ بن الورد جیسی مشہور شاعر کی بیوی کو یہود نے خرید لیا تھا، وہ بھی ساتھ ساتھ تھی، اہل مدینہ کا بیان ہے کہ اس سروسامان کی سواری کبھی انکی نظر سے نہین گزری تھی[1] ہتھیارون کا ذخیرہ، جو انھون نے چھوڑا، اس مین پچاس زرہین، پچاس خود اور تین سو چالیس تلوارین تھین، انکے جانے کے بعد یہ جھگڑا پیش آیا کہ انصار کی اولاد جنھون نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا اور یہودی انکو اتحاد مذہب کی وجہ سے ساتھ لیے جاتے تھے، انصار نے انکو روک لیا کہ ہم انکو نہ جانے دینگے۔ اسپر قرآن مجید کی یہ آیت اُتری۔

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ یعنی مذہب مین زبردستی نہین ہے۔

ابوداؤد نے کتاب الجہاد باب فی الاسیر یکرہ علے الاسلام کے عنوان کے نیچے اس واقعہ کو حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے نقل کیا ہے۔

واقعات متفرقہ اس سال یعنی ۳ھ حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ رمضان کی پندرھوین تاریخ تھی۔

اسی سال آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے حضرت حفصہ سے جو حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھین، اور غزوہ بدر کے زمانہ مین بیوہ ہوگئین تھین، نکاح کیا،

اسی سال حضرت عثمانؓ نے آنحضرت کی صاحبزادی ام کلثوم سے شادی کی،

(وراثت کا قانون بھی اسی سال نازل ہوا۔ اب تک وراثت مین ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہ تھا، انکے حقوق کی بھی تفصیل کی گئی، مشرکہ کا نکاح مسلمان سے اب تک جائز تھا، اس سال اسکی بھی تحریم نازل ہوئی،)

---

[1] یہ تفصیل طبری مین ہے۔

سنہ ۵ھ

قریش اور یہود کی متفقہ سازش نے اب مکہ سے لیکر مدینہ تک آگ لگا دی، جسقدر قبائل تھے سب نے مدینہ پر حملہ کی طیاریان شروع کردین، سب سے پہلے انمار و ثعلبہ نے یہ ارادہ کیا، لیکن آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو خبر ہوگئی، ۱۰ محرم سنہ ۵ھ کو آپ مدینہ سے چارسو صحابہ کو لیکر نکلے، اور ذات الرقاع تک تشریف لے گئے لیکن آپ کی آمد سنکر وہ پہاڑون مین بھاگ گئے[1]۔

ربیع الاول سنہ ۵ھ مین خبر آئی کہ دومۃ الجندل مین کفار کی ایک عظیم الشان فوج جمع ہورہی ہے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) ایکہزار کی جمعیت لیکر مدینہ سے نکلے، انکو خبر ہوئی تو وہ بھاگ گئے۔

غزوۂ مریسیع، یا بنی المصطلق شعبان سنہ ۵ھ

خزاعہ ایک قبیلہ تھا جو قریش کا حلیف اور ہم عہد تھا، قریش کو ایک زمانہ مین یہ خیال آیا کہ ہم ابرہیم کی نسل سے ہین، اسلئے ہم کو اورون سے ہر بات مین ممتاز ہونا چاہیے۔ حج کا ایک بڑا رکن، عرفات کے میدان مین قیام کرنا ہے۔ لیکن چونکہ یہ میدان، حرم کی حدود سے باہر ہے۔ قریش نے یہ قاعدہ قرار دیا کہ اور لوگ عرفات جائین لیکن ہم کو عرفات کے بجائے مزدلفہ مین ٹھرنا چاہیے جو حدود حرم کے اندر ہے، اسی قسم کی اور امتیازی باتین قائم کین، ان خصائص کی بنا پر اپنا لقب **احمس** رکھا، لیکن اسقدر فیاضی کی کہ جو لوگ ان پابندیون کو قبول کر لیتے تھے ان کو بھی یہ لقب دیدیتے اور ان سے رشتہ ناتہ کرتے تھے، قبیلہ خزاعہ کو بھی یہ شرف عطا کیا تھا۔

[1] ابن سعد غزوۂ ذات الرقاع صفحہ ۴۳ (صحیح بخاری سے ظاہر ہوتا ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع خندق کے بعد واقع ہوا، صلوۃ الخوف سب سے پہلے اسی غزوہ مین ادا کی گئی) [2] ابن اسحاق نے جسکی پیروی طبری اور ابن ہشام نے کی ہے اس غزوہ کو سنہ ۴ھ مین ذکر کیا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کی روایت ہے کہ سنہ ۵ھ مین واقع ہوا، امام بخاری نے بھی صحیح مین اس اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ لیکن غلطی سے سنہ ۵ھ کے بجاے ابن عقبہ کی طرف سنہ ۴ھ کی نسبت کی ہے، علامہ ابن حجر نے فتح الباری (ج ۷، ص ۳۳۲) مین بیہقی، حاکم، موسیٰ بن عقبہ، اور ابو معشر کی روایتون سے سنہ ۵ھ کو ترجیح دی ہے، ابن سعد نے بھی سنہ ۵ھ ہی لکھا ہے، تفصیل کے لیے دیکھو فتح الباری) [3] یہ واقعات ابن ہشام نے تفصیل سے لکھے ہین (صفحہ ۶۰ جلد اول)

خزاعہ کا ایک خاندان بنو المصطلق کہلاتا تھا وہ مقام مریسیع مین جو مدینہ منورہ سے ۹ منزل ہی آباد تھا، اس خاندان کا رئیس حارث بن ابی ضرار تھا، اُسنے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ پر حملہ کی تیاریان شروع کین، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ خبر معلوم ہوئی تو مزید تحقیقات کے لیے یزید بن خصیب کو بھیجا، انھون نے واپس آکر خبر کی تصدیق کی، آپ نے صحابہ کو طیاری کا حکم دیا، ۲- شعبان کو فوجین مدینہ سے روانہ ہوئین، مریسیع مین یہ خبر پہنچی تو حارث کی جمعیت منتشر ہوگئی اور وہ خود بھی کسی طرف نکل گیا، لیکن مریسیع مین جو لوگ آباد تھے انھون نے صف آرائی کی، اور دیر تک جم کر تیر برساتے رہے، مسلمانون نے دفعۃً ایک ساتھ حملہ کیا تو ان کے پانون اُکھڑ گئے ۱۰- آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار ہوگئے، جنکی تعداد تقریباً ۶۰۰ تھی، غنیمت مین دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریان ہات آئین۔

یہ ابن سعد کی روایت ہی، صحیح بخاری[1] اور صحیح مسلم[2] مین ہی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بنو المصطلق پر اس حالت مین حملہ کیا کہ وہ بالکل بے خبر اور غافل تھے، اور اپنے مویشیون کو پانی پلا رہے تھے۔ ابن سعد[3] نے اس روایت کو بھی نقل کیا ہے لیکن لکھا ہو کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے" اس پر حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین لکھا کہ صحیحین کی روایت پر سیرت کی روائتون کو ترجیح نہین ہوسکتی لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحیحین کی یہ روایت بھی اصولِ حدیث کی رُو سے قابلِ حجت نہین، کہ اس روایت کا سلسلہ نافع تک پہنچکر ختم ہوجاتا ہے، اور جنگ مین شریک ہونا تو ایک طرف نافع نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا بھی نہ تھا، اسلیے یہ روایت، اصطلاحِ محدثین مین منقطع ہی،

یہ لڑائی ایک معمولی لڑائی تھی لیکن اتفاق سے بعض شہرت پذیر واقعات ایسے پیش آئے جنکی وجہ سے اس لڑائی کا خاص عنوان قایم کیا جاتا ہے۔ اس جنگ کی ایک خصوصیت یہ ہی کہ غنیمت کے لالچ سے بہت سے منافقین بھی فوج مین داخل ہوگئے تھے، یہ بدباطن ہر موقع پر فتنہ گری کی کوشش کرتے تھے۔ ایک دن

---

[1] باب العتق [2] کتاب الجہاد والسیر ج ۲ صفحہ ۱۰۱ [3] طبقات ابن سعد جلد مغازی صفحہ ۴۵ و ۴۶،

چشمہ سے پانی لینے پر ایک مہاجر اور انصاری مین جھگڑا ہو گیا۔ انصاری نے عرب کے قدیم طریقہ پر یاللانصار کا نعرہ نارا (انصار کی جے) مہاجر نے بھی یا معشر المہاجرین کے نعرہ سے جواب دیا۔ نعرے سُنکر قریش و انصار نے تلوارین کھینچ لین اور قریب تھا کہ جنگ چھڑ جاے، لیکن چند لوگون نے بیچ بچاؤ کر دیا۔ عبد اللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا، اسکو موقع ہات آیا، انصار سے مخاطب ہو کر کہا "تمنے یہ بلا خود مول لی، مہاجرین کو تمنے بلا کر اتنا کر دیا کہ اب وہ خود تم سے برابر کا مقابلہ کرتے ہین۔ اب بھی موقع ہاتھ سے نہین گیا ہے تم دستگیری سے ہاتھ اُٹھالو تو وہ خود یہان سے نکل جائینگے"۔

یہ واقعہ لوگون نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے آکر کہا، حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، غصہ سے بیتاب ہو گئے اور عرض کی کہ کسی کو ارشاد ہو، اس منافق کی گردن اڑادے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم یہ چرچا پسند کرتے ہو کہ "محمدؐ اپنے ساتھ والون کو قتل کر دیا کرتے ہین"[1]۔

یہ عجیب بات ہے کہ عبد اللہ بن اُبی جس درجہ کا مُنافق اور دشمنِ اسلام تھا، اُس کے صاحبزادے کہ انکا نام بھی عبد اللہ تھا، اُسیقدر اسلام کے جان نثار تھے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ناراضی کی بنا پر یہ خبر پھیل گئی تھی کہ آپ عبد اللہ بن اُبی کے قتل کا حکم دینے والے ہین، یہ سُنکر وہ خدمتِ اقدس مین حاضر ہوے اور عرض کی کہ "دنیا جانتی ہے کہ مین باپ کا کس قدر خدمت گزار ہون، لیکن اگر یہ مرضی ہے تو مجھی کو حکم ہو، مین ابھی اُس کا سر کاٹ لاتا ہون، ایسا نہ ہو کہ آپ کسی اور کو حکم دین اور مین غیرت و محبّت کے جوش مین آکر قاتل کو قتل کر دون"۔ آپنے اطمینان دلایا کہ قتل کی بجاے، مین اُس پر مہربانی کرونگا[2]۔ یہ ارشاد اس طرح پورا ہوا کہ جب وہ مرا تو کفن کے لیے آپ نے خود پیراہنِ مبارک عنایت فرمایا۔ جنازہ کی نماز پڑھائی۔ حضرت عمرؓ نے دامن تھام لیا کہ آپ مُنافق کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہین!! لیکن دریاے کرم کا بہاؤ کون روک سکتا تھا!

حضرت جویریہ کا واقعہ لڑائی مین جو لوگ گرفتار ہوے اُن مین حضرت جویریہؓ بھی تھین جو حارث بن ابی ضرار

[1] دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۷۲۸۔ [2] یہ تمام واقعات نہایت تفصیل سے ابن سعد اور طبری نے لکھے ہین، اور صحیح بخاری کے مختلف ابواب مین بھی گو رہے

کی صاحبزادی تھین، ابن اسحاق کی روایت ہی جو بعض حدیث کی کتابون مین بھی ہی کہ تمام اسیرانِ جنگ لونڈی غلام بناکر تقسیم کردیے گئے، حضرت جویریہؓ، ثابت بن قیس کے حصہ مین آئین، اِنھون نے ثابت سے درخواست کی کہ مکاتبت کرلو، یعنی مجھ سے کچھ روپیہ لیکر چھوڑدو" ثابت نے منظور کیا، حضرت جویریہؓ کے پاس روپیہ تھا چاہا کہ لوگون سے چندہ مانگ کر یہ رقم ادا کرین۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بھی آئین، حضرت عائشہؓ بھی وہان موجود تھین،

ابن اسحاق نے حضرت عائشہؓ کی زبانی روایت کی ہے جو یقیناً اُنکی ذاتی راے ہے کہ چونکہ جویریہؓ نہایت شیرین ادا تھین، مین نے اُنکو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاتے دیکھا تو سمجھی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی اُن کے حسن وجمال کا وہی اثر ہوگا جو مجھپر ہوا، غرض وہ آنحضرت (صلعم) کے پاس گئین، (آپ نے فرمایا اگر اس سے بہتر برتاؤ تمھارے ساتھ کیا جائے تو قبول کروگی، انھون نے پوچھا وہ کیا ہے، آپنے فرمایا کہ تمھاری طرف سے مین روپیہ اداکردون، اور تمکو اپنی زوجیت مین لے لون، جویریہ نے کہا مین نے منظور کیا[1]) آپ نے تنہا وہ تمام رقم اداکردی، اور اُن سے شادی کرلی"

یہ ابن اسحاق کی روایت ہی جو ابن ہشام اور ابو داؤد، دونون مین موجود ہے، لیکن دوسرے طریق روایت مین اس سے زیادہ واضح بیان مذکور ہے،

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت جویریہؓ کا باپ (حارث) رئیسِ عرب تھا، حضرت جویریہؓ جب گرفتار ہوئین تو حارث آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین آیا اور کہا کہ "میری بیٹی کنیز نہین بن سکتی، میری شان اس سے بالاتر ہے،" آپ اُس کو آزاد کردین، آپنے فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ خود جویریہ کی مرضی پر چھوڑدیا جائے۔ حارث نے جاکر جویریہؓ سے کہا کہ محمدؐ نے تیری مرضی پر رکھا، دیکھنا مجھکو رسوا نہ کرنا" انھون نے کہا مین رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین رہنا پسند کرتی ہون" چنانچہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن سے شادی کرلی۔

---

[1] ابو داؤد کتاب العتاق،

یہ روایت حافظ ابن حجر نے اصابہ مین' ابن مندہ سے نقل کر کے لکھا ہے کہ "اسکی سند صحیح ہے" ابن سعد مین بھی یہ روایت مذکور ہے۔ ابن سعد نے طبقات مین یہ روایت بھی کی ہے کہ حضرت جویریہؓ کے والد نے ان کا زرِ فدیہ ادا کیا' اور جب وہ آزاد ہوگئین تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن سے نکاح کیا'

اس نکاح کا اثر۔

حضرت جویریہ سے جب آپ نے نکاح کیا تو تمام اسیرانِ جنگ جو اہلِ فوج کے حصہ مین آگئے تھے دفعتہ رہا کر دئے گئے' فوج نے کہا کہ جس خاندان مین رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شادی کرلی وہ غلام نہین ہوسکتا[1]'

واقعۂ افک

واقعۂ اِفک یعنی حضرت عائشہؓ پر منافقین نے جو تہمت لگائی تھی وہ اسی لڑائی سے واپسی مین پیش آیا تھا' احادیث اور سیر کی کتابون مین اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے نقل کیا ہے' لیکن جس واقعہ کی نسبت قرآن مجید مین صاف مذکور ہے کہ سننے کے ساتھ لوگون نے یہ کیون نہین کہدیا کہ "بالکل افترا ہے" اس کو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی چندان ضرورت نہین'

البتہ اس واقعہ سے یہ اندازہ کرنا چاہیے کہ محض جھوٹ اور بیہودہ خبر بھی کس طرح پھیل جاتی ہے' یہ خبر اصل مین منافقین نے مشہور کی تھی لیکن بعض مسلمان بھی دھوکے مین آگئے جن کو تہمت لگانے کی سزا دیگئی' جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ مین مذکور ہے'

آجکل کے عیسائی مورخون نے بھی قدیم منافقون کی طرح' اس واقعہ کو اس جوشِ مسرت سے لکھا ہے کہ خود بخود انکے قلم مین روانی آگئی ہے' لیکن ہم اُن سے توقع بھی یہی کر سکتے تھے'

یہ تمام لڑائیان' اُس عام جنگ کا پیش خیمہ تھین جو تمام عرب اور یہود' متفقہ قوت سے کرنا چاہتے تھے اور جس کو جنگ احزاب کہتے ہین'

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب العتاق۔

غزوۂ احزاب
یعنی تمام عرب کی متحدہ جنگ
ذوقعدہ ۵ھ

بنو نضیر[1] مدینہ سے نکل کر **خیبر** پہنچے تو انھون نے ایک نہایت عظیم الشان سازش شروع کی، اُن کے رؤسا مین سے سلام بن ابی الحقیق، حیی بن اخطب، کنانہ بن الربیع وغیرہ مکہ معظمہ گئے، اور قریش سے ملکر کہا "اگر ہمارا ساتھ دو تو اسلام کا استیصال کر دیا جا سکتا ہے" قریش اس کے لیے ہمیشہ طیار تھے، قریش کو آمادہ کرکے یہ لوگ قبیلۂ غطفان کے پاس گئے، اور ان کو لالچ دیا کہ **خیبر** کا نصف محاصل انکو ہمیشہ دیا کرین گے (اور یہ پہلے سے بھی طیار تھے، قصۂ غزوۂ معونہ مین یاد ہوگا کہ عامر رئیس قبیلہ نے اسی غطفان کے حملہ کی دھمکی دی تھی[2] اس لیے یہ فوراً طیار ہو گئے) بنو اسد غطفان کے حلیف تھے، غطفان نے ان کو لکھ بھیجا کہ تم بھی فوجین لے کر آؤ، قبیلہ بنو سلیم سے قریش کی قرابت تھی، اس تعلق سے انھون نے بھی ساتھ دیا، بنو سعد کا قبیلہ، **یہود** کا حلیف تھا اِس بنا پر یہود نے ان کو بھی آمادہ کیا، غرض تمام قبائل عرب سے لشکر گران طیار ہو کر مدینہ کی طرف بڑھا۔ فتح الباری مین تصریح ہے کہ انکی تعداد ۲۴ ہزار سے زاید تھی،

یہ لشکر تین مستقل فوجون مین تقسیم کیا گیا، غطفان کی فوجین عُیینۃ بن حصن فزاری کی کمان مین تھین جو عرب کا مشہور سردار تھا۔ بنو اسد طلحۃ کی افسری مین تھے، اور ابو سفیان سپہ سالار کل تھا،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے یہ خبرین سنین تو صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسی، ایرانی ہونے کی وجہ سے خندق کے طریقہ سے واقف تھے، انھون نے راے دی کہ کھُلے میدان مین نکلکر مقابلہ کرنا مصلحت نہین، ایک محفوظ مقام مین لشکر جمع کیا جائے اور گرد خندق کھود لی جاے، خندق دراصل فارسی

---

[1] طبری مین ہے، کان الذی جرّ غزوۃ رسول اللہ الخندق فیما قیل ما کان من اجلاء رسول اللہ بنی النضیر عن دیارہم مغازی کی سب سے زیادہ معتبر کتاب مغازی موسی بن عقبۃ ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری غزوۂ احزاب کے ذکر مین اسکی یہ عبارت نقل کی ہے، خرج حیی بن اخطب بعد قتل بنی نضیر الی مکۃ یحرّض قریشا علی حرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخرج کنانۃ بن الربیع بن ابی الحقیق یسعی فی بنی غطفان ویحضہم علی قتال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ان لھم نصف تمر خیبر فاجابہ عیینۃ بن حصن بن حذیفۃ بن بدر الفزاری الی ذلک وکتبوا الی حلفائھم من بنی اسد فاقبل الیھم طلحۃ بن خویلد فیمن اطاعہ الخ

[2] صحیح بخاری غزوۂ الرجیع،

لفظ کندہ کا معرب ہے، جس کے معنی کھودے گئے کے ہین، کاف، خ سے اور ہاے ہوز، قاف سے بدل گئی ہے،
جس طرح پیادہ سے بیدق، ہوگیا ہے،

تمام لوگون نے اس راے کو پسند کیا اور خندق کھودنے کے آلات مہیا کیے گئے،

مدینہ مین تین جانب، مکانات اور نخلستان کا سلسلہ تھا جو شہر پناہ کا کام دیتا تھا، صرف شامی رُخ کھلا ہوا تھا۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ۳ ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر اسی مقام مین خندق کی تیاریان شروع کین، یہ ذو قعدہ ۵ھ کی ۸ تاریخ تھی،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے حدود خود قایم کیے، داغ بیل ڈال کر دس دس آدمیون پر دس دس گز زمین تقسیم کی، خندق کا عمق ۵ گز رکھا گیا، ۲۰ دن مین ۳ ہزار متبرک ہاتون سے انجام پائی،

یاد ہوگا کہ جب مسجد نبوی بن رہی تھی تو سرورِ دوجہان، مزدورون کی صورت مین تھے۔ آج بھی وہی عبرت انگیز منظر ہے، جاڑے کی راتین ہین۔ تین تین دن کا فاقہ ہے، مہاجرین اور انصار اپنی پیٹھون پر مٹی لاد لاد کر پھینکتے ہین اور جوش محبت مین ہم آواز ہو کر کہتے ہین،

نحن الذین بایعوا محمدا علی الاسلام ما بقینا ابدا

سرورِ عالم بھی مٹی پھینک رہے ہین شکم مبارک پر گرد اٹ گئی ہے اسی حالت مین یہ رجز زبان پر ہے،

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا
فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا
ان الاولی قد بغوا علینا اذا ارادوا فتنۃ ابینا

ابینا کا لفظ جب آتا تھا تو آواز زیادہ بلند ہو جاتی تھی، اور مکرر کہتے تھے[1]، اسکے ساتھ انصار کے حق مین دعا بھی دیتے جاتے تھے، اور یہ موزون الفاظ زبان پر آتے تھے،

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ احزاب،

اللهم انه لاخیر الاخیر الآخرة فبارک فی الانصار والمهاجرة

پتھر کھودتے کھودتے اتفاقاً ایک سخت چٹان آگئی، کسی کی ضرب کام نہین دیتی تھی، رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) تشریف لائے، تین دن کا فاقہ تھا، اور پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا، آپ نے دستِ مبارک سے پھاوڑا مارا تو چٹان ایک تودۂ خاک[1] تھی،

سلع کی پہاڑی کو پشت پر رکھکر صف آرائی کی گئی، مستورات، شہر کے محفوظ قلعون مین بھیجدی گئین اور چونکہ بنو قریظہ کے حملہ کا اندیشہ تھا، اِس لیے سلمۃ بن اسلم ۲۰۰ آدمیون کے ساتھ متعین کیے گئے کہ اُدھر سے حملہ نہ ہونے پائے،

بنو قریظہ کے یہود، اب تک الگ تھے، لیکن بنو نضیر نے اُن کے ملا لینے کی کوشش کی، حُیَیّ بن اخطب (حضرت صفیہ کا باپ) خود قریظہ کے سردار، کعب بن اسد کے پاس گیا، اُسنے ملنے سے انکار کیا، حیُیّ نے کہا "مین فوجون کا دریاے بیکران لایا ہون، قریش اور تمام عرب اُمنڈ آیا ہے، اور ایک محمدؐ کے خون کا پیاسا ہے، یہ موقع ہاتھ سے دینے کے قابل نہین، اب اسلام کا خاتمہ ہے"۔ کعب اب بھی راضی نہ تھا، اُس نے کہا مین نے محمدؐ کو ہمیشہ صادق الوعد پایا، اُن سے عہد شکنی کرنا، خلافِ مُرَوت ہے لیکن حُیَیّ کا جادو رائگان نہین جاسکتا تھا،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو یہ حال معلوم ہوا تو تحقیق اور اتمام حجت کے لیے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو بھیجا اور فرمادیا کہ اگر درحقیقت بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے، تو وہان سے آکر اِس خبر کو مبہم لفظون مین بیان کرنا کہ لوگون مین بیدلی نہ پھیلنے پائے۔ دونون صاحبون نے بنو قریظہ کو معاہدہ یاد دلایا تو انھون نے کہا "ہم نہین جانتے محمدؐ کون ہین اور معاہدہ کیا چیز ہے؟"

غرض بنو قریظہ نے اِس بے شمار فوج مین اور اضافہ کردیا، قریش، یہود، اور قبایلِ عرب کی

---

[1] صحیح بخاری،

۲۴ ہزار فوجین تین حصون مین تقسیم ہوکر مدینہ کے تین طرف اس زور شور سے حملہ آور ہوئین کہ مدینہ کی زمین دہل گئی،

اس معرکہ کی تصویر خود خدا نے کھینچی ہے،

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ	جب کہ دشمن اوپر کی طرف اور نشیب کی طرف سے
مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ	آپڑے اور جب آنکھین ڈگنے لگین اور کلیجے منھ
الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا	مین آگئے، اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے
هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا	لگے، تب مسلمانون کی جانچ کا وقت آگیا، اور وہ زور
زِلْزَالًا شَدِيْدًا (سورہ احزاب)	سے لرزنے لگے،

فوج اسلام مین منافقون کی تعداد بھی شامل تھی جو بظاہر مسلمانون کے ساتھ تھے لیکن موسم کی سختی، رسد کی قلت، متواتر فاقے، راتون کی بے خوابی، بے شمار فوجون کا ہجوم، ایسے واقعات تھے جنھون نے اُن کا پردہ فاش کردیا، آآکر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے اجازت مانگنی شروع کی کہ ہمارے گھر محفوظ نہین ہم کو شہر مین واپس چلے جانے کی اجازت دی جائے،

يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ	کہتے ہین کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہین، اور وہ کھلے
بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا (احزاب)	نہین بلکہ ان کو بھاگنا مقصود ہے،

لیکن جان نثاران اسلام کا طلاے اخلاص اسی کسوٹی پر آزمانے کے قابل تھا،

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا	جب مسلمانون نے قبایل کی فوجین دیکھین تو بول
مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ	اُٹھے کہ یہ وہی ہے جسکا وعدہ خدا نے اور اُس کے رسول
وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا	نے کیا تھا اور خدا اور اس کا رسول دونون سچے تھے اور
وَّتَسْلِيْمًا ۞ (احزاب)	اس بات نے انکے یقین اور اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا۔

قریباً ایک مہینہ تک اس سختی سے محاصرہ قایم رہا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صحابہ پر تین تین فاقے گذر گئے، ایک دن صحابہ نے بے تاب ہو کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے اپنے شکم کھول کر دکھائے کہ پتھر بندھے ہین، لیکن جب آپ نے شکم مبارک کھولا، تو ایک کے بجائے دو پتھر[1] تھے،

محاصرہ اسقدر شدید اور پرخطر ہو گیا تھا کہ ایک دفعہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لوگون سے خطاب کر کے فرمایا کہ کوئی ہے، جو باہر نکل کر محاصرین کی خبر لائے، تین دفعہ آپ نے یہ الفاظ فرمائے لیکن حضرت زبیرؓ کے سوا اور کوئی صدا نہین آئی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسی موقع پر حضرت زبیر کو حواری کا لقب[2] دیا،

محاصرین نے اُدھر تو خندق کا محاصرہ کر رکھا تھا، اِدھر دوسری سمت سے اِس غرض سے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صحابہ کے اہل وعیال یہین قلعون مین پناہ گزین تھے،

محاصرین، خندق کو عبور نہین کر سکتے تھے اِس لیے دور سے تیر اور پتھر برساتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے مختلف حصّون پر فوجین تقسیم کر دین تھین جو محاصرین کے حملون کا مقابلہ کرتی تھین، ایک حصّہ خود آپ کے اہتمام مین تھا،

محاصرہ کی سختی دیکھ کر آپ کو خیال ہوا کہ ایسا نہو انصار ہمت ہار جائین، اِس لیے آپ نے غطفان سے اِس شرط پر معاہدہ کرنا چاہا کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک ثُلث انکو دیدیا جاے، سعد بن عبادہؓ، اور، سعد بن معاذ کو جو رؤسائے انصار تھے بلا کر مشورہ کیا، دونون نے عرض کی کہ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو انکار کی مجال نہین، لیکن اگر راے ہے تو یہ عرض ہے کہ کفر کی حالت مین بھی کوئی شخص ہم سے خراج مانگنے کی جرأت نہ کر سکا اور اب تو اسلام نے ہمارا پایہ بہت بلند کر دیا ہے، یہ استقلال دیکھ کر آپ کو اطمینان ہوا، سعد نے معاہدہ کا کاغذ ہاتھ مین لے کر تمام عبارت مٹا دی[3]، اور کہا اِن لوگون سے جو بن آئے کر دکھائین،

اب مشرکون کی طرف سے حملہ کا یہ انتظام کیا گیا کہ **قریش** کے مشہور جنرل یعنی ابوسفیان، خالد بن ولید

---

[1] شمایل ترمذی، عرب کی عادت تھی کہ سخت بھوک مین پتھر باندھتے تھے جس سے کمر نہین جھکنے پاتی تھی، [2] صحیح بخاری ذکر غزوۂ احزاب [3] طبری صفحہ ۱۴۷۴،

عمروبن العاص، ضرار بن الخطاب، جبیرہ کا ایک ایک دن مقرر ہوا، ہر جنرل اپنی باری کے دن پوری فوج کو لیکر لڑتا تھا، خندق کو عبور نہین کر سکتے تھے، لیکن خندق کا عرض چونکہ زیادہ نہ تھا، اِس لیے باہر سے پتھر اور تیر برساتے تھے،

چونکہ اس طریقہ مین کامیابی نہین ہوئی اسلیے قرار پایا کہ اب عام حملہ کیا جائے، تمام فوجین یکجا ہوئین قبایل کے تمام سردار آگے آگے تھے، خندق ایک جگہ سے اتفاقاً کم عریض تھی، یہ موقع حملہ کے لیے انتخاب کیا گیا، عرب کے مشہور بہادرون، یعنی ضرار، جبیرہ، نوفل، عمرو بن عبد ودؔ نے خندق کے اِس کنارے سے گھوڑون کو مہمیز کیا تو اُس پار تھے، ان مین سب سے زیادہ مشہور بہادر، عمرو بن عبدوُدّ تھا، وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا، جنگِ بدر مین زخمی ہوکر واپس چلا گیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لون گا، بالون مین تیل نہ ڈالونگا اس وقت اسکی عمر ۹۰ برس کی تھی تاہم سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور عرب کے دستور کے موافق پکارا کہ مقابلہ کو کون آتا ہے؟ حضرت علی نے اُٹھ کر کہا "مین" لیکن آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے رُوکا، کہ یہ عمرو بن عبد ود ہے! حضرت علی بیٹھ گئے، لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہین آتا تھا، عمرو دوبارہ پکارا، اور پھر وہی صرف ایک صدا جواب مین تھی، تیسری دفعہ جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے! تو حضرت علی نے عرض کی ہان مین جانتا ہون کہ یہ عمرو ہے، غرض آپنے اجازت دی، خود دستِ مبارک سے تلوار عنایت کی، سر پر عمامہ باندھا

عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا مین اگر مجھ سے تین باتون کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کرونگا،

حضرت علی نے عمرو سے پوچھا کہ کیا واقعی یہ تیرا قول ہے، پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی،

حضرت علی،	مین درخواست کرتا ہون کہ تو اسلام لا،
عمرو،	یہ نہین ہوسکتا،
حضرت علی،	لڑائی سے واپس چلاجا،
عمرو،	مین خاتونانِ قریش کا طعنہ نہین سُن سکتا،

حضرت علی' مجھ سے معرکہ آرا ہو'

عمرو ہنسا' اور کہا مجھکو امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائے گی حضرت علی پیادہ تھے' عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا' گھوڑے سے اُتر آیا اور پہلی تلوار گھوڑے کے پانون پر ماری کہ کونچین کٹ گیئن' پھر پوچھا کہ تم کون ہو؟ آپنے نام بتایا' اُس نے کہا مین تم سے لڑنا نہین چاہتا' آپنے فرمایا "ہان لیکن مین چاہتا ہون" عمرو اب غصہ سے بیتاب تھا' پرتلے سے تلوار نکالی اور آگے بڑھکر وار کیا' حضرت علی نے سپر پر روکا' لیکن تلوار سپر مین ڈوب کر نکل آئی' اور پیشانی پر لگی' گو زخم کاری نہ تھا' تاہم یہ طغرا آپ کی پیشانی پر یادگار رہ گیا' قاموس مین لکھا ہے کہ حضرت علی کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے' جسکی وجہ یہ بھی کہ آپ کی پیشانی پر دو زخمون کے نشان تھے' ایک عمرو کے ہات کا اور ایک ابن ملجم کا' دشمن کا وار ہوچکا تو حضرت علی نے وار کیا' اُن کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اتر آئی' ساتھ ہی حضرت علی نے اللہ اکبر کا نعرا مارا اور فتح کا اعلان ہوگیا' عمرو کے بعد ضرار اور جبیرۃ نے حملہ کیا' لیکن جب ذوالفقار کا ہات بڑھا تو پیچھے ہٹنا پڑا' حضرت عمر فاروق نے ضرار کا تعاقب کیا' ضرار نے مڑکر برچھے کا وار کرنا چاہا' لیکن روک لیا' اور کہا عمر! اس احسان کو یاد رکھنا'

نوفل بھاگتے ہوے خندق مین گرا' صحابہ نے تیر مارنے شروع کیے' اُسنے کہا مسلمانو! مین شریفانہ موت چاہتا ہون" حضرت علی نے اُسکی درخواست منظور کی اور خندق مین اُتر کر تلوار سے مارا کہ شریفون کے شایان تھا[۱]'

حملہ کا یہ دن بہت سخت تھا' تمام دن لڑائی رہی' کفار ہر طرف سے تیرون اور پتھرون کا مینھ برسا رہے تھے اور ایک دم کے لیے یہ بارش تھمنے نہ پاتی تھی' یہی دن ہے جسکا ذکر احادیث مین ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متصل[۲] چار نمازین قضا ہوئین' متصل تیراندازی اور سنگ باری سے جگہ سے ہٹنا ناممکن تھا'

---

[۱] یہ حالات اگرچہ اجمالاً تمام کتابون مین ہین' لیکن ہم نے جو تفصیل لکھی ہے ابن سعد' اور خمیس سے ماخوذ ہے'

[۲] اس امر مین محدثین مین سخت اختلاف ہے کہ چار نمازین قضا ہوئین یا ایک' اور چار قضا ہوئین تو ایک ہی دن یا کئی دن کی ملاکر' زرقانی مین یہ بحث مفصل ہے'

مستورات جس قلعہ مین تھین بنو قریظہ کی آبادی سے متصل تھا، یہودیون نے یہ دیکھکر کہ تمام جمعیت آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہے، قلعہ پر حملہ کیا، ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈھ رہا تھا، حضرت صفیہ (آنحضرت کی پھوپھی) نے دیکھ لیا، مستورات کی حفاظت کے لیے حضرت حسان (شاعر) متعین کردیئے گئے تھے، حضرت صفیہ نے اُن سے کہا کہ اُتر کر اس کو قتل کردو، ورنہ یہ جاکر دشمنون کو پتہ دیگا، حضرت حسان کو ایک عارضہ ہو گیا تھا جس نے اُن مین اسقدر جُبن پیدا کردیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہین دیکھ سکتے تھے، اِس بنا پر اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا کہ مین اس کام کا ہوتا تو یہان کیون ہوتا، حضرت صفیہ نے خیمہ کی ایک چوب اُکھاڑلی اور اُتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا، حضرت صفیہ چلی آئین اور حسان سے کہا کہ ہتیار اور کپڑے چھین لاؤ، حسان نے کہا جانے دیجئے مجھکو اسکی کوئی ضرورت نہین، حضرت صفیہ نے کہا اچھا جاؤ اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو کہ یہودی مرعوب ہو جائین، لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہ ہی کو انجام دینی پڑی، یہودیون کو یقین ہوا کہ قلعہ مین بھی کچھ فوج متعین ہے، اس خیال سے پھر اُنھون نے حملہ کی جراءت[1] نہ کی،

محاصرہ کو جسقدر طول ہوتا جاتا تھا، محاصرہ کرنے والے ہمت ہارتے جاتے تھے، ۲۴ ہزار آدمیون کو رسد پہنچانا آسان کام نہ تھا، اتفاق یہ کہ باوجود سردی کے موسم کے اِس زور کی ہوا چلی کہ طوفان آگیا خیمون کی طنابین اُکھڑ اُکھڑ گئین، کھانے کے دیگچے چولھون پر اُلٹ اُلٹ جاتے تھے، اس اتفاقی واقعہ نے فوجون سے بڑھ کر کام دیا اسی بنا پر قرآن مجید نے اِس بادِ صرصر کو عسکرِ الٰہی سے تعبیر کیا ہے،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ	مسلمانو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو جب کہ تم پر فوجین
عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ	آپڑین تو ہم نے اُن پر آندھی بھیجی اور وہ فوجین بھیجین
رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا (احزاب)	جو تم کو دکھائی نہین دیتی تھین،

[1] زرقانی بحوالہ طبرانی و بزار و ابو یعلی بہ سند صحیح، دیکھو صفحہ ۱۲۹ جلد ۲، و ابن ہشام،

نُعیم بن مسعود ثقفی ایک غطفانی رئیس تھے، قریش اور یہود دونون انکو مانتے تھے، وہ اسلام لاچکے تھے، لیکن کفار کو ابھی اس کا علم نہ تھا، انھون نے قریش اور یہود سے الگ الگ جاکر اس قسم کی باتین کین جس سے دونون مین پھوٹ پڑگئی،

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ نعیم نے اس تفرقہ اندازی مین دونون سے جھوٹ باتین کہین، اور اس بنا پر کہین کہ خود آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اَلحربُ خُدْعَۃٌ کی تعلیم کی تھی، لیکن ابن اسحاق نے روایت کی سند نہین نقل کی، اور اگر کرتے بھی تو ابن اسحاق کا یہ پایہ نہین کہ ایسا واقعہ محض اُنکی سند سے قبول کرلیا جائے، اس کے علاوہ واقعات اس قسم کے جمع تھے کہ دونون فریقون کا اتحاد بغیر اس کے توڑ دیا جاسکتا تھا کہ کوئی غلط بات بیان کی جائے، ابن اسحاق کی روایت مین بھی اسقدر مذکور ہے کہ نعیم نے یہود سے کہا کہ قریش تو چار دن کے بعد یہان سے چلے جائینگے، تمھارا اور مسلمانون کا ہموطنی کا ساتھ ہے اس لیے تم کیون بیچ مین پڑکر ہمیشہ کے لیے لڑائی مول لیتے ہو، اور اگر اس پر آمادہ ہی ہو تو قریش سے کہو کہ وہ کچھ معزز آدمی ضمانت کے طور پر تمھارے ہان بھجوا دین کہ اگر قریش، لڑائی کا فیصلہ کیے بغیر جانا چاہین تو تم ان لوگون کو روک لینا،

یہ بھی ظاہر ہے کہ یہود بنو قریظہ اوّل اوّل نقض عہد پر راضی نہ تھے اور کہتے تھے کہ ہم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے معاہدہ کیون توڑین، لیکن حیی بن اخطب نے اسی شرط پر ان کو راضی کیا تھا کہ قریش چلے گئے تو مین خیبر چھوڑکر تمھارے پاس آجاؤنگا" قریش اس قسم کی ضمانت نہین منظور کرسکتے تھے، اس لیے جب انھون نے انکار کیا ہوگا تو دونون مین خود پھوٹ پڑگئی ہوگی، اس کے لیے ایک صحابی کو دروغ بیانی کے داغ اُٹھانے کی کیا ضرورت تھی،

بہرحال موسم کی سختی، محاصرہ کا امتداد، آندھی کا زور، رسد کی قلت، یہود کی علیحدگی، یہ تمام اسباب ایسے جمع ہوگئے تھے کہ قریش کے پائے ثبات اب ٹھہر نہین سکتے تھے، ابوسفیان نے فوج سے کہا رسد ہوچکی

موسم کا یہ حال ہے، یہود نے ساتھ چھوڑ دیا، اب محاصرہ بے کار ہے، یہ کہکر طبلِ رحیل بجنے کا حکم دیا، غطفان بھی اُس کے ساتھ روانہ ہوگئے، بنو قریظہ محاصرہ چھوڑ کر اپنے قلعون مین چلے آئے، اور مدینہ کا اُفق ۲۰۔۲۲ دن تک غبار آلود رہ کر صاف ہوگیا،

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا	اور خدانے کافرون کو غصہ مین بھرا ہوا ہٹا دیا کہ انکو
خَيْرًا وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ	کچھ ہات نہ آیا، اور مسلمانون کو لڑنے کی نوبت نہ آنے دی،

اِس معرکہ مین فوجِ اسلام کا جانی نقصان کم ہوا، لیکن انصار کا سب سے بڑا بازو ٹوٹ گیا یعنی حضرت سعد بن معاذ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے زخمی ہوے اور پھر جان بر نہو سکے، ان کے زخم کھانے کا واقعہ موثر اور عبرت انگیز ہے، حضرت عایشہؓ جس قلعہ مین پناہ گزین تھین، سعد بن معاذ کی مان بھی وہین اُنکے ساتھ تھین، حضرت عایشہؓ کا بیان ہے کہ مین قلعہ سے نکلکر باہر پھر رہی تھی، عقب سے پانون کی آہٹ معلوم ہوئی، مُڑ کر دیکھا تو سعد ہات مین حربہ لیے جوش کی حالت مین بڑی تیزی سے بڑھے جا رہے ہین اور یہ شعر زبان پر ہے،

لَبِّثْ قَلِيْلًا تُدْرِكُ الْهَيْجَا حَمَلْ	لَا بَأْسَ بِالْمَوْتِ اِذَا الْمَوْتُ نَزَلْ
ذرا ٹھہر جانا کہ لڑائی مین ایک اور شخص پہنچ جاے	وقت جب آگیا تو موت سے کیا ڈر ہے

سعد کی مان نے سُنا تو پکارین بیٹا دوڑ کر جا تو نے دیر لگا دی، سعد کی زرہ اِس قدر چھوٹی تھی کہ اُنکے دونون ہاتھ باہر تھے، حضرت عایشہ نے سعد کی مان سے کہا کاش سعد کی زرہ لمبی ہوتی، اتفاق یہ کہ ابن العرقہ نے تاک کر کھلے ہوے ہات پر تیر مارا جس سے اکحل کی رگ کٹ گئی، خندق کا معرکہ ہو چکا تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُن کے لیے مسجد کے صحن مین ایک خیمہ کھڑا کرایا اور اُنکی تیمارداری شروع کی،[۱] اِس لڑائی مین رفیدہ ایک خاتون

---

[۱] ابن ہشام وطبری وخمیس [۲] یہ خمیس کا بیان ہے، حافظ ابن حجر نے اصابہ (ذکر رفیدہ) مین امام بخاری کی ادب المفرد سے نقل کیا ہے کہ رفیدہ ایک خاتون تھین جو زخمیون کا علاج کرتی تھین، حضرت سعد انھین کے پاس علاج کے لیے رکھے گئے تھے، ابن سعد نے رفیدہ کے ذکر مین لکھا ہے کہ انکا ایک خیمہ مسجد نبوی کے پاس تھا، اسی مین وہ بیمارون اور زخمیون کا علاج کرتی تھین، صحیح بخاری مین بھی رفیدہ کے خیمہ اور انکے جراح خانہ کا ذکر ہے،

شریک تھین جو اپنے پاس دوائین رکھتی تھین اور زخمیون کی مرہم پٹی کرتی تھین، یہ خیمہ اُنہی کا تھا اور وہ علاج کی نگران تھین، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے خود دست مبارک مین مشقص[1] لے کر داغا، لیکن پھر ورم کر آیا۔ دوبارہ داغا، لیکن پھر فائدہ نہ ہوا، کئی دن کے بعد یعنی بنو قریظہ کی ہلاکت کے بعد زخم کھل گیا، اور انہون نے وفات پائی،

بنو قریظہ کا خاتمہ اوپر گذر چکا ہی کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے آغاز قیام مین یہود کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور اُنکو جان و مال و مذہب ہر چیز مین امن و آزادی بخشی، لیکن جب قریش نے انکو تحریض و تہدید کا خط لکھا تو وہ آمادہ بغاوت ہو گئے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اِن لوگون سے تجدید معاہدہ کرنی چاہی، بنو نضیر نے انکار کیا اور وہ جلاوطن کردئے گئے، لیکن بنو قریظہ نے نئے سرے سے معاہدہ کرلیا چنانچہ انکو امن دیدیا گیا، صحیح مسلم مین ان واقعات کو اختصار کے ساتھ ان الفاظ مین بیان کیا ہے،

عن ابن عمران یھود بنی النضیر و قریظۃ حاربوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجلی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بنی النضیر و اقر قریظۃ و منّ علیھم (صحیح مسلم) ذکر اجلاء الیھود من الحجاز	حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ بنو نضیر اور قریظہ کے یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کی تو آپنے بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا، اور قریظہ کو رہنے دیا، اور ان پر احسان کیا،

بنو نضیر جب جلاوطن ہوے تو اُنکے رئیس الاعظم **حُیَی بن اخطب**، ابو رافع سلام ابن ابی الحقیق خیبر مین جاکر آباد ہوے، اور وہان ریاست عام حاصل کرلی، جنگ احزاب اِنہین کی کوششون کا نتیجہ تھی، قبایل عرب مین دورہ کر کے تمام ملک مین آگ لگادی، اور قریش کے ساتھ ملکر مدینہ پر حملہ آور ہوئے، اس وقت تک قریظہ معاہدہ پر قائم تھے لیکن حُیَی بن اخطب نے انکو بہکا کر توڑ لیا اور اُن سے یہ وعدہ کیا کہ خدانخواستہ اگر قریش حملہ سے دست بردار ہو کر چلے گئے تو مین خیبر چھوڑ کر یہین آ رہون گا چنانچہ اُسنے یہ عہد وفا کیا،

[1] مسلم باب لتداوی،

قریظہ نے احزاب مین علانیہ شرکت[1] کی اور شکست کھا کر ہٹ آئے تو اسلام کے سب سے بڑے دشمن حیی بن اخطب کو ساتھ لائے[2]،

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ انکا کوئی آخری فیصلہ کیا جائے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے احزاب سے فارغ ہو کر حکم دیا کہ ابھی لوگ ہتھیار نہ کھولین اور قریظہ کی طرف بڑھین، قریظہ اگر صلح و آشتی سے پیش آتے تو قابل اطمینان تصفیہ کے بعد انکو امن دیا جاتا، لیکن وہ مقابلہ کا فیصلہ کر چکے تھے، فوج سے آگے بڑھکر جب حضرت علی اُن کے قلعون کے پاس پہنچے تو انہون نے علانیہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو (نعوذ باللہ) گالیان دین[3]، غرض انکا محاصرہ کیا گیا اور تقریباً ایک مہینے محاصرہ رہا، بالآخر انہون نے درخواست پیش کی کہ سعد بن معاذ جو فیصلہ کرین ہم کو منظور ہے،

حضرت سعد بن معاذ اور انکا قبیلہ (اوس) قریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھا، اور عرب مین یہ تعلق ہم نسبی سے بڑھکر تھا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُنکی درخواست منظور کی،

قرآن مجید مین جب تک کوئی خاص حکم نہین آتا تھا آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) توراۃ کے احکام کی پابندی فرماتے تھے، چنانچہ اکثر مسائل مثلاً قبلۂ نماز، رجم، قصاص بالمثل وغیرہ وغیرہ مین جب تک خاص وحی نہین آئی آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے توراۃ ہی کی پابندی فرمائی، سعد نے جو فیصلہ کیا یعنی یہ کہ لڑنے والے قتل کئے جائین، عورتین اور بچے قید ہون، مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے[4]۔ توراۃ کے مطابق تھا، توراۃ کتاب تثنیہ، اصحاخ ۲۰ آیت ۱۰ مین ہے،

---

[1] سر ولیم میور صاحب، ارباب سیر کی یہ روایت تسلیم نہین کرتے کہ بنو قریظہ نے اس جنگ مین کوئی عملی حصہ لیا تھا ان کا استدلال یہ ہی کہ اگر ایسا ہوتا، تو قرآن مجید مین جہان احزاب کا ذکر ہے وہان اس کا ذکر ضرور ہوتا، لیکن قرآن مین تو صاف یہ الفاظ ہین وانزل الذین ظاهروهم من اهل الكتاب مظاهرة سے بڑھکر اور کون لفظ درکار ہے، [2] طبری و ابن ہشام صفحہ ۶۹۴، جلد دوم، [3] طبری مین ہے، حتی اذا دنا من الحصون سمع منها مقالة قبيحة لرسول الله صلى الله عليه وسلم منهم [4] صحیح مسلم ج ۲ ص ،،، اور نیز بخاری مین یہ واقعہ مفصل مذکور ہے، مارگولیس صاحب فرماتے ہین کہ چونکہ سعد بن معاذ کو اس جنگ مین ایک قریظی نے تیر سے زخمی کیا تھا جس سے وہ بالآخر ہلاک ہو گئے اسلیے انہون نے بنو قریظہ کی نسبت ایسا بیرحمانہ فیصلہ کیا، لیکن وہ تیر انداز ابن العرقہ قریشی تھا، قریظی نہ تھا صحیح بخاری و مسلم مین صاف یہ تصریح ہے،

"جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لیے تو جاے، تو پہلے صلح کا پیغام دے، اگر وہ صلح تسلیم کرین اور تیرے لیے دروازے کھول دین تو جتنے لوگ وہان موجود ہون سب تیرے غلام ہوجائین گے، لیکن اگر صلح نہ کرین تو تو انکا محاصرہ کر، اور جب تیرا خدا انکو تیرے قبضہ دلادے تو جس قدر مرد ہون، سب کو قتل کردے، باقی بچّے، عورتین، جانور، اور جو چیزین شہر مین موجود ہون سب تیرے لیے مالِ غنیمت ہونگی"

احادیث مین مذکور ہے کہ، سعد نے جب یہ فیصلہ کیا تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ تمنے یہ آسمانی فیصلہ کیا، یہ اسی توراۃ کے حکم کی طرف اشارہ تھا، یہودیون کو جب یہ حکم سنایا گیا تو جو فقرے انکی زبان سے نکلے اِس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اسی فیصلہ کو حکم الٰہی کے موافق سمجھتے تھے،

حُیی بن اخطب جوان تمام فتن کا بانی تھا قتل مین لایا گیا، تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف اُس نے نظر اُٹھا کر دیکھا اور یہ فقرے کہے،

اَمَا واللہ ما لمتُ نفسی فی عداوتک	ہان خدا کی قسم مجھکو اسکا افسوس نہین کہ مین کیون تیری عداوت
ولکنہ من یخذل اللہ یخذل	کی، لیکن بات یہ ہو کہ جو شخص خدا کو چھوڑ دیتا ہے، خدا بھی اُسکو چھوڑ دیتا ہے

پھر لوگون کی طرف مخاطب ہو کر کہا،

ایھا الناس انہ لاباس بامر اللہ کتاب وقدر	لوگو! خدا کے حکم کی تعمیل مین کچھ مضائقہ نہین، یہ ایک حکم آلٰہی
وملحمۃ کتبھا اللہ علی بنی اسرائیل[1]	تھا، یہ لکھا ہوا تھا، ایک سزا تھی، جو خدا نے بنو اسرائیل پر لکھی تھی"

حُیی بن اخطب کی نسبت یہ بات خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ جب وہ جلا وطن ہو کر خیبر جا رہا تھا تو اُسنے یہ معاہدہ کیا تھا کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت پر کسیکو مدد نہ دیگا[2]، اِس معاہدہ پر اُسنے خدا کو ضامن کیا تھا لیکن احزاب مین اُسنے اِس معاہدہ کی جس طرح تعمیل کی اُس کا حال ابھی گذر چکا،

[1] یہ دونون عبارتین ابن ہشام مین ہین، طبری مین بھی قریباً یہی الفاظ ہین، [2] بلاذری مطبوعۂ یورپ صفحہ ۲۲

بنو قریظہ کے متعلق مخالفینِ اسلام نے بڑے زور کے ساتھ ظلم وبیرحمی کا اعتراض کیا ہے، لیکن واقعات حسب ذیل ہین :-

۱- آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ مین آکراُن کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کیا جس مین اُنکے مذہب کو پوری آزادی دی گئی اور جان ومال کی حفاظت کا اقرار کیا گیا،

۲- بنو قریظہ رتبہ مین بنو نضیر سے کم تھے، یعنی بنو نضیر کا کوئی آدمی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کردیتا تھا، تو اس کو صرف آدھا خون بہا دینا پڑتا تھا، بخلاف اِسکے بنو قریظہ پورا خون بہا ادا کرتے تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے قریظہ پر یہ احسان کیا کہ ان کا درجہ بنو نظیر کے برابر کردیا[1]،

۳- آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے بنو نضیر کی جلا وطنی کے وقت بنو قریظہ سے دوبارہ تجدید معاہدہ کی،

۴- باوجود ان باتون کی عہد شکنی کی، اور جنگ احزاب مین شریک ہوئے،

۵- ازواج مطہرات قلعہ مین حفاظت کے لیے بھیجدی گئی تھین اُنپر جاکر حملہ کرنا چاہا،

۶- حُیَیّ بن اخطب جو بغاوت کے جُرم مین جلا وطن کردیا گیا تھا، اور جس نے تمام عرب کو برانگیختہ کرکے جنگِ احزاب قائم کردی تھی، اُسکو اپنے ساتھ لائے جو آتشِ جنگ کے اشتعال کا دیباچہ تھا،

اِن حالات کے ساتھ، بنو قریظہ کے ساتھ اور کیا سلوک کیا جاسکتا تھا؛

یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ عرب مین مخالفت کا معاہدہ اُخوّتِ حقیقی کے برابر تھا، بنو قریظہ انصار کے حلیف تھے، اور اسی بنا پر تمام انصار (اوس) نے انکی نہایت الحاح کے ساتھ سفارش کی، سعد بن معاذ اوس کے سردار تھے، اور دراصل معاہدہ کے وہی ذمہ دار تھے، وہ سخت کشمکش مین تھے، اُنکے حلیفون کی موت وحیات کا مسئلہ تھا جنکی حمایت پر کُل انصار (اوس) مُصِر تھے لیکن سعد بن معاذ اِس فیصلہ کے سوا اور کیا کرسکتے تھے،

مقتولین کی تعداد ارباب سیر نے ۶۰۰ سے زاید بیان کی ہے، لیکن صحاح مین ۴۰۰ ہے، اِن مین صرف

---

[1] ابوداؤد، ذکر احکام دیۃ،

ایک عورت تھی اور وہ اس قصاص میں ماری گئی تھی کہ اُسنے قلعہ پر سے ایک پتھر گرا کر ایک مسلمان (خداش) کو قتل کر دیا تھا، اس عورت نے جس جرأت اور دلیری سے جان دی سُنن ابی داؤد میں حسب ذیل حیرت انگیز طریقہ سے مذکور ہے،

اُس کو معلوم ہو چکا تھا کہ مقتولین کی فہرست میں اُسکا نام بھی ہے، قتل گاہ میں مجرم آتے اور عدم کو روانہ ہوتے جاتے تھے، ایک ایک کا نام پکارا جا رہا تھا اور یہ ہوش رُبا صدا بار بار اُسکے کانون میں آتی تھی، لیکن وہ بے تکلف حضرت عایشہؓ سے باتین کرتی جاتی اور بات بات پر ہنستی جاتی تھی، دفعتہ قاتل نے اِس کا نام پکارا، وہ بے تکلف اُٹھ کھڑی ہوئی، حضرت عایشہؓ نے پوچھا کہان؟ بولی مین نے ایک جُرم کیا تھا اسکی سزا اُٹھانے جاتی ہون، خوشی خوشی قتلگاہ مین آئی اور تلوار کے نیچے سر رکھدیا،

حضرت عائشہؓ جب اِس واقعہ کو بیان کرتی تھیں تو نہایت حیرت کے لہجہ مین بیان کرتی تھین،

ریحانہ کا غلط واقعہ متعدد ارباب سِیَر نے لکھا ہی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قریظہ کے قیدیون مین سے ایک یہودی عورت جس کا نام ریحانہ تھا اسکی نسبت حکم دیا کہ الگ کر لی جائے، اور پھر چند روز کے بعد اسکو اپنے حرم مین داخل کر لیا، چنانچہ جن مورخین نے لکھا ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) لونڈیون سے بھی متمتع ہوتے تھے، اُنھون نے دو مثالین پیش کی ہین، ایک یہی ریحانہ، اور دوسری ماریہ قبطیہ، عیسائی مورخون نے اِس واقعہ کو صحیح قرار دیکر نہایت ناگوار صورت مین دکھایا ہے، ایک مؤرخ نہایت طعن آمیز الفاظ مین لکھتا ہی کہ "بانیٔ اسلام جب سات سو مقتولین کی لاشون کے تڑپنے کا تماشا دیکھ چکا تو گھر پر آکر تفریح خاطر کے لیے ....

لیکن حقیقت یہ ہی کہ سرے سے یہ واقعہ ہی غلط ہی،

ریحانہ کے حرم مین داخل ہونے کی جسقدر روایتین ہین، سب واقدی یا ابن اسحاق سے ماخوذ ہین، لیکن واقدی نے تصریح بیان کیا ہے، کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ان سے نکاح کیا تھا، ابن سعد نے واقدی کی جو روایت نقل کی ہی اس مین خود ریحانہ کے یہ الفاظ نقل کیے ہین:-

فاعتقني وتزوج بي — پھر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مجھکو آزاد کردیا اور مجھسے نکاح کرلیا،

حافظ ابن حجر نے اصابہ مین محمد بن الحسن کی تاریخ مدینہ سے جو روایت نقل کی ہے اُسکے یہ الفاظ ہین:۔

وكانت ريحانة القرظية زوج النبي — اور ریحانہ قرظیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ

صلے الله عليه وسلم تسكنه — (محرم) تھین اس مکان مین رہتی تھین:

حافظ ابن مندہ جنکی کتاب (طبقات الصحابہ) تمام محدثین مابعد کا ماخذ ہی اس مین یہ الفاظ ہین[1]،

واستري ريحانة من بني قريظة ثم اعتقها — ریحانہ کو گرفتار کیا، اور پھر آزاد کردیا، تو وہ اپنے خاندان

فلحقت باهلها واحتجبت وهي عند اهلها — مین چلی گئین، اور وہین پردہ نشین ہوکر رہین،

حافظ ابن حجر اس عبارت کو نقل کر کے لکھتے ہین:۔

وهذه فائدة جليلة اغفلها ابن الاثير — اور یہ بڑی مفید تحقیق ہی جس سے ابن الاثیر نے غفلت کی،

حافظ ابن مندہ کی عبارت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انکو آزاد کردیا تھا، اور وہ اپنے خاندان مین جاکر بیویون کی طرح پردہ نشین ہوکر رہین،

ہمارے نزدیک محقق واقعہ یہی ہے، اور اگر یہی مان لیا جائے، کہ وہ حرم نبوی مین آئین تب بھی قطعاً وہ منکوحات مین تھین کنیز نہ تھین،

حضرت زینبؓ سے نکاح ۵ھ اس سال آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا، نکاح ایک معمولی بات ہے، اور اسکی تفصیل کا موقع، ازواج مطہرات کا عنوان ہی لیکن اس واقعہ مین ایسے حالات جمع ہوگئے جنھون نے مخالفین کے نزدیک اسکو ایک مہتم بالشان مسئلہ بنا دیا۔ عیسائی مورخون نے اس واقعہ کو نہایت آب ورنگ سے لکھا ہے اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تنقیص ونکتہ چینی (عیاذاً باللہ) کے لیے اُن کے نزدیک، اور کوئی واقعہ بکار آمد نہین ہوسکتا،

---

[1] دیکھو اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر ریحانہؓ،

ہم اس واقعہ کو تفصیل سے لکھتے ہین جس سے اس نکتہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرانا مقصود ہی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق وعادات پر نکتہ چینی کا موقع جو دشمنون کو ہات آتا ہی اسکا اصلی مخرج کیا ہی؟۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے زید کو، جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے مُتبنّٰی بنالیا تھا، وہ جب سن بلوغ کو پہنچے تو آپ نے انکی شادی حضرت زینبؓ سے کرنی چاہی جو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی حقیقی پھوپھیری بہن تھین (انکی ماں اُمیمة، عبدالمطلب کی بیٹی تھین) لیکن چونکہ وہ غلام رہ چکے تھے، اِس لیے حضرت زینبؓ کو یہ نسبت گوارا نہ تھی،

وکان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اراد ان یزوجھا زید بن حارثة مولاہ فکرھت ذلک[۱]

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُن کا نکاح اپنے غلام زید سے کردینا چاہا، تو انہون نے ناپسند کیا،

لیکن بالآخر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تعمیل ارشاد کے لحاظ سے راضی ہوگئین۔ قریبًا ایک سال تک وہ زید کے نکاح مین رہین، لیکن دونون مین ہمیشہ شکر رنجی رہتی تھی، یہانتک کہ زید نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین آکر شکایت کی اور انکو طلاق دیدینا چاہا،

جاء زید بن حارثة فقال یا رسول اللہ ان زینب اشتد علیّ لسانھا، وانا ارید ان اطلقھا[۲]

زید، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آئے اور عرض کی کہ زینبؓ مجھ سے زبان درازی کرتی ہین، اور مین انکو طلاق دینا چاہتا ہون،

لیکن آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) بار بار انکو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دین۔ قرآن مجید مین ہی،

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ ؕ (احزاب)

اور جبکہ تم اُس شخص سے جسپر خدا نے اور تمنے احسان کیا تھا یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح مین لیے رہو اور خدا سے خوف کرو،

لیکن کسی طرح صحبت برآر نہ ہوسکے اور آخر حضرت زید نے انکو طلاق دیدی حضرت زینبؓ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم)

---

[۱] فتح الباری، تفسیر سورۂ احزاب، بحوالۂ ابن ابی حاتم [۲] فتح الباری، تفسیر سورۂ احزاب، بحوالۂ روایت عبدالرزاق از معمر از قتادہ

کی بہن تھین اور آپ ہی کی تربیت مین پلی تھین۔ آپ کے فرمانے سے انھون نے یہ رشتہ منظور کرلیا تھا، جو انکے نزدیک ان کے خلاف شان تھا لیکن آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) جو مساواتِ اسلامی قائم کرنا چاہتے تھے، اسمین آزاد و غلام کی کوئی تمیز نہ تھی۔ بہرحال جب وہ مطلقہ ہوگئین، تو آپنے انکی دلجوئی کے لیے خود اُنسے نکاح کرلینا چاہا، لیکن عرب مین اسوقت تک متبنّیٰ اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا، اِسلیے عام لوگون کے خیال سے آپ تامل فرماتے تھے لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی اور اسکا مٹانا مقصود تھا، اسلیے یہ آیت نازل ہوئی،

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى	اور تم اپنے دل مین وہ بات چھپاتے ہو جسکو خدا ظاہر کرنیوالا ہی اور تم لوگون سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیے،
النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ (احزاب)	

غرض، آپنے حضرت زینبؓ سے نکاح کرلیا۔ اور جاہلیت کی ایک قدیم رسم کہ متبنّیٰ اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہی مٹ گئی، اِسپر منافقون اور بدگویون نے بہت طعنے دیے، لیکن امرِ حق کے اجرا مین مطاعن کا آماجگاہ بننا لازمی ہی،

واقعہ کی اصلی اور سادہ حقیقت یہ تھی۔ مخالفون نے اِس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہی گو سرتاپا کذب وافترا ہے لیکن ہمکو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اُنھون نے رنگ آرائی کے لیے سیاہی ہمارے ہی ہان سے مستعار لی ہی۔

تاریخ طبری مین ہی کہ ایک دفعہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) زید سے ملنے کے لیے اُنکے گھر گئے۔ زید نہ تھے، زینبؓ کپڑے پہن رہی تھین، اِسی حالت مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ان کو دیکھ لیا، اور یہ الفاظ کہتے ہوے باہر نکل آئے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ سُبْحَانَ اللّٰهِ	پاک ہی خداے برتر۔ پاک ہے وہ خدا
مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ۔[1]	جو دلون کو پھیر دیتا ہی،

زید کو یہ حالات معلوم ہوے تو اُنھون نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین عرض کی کہ "اگر زینبؓ آپکو پسند آگئی ہون تو مین انکو طلاق دیدون۔"

---

[1] تاریخ طبری، آغاز واقعات ۵ھ ہجری۔

مین نے یہ بیہودہ روایت اپنے دل پر سخت جبر کرکے نقل کی ہو "نقل کفر کفر نباشد" یہی روایت ہو جو عیسائی مؤرخون کا مایۂ استناد ہے لیکن ان غریبون کو یہ معلوم نہین کہ اصولِ فن کے لحاظ سے یہ روایت کس پایہ کی ہے، مؤرخ طبری نے یہ روایت **واقدی** کے ذریعہ سے نقل کی ہو، جو مشہور کذاب اور دروغگو ہو، اور جسکا مقصد اس قسم کی بیہودہ روایتون سے صرف یہ تھا کہ عباسیون کی عیش پرستی کے لیے سندہات آئے، طبری کے علاوہ اور لوگون نے بھی اِس قسم کی بیہودہ روایتین نقل کی ہین لیکن محدثین نے انکو اس قابل بھی نہین سمجھا کہ اُن سے تعرّض کیا جاے۔ حافظ ابن حجر سخت روایت پرست ہین، تاہم فتح الباری (سورۂ احزاب کی تفسیر) مین، جہان اس واقعہ سے بحث کی ہو، لکھتے ہین،

ووردت آثار اخری اخرجہا ابن	اور اور بہت سی روایتین آئی ہین جنکو ابن ابی حاتم
ابی حاتم والطبری ونقلہا کثیر	اور طبری نے روایت کیا ہو، اور اکثر مفسرین نے
من المفسرین لا ینبغی التشاغل بہا	انکو نقل کردیا ہو۔ ان روایتون مین مشغول ہونا چاہیے۔

حافظ ابن کثیر، جو مشہور محدثین مین ہین، اپنی تفسیر مین لکھتے ہین۔

ذکر ابن ابی حاتم وابن جریر ههنا آثارا	ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے اس موقع پر
عن بعض السلف رضی الله عنهم احببنا	بعض اسلاف سے چند روایتین نقل کی ہین
ان نضرب عنها صفحا لعدم صحتها فلا	جنکو ہم اس سے نظرانداز کردینا چاہتے ہین کہ
نوردها وقد روی الامام احمد ههنا ایضا من	وہ غلط ہین۔ اور امام احمد نے بھی اس واقعہ کے
روایة حماد بن زید عن ثابت عن انس رضی الله	متعلق انس سے ایک روایت نقل کی ہو جو غریب
عنه فیه غرابة ترکنا سیاقه ایضا	ہو ہمنے اسکا ذکر بھی چھوڑدیا ہے،

حقیقت یہ ہو کہ اُس وقت تک مُنافقون کا بہت زور تھا حضرت عائشہؓ پر لوگون نے جو تہمت لگائی، وہ بھی اسی سال کا واقعہ ہے۔ منافقین ان خبرون کو اس طرح پھیلاتے تھے کہ بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتی تھین یہانتک

کہ حضرت عایشہؓ کی تہمت مین خود چند مسلمان بھی آلودہ ہو گئے' جنکو شریعت کے موافق **قذف** کی سزا دیگئی۔ یہی روایتین ہین جو کچی کچی' غیر محتاط کتابون مین باقی رہگئین' لیکن وہ محدثین جنکا معیارِ تحقیق بلند ہے' اور عدالتِ روایت کے حاکمانِ مجاز ہین' مثلاً امام بخاری' امام مسلم وغیرہ' انکے ہان' اِن روایتون کا ذکر تک نہین آتا۔

واقعات متفرقہ (اس سال کی تاریخ مذہبی مین سب سے اہم واقعات' عورتون کے متعلق متعدد احکام اصلاحی کا نزول ہے' اب تک مسلمان عورتین عام جاہلانہ طریق سے چلتی پھرتی تھین' اور اسی قسم کے لباس و زیور پہنتی تھین' اب حکم ہوا کہ شریف عورتین گھر سے نکلین' تو ایک بڑی چادر اوڑھکر گھونگھٹ نکال لیا کرین' جس سے مُنہ بھی چھپ جائے' آنچل سینہ پر ڈال کر چلین' پاؤن مین زیور ہون تو پاؤن جھنک جھنک کر نہ چلین' پردہ کی اوٹ سے بولین تصنع اور بناؤ کی بولی نہ بولین' ازواج مطہرات کے لیے غیر مردون کے سامنے آنا قطعاً ممنوع ہوا۔

مُنہ بولے لڑکے کی بیوی سے جاہلیت مین بیاہ ناجائز تھا' اِس رسم کی اصلاح بھی اِسی سال ہوئی' زنا کی سزا کوڑے بھی اسی سال نازل ہوئی' عفیف عورتون پر الزام لگانا جاہلیت کا ایک معمولی فعل تھا' اور اِن کمزورون کے پاس اس حملہ کے روکنے کے لیے کوئی قانونی سپر نہ تھی' اِس سال "حدِ قذف" نازل ہوئی جسکی رُو سے بغیر شہادت کے تنہا اِتہام' جُرم قرار دیا گیا' بصورت عدم وجودِ شہادت **لعان** کا طریقہ بتایا گیا' یعنی زن و شو دونون اپنی سچائی اور فریقِ ثانی کی دروغگوئی کا بحلف اظہار کرین' اور اسکے بعد ان مین تفرقہ کر دیا جائے'

عرب مین ایک قسم کی طلاق جاری تھی جسکو **ظہار** کہتے ہین' اِس سال اِس قسم کی طلاق غیر موثر قرار دیگئی' اور اسکے لیے کفّارہ مقرر کیا گیا'

پانی نہ ملنے کی حالت مین **تیمم** کی شروعیت بھی اِسی سال کا حکم ہے' بروایت صحیحہ نماز خوف کا حکم قرآن مجید مین اِسی سال نازل ہوا جسکی تفصیل مناسب موقع پر آئے گی)۔

لہ بخاری جلد ۲ ص ۷۰۰' و سیرت گازرونی قلمی' ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۱۲ نیز' فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۰۶ دیکھنا چاہیے۔ یہ تمام احکام سورۂ نور مین بتقریب واقعۂ افک ۵ھ مین نازل ہوئے'

سنہ ٦ھ

صلح حدیبیہ وبیعتِ رضوان

ذوقعدہ سنہ ٦ھ

مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنوان ہے جسکو حدیبیہ کہتے ہین، گانون بھی اسی کوئین کے نام سے مشہور ہوگیا، چونکہ معاہدہ صلح یہین لکھا گیا، اِس لیے اِس واقعہ کو صُلح حدیبیہ کہتے ہین،

تاریخ اسلام مین یہ واقعہ نہایت اہم یعنی اسلام کی تمام آیندہ کامیابیون کا دیباچہ ہے، اور اِسی بنا پر باوجود اِسکے کہ وہ صرف ایک صلح کا معاہدہ تھا اور صلح بھی بظاہر مغلوبانہ تھی، تاہم خدا نے قرآن مجید مین اِس کو فتح کا لقب دیا ہے۔

کعبہ اِسلام کا اصلی مرکز تھا، اسلام کی بُنیاد حضرت ابراہیم نے قائم کی تھی اور یہ لقب اِسلام بھی انہی کی ایجاد ہے،

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (الحج) ابراہیم ہی ہے جس نے تمھارا نام مسلمان رکھا،

رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو جو شریعت ملی وہ کوئی نئی شریعت نہ تھی بلکہ وہی ابراہیمی شریعت تھی،

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (الحج) تمھارے باپ ابراہیم کا مذہب،

زمانہ کے امتداد سے گو اُنہی کی اولاد بُت پرست بنگئی تھی، تاہم کعبہ جو ابراہیمی یادگار تھا عرب کا قبلہ گاہِ عالم تھا اور تمام عرب اِس کو اپنا مُشترک ورثہ آبائی سمجھتا تھا، نہ صِرف وہ لوگ جو حضرت ابراہیم کے خاندان سے تھے، بلکہ وہ بھی جو قحطانی تھے اور جن کا سِلسلہ نسب اِس خاندان سے الگ تھا، عرب کے قبائل سال بھر آپس مین لڑتے رہتے تھے اور یہی غارتگریان انکی بقاے زندگانی کا ذریعہ تھین کیونکہ انکی معاش بھی اِسی پر منحصر تھی، تاہم چار مہینے تک جو اشہر حرم کہلاتے تھے، تمام لڑائیان بند ہوجاتی تھین، قبائل عرب دُور دُور سے

سفر کر کے آتے اور اس قبلہ گاہِ عالم مین عبادت اور عقیدت کے رسوم بجالاتے تھے، وہ قبائل جن مین سے ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہوتا تھا، اب یکجا جمع نظر آتے تھے اور شیر وشکر ہوکر ملتے تھے، گویا بھائی بھائی ہین مسلمان بہ جبر مکہ سے نکالے گئے تھے، لیکن یہ خیال اُن کے دل سے نہین گیا تھا اور نہ جا سکتا تھا کہ کعبہ پر اُنکا بھی کم از کم اُسیقدر حق ہے جسقدر اور قبائل کا ہے، اِس کے ساتھ مکہ سے مسلمانون کو گونان تعلقات تھے، وہ ان کا قدیم اور محبوب وطن تھا، مکہ کی یاد ایک پھانس تھی جو ہر وقت اُنکے کلیجے مین کھٹکتی رہتی تھی، حضرت بلال مکہ مین اس قدر ستائے گئے تھے، تاہم اُن کو جب مکہ یاد آتا تھا تو روتے تھے اور پکار کر یہ اشعار[1] پڑھتے تھے،

اَلَا لَیْتَ شِعْرِیْ ھَلْ اَبِیْتَنَّ لَیْلَۃً	آہ، کیا پھر کبھی وہ دن آسکتا ہے کہ مین مکہ کے
بِوَادٍ وَحَوْلِیْ اِذْخِرٌ وَجَلِیْلُ	وادی مین ایک رات بسر کرون اور میرے پاس
وَھَلْ اَرِدَنْ یَوْمًا مِیَاہَ مَجَنَّۃٍ	اذخر اور جلیل ہون، اور کیا وہ دن بھی ہوگا کہ مین مجنۃ
وَھَلْ یَبْدُوَنْ لِیْ شَامَۃٌ وَطَفِیْلُ	کے چشمہ پر اُترون اور شامہ وطفیل مجھکو دکھائی دین،

اکثر مہاجرین جان بچاکر نکل آئے تھے لیکن خاندان اور بال بچے وہین رہ گئے تھے،

اسلام کے فرائض چہارگانہ مین حجِ کعبہ ایک رُکن اعظم ہے، غرض مختلف اسباب سے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مکہ معظمہ کا ارادہ کیا اور اس غرض سے کہ قریش کو کوئی اور احتمال نہ ہو، عمرہ[2] کا احرام باندھا اور قربانی کے اونٹ ساتھ لیے، یہ بھی حکم دیا کہ کوئی شخص ہتیار باندھ کر نہ آئے، صرف تلوار جو عرب مین سفر کا ضروری آلہ سمجھی جاتی تھی پاس رکھی جائے، اس مین بھی یہ شرط ہو کہ نیام مین بند ہو،

چونکہ مہاجرین عموماً اور اکثر انصار اس سعادت کے منتظر تھے ۔۔ ۱۴۰۰ شخص اس سفر مین ہمرکاب ہوئے، مقام ذوالحلیفہ پہنچکر قربانی کی ابتدائی رسمین ادا ہوگئین یعنی قربانی کے اونٹ ساتھ تھے اُنکی گردنون مین قربانی کی علامت

---

[1] یہ اشعار صحیح بخاری مین بھی مذکور ہے۔ [2] وساق معہ الھدی واحرم بالعمرۃ لیامن الناس من حربہ (ابن ہشام)۔

کے طور پر لوہے کے نعل لگادیے گئے،

احتیاط کیلیے قبیلۂ خزاعۃ کا ایک شخص جس کے اسلام لانے کا حال قریش کو معلوم نہ تھا پہلے بھیجدیا گیا کہ قریش کے ارادہ کی خبر لائے، جب قافلہ **عسفان** کے قریب پہنچا اُس نے آکر خبر دی کہ قریش نے تمام قبائل (احابیش) کو یکجا کر کے کہدیا ہے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مکہ مین کبھی نہین آسکتے،

غرض قریش نے بڑے زور و شور سے مقابلہ کی طیاری کی، قبائل متحدہ کے پاس پیغام بھیجا، وہ جمعیت عظیم لیکر آئے، مکہ سے باہر بلدح ایک مقام پر فوجین فراہم ہوئین، خالد بن ولید جو ابتک اسلام نہین لائے تھے، دو سو سوار لیکر جن مین ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا، مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے بڑھے، اور غمیم تک پہونچگئے، جو رابغ اور جحفۃ کے درمیان ہے،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ قریش نے خالد کو طلیعہ بناکر بھیجا ہے، اور وہ مقام غمیم تک آگئے ہین، اس لیے کترا کر داہنی طرف سے چلو، فوج اسلام جب غمیم کے قریب پہنچگئی تو خالد کو گھوڑون کی گرد اُڑتی نظر آئی، وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے گئے اور قریش کو خبر کی کہ لشکر اسلام غمیم تک آگیا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) آگے بڑھے اور **حدیبیہ** مین پہنچکر مقام کیا، یہان پانی کی قلت تھی، ایک کنوان تھا وہ پہلے ہی آمد مین خالی ہوگیا، لیکن اعجاز نبوی سے اس مین اسقدر پانی آگیا کہ سب سیراب ہوگئے،

قبیلۂ خزاعۃ نے اب تک اسلام نہین قبول کیا تھا، لیکن اسلام کے حلیف اور رازدار تھے، قریش اور عام کفار جو منصوبے اسلام کے خلاف کیا کرتے تھے، وہ ہمیشہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو اُس سے مطلع کر دیا کرتے تھے، اس قبیلہ کے رئیس اعظم بدیل بن ورقا، تھے، (فتح مکہ مین اسلام لائے) اُنکو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تشریف لانا معلوم ہوا تو چند آدمی ساتھ لیکر بارگاہ نبوی مین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ قریش کی فوجون کا سیلاب آرہا ہے، وہ آپکو کعبہ مین نہ جانے دین گے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ قریش سے جاکر کہدو کہ ہم عمرہ[1] کی غرض سے

---

[1] عمرہ گویا ایک چھوٹا سا حج ہے جسمین حج کی اکثر رسمین ادا کی جاتی ہین۔

آئے ہین، لڑنا مقصود نہین، جنگ نے قریش کی حالت زار کر دی ہے، اور انکو سخت نقصان پہنچا ہے، اُن کے لیے یہ بہتر ہے کہ ایک مُدّت مُعیّن کے لیے معاہدۂ صلح کر لین، اور مجھکو عرب کے ہاتھ مین چھوڑ دین اُس پر بھی اگر وہ راضی نہین تو اس خدا کی قسم جسکے ہات مین میری جان ہے، مین یہان تک لڑونگا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خُدا کو جو فیصلہ کرنا ہو کر دے"۔ **بدیل** نے جاکر قریش سے کہا کہ مین محمّد کے پاس سے پیغام لیکر آیا ہون، اجازت دو تو کہون" چند شریر بول اُٹھے کہ ہم کو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پیغام سُننے کی ضرورت نہین، لیکن سنجیدہ لوگون نے اجازت دی، بدیل نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی شرطین پیش کین، عروۃ بن مسعود ثقفی نے اُٹھکر کہا، کیون قریش! کیا مین تمھارا باپ اور تم میرے بچّے نہین؟ بولے ہان، عروۃ نے کہا، میری نسبت تم کو کوئی بدگمانی تو نہین، سب نے کہا "نہین" عروۃ نے کہا اچھا تو مجھکو اجازت دو کہ مین خود جاکر معاملہ طے کرون، محمّد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے معقول شرطین پیش کی ہین، غرض آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین آئے، قریش کا پیغام سُنایا، اور کہا محمد! فرض کرو، تم نے قریش کا استیصال کر دیا تو کیا اِسکی اور بھی کوئی مثال ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کر دیا ہو، اِسکے سوا اگر لڑائی کا رُخ بدلا تو تمھارے ساتھ جو یہ بھیڑ ہے گرد کی طرح اُڑجائیگی" حضرت ابوبکر کو اس بدگمانی پر اس قدر غصّہ آیا کہ گالی دیکر کہا کہ کیا ہم محمّد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑ کر بھاگ جائین گے؟ عروۃ نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے پوچھا یہ کون ہین؟ آپنے فرمایا "ابوبکر" عروۃ نے کہا مین انکی سخت کلامی کا جواب دیتا لیکن اُنکا ایک احسان میری گردن پر ہے جسکا بدلا ابھی تک مین ادا نہین کر سکا"

عروۃ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بے تکلفانہ طریقہ سے گفتگو کر رہا تھا، اور جیسا کہ عرب کا قاعدہ ہے کہ بات کرتے کرتے مخاطب کی ڈاڑھی پکڑ لیتے ہین، وہ ریش مبارک پر بار بار ہات ڈالتا تھا، مغیرہ بن شعبہ جو ہتیار لگائے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پشت پر کھڑے تھے، اس جرأت کو گوارا نہ کر سکے، عروۃ سے کہا "اپنا ہات ہٹالے ورنہ یہ ہات بڑھ کر واپس نہ جا سکے گا"، عروۃ نے مغیرۃ کو پہچانا اور کہا "او دغا باز! کیا مین تیری دغا بازی کے معاملہ مین تیرا کام نہین کر رہا ہون"، مغیرۃ نے چند آدمی قتل کر دیے تھے جن کا خون بہا عروۃ نے اپنے پاس سے ادا

ادا کیا تھا)

عروہ نے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ صحابہ کی حیرت انگیز عقیدت کا جو منظر دیکھا اس نے اُسکے دل پر عجب اثر کیا، قریش سے جاکر کہا کہ مین نے قیصر وکسرے ونجاشی کے دربار دیکھے ہین، یہ عقیدت اور وارفتگی کہین نہین دیکھی، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بات کرتے ہین تو سناٹا چھا جاتا ہے، کوئی شخص انکی طرف نظر بھر کر نہین دیکھ سکتا، وہ وضو کرتے ہین تو پانی جو گرتا ہے اُس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے، بلغم یا تھوک گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھون ہاتھ لیتے ہین اور چہرہ اور ہاتون مین مل لیتے ہین،

چونکہ معاملہ ناتمام رہ گیا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے خراش بن امیہ کو قریش کے پاس بھیجا، لیکن قریش نے انکی سواری کے اونٹ کو جو خاص رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی سواری کا تھا مار ڈالا، اور خود ان پر بھی ہی گرنے والی تھی لیکن قبائل متحدہ کے لوگون نے بچا لیا، اور وہ کسی طرح جان بچا کر چلے آئے،

اب قریش نے ایک دستہ بھیجا کہ سلمانون پر حملہ آور ہو، لیکن یہ لوگ گرفتار کرلیے گئے، گو یہ سخت شرارت تھی، لیکن رحمتِ عالم کا دامنِ عفو اس سے زیادہ وسیع تھا، آپ نے سب کو چھوڑ دیا اور معافی دیدی، قرآن مجید کی اس آیت مین اسی واقعہ کی طرف اشارہ[1] ہے،

هُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ	وہ وہی خدا ہے جس نے مکہ مین اُن لوگون کا ہات
عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ	تمسے اور تمہارا ہات اُنسے روکدیا بعد اسکے کہ تمکو ان پر قابو دیدیا تھا

بیعت رضوان

بالآخر آپ نے گفتگوے صلح کے لیے حضرت عمرؓ کو انتخاب کیا، لیکن انہون نے معذرت کی کہ قریش میرے سخت دشمن ہین اور مکہ مین میرے قبیلہ کا ایک شخص بھی نہین کہ مجکو بچا سکے، آپ نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا، وہ اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی حمایت مین مکہ گئے، اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا پیغام سنایا، قریش نے انکو نظر بند کرلیا، لیکن عام طور پر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ قتل کر ڈالے گئے، یہ خبر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو پہنچی تو آپنے فرمایا

[1] ان آیتون کی شان نزول مین سخت اختلاف ہے لیکن زیادہ مشہور یہی روایت ہے،

کہ عثمان کے خون کا قصاص لینا فرض ہے، یہ کہکر آپ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے جان نثاری کی بیعت لی، تمام صحابہؓ نے جنمین زن و مرد دونون شامل تھے، ولولہ انگیز جوش کے ساتھ دست مبارک پر جان نثاری کا عہد کیا، یہ تاریخ اسلام کا ایک مہتم بالشان واقعہ ہے، اِس بیعت کا نام **بیعۃ الرضوان** ہے، سورۂ فتح مین اس واقعہ کا اور درخت کا ذکر ہے،

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ	خدا مسلمانون سے راضی تھا جبکہ وہ تیرے ہات پر درخت کے
تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ	نیچے بیعت کر رہے تھے، سو خدا نے جان لیا جو کچھ ان لوگون کے
السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝	دلون مین تھا، تو خدا نے اُنپر تسلّی نازل کی، اور عاجلانہ فتح دی،

لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی،

قریش نے سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا، وہ نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھے چنانچہ لوگون نے انکو خطیب قریش[1] کا خطاب دیا تھا، قریش نے اِن سے کہدیا صلح صرف اس شرط پر ہوسکتی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سال واپس چلے جائین،

سہیل آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین حاضر ہوئے اور دیر تک صلح کے شرائط پر گفتگو رہی، بالآخر چند شرطون پر اتفاق ہوا، اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت علیؓ کو بلا کر حکم دیا کہ معاہدہ کے الفاظ قلمبند کرین، حضرت علی نے عنوان پر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھا،

عرب کا قدیم طریقہ تھا کہ خطوط کی ابتدا مین "باسمک اللّٰھم" لکھتے تھے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے وہ نا آشنا تھے، اِس بنا پر سہیل بن عمرو نے کہا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بجائے وہی قدیم الفاظ لکھے جائین، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے منظور فرمایا، آگے کا فقرہ تھا ھٰذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللّٰہ یعنی "وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تسلیم کیا"، **سہیل** نے کہا اگر ہم آپ کو پیغمبر ہی تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا کیا تھا، آپ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائین،

[1] زرقانی۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ گو تم تکذیب کرتے ہو لیکن خدا کی قسم مین خدا کا پیغمبر ہون، یہ کہکر آپ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ اچھا خالی میرا نام لکھو، حضرت علی سے زیادہ کون فرمان گذار ہو سکتا تھا لیکن عالم محبت مین ایسے مقام بھی پیش آتے ہین، جہان فرمان بری سے انکار کرنا پڑتا ہے، حضرت علی نے کہا مین ہرگز آپکا نام نہ مٹاؤن گا، آپ نے فرمایا کہ اچھا مجھکو دکھاؤ میرا نام کہان ہی؟ حضرت علیؓ نے اُس جگہ پر انگلی رکھدی آپ نے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا[۱]،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو لکھنا نہین آتا تھا، اِسی بنا پر آپ کو اُمّی کہتے ہین، یہ واقعہ مسلم مین جہان منقول ہی لکھا ہی کہ آپ نے رسول اللہ کا لفظ مٹا کر ابن عبد اللہ لکھدیا، بخاری مین چونکہ یہ واقعہ عام روایت کے خلاف ہی اسلیے ایک معرکۃ الآرا مباحثہ بن گیا، لیکن حقیقت یہ ہی کہ لکھنے پڑھنے کا کام روزمرہ جب نظر سے گذرتا رہتا ہی تو ناخواندہ شخص بھی اپنے نام سے حرف آشنا ہو جاتا ہی، اِس سے اُمیّت مین فرق نہین آتا، بے شبہ اُمّی ہونا آپکا فخر ہے، اور خود **قرآن مجید** مین یہ وصف شرف وعزت کے موقع پر استعمال ہوا ہے "اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ"

شرائط صلح یہ تھے[۲]،

۱۔ مسلمان اِس سال واپس چلے جائین،

۲۔ اگلے سال آئین اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائین،

۳۔ ہتیار لگا کر نہ آئین، صرف تلوار ساتھ لائین، وہ بھی نیام مین اور نیام بھی جلبان (تھیلا وغیرہ) مین،

۴۔ مکہ مین جو مسلمان پہلے سے مقیم ہین، ان مین سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائین، اور مسلمانون مین سے کوئی مکہ مین رہجانا چاہے تو اُسکو نہ روکین،

۵۔ کافرون یا مسلمانون مین سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے، لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ مین جائے تو وہ واپس نہین کیا جائے گا،

---

[۱] صحیح بخاری کی اِس روایت مین حضرت علی کا نام اور ان کی گفتگو مذکور نہین۔ یہ تصریح بخاری کی اُس روایت مین ہی جو کتاب المغازی باب عمرۃ القضا مین مذکور ہے۔ صحیح مسلم مین بھی یہ واقعہ منقول ہی، [۲] یہ تمام شرائط کتب سیر کے علاوہ صحیح مسلم مین بھی ہین،

۶- قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین مین سے جسکے ساتھ چاہین معاہدہ مین شریک ہوجائین،

یہ شرطین بظاہر مسلمانون کے سخت خلاف تھین، اتفاق یہ کہ عین اُسوقت جبکہ معاہدہ لکھا جارہا تھا، سہیل کے صاحبزادے (ابوجندل) جو اسلام لاچکے تھے اور مکہ مین کافرون نے انکو قید کر رکھا تھا اور طرح طرح کی اذیتین دیتے تھے، کسی طرح بھاگ کر پانون مین بیڑیان پہنے ہوئے آے اور سب کے سامنے گر پڑے سہیل نے کہا "محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے، اس (ابوجندل) کو شرائط صلح کے مطابق مجھکو واپس دیدو" آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا "ابھی معاہدہ قلمبند نہین ہوچکا" سہیل نے کہا "تو ہمکو صلح بھی منظور نہین" آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ اچھا ان کو یہین رہنے دو، سہیل نے نامنظور کیا، آپنے چند دفعہ اصرار سے کہا لیکن سہیل کسی طرح راضی نہوا، مجبوراً آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو تسلیم کرنا پڑا، ابوجندل کو کافرون نے اسقدر مارا تھا کہ اُن کے جسم پر نشان تھے، مجمع کے سامنے تمام زخم دکھائے اور کہا، برادران اسلام! کیا پھر مجھکو اسی حالت مین دیکھنا چاہتے ہو؟ مین اسلام لاچکا ہون کیا پھر مجھکو کافرون کے ہات مین دیتے ہو۔ تمام مسلمان تڑپ اُٹھے، حضرت عمرؓ ضبط نہ کرسکے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین آئے اور کہا یا رسول اللہ! کیا آپ پیغمبر برحق نہین ہین؟ آپ نے ارشاد فرمایا "ہان ہون" حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم حق پر نہین؟ آپ نے ارشاد فرمایا "ہان ہم حق پر ہین" حضرت عمرؓ نے کہا تو ہم دین مین یہ ذلت کیون گوارا کرین۔ آپ نے فرمایا "مین خدا کا پیغمبر ہون اور خدا کے حکم کی نافرمانی نہین کرسکتا، خدا میری مدد کریگا" حضرت عمرؓ نے کہا کیا آپ نے یہ نہین فرمایا تھا کہ ہم لوگ کعبہ کا طواف کرینگے، آپ نے فرمایا لیکن یہ تو نہین کہا تھا کہ اسی سال کرین گے، حضرت عمرؓ اُٹھکر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آے اور وہی گفتگو کی حضرت ابوبکرؓ نے کہا وہ پیغمبر خدا ہین جو کچھ کرتے ہین خدا کے حکم سے کرتے ہین،

حضرت عمرؓ کو اپنی ان گستاخانہ معروضات کا جو بے اختیاری مین اُن سے سرزد ہوئین تمام عمر سخت رنج رہا اور اسکے کفارہ کے لیے اُنھون نے نمازین پڑھین، روزے رکھے، خیرات کی، غلام آزاد کئے، بخاری مین اگرچہ ان اعمال کا ذکر اجمالاً ہے، لیکن ابن اسحاق نے تفصیل سے یہ تمام باتین گنائی ہین،

اِس حالت کا گوارا کرنا صحابی کی اطاعت شعاری کا سخت خطرناک امتحان تھا، ایکطرف (ظاہر مین) اسلام کی توہین ہے، ابوجندل بیڑیان پہنے ہوا سو جان نثارانِ اسلام سے استغاثہ کرتے ہین، سب کے دل جوش سے لبریز ہین، اور اگر رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کا ذرا ایما ہوجائے تو تلوار فیصلۂ قاطع کے لیے موجود ہے، دوسری طرف معاہدہ پر دستخط ہو چکے ہین، اور ایفائے عہد کی ذمہ داری ہے، رسول اللہؐ نے ابوجندل کی طرف دیکھا اور فرمایا،

یا ابا جندل اصبروا حتسب فان اللّٰہ	ابوجندل! صبر اور ضبط سے کام لو خدا تمھارے لیے
جاعل لک ولمن معک من المستضعفین فرجا و	اور مظلومون کے لیے کوئی راہ نکالے گا صلح اب
مخرجا انا قد عقدنا صلحا وانا لا نغدر بھم	ہو چکی، اور ہم اِن لوگون سے بدعہدی نہین کرسکتے،

غرض ابوجندل کو اسیطرح پا بہ زنجیر واپس جانا پڑا،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حکم دیا کہ لوگ یہین قربانی کرین، لیکن لوگ اسقدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اُٹھا یہان تک کہ جیسا کہ صحیح بخاری مین ہے، تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص آمادہ نہ ہوا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) گھر مین تشریف لے گئے اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے شکایت کی، انہون نے کہا "آپ کسی سے کچھ نہ فرمائین بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کرین اور احرام اُتارنے کے لیے بال منڈوائین" آپ نے باہر آکر خود قربانی کی اور بال منڈوائے اب جب لوگون کو یقین ہوگیا کہ اِس فیصلہ مین تبدیلی نہین ہوسکتی تو سبنے قربانیان کین اور احرام اُتارا،

صلح کے بعد تین دن تک آپ نے حدیبیہ مین قیام فرمایا، پھر روانہ ہوئے تو راہ مین یہ سورۃ اُتری،

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا	ہم نے تجھکو کھلی ہوئی فتح عنایت کی،

تمام مسلمان جس چیز کو شکست سمجھتے تھے خدا نے اُسکو فتح کہا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے، اُنھون نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہ فتح ہے؟ ارشاد ہوا کہ "ہان" صحیح مسلم مین ہے کہ حضرت عمرؓ کو تسکین ہوگئی اور مطمئن ہوگئے[1]، نتائج مابعد نے اس راز سربستہ کی عقدہ کشائی کی،

---

[1] صلح حدیبیہ کے واقعات صحیح بخاری مین نہایت تفصیل سے مذکور ہین، لیکن اصل موقع یعنی غزوات کے ذکر مین نہین بلکہ کتاب الشروط مین، اس بنا پر ارباب سیر کی نگاہ سے یہ واقعات رہ گئے، غزوات مین جستہ جستہ واقعات ہین ہمنے انکو بھی لیا ہے، باقی جزئیات صحیح مسلم اور ابن ہشام سے ماخوذ ہین،

اب تک مسلمان اور کفار باہم ملتے جلتے نہ تھے، اب صلح کیوجہ سے آمد و رفت شروع ہوئی، خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ مین آتے، مہینون قیام کرتے اور مسلمانون سے ملتے جلتے تھے، باتون باتون مین اسلامی مسائل کا تذکرہ آ جاتا تھا، اس کے ساتھ ہر مسلمان اخلاص، حسن عمل، نیکو کاری، پاکیزہ اخلاقی کی ایک زندہ تصویر تھا، جو مسلمان مکہ جاتے تھے، اُنکی صورتین یہی مناظر پیش کرتی تھین، اس سے خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھچتے آتے تھے، مورخین کا بیان ہے کہ اس معاہدہ صلح سے لیکر فتح مکہ تک اسقدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ کبھی نہین لائے تھے، حضرت خالد (فاتح شام) اور عمرو بن عاص (فاتح مصر) کا اسلام بھی اسی زمانہ کی یادگار رہی؛

معاہدہ صلح مین یہ جو شرط تھی کہ جو مسلمان مکہ سے چلا آئے گا وہ پھر مکہ کو واپس کر دیا جائیگا، اس مین صرف مرد داخل تھے عورتین نہ تھین، عورتون کے متعلق خاص یہ آیت اُتری،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ	مسلمانو! جب تمہارے پاس عورتین ہجرت کر کے آئین
مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ	تو انکو جانچ لو خدا اُنکے ایمان کو بھی طرح جانتا ہے، اب اگر تم کو
فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ	معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہین تو انکو کافرون کے ہان واپس
إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ	نہ بھیجو، نہ وہ عورتین کافرون کے قابل ہین اور نہ کافران
لَهُنَّ وَآتُوهُمْ مَا أَنْفَقُوا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ	عورتون کے قابل ہین اور ان عورتون پر ان لوگون نے
أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ	جو خرچ کیا ہو وہ تم ان کو دیدو، اور تم انسے شادی کر سکتے ہو،
وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ	بشرطیکہ انکے مہر ادا کر دو، اور کافرہ عورتونکو اپنے نکاح مین نہ رکھو،

جو مسلمان مکہ مین مجبوری سے رہ گئے تھے، چونکہ کفار اُنکو سخت تکلیفین دیتے تھے، اس لیے وہ بھاگ بھاگ کر مدینہ آتے تھے، سب سے پہلے عتبہ بن اسید (ابوبصیر) بھاگ کر مدینہ آئے، قریش نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس دو شخص بھیجے کہ ہمارا آدمی واپس کر دیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ سے فرمایا کہ واپس جاؤ، عتبہ نے عرض کی کہ کیا آپ مجھکو کافرون کے پاس بھیجتے ہین کہ مجھکو کفر پر مجبور کرین۔ آپنے ارشاد فرمایا "خدا اسکی کوئی تدبیر نکالے گا" عتبہ مجبوراً دو کافرون کی

حراست مین واپس گئے لیکن مقام ذوالحلیفۃ پہنچکر انہون نے ایک شخص کو قتل کرڈالا' دوسرا شخص جو بچ رہا اُسنے مدینہ آکر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے شکایت کی' ساتھ ہی ابو بصیر بھی پہنچے اور عرض کی کہ آپ نے عہد کے موافق اپنی طرف سے مجھکو واپس کردیا' اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہین' یہ کہکر مدینہ سے چلے گئے اور مقام عیص مین جو سمندر کے کنارے ذومرۃ کے پاس ہے رہنا اختیار کیا' مکہ کے بیکس اور ستم رسیدہ لوگون کو جب معلوم ہوا کہ جان بچانے کا ایک ٹھکانا پیدا ہوگیا ہے' تو چوری چھپے بھاگ بھاگ کر یہان آنے لگے' چند روز کے بعد اچھی خاصی جمعیت ہوگئی' اور اب ان لوگون نے اتنی قوت حاصل کرلی کہ قریش کا کاروانِ تجارت جو **شام** کو جایا کرتا تھا اُسکو روک لیتے تھے' ان حملون مین جو مال غنیمت ملجاتا تھا وہ انکی معاش کا سہارا تھا'

قریش نے مجبور ہوکر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو لکھ بھیجا کہ معاہدہ کی اس شرط سے ہم باز آتے ہین' اب جو مسلمان چاہے مدینہ جاکر آباد ہوسکتا ہے' ہم اس سے تعرض نہ کرین گے' آپنے آوارہ وطن مسلمانون کو لکھ بھیجا کہ یہان چلے آؤ' چنانچہ ابو جندل اور اُنکے ساتھی مدینہ مین آکر آباد ہوگئے اور کاروانِ قریش کا راستہ بدستور کھل گیا'[1]

مستورات مین سے ام کلثوم جو رئیس مکہ (عقبہ بن ابی معیط) کی صاحبزادی تھین اور مسلمان ہوچکی تھین' مدینہ ہجرت کرکے آئین' لیکن ان کے ساتھ اُنکے دونون بھائی عمارۃ اور ولید بھی آئے' اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے درخواست کی کہ اُنکو واپس دیدیجیے' آپنے منظور نہین فرمایا' صحابہ مین سے جن لوگون کی ازواج مکہ مین رہ گئی تھین' اور اب تک کافرہ تھین' صحابہؓ نے انکو طلاق دیدی۔

---

[1] یہ تفصیل اکتفاء کلاعی سے خمیس نے نقل کی ہے'

سلاطینِ کو اسلام کی دعوت

سنہ ۶ ھ

حدیبیہ کی صلح سے کسیقدر اطمینان نصیب ہوا تو وقت آیا کہ اسلام کا پیغام تمام دنیا کے کانون مین پہنچا دیا جائے، اِس بنا پر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے (ایک دن تمام صحابہ کو جمع کیا، اور خطبہ دیا" ایّہا الناس" خدا نے مجھکو تمام دنیا کے لیے رحمت اور پیغمبر بناکر بھیجا ہی، دیکھو حواریینِ عیسےٰ کی طرح اختلاف نکرنا، جاؤ اور میری طرف سے پیغام حق ادا کرو" اِس کے بعد آپنے) قیصرِ روم، شہنشاہِ عجم، عزیزِ مصر، اور روساے عرب کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط ارسال فرمائے، جو لوگ خطوط لیکر گئے اور جنکے نام لیکر گئے اُنکی تفصیل[۱] یہ ہی،

دحیۃ کلبی	قیصرِ روم
عبداللہ بن حذافہ سہمی	خسرو پرویز کجکلاہِ ایران
حاطب بن بلتعہ	عزیزِ مصر
عمرو بن اُمیہ	نجاشی بادشاہِ حبش
سلیط بن عمرو بن عبدشمس	روسائے یمامہ
شجاع بن وہب الاسدی	رئیس حدودِ شام، حارث غسانی

ایرانیون نے چند برس پہلے بلادِ شام پر حملہ کرکے رومیون کو شکست دی تھی جسکا ذکر قرآن مجید کی اِس آیت غُلِبَتِ الرُّوْمُ مین ہی، ہرقل نے اُس کے انتقام کے لیے بڑے سروسامان سے فوجین طیار کین اور ایرانیون پر حملہ کرکے اُن کو سخت شکست دی، اُسکا شکرانہ ادا کرنے کے لیے وہ حمص سے بیت المقدس آیا تھا، اور اس شان سے آیا تھا کہ جہان چلتا تھا زمین پر فرش اور فرش پر پھول بچھاتے جاتے تھے[۲]،

[۱] طبری اور ابن ہشام۔ [۲] ہرقل کا پورا واقعہ فتح الباری شرح صحیح بخاری سے لیا گیا ہی، اصل صحیح بخاری مین مجمل واقعہ ہی، زائد تفصیلین حافظ ابن حجر نے اور کتابون سے بڑھائی ہین۔

شام مین عرب کا جو خاندان قیصر کے زیر حکومت کرتا تھا وہ غسانی خاندان تھا اور اُس کا پاے تخت بصریٰ تھا، جو دمشق کے علاقہ مین ہے اور آجکل حوران کہلاتا ہے، اس زمانہ مین اس خاندان کا تخت نشین حارث غسانی تھا دحیہ کلبی نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا نامۂ مبارک بعینہٖ بصریٰ مین حارث غسانی کو لاکر دیا، اُس نے قیصر کے پاس بیت المقدس مین بھیجدیا، قیصر کو خط ملا تو اُس نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص ملسکے تو لاؤ، اتفاق یہ کہ ابوسفیان تجار عرب کے ساتھ غزہ مین مقیم تھے قیصر کے آدمی انکو غزہ سے جاکر لائے،

قیصر نے بڑے سامان سے دربار منعقد کیا، خود تاج شاہی پہنکر تخت پر بیٹھا تخت کے چارون طرف بطارقہ قسیس، اور رہبان کی صفین قائم کین، اہل عرب کی طرف مخاطب ہوکر کہا، تم مین سے اِس مدعیٔ نبوت کا رشتہ دار کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا مین، پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی،

قیصر،	مدعیٔ نبوت کا خاندان کیسا ہی؟
ابوسفیان،	شریف ہے،
قیصر،	اِس خاندان مین اور کسی نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟
ابوسفیان،	نہین،
قیصر،	اِس خاندان مین کوئی بادشاہ گذرا ہے؟
ابوسفیان،	نہین،
قیصر،	جن لوگون نے یہ مذہب قبول کیا ہی وہ کمزور لوگ ہین، یا صاحب اثر،
ابوسفیان،	کمزور لوگ ہین،
قیصر،	اُس کے پیرو بڑھ رہے ہین یا گھٹتے جاتے ہین،
ابوسفیان،	بڑھتے جاتے ہین،
قیصر،	کبھی تم لوگون کو اسکی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے،

ابوسفیان، نہین،

قیصر، وہ کبھی عہد اور اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے،

ابوسفیان، ابھی تک تو نہین کی، لیکن اب جو نیا معاہدۂ صلح ہے، اس مین دیکھین وہ عہد پر قائم رہتا ہے یا نہین،

قیصر، تم لوگون نے اس سے کبھی جنگ بھی کی،

ابوسفیان، ہان،

قیصر، نتیجۂ جنگ کیا رہا،

ابوسفیان، کبھی ہم غالب آئے، اور کبھی وہ،

قیصر، وہ کیا سکھاتا ہے،

ابوسفیان، کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلۂ رحم کرو،

اِس گفتگو کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعے سے کہا کہ تم نے اسکو شریف النسب بتایا، پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانون سے پیدا ہوتے ہین، تم نے کہا کہ اُس کے خاندان سے کسی اور نے نبوّت کا دعویٰ نہین کیا، اگر ایسا ہوتا تو مین سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے، تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان مین کوئی بادشاہ نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو مین سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے، تم مانتے ہو کہ اُس نے کبھی جھوٹ نہین کہا، جو شخص آدمیون سے جھوٹ نہین بولتا، وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے، تم کہتے ہو کہ کمزورون نے پیروی کی ہے، پیغمبرون کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہین۔ تمنے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے، سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے، تم تسلیم کرتے ہو کہ اُس نے کبھی فریب نہین کیا، پیغمبر کبھی فریب نہین کرتے تم کہتے ہو کہ وہ نماز، اور تقویٰ وعفاف کی ہدایت کرتا ہے، اگر یہ سچ ہے تو میری قدمگاہ تک اس کا قبضہ ہوجائے گا، مجھکو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنیوالا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب مین پیدا ہوگا، مین اگر وہان جاسکتا تو خود اُس کے پاؤن دھوتا۔"

اس گفتگو کے بعد حکم دیا کہ رسول اللہ کا خط پڑھا جائے،

فرمان رسالت کے یہ الفاظ تھے،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، من محمد عبد اللہ و رسولہ الی ہرقل عظیم الروم، سلامٌ علی من اتبع الھدیٰ، اما بعد فانی ادعوك بدعایة الاسلام، اسلم تسلم یؤتك اللہ اجرك مرتین فان تولیت فعلیك اثم الاریسین و یَا اَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِكَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہو یہ خط ہرقل کے نام ہے جو روم کا رئیس اعظم ہے، اسکو سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے، اس کے بعد مین تجھ کو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہون، اسلام لا - تو سلامت رہیگا خدا تجھکو دگنا اجر دیگا اور اگر تو نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تیرے اوپر ہوگا اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم مین اور تم مین یکسان ہے وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجین اور ہم مین سے کوئی کسی کو خدا کو چھوڑکر خدا نہ بنائے، اور تم نہین مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہین،

قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی تھی اس سے بطارقہ اور اہل دربار سخت برہم ہو چکے تھے، نامۂ مبارک کے پڑھے جانے پر اور بھی برہم ہوئے، یہ حالت دیکھکر قیصر نے اہل عرب کو دربار سے اُٹھا دیا، اور گو اس کے دل مین نور اسلام آ چکا تھا لیکن تاج و تخت کی تاریکی مین وہ روشنی بجھ کر رہ گئی[1][2]

خسرو پرویز (شہنشاہ ایران) کے نام جو نامۂ مبارک عبد اللہ بن حذافہ لیکر گئے تھے یہ تھا،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم

خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے، محمد پیغمبر خدا کی طرف سے کسرے

۱؎ یہ پوری گفتگو صحیح بخاری کے متعدد ابواب مین منقول ہے، ابتدا ر کتاب مین بھی اور باب الجہاد مین بھی،

۲؎ مسند ابن حنبل صفحہ ۶، جلد ۴ مین ہے کہ دحیہ کے ساتھ قیصر نے اپنا ایک سفیر خط کا جواب دیکر خدمت نبوی مین بھیجا تھا اور سفیر کو نبوت کے چند سوالات بتا دیے تھے، اُسنے سوالات پوچھے آپ نے جوابات دیئے اور آخر بغیر اسلام لائے وہ واپس آگیا لیکن یہ حدیث صحیح نہین اس مین ہے کہ قیصر کا خط پڑھنے کے لیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے معاویہ کو بلایا اور انھون نے پڑھکر سنایا، حالانکہ وہ اُس وقت اسلام بھی نہین لائے تھے،

فارس سلام علی من اتبع الهدی وآمن بالله ورسوله واشهد ان لا اله الا الله وانی رسول الله الی الناس کافة لینذر من کان حیا اسلم تسلم فان ابیت فعلیك اثم المجوس ۵

(رئیس فارس) کے نام سلام ہے اُس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہو، اور خدا اور پیغمبرِ خدا پر ایمان لائے، اور یہ گواہی دے کہ خدا صرف ایک خدا ہے اور یہ کہ خدا نے مجھکو تمام دنیا کا پیغمبر مقرر کرکے بھیجا ہے تاکہ وہ ہر زندہ شخص کو خدا کا خوف دلائے، تو اسلام قبول کر تو سلامت رہیگا ورنہ مجوسیون کا وبال تیرے گردن پر ہوگا،

خسرو پرویز بڑی شوکت وشان کا بادشاہ تھا، اسکی سلطنت مین دربار کو جو عظمت وجلال حاصل ہوا کبھی نہین ہوا تھا، عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھتے تھے اُن مین عنوان پر پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا، نامۂ مبارک مین پہلے خدا کا نام اور پھر عرب کے دستور کے موافق رسول اللہ کا نام تھا، خسرو نے اسکو اپنی تحقیر سمجھا اور بولا کہ "میرا غلام ہو کر مجھکو یون لکھتا ہے" پھر نامۂ مبارک کو چاک کر ڈالا لیکن چند روز کے بعد خود سلطنتِ عجم کے پُرزے اُڑ گئے،

نظامی نے شیرین خسرو مین یہ داستان مفصل لکھی ہے اور اسلامی جوش سے لکھی ہے، ہم اس کے چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین،

دران دوران کہ گیتی رام او بود[1] — زمشرق تا بمغرب نام او بود
رسولِ ما بہ حجت ہائے قاہر — نبوت در جہان مے کرد ظاہر
گہے با سنگِ خارا راز می گفت — گہے ریگش حکایت باز می گفت
خلائق را ز دعوت جام درداد — بہ ہر کشور صلائے عام درداد
بفرمود از عطا عطرے سرشتند — بنامِ ہر یکے سطرے نوشتند
چو از نامِ نجاشی باز پرداخت — زبہرِ نامِ خسرو نامہ ساخت
چو قاصد عرضہ کرد آن نامۂ نو — بجوشید از غضب اندامِ خسرو

[1] اس سے خسرو مراد ہے،

ز تیزی گشت ہر مویش سنانی　　زگرمی ہر رگش آتش فشانی

سوادے دید روشن ہیبت انگیز　　نوشتہ از محمد سوے پرویز

چو عنوان گاہِ عالم تاب را دید　　تو گفتی سگ گزیدہ آب را دید

غرورِ بادشاہی بُرد ہُش از راہ　　کہ گستاخی کہ یارد، با چو من شاہ

کرا زہرہ کہ با این احترامم　　نویسد نام خود بالاے نامم

رُخ از گرمی چو آتش گاہِ خود کرد　　بخود اندیشۂ بد کرد، و بد کرد

درید آن نامۂ گردن شکن را　　نہ نامہ بلکہ نامِ خویشتن را

فرستادہ چو دید آن خشمناکی　　بہ رجعت پائے خود را کرد خاکی

ازان آتش کہ آن دودِ تہی داشت　　چراغ آگہان[1] را آگہی داشت

زگرمی آن چراغ گردن افراز　　دعا را داد چون پروانہ پرواز

عجم را زان دعا کسرے درافتاد　　کلاہ از تارکِ کسرے درافتاد

زہے شاہنشہے کز بیم و امید　　قلم راندہ بر افریدون و جمشید

اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نامۂ مبارک پہنچنے کے بعد خسرو پرویز نے گورنر یمن کو جسکا نام باذان تھا، فرمان بھیجا کہ کسی شخص کو حجاز بھیجو کہ اس نئے مدعیٔ نبوت کو پکڑ کر میرے دربار مین لائے، باذان نے دو شخصون کو جن مین سے ایک کا نام بابویہ اور دوسرے کا خر خسرہ تھا، مدینۂ منورہ روانہ کیا، اِن دونون نے بارگاہ رسالت مین آکر عرض کی کہ شاہنشاہِ عالم (کسرے) نے تمکو بلایا ہے، اگر تعمیل حکم نہ کروگے تو وہ تمکو اور تمھارے ملک کو برباد کردے گا، آپ نے فرمایا کہ تم واپس جاؤ اور کہدینا کہ اسلام کی حکومت کسرے کے پایۂ تخت تک پُہنچیگی، یہ لوگ پیغام پہنچا کر یمن مین آئے تو خبر آئی کہ شیرویہ (خسرو پرویز کا بیٹا) نے خسرو پرویز کو قتل کر ڈالا۔

[1] آگہان یعنی ارباب علم، چراغ آگہان سے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) مراد ہین، آگہی داشت یعنی خبر کی،

نجاشی (بادشاہِ حبش) کو آپ نے دعوتِ اسلام کا جو خط بھیجا تھا اُس کے جواب مین اُس نے عریضہ بھیجا کہ مین گواہی دیتا ہون کہ آپ خدا کے سچے پیغمبر ہین، حضرت جعفر طیار جو ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے یہین موجود تھے، نجاشی نے اُن کے ہات پر بیعت اسلام کی، ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ نجاشی نے اپنے بیٹے کو ساٹھ مصاحبون کے ساتھ بارگاہِ رسالت مین عرضِ نیاز کے لیے بھیجا لیکن جہاز سمندر مین ڈوب گیا اور یہ سفارت ہلاک ہوگئی[1]،

عام اربابِ سیر لکھتے ہین کہ نجاشی نے ۹ھ مین وفات پائی آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) موتہ مین تشریف رکھتے تھے، اور یہ خبر سنکر آپ نے غائبانہ اُس کے جنازہ کی نماز پڑھائی لیکن یہ غلط ہی صحیح مسلم مین تصریح کی ہے کہ جس نجاشی کی نماز جنازہ آپ نے پڑھی وہ یہ نہ تھا (بلکہ سابق نجاشی تھا)

جو لوگ ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے، اُن مین حضرت ام حبیبہؓ (امیر معاویہ کی بہن) بھی تھین اُنکے شوہر کا انتقال ہوچکا تھا اس لیے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے نجاشی کو لکھ بھیجا کہ ام حبیبہ کو شادی کا پیغام سنادو، اور میرے پاس بھیجدو، نجاشی نے خالد بن سعید بن العاص کو مقرر کیا، انہون نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کیطرفسے ایجاب وقبول ادا کیا، نجاشی نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے مہر ادا کیا جسکی تعداد چار سو اشرفیان تھین، نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہ جہاز مین بیٹھکر روانہ ہوئین، اور مدینہ کی بندرگاہ مین اترین، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس وقت خیبر مین تشریف رکھتے تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اکثر نجاشی کے حالات ام حبیبہؓ سے پوچھا کرتے تھے[2]،

عزیزِ مصر (مقوقس) کو آپ نے جو خط لکھا تھا اُس کے جواب مین اُس نے عربی زبان مین یہ خط لکھا،

لمحمد بن عبد اللہ من المقوقس عظیم القبط	محمد بن عبد اللہ کے نام مقوقس رئیس قبط کی طرف سے
سلام علیک اما بعد فقد قرأت کتابک	سلام علیک کے بعد مین نے آپکا خط پڑھا اور اُسکا مضمون اور مطلب سمجھا
وفهمت ما ذکرت فیه وما تدعو الیه	مجھکو اسقدر معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والے ہین، لیکن مین یہ سمجھا

[1] طبری صفحہ ۱۵۶۹، [2] تاریخ طبری،

وقد علمت أن نبيا بقی وکنت اظن انه
یخرج بالشام وقد اکرمت رسولك
وبعثت الیك بجاریتین لهما مکان فی
القبط عظیم وبکسوة واهدیت الیك
بغلة لترکبها والسلام علیك ٭

تھا کہ وہ شام مین ظہور کرین گے، مین نے آپکے قاصد
کی عزت کی، اور دو لڑکیان[1] بھیجتا ہون جنکی قبطیون
مین (مصر کی قوم) بہت عزت کی جاتی ہے اور مین
آپ کے لیے کپڑا اور سواری کا ایک خچر بھیجتا
ہون؛

بااین ہمہ، عزیز مصر اسلام نہین لایا، دو لڑکیان جو بھیجی تھین، اُن مین ایک ماریہ قبطیہ تھین جو حرم نبوی مین داخل ہوئین، دوسری سیرین تھین جو حضرت حسان کے مِلک مین آئین، خچر کا نام دلدل تھا جس کا ذکر اکثر حدیث کی کتابون مین آتا ہے، جنگ حنین مین آپ اسی پر سوار تھے، طبری نے لکھا ہے کہ ماریہ اور سیرین حقیقی بہنین تھین، اور حاطب بن بلتعہ جنکو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مقوقس کے پاس خط دیکر بھیجا تھا، اُنکی تعلیم سے دونون خاتونین خدمت نبوی مین پہنچنے سے پہلے سلام قبول کر چکی تھین، اِس واقعہ کو اِس حیثیت سے دیکھنا چاہیے کہ یہ خاتونین لونڈیان نہ تھین، اور اسلام قبول کر چکی تھین، اس لیے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ماریہ سے نکاح کیا ہوگا نہ کہ لونڈی کی حیثیت سے وہ آپکے حرم مین آئین،

(رؤسائے عرب کو جو خط لکھے گئے تھے، اُنکے بھی جواب مختلف آئے، ہوذہ بن علی رئیس یمامہ نے لکھا، تم جو باتین کہتے ہو وہ نہایت اچھی ہین، اگر حکومت مین کچھ میرا بھی حصّہ ہو تو مین تمھاری اقتدا کے لیے طیار ہون، اسلام ہوسِ ملک کے لیے نہین آیا تھا، آپ نے فرمایا "زمین کا ایک ٹکڑا بھی ہو تو مین نہ دون گا"

حارث غسّانی جو حدودِ شام کا رئیس تھا اور رومیون کے ماتحت اطراف کے عربون مین حکومت کرتا تھا، خط پڑھکر برہم ہوا اور فوج کو طیاری کا حکم دیا، مُسلمان اِس جرم کی پاداش مین ہر وقت اس کے حملہ کے منتظر رہتے تھے

---

[1] ہم نے جاریہ کا ترجمہ لڑکی کیا ہے، عربی مین جاریہ لڑکی کو بھی کہتے ہین اور لونڈی کو بھی، ارباب سیرت ماریہ قبطیہ کو لونڈی کہتے ہین، لیکن نجاشی نے جو لفظ انکی نسبت لکھا ہے یعنی کہ "مصریون مین بڑی عزت ہے" یہ لونڈیون کی شان مین استعمال نہین کیے جا سکتے،

اور آخر موتہ اور تبوک وغیرہ کی لڑائیان پیش آئین)

واقعات متفرقہ
خالد بن ولید اور عمرو بن العاص کا اسلام

(حدیبیہ کی صلح کو خدا نے فتح کہا ہے، لیکن اجسام کی نہین قلوب کی، اسلام کو اپنی اشاعت کے لیے امن درکار تھا، اور وہ اِس صُلح سے حاصل ہوگیا، اس صلح کو خود دشمن فتح سمجھتے تھے، قریش اور مسلمانون مین ابتک جو معرکے ہوئے، فوجی حیثیت سے قریش کی صف مین ہر جگہ خالد بن ولید کا نام ممتاز نظر آتا ہے، جاہلیت مین رسالہ کی افسری اِنھین کے سپرد تھی، اُحد مین قریش کے اُکھڑے ہوئے پانون انہی کی کوشش سے سنبھلے تھے، حدیبیہ کے موقع پر بھی قریش کا طلایہ انہی کی زیر افسری نظر آیا تھا، لیکن قریش کا یہ سپہ سالار اعظم بھی آخر اسلام کے حملۂ کاری سے نہ بچ سکا،

صلح حدیبیہ کے بعد حضرت خالد نے مکہ سے نکلکر مدینہ کا رُخ کیا، راستہ مین حضرت عمرو بن العاص ملے، پوچھا کدھر کا قصد ہے؟ بولے اِسلام لانے جاتا ہون، آخر کب تک؟ عمرو بن العاص نے کہا، ہمارا بھی یہی ارادہ ہے، دونون صاحب ایک ساتھ بارگاہِ نبوی مین حاضر ہوکر اسلام سے مشرف ہوئے[1]، اور اب وہ جوہر جو اسلام کی مخالفت مین صرف ہورہا تھا، اسلام کی محبت مین صرف ہونے لگا،

فتح مکہ مین حضرت خالد جب ایک مسلمان دستہ کے افسر بن کر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے سامنے سے گذرے آپ نے پوچھا کون ہی؟ لوگون نے کہا، خالد ہین، آپ نے فرمایا "خدا کی تلوار ہے[2]"

غزوۂ موتہ مین جب حضرت جعفر، زید بن حارثہ، اور عبد اللہ بن رواحہ کے بعد حضرت خالد نے علم اپنے ہاتھ مین لیا تو مسلمان خطرہ سے باہر تھے،

عہدِ خلافت مین ایک (خالد) نے شام کا ملک قیصر سے چھین لیا، اور دوسرا (عمرو بن العاص) مصر کا فاتح ہوا)

---

[1] اصابہ ابن حجر بروایت ابن اسحاق، [2] ترمذی، مناقب،

سنہ ۷ھ

خیبر

آخر سنہ ۶ھ یا سنہ ۷ھ

خیبر غالباً عبرانی لفظ ہے، جسکے معنی قلعہ کے ہین، یہ مقام مدینہ منورہ سے آٹھ منزل پر ہے، یورپین سیاحون مین ڈاونی ڈ کئی مہینہ تک یہان ۱۸۷۶ء مین مقیم رہا، اُس نے مدینہ سے اِس مقام کا فاصلہ ۱۰۰ میل لکھا ہے[۱]، وہ نخلستان جسکی کنارہ پر خیبر ہے، نہایت زرخیز ہے، یہان یہود نے نہایت مضبوط متعدد قلعہ بنائے تھے، جن مین سے بعض کے آثار اب تک باقی ہین،

عرب مین یہودی قوت کا یہ سب سے بڑا مرکز تھا، مدینہ سے جب رؤسائے بنو نضیر جلاوطن ہو کر خیبر مین آباد ہوئے تو انھون نے تمام عرب کو اسلام کی مخالفت پر برانگیختہ کر دیا، جس کا پہلا مظہر احزاب کا معرکہ تھا، اِن رؤسا مین سے حیی بن اخطب جنگِ قریظہ مین قتل ہوا، جس کے بعد **ابو رافع** سلام بن ابی الحقیق اُسکا جانشین ہوا، یہ بہت بڑا تاجر اور صاحب اثر تھا، قبیلۂ غطفان، جو عرب کا بہت بڑا صاحبِ اثر قبیلہ تھا، اُنکی آبادی خیبر سے متصل تھی، اور ہمیشہ سے یہودِ خیبر کے حلیف[۲] اور ہم عہد تھے، سنہ ۶ھ مین **سلام** نے خود جا کر قبیلۂ غطفان اور اُن کے آس پاس کے قبیلون کو اسلام کے مقابلہ کے لیے آمادہ کیا، یہان تک کہ ایک عظیم الشان فوج لیکر مدینہ پر حملہ کی طیاریان کین[۳] آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ خبرین معلوم ہوئین تو آپکے ایما سے (رمضان سنہ ۶ھ مین عبد اللہ بن عتیک ایک خزرجی انصاری کے ہات سے اپنے قلعۂ خیبر مین سوتا ہوا مارا گیا) **سلام** کے بعد یہودیون نے اسیر بن زرام

۱؎ مارگولیوس صفحہ ۳۴۵، ۲؎ ابن خلدون جلد ۲ ذکر قبائل عرب، ۳؎ ابن سعد صفحہ ۶۶، اصلی الفاظ یہ ہین :-

کان ابو رافع بن ابی الحقیق قد اجلب فی غطفان ومن حوله من مشرکی العرب وجعل لهم الجعل العظیم لحرب رسول اللّٰه (ابو رافع نے غطفان اور آس پاس کے مشرکین عرب کو جنگ پر آمادہ کیا تھا اور ایک بہت بڑی بھیڑ آنحضرت صلعم سے لڑنے کے لیے جمع کی) (صحیح بخاری باب قتل ابی رافع مین ہے "وکان ابو رافع یعین علیہ صلعم" یعنی ابو رافع آنحضرت صلعم کے مقابلہ مین لوگون کو مدد دیا کرتا تھا، اس امداد و اعانت کی تفصیل بروایت عروہ فتح الباری مین مفصل مذکور ہے،

کو مسندِ ریاست پر بٹھایا، اُس نے قبائل یہود کو جمع کرکے تقریر کی اور کہا کہ میرے پیشرون نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ مین جو تدبیرین اختیار کین وہ غلط تھین، صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دارالریاست پر حملہ کیا جائے اور مین یہی طریقہ اختیار کرون گا" اس غرض سے اسیر نے غطفان اور دیگر قبائل مین دورہ کیا، اور ایک فوج گران طیار کی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ خبرین پہنچین تو آپنے اس افواہ پر اعتماد نہین کیا، بلکہ عبد اللہ بن رواحہ کو بھیجا کہ خود خیبر جاکر اصل واقعہ کی تحقیق کرین، چنانچہ وہ چند آدمیون کو لیکر گئے، اور چھپ کر خود اسیر کی زبانی اُس کے مشورے اور تدبیرین سنین، یہ حالات آکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین عرض کیے، آپنے عبد اللہ بن رواحہ کو ۳۰ آدمی دیکر خیبر کو روانہ کیا، ان لوگون نے اسیر سے کہا کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ہمکو اس لیے بھیجا ہے کہ تم اگر حاضر ہو جاؤ تو خیبر کی حکومت تم کو دیدیجائے، چنانچہ وہ ۳۰ آدمی لیکر خیبر سے نکلا، اور احتیاط کی بنا پر یہ مخلوط قافلہ اسطرح چلا کہ دو دو شخص ہمرکاب چلتے تھے، جن مین ایک یہودی اور دوسرا مسلمان ہوتا تھا۔ قرقرہ پہنچکر اسیر کے دل مین بدگمانی پیدا ہوئی، اُس نے ہات بڑھاکر عبد اللہ بن انیس کی تلوار چھیننی چاہی، انھون نے کہا "او دشمنِ خدا! بدعہدی کرنی چاہتا ہے" یہ کہکر سواری بڑھائی اور جب اسیر زد پر آگیا تو تلوار ماری کہ اس کی ران کٹ گئی، وہ گھوڑے سے گرا، گرتے گرتے اُسنے عبد اللہ کو زخمی کیا، اب مسلمان پیشدستی کرکے یہود پر ٹوٹ پڑے، نتیجۂ جنگ یہ تھا کہ یہود مین ایک کے سوا کوئی نہین بچا، یہ اخیر ۶ھ یا محرم ۷ھ کا واقعہ ہے[1]

خیبر اب اسلام کا سب سے بڑا حریف اور اسلام کے لیے سب سے زیادہ خطرناک تھا، ان لوگون نے مکہ جاکر قریش کے ذریعہ سے تمام عرب مین بغاوت کی ایک عالمگیر جنبش پیدا کردی، جس نے واقعۂ احزاب مین مرکزِ اسلام (مدینہ منورہ) کو متزلزل کردیا تھا، یہ کوشش اگرچہ ناکام رہی لیکن جو دست و بازو کام کررہے تھے اب بھی موجود تھے،

[1] یہ تمام واقعہ طبقات ابن سعد سے منقول ہے، بہت سی کتابون مین لکھا ہے کہ عبد اللہ بن انیس نے خود ابتدا کی، اور سلام کو قتل کرڈالا لیکن صحیح واقعہ وہی ہے جو ابن سعد سے منقول ہے اور وہی اس معرکہ کی وجہ ہوسکتا ہے،

جن لوگون نے جنگِ احزاب برپا کرائی تھی اُن مین زیادہ باثر ابن ابی الحقیق کا خاندان تھا جو قبیلۂ بنی نضیر سے تھا اور مدینہ سے جلاوطن ہو کر آیا تھا، اُس نے خیبر کے مشہور قلعہ قموص پر قبضہ کیا تھا، سلام بن ابی الحقیق جسکا ذکر ابھی اُوپر گذر چکا ہے، اِسی خاندان کا رئیس تھا، اس کے قتل کے بعد اس کا بھتیجا کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق خاندان کی ریاست پر ممتاز ہوا،

خیبر کے یہود اُدھر تو غطفان سے اسلام کے مقابلہ کے لیے سازش کر رہے تھے اِدھر مدینہ کے منافقین انکو مسلمانون کی خبرین پہنچاتے رہتے تھے اور اُن کو ہمت دلاتے تھے کہ مسلمان تم سے سر بر نہین ہو سکتے،

رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے چاہا کہ اِن لوگون سے معاہدہ ہو جاے، اِس بنا پر آپنے عبد اللہ بن رواحہ کو بھیجا تھا لیکن اِدھر تو یہود خود سخت دل اور ایک بدگمان قوم تھی، اُدھر منافقین انکو اُبھارتے تھے، اسی زمانہ مین رأس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول نے اہلِ خیبر کے پاس کہلا بھیجا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تپر حملہ کرنا چاہتے ہین لیکن تم اِن سے نہ ڈرنا انکی ہستی کیا ہے، مُٹھی بھر آدمی ہین جن کے پاس ہتیار تک نہین، یہود نے یہ سنکر کنانہ اور ہودہ بن قیس کو غطفان کے پاس بھیجا کہ ہمارے ساتھ مِلکر مدینہ پر حملہ کرو تو ہم نخلستان کی نصف پیداوار تم کو دین گے، غطفان نے اس کو منظور کیا،[1]

غطفان کا ایک قوت ور قبیلہ بنو فزارہ تھا، اُنکو جب یہ معلوم ہوا کہ خیبر والے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حملہ کرنا چاہتے ہین تو وہ خود خیبر مین آئے کہ ہم تمہارے شریک ہو کر لڑین گے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے بنو فزارہ کو خط لکھا کہ "تم خیبر والون کی مدد سے باز آؤ، خیبر فتح ہو جائیگا تو تم کو بھی حصّہ دیا جائیگا" لیکن بنو فزارہ نے انکار کیا،[2]

ذی قرد محرم سنہ ۷ھ

غطفان کی شرکتِ جنگ کا دیباچہ یہ تھا کہ ذی قرد کی چراگاہ پر جو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی

---

[1] تاریخ خمیس ۲/۵۲ [2] یہ واقعہ معجم البلدان لفظ جنفاء کی ذیل مین موسےٰ بن عقبہ کی مغازی سے بالفاظہا نقل کیا ہے، اصل الفاظ یہ ہین،

روی موسی بن عقبة عن ابن شهاب قال كانت بنو فزارة ممن قدم على اهل خيبر ليعينوهم فراسلهم رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لا يعينوهم وسألهم ان يخرجوهم الخ

اونٹنیون کا چراگاہ تھا (اس قبیلہ کے چند آدمیون نے بہ سرداری عبدالرحمٰن بن عینیہ) چھاپہ مارا، اور ۲۰ اونٹنیان پکڑکر لے گئے، حضرت ابوذر کے صاحبزادے کو جو اونٹنیون کی حفاظت پر متعین تھے، قتل کردیا، اور انکی بیوی کو گرفتار کرلے گئے، (مسلمانون نے جب تعاقب کیا تو وہ درہ مین گھس گئے، وہان) عُیینہ بن حصن جو قبائلِ غطفان کا سپہ سالار تھا، (انکی امداد کو موجود تھا) مسلمانون مین سلمۃ بن الاکوع ایک مشہور قدرانداز صحابی تھے، سب سے پہلے اُن کو اس غارتگری کی خبر معلوم ہوئی، انھون نے واصباحاہ کا نعرہ مارا اور دوڑ کر حملہ آورون کو جالیا، وہ اونٹون کو پانی پلا رہے تھے، سلمۃ نے تیر برسانے شروع کئے، حملہ آور بھاگ نکلے، انہون نے تعاقب کیا اور لڑبھڑ کر تمام اونٹنیان چھڑا لائے، دربارِ نبوت مین آکر عرض کی کہ مین دشمنون کو پیاسا چھوڑ آیا ہون اگر سو آدمی ملجائین تو ایک ایک کو گرفتار کرلاتا ہون، آپ نے رحمتِ عام کے لحاظ سے فرمایا[1]،

اذا ملکت فاسجح، جب قابو پاجاؤ تو عفو سے کام لو،

اس واقعہ کے تین دن[2] بعد خیبر کی جنگ پیش آئی،

خیبر کا آغاز اور غزدات کی بہ نسبت ایک امتیاز خاص رکھتا ہے اور اگرچہ اربابِ سیر کی نظر اس نکتہ پر نہین پڑی کہ اس امتیاز کے اسباب کیا تھے، تاہم واقعہ کی حیثیت سے امتیازی اُمور انکی زبان سے بھی بلاقصد نکل گئے ہین، سب سے مقدم یہ کہ جب آپ نے خیبر کا قصد کیا تو اعلانِ عام کردیا کہ

---

[1] یہ واقعہ بخاری و مسلم مین بھی مذکور ہے لیکن زیادہ تفصیل ابن سعد و ابن اسحاق سے لی گئی ہے،

[2] ارباب سیر نے متفقاً اس واقعہ کو خیبر کے واقعہ سے ایک سال ماقبل بیان کیا ہے لیکن (طبری نے بہ روایت سلمۃ جو اس غزوہ کے ہیرو تھے اور نیز) امام بخاری نے صاف تصریح کی ہے کہ خیبر سے ۳ دن پہلے کا واقعہ ہی۔ حافظ ابن حجر نے ارباب سیر کا بیان لکھکر لکھا ہی

فعلی ھذا ما فی الصحیح من التاریخ لغزوۃ ذی قرد اصح مما ذکرہ اھل السیر، تو اس بنا پر جو کچھ صحیح بخاری مین غزوۂ ذی قرد کے متعلق مذکور ہی وہ ارباب سیر کی روایت سے زیادہ صحیح ہی،

حافظ ابن حجر نے دونون روایتون مین اسطرح تطبیق دی ہی کہ عُیینہ بن حصن نے ذوقرد پر دُو دفعہ حملہ کیا تھا، عام ارباب سیر جسکا ذکر کرتے ہین وہ پہلا حملہ تھا اور یہ بالکل قرین قیاس ہی، عام ارباب سیر کو غزوۂ خیبر (بلکہ تمام غزوات) کے متعلق چونکہ کسی سبب کی تلاش و جستجو نہین اس لیے ان کو اس سے کچھ بحث نہین کہ واقعات کا تسلسل اور غزوات کے اسباب کیا ہین۔ لیکن زیادہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب واقعات ایک ہی سلسلہ کی کڑیان ہین۔

لا یخرجن معنا الا راغب فی الجہاد (ابن سعد) ہمارے ساتھ صرف وہ لوگ آئین جو طالب جہاد ہون،

ابتک جو لڑائیان وقوع مین آئین محض دفاعی تھین، یہ پہلا غزوہ ہے جس مین غیر مسلم رعایا بنائے گئے، اور طرزِ حکومت کی بنیاد قائم ہوئی، اسلام کا اصلی مقصد تبلیغ دعوت ہے، اب اگر کوئی قوم اِس دعوت کی سدِّ راہ نہ ہو تو اسلام کو نہ تو اس سے جنگ ہے، نہ اُسکے رعایا بنانے کی ضرورت ہی، صرف معاہدۂ صلح کافی ہے، جسکی بہت سی مثالین اسلام مین موجود ہین، لیکن جب کوئی قوم خود اسلام کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اسکو مٹا دینا چاہے تو اسلام کو مدافعت کے لیے تلوار ہات مین لینا پڑتی ہے، اور اسکو اپنے زیر اثر رکھنا پڑتا ہی، خیبر اِس قاعدہ کے موافق اسلام کا پہلا مفتوحہ ملک تھا،

غزوات کے خاتمہ کے بعد یہ بحث بہ تفصیل آئیگی کہ ایک مدت تک لوگ جہاد کو عرب کے قدیم طریقہ کے موافق معاش کا ذریعہ سمجھتے رہے، اِس لڑائی (خیبر) تک بھی یہ غلط فہمی رہی،

یہ پہلا غزوہ ہے جس مین یہ پردہ اُٹھا دیا گیا، اور اس لیے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے یہ ارشاد فرمایا کہ اس لڑائی مین صرف وہ لوگ شریک ہون جن کا مقصد محض جہاد اور اعلاے کلمۃ اللہ ہو،

غرض آپ غطفان اور یہود کے حملہ کی مدافعت کے لیے مدینہ سے محرم [1] ۷ھ مین، سباع بن عرفطہ غفاری کو مدینہ کا افسر مقرر کرکے مدینہ سے روانہ ہوئے، ازواجِ مُطہّرات مین سے حضرت ام سلمۃ ساتھ تھین، فوج کی تعداد ۱۶۰۰ تھی جن مین ۲۰۰ سوار اور باقی پیدل تھے، اِس وقت تک لڑائیون مین عَلَم کا رواج نہ تھا، چھوٹی چھوٹی جھنڈیان ہوتی تھین، یہ پہلا مرتبہ تھا کہ آپنے تین عَلَم طیار کرائے، دو حباب بن منذر اور سعد بن عبادہ کو عنایت ہوئے اور خاص علم نبوی جسکا پھریرا حضرت عائشہ کی چادر سے طیار ہوا تھا، جناب امیر کو مرحمت ہوا، فوج جب روانہ ہوئی تو عامر بن الاکوع مشہور شاعر تھے یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے چلے،

اللھم لولا انت ما اھتدینا — اے خدا! اگر تو ہدایت نکرتا تو ہم نہ ہدایت پاتے

---

[1] ابن سعد صفحہ ۷۷ مین جمادی الاولی ۷ھ ہی جو بہ تحقیق مذکورۂ بالا صحیح نہین)

ولا تصدقنا ولا صلینا	نہ خیرات کرتے نہ روزے رکھتے،
فاغفر فداء لك ما اتقینا	ہم تجھ پر فدا ہون، ہم جو احکام نہین بجا
والقین سکینۃ علینا	لائے اُنکو معاف کردے اور ہم پر تسلی نازل کر،
انا اذا صیح بنا اتینا	ہم جب فریاد مین پکارے جاتے ہین تو پہنچ جاتے
وثبت الاقدام ان لاقینا	ہین اور جب مڈبھیڑ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ،
وبالصیاح عولوا علینا	لوگون نے پکار کر ہم سے استغاثہ چاہا ہے،

یہ اشعار صحیح بخاری مین نقل کیے ہین، مسند ابن حنبل مین بعض اشعار زیادہ ہین،

ان الذین قد بغوا علینا	جن لوگون نے ہم پر دست درازی کی ہے
اذا ارادوا فتنۃ ابینا	جب وہ کوئی فتنہ برپا کرنا چاہتے ہین تو ہم
ونحن عن فضلك ما استغننا	اُنسے دبتے نہین، اور اے خدا ہم تیری عنایت سے بے نیاز نہین،

راہ مین ایک میدان آیا، صحابہؓ نے تکبیر کے نعرے بلند کیے، چونکہ تعلیم و تلقین کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا، اور بات بات مین نکاتِ شریعت کی تعلیم ہوتی رہتی تھی، ارشاد ہوا کہ آہستہ کیونکہ کسی بہرے اور دور از نظر کو نہین پکار رہے ہو، تم جسکو پکارتے ہو وہ تمھارے پاس ہی ہے[۲]،

اِس غزوہ مین چند خاتونین بھی خود اپنی خواہش سے فوج کے ساتھ ہولی تھین، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو معلوم ہوا تو آپ نے انکو بلا بھیجا اور غضب کے لہجہ مین فرمایا "تم کسکے ساتھ آئین، اور کس کے حکم سے آئین"، بولین کہ یا رسول اللہ ہم اس لیے آے ہین کہ چرخہ کات کر کچھ پیدا کرین گے اور اس کام مین مدد دین گے، ہمارے پاس زخمیون کے لیے دوائین بھی ہین، اِس کے علاوہ ہم تیر اُٹھا کر لائین گے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فتح کے بعد جب

۱؎ ان اشعار مین صاف تصریح ہے کہ تعدّی اور حملہ کی ابتدا دشمنون کی طرف سے تھی، اشعار کے بعض بعض الفاظ مین روایات کا اختلاف ہے

۲؎ صحیح بخاری غزوہ خیبر۔

مال غنیمت تقسیم کیا تو ان کا بھی حصہ لگایا لیکن یہ حصہ کیا تھا؟ زر و جواہر نہ تھے، مال و اسباب نہ تھا، درہم و دینار نہ تھے، بلکہ صرف کھجورین تھین، تمام مجاہدین کو یہی ملا تھا، اور ان پردہ نشینون نے بھی یہی پایا تھا،

یہ واقعہ ابوداؤد (باب فی المرأۃ والعبد یحذیان من الغنیمۃ) مین مذکور ہے، حدیث اور سیرت کی تمام کتابون سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر غزوات مین مستورات ساتھ رہتی تھین جو زخمیون کی مرہم پٹی کرتی، اور پیاسونکو پانی پلاتی تھین، جنگ اُحد مین حضرت عائشہؓ کا مشک مین پانی بھر بھر کر لانا، اور زخمیون کو پلانا اوپر گذر چکا ہی لیکن یہ امر کہ عورتین میدان جنگ سے تیر اُٹھا اٹھا کر بھی لاتین اور مجاہدین کو دیتی تھین، صرف ابوداؤد نے ذکر کیا ہی لیکن سند صحیح متصل سے ذکر کیا ہے، اسلیے شک کی کوئی گنجایش نہین، یون بھی عرب کی مستورات سے کم سے کم یہی توقع کی جاسکتی ہے،

چونکہ معلوم تھا کہ غطفان اہل خیبر کی مدد کو آئین گے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مقام رجیع[1] مین فوجین اتارین جو غطفان اور خیبر کے بیچ مین ہی، اسباب باربرداری خیمہ و خرگاہ اور مستورات یہان چھوڑ دی گئین، اور فوجین خیبر کی طرف بڑھین، غطفان یہ سُنکر کہ اسلامی فوجین خیبر کی طرف بڑھ رہی ہین، ہتیار سج کر نکلے لیکن آگے بڑھکر جب اُنکو معلوم ہوا کہ خود ان کا گھر خطرہ مین ہے تو واپس چلے گئے،

خیبر مین چھ قلعے تھے، سالم، قموص، نطاۃ، قصارۃ، شق، مربطہ، اور جیسا کہ یعقوبی نے تصریح کی ہی ان مین بیس ہزار سپاہی موجود تھے، ان سب مین قموص نہایت مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا، مرحب عرب کا مشہور پہلوان جو ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا اسی قلعہ کا رئیس تھا، ابن ابی الحقیق کا خاندان جس نے مدینہ سے جلاوطن ہوکر خیبر کی ریاست حاصل کرلی تھی یہین رہتا تھا،

لشکر اسلام جب خیبر کے قریب یعنی مقام صہبا مین پہنچا تو نماز عصر کا وقت آچکا تھا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم)

---

[1] تفصیل معجم البلدان ذکر رجیع مین ہی، ۲ طبری صفحہ ۱۵۷۵، اصل عبارت یہ ہے فبلغنی ان غطفان لما سمعت بمنزل رسول اللہ صلعم خیبر جمعوا له ثم خرجوا لیظاهروا الیهود علیه حتی اذا ساروا ... تاریخ یعقوبی،

نے یہان ٹھہر کر نماز عصر ادا کی، پھر کھانا طلب فرمایا، رسد کا ذخیرہ صرف ستو تھا، وہی آپ نے بھی پانی مین گھول کر نوش فرمایا[1]، رات ہوتے ہوتے فوجِ اسلام خیبر کے سواد مین پہنچ گئی، عمارتین نظر آئین تو آپ نے صحابہؓ سے ارشاد کیا کہ ٹھہر جاؤ پھر خدا کا نام لیکر یہ دعا مانگی،

اِنَّا نسئلک خیر ھٰذہ القریہ وخیر اھلھا	اے خدا! ہم تجھسے اس گانون کی اور گانون والونکی
وخیر ما فیھا ونعوذ بک من شرھا	اور گانون کی چیزون کی بھلائی چاہتے ہین اور ان
وشر اھلھا وشر ما فیھا (ابن ہشام)	سب کی برائیون سے پناہ مانگتے ہین۔

ابن ہشام نے لکھا ہو کہ یہ آپ کا معمول عام تھا، یعنی جب کسی مقام مین داخل ہوتے تھے تو پہلے یہ دعا مانگ لیتے تھے، چونکہ سُنّتِ نبوی یہ تھی کہ رات کو کسی مقام پر حملہ نہین کیا جاتا تھا[2]، اس لیے رات یہین بسر کی، صبح کو خیبر مین داخلہ ہوا یہودیون نے مستورات کو ایک محفوظ مقام مین پہنچا دیا۔ رسد اور غلّہ قلعہ ناعم مین یکجا کیا اور فوجین قلعہ نطاط اور قموص مین فراہم کین، سلام بن مشکم نضری بیمار تھا، تاہم اُس نے سب سے زیادہ حصّہ لیا، اور خود قلعہ نطاۃ مین آکر فوج کی شرکت کی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقصود جنگ نہ تھا، لیکن جب یہود نے بڑے سروسامان کے ساتھ جنگ کی طیاری کی تو آپ نے صحابہ کو مخاطب کرکے وعظ فرمایا، اور جہاد کی ترغیب دی، تاریخ خمیس مین اس موقع پر لکھا ہو،

ولما تیقن النبی صلعم ان الیھود تحارب وعظ	اور جب آنحضرت صلعم کو یقین ہوگیا کہ یہود لڑنے پر آمادہ ہین
اصحابہ ونصحھم وحرضھم علی الجہاد،	تو آپ نے صحابہ کو نصیحت کی اور جہاد کی ترغیب دی،

سب سے پہلے قلعہ ناعم پر فوجین بڑھین، محمود بن مسلمہ نے بڑی دلیری سے حملہ کیا اور دیر تک لڑتے رہے لیکن چونکہ سخت گرمی تھی، تھک کر دم لینے کے لیے قلعہ کی دیوار کے سایہ مین بیٹھ گئے، کنانہ بن الربیع نے قلعہ کی فصیل سے چکّی کا پاٹ ان کے سر پر گرا دیا جس کے صدمہ سے وفات پائی لیکن قلعہ بہت جلد فتح ہوگیا[3]

[1] صحیح بخاری غزوۂ خیبر [2] صحیح بخاری مین اصل عبارت یہ ہے، اذا اتی قوما بلیل لم یغر ھم حتی یصبح،
[3] ابن ہشام نے دو موقعون پر اس واقعہ کا الگ ٹکڑا لکھا ہو۔ یہ تفصیل خمیس سے لیگئی ہو،

ناعم کے بعد اور قلعے بہ آسانی فتح ہوتے گئے، لیکن قلعۂ قموص مرحب کا تخت گاہ تھا، اس مہم پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھیجا، لیکن دونون ناکام واپس آئے، طبری مین روایت ہے کہ جب خیبری قلعہ سے نکلے تو حضرت عمرؓ کے پاؤن نہ جم سکے اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین حاضر ہوکر شکایت کی کہ فوج نے نامردی کی، لیکن فوج نے ان کی نسبت خود یہی شکایت کی،

اس روایت کو طبری نے جس سلسلۂ سند سے نقل کیا ہے اُس کے راوی عوف ہین انکو بہت سے لوگون نے ثقہ کہا ہے لیکن بندار جب انکی روایت بیان کرتے تھے تو کہتے تھے کہ "وہ رافضی اور شیطان تھا" یہ لفظ بہت سخت ہے، لیکن انکی شیعیت سب کو تسلیم ہے اور گو شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہین لیکن یہ ظاہر ہے کہ جس روایت مین حضرت عمرؓ کے بھاگنے کا واقعہ بیان کیا جائے، شیعہ کی زبان سے اس روایت کا رتبہ کیا رہ جاتا ہے اس کے علاوہ اوپر کے راوی عبداللہ بن بریدہ ہین جو اپنے والد سے روایت کرتے ہین لیکن محدثین کو اس بات مین شبہ ہے کہ انکی جو روائتین باپ کے سلسلہ سے منقول ہین صحیح بھی ہین یا نہین؛

تاہم اسقدر ضرور صحیح ہے کہ اس مہم پر پہلے اور بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے تھے، لیکن فتح کا فخر کسی اور کی قسمت مین تھا، جب مہم مین زیادہ دیر ہوئی تو ایک دن شام کو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ کل مین اس شخص کو علم دونگا جس کے ہات پر خدا فتح دیگا، اور جو خدا اور خدا کے رسول کو چاہتا ہے، اور خدا اور خدا کا رسول بھی اُس کو چاہتے ہین[1]، یہ رات نہایت اُمید اور انتظار کی رات تھی، صحابہؓ نے تمام رات اس بیقراری مین کاٹی کہ دیکھیے یہ تاجِ فخر کس کو ہات آتا ہے، حضرت عمرؓ نے قناعت پسندی اور بلند نظری کی بناء پر کبھی حکومت اور سرداری کی تمنا نہین کی، لیکن جیسا کہ صحیح مسلم، باب فضائل علیؓ مین مذکور ہے، انکو خود اعتراف ہے کہ اس موقع کی تمنا مین انکی خودداری بھی قائم نہ رہ سکی۔

صبح کو دفعتہً یہ آواز کانون مین آئی کہ علیؓ کہان ہین؟ یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی، کیونکہ جناب موصوف کی آنکھون مین

---

[1] یہ صحیح بخاری کے الفاظ ہین،

آشوب تھا، اور سب کو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہیں، غرض حسب طلب وہ حاضر ہوئے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے انکی آنکھون مین اپنا لعاب دہن لگایا، اور دعا فرمائی، جب ان کو علم عنایت ہوا تو اُنھون نے عرض کی کہ "کیا یہود کو لڑکر مسلمان بنالون" ارشاد ہوا کہ "بہ نرمی اُن پر اسلام کو پیش کرو، اگر ایک شخص بھی تمھاری ہدایت سے اسلام لائے تو سُرخ اُونٹون سے بہتر ہے"[1]

لیکن یہود اسلام یا صلح کے قبول کرنے پر راضی نہین ہو سکتے تھے، مرحب قلعہ سے یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا،

قد علمت خیبر انی مرحب	خیبر جانتا ہے کہ مین مرحب ہون،
شاکی السلاح بطل مجرّب	دلیر ہون، تجربہ کار ہون، سلاح پوش ہون،

مرحب کے سر پر یمنی زرد رنگ کا مغفر اور اُس کے اوپر سنگی خود تھا، قدیم زمانہ مین گول پتھر بیچ سے خالی کر لیتے تھے یہی خود کہلاتا تھا،

مرحب کے جواب مین حضرت علی ؓ نے یہ رجز پڑھا،

انا الذی سمتنی امی حیدرہ	مین وہ ہون کہ میری مان نے میرا نام شیر رکھا تھا
کلیث غابات کریہ المنظرہ	مین شیر نیستان کی طرح مہیب و بدمنظر ہون،

مرحب بڑے طمطراق سے آیا لیکن حضرت علی ؓ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتون تک اُتر آئی، اور ضربت کی آواز فوج تک پہنچی۔ پہلوان کا مارا جانا عظیم الشان واقعہ تھا، اِس لیے عجائب پسندی نے اِسکے متعلق نہایت مبالغہ آمیز افواہین پھیلا دین، معالم التنزیل مین ہے کہ حضرت علی ؓ نے جب تلوار ماری تو مرحب نے سپر بر رد کا لیکن ذو الفقار مغفر، خود اور سر کو کاٹتی ہوئی دانتون تک اتر آئی، مرحب کے مارے جانے پر یہود نے جب عام حملہ کیا تو اتفاق سے حضرت علی ؓ کے ہاتھ سے سپر چھوٹ کر گر پڑی، آپنے قلعہ کا در جو سنگ تھا یا بارہ سنگ تھا اُکھاڑ کر اُس سے سپر کا کام لیا، اِس واقعہ کے بعد ابو رافع نے سات آدمیون کے ساتھ ملکر اُس کو اُٹھانا چاہا تو جگہ سے بھی نہ ہل سکا،

[1] یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور صحیح بخاری مین منقول ہے، [2] طبری صفحہ ۱۵۷۹،

یہ روائتین ابن اسحاق اور حاکم نے روایت کی ہین لیکن بازاری قصے ہین، علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ مین تصریح کی ہو کہ

کلھا واھیۃ — سب لغو روائتین ہین،

علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال ہین علی بن احمد فروخ کے حال مین اِس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ "یہ روایت منکر ہے"، ابن ہشام نے جن سلسلون سے یہ روائتین نقل کی ہین، ان مین سے ایک روایت مین توبیچ کے ایک راوی کا نام سرے سے چھوڑ دیا ہے، اور دوسرے مین اِس مشترک نقص کے ساتھ بریدہ بن سفیان بھی ایک راوی ہین، جنکو امام بخاری اور ابوداؤد اور دارقطنی قابل اعتبار نہین سمجھتے[1]

ابن اسحاق، موسےٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہو کہ مرحب کو محمد بن مسلمۃ نے مارا تھا، مسند ابن حنبل اور صحیح مُسلم مین بھی ایک روایت ہی لیکن صحیح بخاری مین حضرت علی ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے، اور یہی اصح الروایات ہی،

غرض یہ قلعہ (قموص) ۲۰ دن کے محاصرہ کے بعد فتح ہوگیا، ان معرکون مین ۹۳ یہود مارے گئے، جن مین حارث، مرحب، اسیر، یاسر، عامر، زیادہ مشہور ہین، صحابہ مین سے ۱۵ بزرگون نے شہادت حاصل کی جن کے نام ابن سعد نے بہ تفصیل لکھے ہین،

فتح کے بعد زمین مفتوحہ پر قبضہ کر لیا گیا، لیکن یہود نے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ مین رہنے دیجائے ہم پیداوار کا نصف حصہ ادا کیا کرینگے، یہ درخواست منظور ہوئی، بٹائی کا وقت آتا تھا تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) عبد اللہ بن رواحۃ کو بھیجتے تھے وہ غلہ کو دو حصّون مین تقسیم کر کے یہود سے کہتے تھے کہ اس مین سے جو حصّہ چاہو لیلو، یہود اِس عدل پر متحیر ہو کر کہتے تھے کہ "زمین اور آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہین"[2]، خیبر کی زمین تمام مجاہدین پر جو اِس جنگ مین شریک تھے تقسیم کر دی گئی، اِسی مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا خمس بھی تھا،

[1] میزان الاعتدال ترجمہ بریدہ بن سفیان۔ [2] فتوح البلدان بلاذری فتح خیبر، و طبری صفحہ ۱۵۸۹ (اصل روایت ابوداؤد و باب المساقات مین موجود ہی)

عام روایت ہے کہ مالِ غنیمت مین سے خمس کے علاوہ ایک حصّہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے لیے خاص طور پر کرلیا جاتا تھا جسکو صفیہ کہتے ہین، اس بنا پر حضرت صفیہ (دختر کنانہ بن الربیع) کو آپنے لے لیا، اور آزاد کرکے اُن سے نکاح کرلیا۔

حضرت صفیہ کے واقعہ کی تحقیق

حضرت صفیہ کی نسبت بعض کتب حدیث وسیر مین یہ واقعہ مذکور ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے پہلے ان کو دحیہ کلبی کو دیا تھا، پھرکسی نے اُن کے حُسن کی تعریف کی تو اُن سے مانگ لیا، اور اُس کے معاوضہ مین انکو سات لونڈیان دین، مخالفین نے اِس روایت کو نہایت بدنما پیرایہ مین ادا کیا ہے، اور جب اصل روایت مین اتنی بات موجود ہے تو ظاہر ہے کہ مخالف اس سے کہان تک کام لے سکتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ حضرت صفیہ کا یہ واقعہ حضرت انس سے منقول ہے، لیکن خود حضرت انس سے متعدد روایتین ہین اور وہ باہم مختلف ہین، بخاری کی جو روایت غزوۂ خیبر کے ذکر مین ہے۔ اُس مین یہ تصریح ہے کہ جب قلعۂ خیبر فتح ہوا تو لوگون نے آپ کے سامنے حضرت صفیہ کے حُسن کا ذکر کیا، آپنے ان کو اپنے لیے لے لیا، اصلی الفاظ یہ ہین،

فلما فتح اللہ علیہ الحصن ذکر لہ جمال صفیۃ	(جب خدا نے قلعہ فتح کرادیا تو لوگون نے آپ سے صفیہ
بنت حیی بن اخطب وقد قتل زوجہا وکانت	بنت حیی کے حسن وجمال کی تعریف کی، اس کا شوہر اِس
عروسا فاصطفاہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم لنفسہ	جنگ مین مارا گیا تھا۔ آنحضرت صلعم نے اسکو اپنے لیے پسند کرلیا)

لیکن (بخاری کتاب الصلوٰۃ (باب ما یذکر فی الفخذ) (صحیح مسلم[1] باب فضل عتق الامۃ) مین خود حضرت انسؓ کی یہی روایت اس طریقہ سے منقول ہے کہ "جب لڑائی کے بعد قیدی جمع کیے گئے تو حضرت دحیہ کلبی نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے درخواست کی کہ ان مین سے ایک لونڈی مجھکو عنایت ہو، آپنے ان کو اختیار دیا کہ خود جاکر کوئی لونڈی لیلو، اُنھون نے حضرت صفیہ کو انتخاب کیا، لیکن لوگون کو اعتراض ہوا، ایک شخص نے آکر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے کہا،

یا نبی اللہ اعطیت دحیۃ صفیۃ بنت حیی سیدۃ	اے پیغمبر خدا! آپنے صفیہ کو دحیہ کے حوالہ کیا، وہ قریظہ

[1] (صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۴۶، باب فضل عتق الامۃ ثم التزوج بہا)

قريظة والنضير لاتصلح الا لك — اور نضیر کی رئیسہ ہو اور آپکے سوا، اور کوئی اس کے لائق نہین

اس کے بعد آپ نے حضرت صفیہ کو آزاد کر کے اُن سے نکاح کر لیا۔[1] ابو داؤد مین یہ دونون روایتین ہین اور دونون حضرت انس سے مروی ہین، ابو داؤد کی شرح مین **مازری** (مشہور محدث) کا یہ قول نقل کیا ہو کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت صفیہ کو اس لیے دحیہ سے لیکر ان سے عقد کیا کہ

لما فيه من انتهاك مع مرتبتها وكونها — چونکہ وہ عالی رتبہ اور رئیس یہود کی صاحبزادی تھین

بنت سيد هم — اس لیے ان کا کسی اور کے پاس جانا انکی توہین تھی،

حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری مین اس کے قریب قریب لکھا ہو،

یہ ظاہر ہے کہ حضرت صفیہ خاندان کے تباہ ہونے کے بعد، خاندان سے باہر بیوی یا کنیز بن کر رہتین، وہ رئیس خیبر کی بیٹی تھین، انکا شوہر بھی قبیلہ نضیر کا رئیس تھا، باپ اور شوہر دونون قتل کیے جا چکے تھے، اِس حالت مین اُنکی پاسِ خاطر، حفظِ مراتب، اور رفع غم کے لیے اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) انکو اپنے عقد مین لے لین، وہ کنیز ہو کر بھی رہ سکتی تھین لیکن آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انکی خاندانی عزت کے لحاظ سے ان کو آزاد کر دیا، اور پھر نکاح پڑھایا، حسن خلق، رحم، اور مصیبت زدہ کی چارہ نوازی کے علاوہ، سیاسی اور مذہبی حیثیت سے بھی یہ کارروائی نہایت موزون اور بجا تھی، اِس قسم کے طرزِ عمل سے، عرب کو اسلام کی طرف رغبت اور کشش ہوتی تھی کہ اِسلام اپنے دشمنون کے ورثہ کے ساتھ بھی کس قسم کا محسنانہ اور ہمدردانہ سلوک کرتا ہی،

غزوۂ بنی المصطلق مین حضرت جویریہ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا، اور اِس سلوک کا جو اثر ہوا، وہ اوپر گذر چکا ہے،

فتح کے بعد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چند روز خیبر مین قیام کیا، اگرچہ یہود کو کامل امن و امان دیا گیا اور انکے ساتھ ہر طرح کی مراعات کی گئی، تاہم ان کا طرز عمل ہمیشہ مفسدانہ اور باغیانہ رہا، پہلا دیباچہ یہ تھا کہ ایک دن

---

[1] (ابو داؤد باب ما جاء فی سہم الصفی)

زینب نے جو سلام بن شکم کی بیوی، اور مرحب کی بھاوج تھی آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی چند صحابہ کے ساتھ دعوت کی آپنے فرط کرم سے قبول فرمایا۔ زینب نے کھانے مین زہر ملا دیا تھا آپنے ایک لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا، لیکن بشر بن براء نے پیٹ بھر کر کھایا اور زہر کے اثر سے بالآخر ہلاک ہو گئے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے زینب کو بلا کر پوچھا، اُسنے جرم کا اقبال کیا، یہود نے کہا ہم نے اس لیے زہر دیا کہ اگر آپ پیغمبر ہین تو زہر خود اثر نہ کریگا، اور پیغمبر نہین ہین تو ہمکو آپکے ہاتھ سے نجات ملجائے گی"۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کبھی اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہین لیتے تھے، اس بنا پر آپ نے زینب سے تعرض نہین فرمایا لیکن جب دو تین دن کے بعد بشر زہر کے اثر سے انتقال کر گئے تو وہ قصاص مین قتل کر دی گئی۔

ایک دفعہ صحابہ مین سے عبداللہ بن سہیل اور محیصہ قحط سالی کے زمانہ مین خیبر گئے، یہود نے عبداللہ کو دھوکے سے قتل کر کے ایک نہر مین ڈال دیا۔ محیصہ نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین آکر واقعہ بیان کیا آپنے فرمایا کہ تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیون نے قتل کیا؟ عرض کی کہ حضور وہ تو بچاس مسلمانون کو قتل کر کے بھی جھوٹی قسم کھالین گے، غرض آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے یہود سے تعرض نہین کیا، اور بیت المال سے مقتول کا خون بہا دلا دیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت مین یہود نے حضرت عبداللہ بن عمر کو سوتے مین کوٹھے پر سے گرا دیا کہ ان کا ہات اور پاؤن ٹوٹ گیا، اسطرح ہمیشہ فساد انگیزیان کرتے رہتے تھے، مجبور ہو کر حضرت عمرؓ نے ان کو شام کے اضلاع مین جلاوطن کر دیا[1] (یہ جملہ معترضہ سلسلۂ کلام مین آگیا تھا)

خیبر کے واقعات مین، ارباب سیر نے ایک سخت غلط روایت نقل کی ہے، اور وہ اکثر کتابون مین منقول ہو کر متداول ہو گئی ہے، یعنی یہ کہ اول آپ نے یہود کو اس شرط پر امن عام دیا تھا کہ کوئی چیز نہ چھپائین گے، لیکن

---

[1] فتوح البلدان، بلاذری اور صحیح بخاری، مطبوعۂ مصطفائی جلد اول صفحہ ۳۷۷۔

جب کنانہ بن الربیع نے خزانہ کے بتانے سے انکار کیا تو آپنے حضرت زبیر کو حکم دیا کہ سختی کرکے اس سے خزانہ کا پتہ لگائین، حضرت زبیر چقماق جلاکر اُس کے سینے کو داغتے تھے، یہان تک کہ اُسکی جان نکلنے کے قریب[1] ہو گئی، بالآخر آپنے کنانہ کو قتل کرادیا۔ اور تمام یہودی لونڈی غلام بنا[2] لئے گئے،

اِس روایت کا اس قدر حصّہ صحیح ہے کہ کنانہ قتل کردیا گیا لیکن اسکی وجہ یہ نہین کہ وہ خزانہ کے بتانے سے انکار کرتا تھا۔ بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ کنانہ نے محمود بن مسلمہ کو قتل کیا تھا، طبری مین تصریح ہی،

ثم دفعه رسول الله الی محمد بن مسلمة	پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کو محمد بن مسلمہ کے حوالہ
فضرب عنقه باخيه محمود بن مسلمة (صفحہ ۱۵۸۲)	کیا۔ انھون نے اپنے بھائی محمود بن مسلمہ کے قصاص مین اُسکو قتل کردیا،

باقی روایت کا یہ حال ہو کہ یہ روایت طبری اور ابن ہشام، دونون نے ابن اسحاق سے روایت کی ہی لیکن ابن اسحاق نے اُوپر کے کسی راوی کا نام نہین بتایا۔ محدثین نے رجال کی کتابون مین تصریح کی ہو کہ ابن اسحاق یہودیون سے، مغازی نبوی کے واقعات روایت کرتے تھے، اِس روایت کو بھی انہی روایتون مین سمجھنا چاہئے اور یہی وجہ ہے کہ ابن اسحاق ان راویون کا نام نہین لیتے،

کسی شخص پر خزانہ بتانے کے لیے اِسقدر سختی کرنا کہ اس کے سینہ پر چقماق سے آگ جھاڑی جائے، رحمۃ للعالمین کی شان، اِس سے بہت ارفع ہے،

وہی شخص، جو اپنے زہر دینے والے سے مطلق تعرض نہین کرتا، کیا چند سکّون کے لیے کسی کو آگ سے جلانے کا حکم دے سکتا ہے؟

اصل واقعہ اِس قدر تھا کہ کنانہ بن الحقیق کو اس شرط پر امان دی گئی تھی کہ کسی قسم کی بدعہدی اور خلاف بیانی نکریگا، اُسنے یہ بھی منظور کیا تھا کہ اگر اس کے خلاف اُس نے کچھ کیا تو وہ قتل کا مستحق[3] ہوگا۔

[1] یہ پوری تفصیل تاریخ طبری مین مذکور ہے، ابن ہشام مین بھی اس کے قریب قریب ہے، [2] فتوح البلدان، بلاذری، [3] ابوداؤد باب حکم ارض خیبر وطبقات ابن سعد غزوۂ خیبر صفحہ ۱۰۸ سطر ۲۲،

کنانہ نے بدعہدی کی، اور جو امن اُسکو دیا گیا تھا ٹوٹ گیا، کنانہ نے محمود بن مسلمہ کو قتل کیا تھا، اب اُس کے قصاص مین وہ قتل کر دیا گیا، جیسا کہ ابھی ہمنے طبری کی روایت سے نقل کیا ہی،

اب دیکھو اس روایت مین کیا کیا واقعات اضافہ ہو گئے،

(۱) قتل کا واقعہ کنانہ کے ساتھ خاص تھا، خزانہ کے چھپانے کا وہی مُجرم تھا، محمود بن مسلمہ کو اسی نے قتل کیا تھا، اس لیے وہی قتل بھی کیا جا سکتا تھا، اضافہ کا پہلا قدم یہ ہی کہ ابن سعد نے بکر بن عبد الرحمن سے جو روایت مُتّصل نقل کی ہے اُس مین کنانہ کے ساتھ اُسکے بھائی کا بھی نام بڑھا دیا ہے یعنی دونون قتل کئے گئے،

فضرب اعناقهما وسبى	تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونون کو قتل کرا دیا
اهليهما[1]	انکی عورتون اور بچّون کو لونڈی غلام بنایا۔

(۲) یہان تک بھی خیریت تھی لیکن ابن سعد نے عفان بن مُسلم سے جو روایت نقل کی ہی، وہ اس سے بھی زیادہ وسیع ہو گئی ہے یعنی دونون بھائیون کے ساتھ تمام یہودی گرفتار اور لونڈی غلام بنالیے گئے،

فلما وجد المال الذی غیبوه فی مسك	تو جب وہ خزانہ مل گیا جسکو انھون نے اونٹ کی کھال مین
الجمل سبىٰ نساءهم[2]	چھپا رکھا تھا، تو انکی عورتین گرفتار کین اور لونڈیان بنالین

لیکن جب یہ روایتین محدثانہ اصول تنقید سے جانچی جاتی ہین تو چھلکے اُترتے جاتے ہین اور اصل حقیقت رہ جاتی ہے، تمام یہود کا قتل، اور زن و بچّہ کا گرفتار ہونا ایک طرف، خود صحیح بخاری سے ثابت ہی کہ کنانہ کا بھائی تک قتل نہین کیا گیا، اور حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت تک موجود تھا؛

صحیح بخاری مین ہے:۔

فلما اجمع عمر علی ذلك اتاه احد بنی	پھر جب حضرت عمرؓ نے یہ ارادہ کر لیا تو ابو الحقیق کا ایک بیٹا
ابی الحقیق فقال یا امیر المومنین اتخرجنا	ان کے پاس آیا اور کہا کہ امیر المومنین! آپ ہمکو نکالتے ہین

---

[1] طبقات ابن سعد غزوۂ خیبر صفحہ ۸۱ سطر ۲، [2] طبقات ابن سعد غزوۂ خیبر صفحہ ۸۰،

وقد اقرنا محمد و عاملنا على الاموال — حالانکہ ہمکو محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے رہنے دیا تھا، اور خراج پر معاملہ کیا تھا،

حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین تصریح کی ہے کہ یہ وہی کنانہ بن ابی الحقیق کا بھائی تھا،

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد مین، عام روایتون کی وسعت کو گھٹا کر اس حد تک پہنچایا کہ

ولم يقتل رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد الصلح الا ابنى ابى الحقيق، — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کے بعد ابن ابی الحقیق کے دونون بیٹون کے سوا اور کسیکو قتل نہین کیا،

لیکن حافظ موصوف کو اگر صحیح بخاری کی عبارت مذکورۂ بالا پیش نظر ہوتی تو غالبًا یہ تعداد اور بھی گھٹ جاتی،

ابو داؤد مین جہان ارض خیبر کا عنوان باندھا ہے صرف ابن ابی الحقیق کا قتل کیا جانا لکھا ہی۔ یہ نکتہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ابو داؤد مین لکھا ہی کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے سعیۃ (حیی بن اخطب کے چچا) سے پوچھا تھا کہ وہ خزانہ کیا ہوا؟ اُسنے کہا لڑائیون مین صرف ہوگیا" باوجود اس کے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے صرف کنانہ کے قتل کا حکم دیا۔ یہ اس بات کی صاف دلیل ہی کہ کنانہ کا قتل، محمود بن سلمۃ کے قصاص مین ہوا تھا، ورنہ اگر خزانہ کے چھپانے کا جرم قتل کا سبب ہوتا تو اس جرم کے مجرم اور بھی تھے،

مورخین نے پہلی غلطی یہ کی کہ کنانہ کے قتل کا سبب اخفائے خزانہ سمجھے اور چونکہ اس جرم مین اور لوگ بھی شریک تھے، اسلیے یہ تعمیم خود بخود پیدا ہوگئی کہ کنانہ کا تمام خاندان قتل کردیا گیا۔

ایک اور نکتہ — اِس قدر عمومًا مسلّم ہی کہ خیبر کا واقعہ محرم مین پیش آیا یعنی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جب اس ارادہ سے مدینہ سے نکلے تو محرم کی اخیر تاریخین تھین، محرم مین لڑائی شرعًا ممنوع ہے اسلیے محدثین اور فقہاء مین اُسکی توجیہ کے متعلق اختلاف پیدا ہوا، بہت سے فقہا کا یہ مذہب ہے کہ اوائل مین البتہ اِن مہینون مین لڑائی ممنوع تھی لیکن پھر وہ حکم منسوخ ہوگیا۔ علامہ ابن القیم نے لکھا ہی کہ حرمت کا پہلا حکم جو نازل ہوا تھا وہ اس آیت کی رُو سے تھا،

قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ — کہدو کہ اس مہینہ مین لڑنا بڑا گناہ ہی اور خدا کی راہ سے روکنا ہے

ؐ صحیح بخاری جلد اول مطبوعہ مطبع مصطفائی صفحہ ۳۰۲ باب اذا اشترط فی المزارعۃ اذا شئت اخرجتک،

پھر سورۂ مائدہ مین یہ آیت اُتری،

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَائِرَ اللّٰہِ وَلَا الشَّھْرَ الْحَرَامَ،	مسلمانون! خدا کی حدبندیون کی اور ماہ حرام کی بے حرمتی نہ کرو،

یہ پچھلی آیت، پہلی آیت کے آٹھ برس بعد نازل ہوئی - اِس وسیع زمانہ تک تو حرمت کا حکم باقی رہا، اب وہ کونسی آیت یا حدیث ہے جس سے یہ حکم منسوخ ہوگیا:

وَلَیْسَ فِی کِتَابِ اللّٰہِ وَلَا سُنَّۃِ رَسُوْلِہٖ نَاسِخٌ لِحُکْمِھَا،	اور خدا کی کتاب اور حدیث مین ان آیتون کے حکم کا کوئی ناسخ نہین،

مُجوّزین نے یہ استدلال کیا ہے کہ فتح حرم، طائف کا محاصرہ، بیعۃ رضوان یہ سب ماہِ حرام مین ہوے تھے، اِسلیے اگر ماہِ حرام مین لڑائی جائز نہوتی تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) انکو کیونکر جائز رکھتے، حافظ ابن القیم نے جواب دیا ہے کہ ماہِ حرام مین ابتداءً جنگ کرنا حرام ہی لیکن اگر دشمن کا مدافعہ مقصود ہو تو بالاتفاق جائز ہے، وہ سب واقعات دفاعی تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے پیشدستی نہین کی تھی، بلکہ دفاع کیا تھا بیعتِ رضوان اس لیے لیگئی تھی کہ یہ خبر مشہور ہوگئی تھی کہ کفار نے حضرت عثمانؓ کو (جو سفیر ہوکر گئے تھے) قتل کردیا - طائف کا محاصرہ کوئی مستقل جنگ نہ تھی بلکہ غزوۂ حنین کا بقیہ تھا، جس مین خود کفار ہر طرف سے جمع ہوکر حملہ آور ہوئے تھے، فتح حرم کا واقعہ حدیبیہ کی شکست کا نتیجہ تھا جسکی ابتدا کفار نے کی تھی[1]،

حافظ ابن القیم نے نہایت صحیح جواب دیا لیکن خاص خیبر کے معاملہ مین وہ اِس گرہ کو نہ کھول سکے، اور بحث نامنفصل رہ گئی، حافظ ابن القیم کے استاد علامہ ابن تیمیہ کو بھی اس موقع پر اشتباہ ہوا، انھون نے الجواب الصحیح لمن بدّل دین المسیح، مین لکھا ہی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جسقدر لڑائیان کین، سب دفاعی تھین، صرف بدر اور خیبر اس سے مستثنےٰ ہین، لیکن اگر علامۂ موصوف زیادہ استقصار کرتے، تو ثابت ہوتا کہ بدر، اور خیبر بھی مستثنےٰ نہین،

[1] زاد المعاد ذکر غزوۂ خیبر،

بدر کا بیان اوپر گزر چکا ہے، خیبر کے ماسبق واقعات کو ترتیب دیکر دیکھو تو صاف نظر آئیگا کہ یہود، اور غطفان مدینہ پر حملہ کی تیاریان کر چکے تھے،

تقسیم زمین خیبر کی زمین، دو برابر حصّون مین تقسیم کیگئی، نصف بیت المال، مہمانی، اور سفارت وغیرہ کے مصارف کے لیے خاص کر لیا گیا، باقی نصف مجاہدین پر جو اس غزوہ مین شریک تھے، مساوی حصّون مین تقسیم کیا گیا، کُل فوج کی تعداد چودہ سو تھی، دو سو سوار تھے، سوارون کو گھوڑون کے مصارف کے لیے پیدل سے دوگنا ملتا تھا، اس بنا پر یہ تعداد اٹھارہ سو کے برابر تھی، اس حساب سے کل جائداد کے اٹھارہ سو حصے کیے گئے، اور ہر مجاہد کے حصہ مین ایک آیا، جناب سرورِ کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی عام مجاہدین کے برابر، ایک ہی حصہ ملا[1]،

ولرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مثل سھم احدھم[1]، — اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی عام لوگون کی طرح ایک حصہ تھا،

ملکی حالت اور احکام فقہی خیبر کی فتح سے اسلام کی ملکی اور سیاسی حالت کا نیا دور شروع ہوتا ہے، اسلام کے حقیقی دشمن صرف دو تھے، مشرکین، اور یہود، عیسائی اگرچہ عرب مین موجود تھے، لیکن وہ کچھ زور اور اثر نہین رکھتے تھے، مشرکین، اور یہود اگرچہ مذہبًا باہم مخالف تھے، لیکن سیاسی اسباب کی بنا پر اُن مین اتحاد پیدا ہو گیا تھا، مدینہ کے یہود عمومًا انصار کے حلیف تھے، اسی طرح خیبر کے یہود غطفان کے حلیف تھے، اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کیلیے مکہ اور مدینہ کے مشرکین اور منافقین سب ملکر کنفسٍ واحدۃٍ ہو گئے، خیبر کی فتح کے بعد یہود کی قوت بالکل ٹوٹ گئی، اور مشرکین کا ایک بازو جاتا رہا،

ابتک اسلام، چارون طرف سے نرغہ کی حالت مین تھا، اس بنا پر بجز عقائد اور ضروری عبادات کے شریعت کے اور احکام کی تاسیس وتعلیم کا موقع نہ تھا، شریعت کے احکام جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہی، حالات کے اقتضا سے بتدریج آئے ہین، چنانچہ اسکی تفصیل آگے آئے گی۔ خیبر کی فتح سے اِدھر تو یہود کی فتنہ انگیزیون سے نجات ملی اُدھر

---

[1] فتوح البلدان، بلاذری، ذکر غزوۂ خیبر (ابو داؤد حکم ارض خیبر مین ہے النبی صلعم معھم لہ سھم کسھم احدھم)

حدیبیہ کی صلح سے مشرکین کیطرف سے فی الجملہ اطمینان حاصل ہوا، اس بنا پر اب مسلمان جدید فقہی احکام کی تعمیل کے قابل ہو چکے تھے،

ارباب سیر نے غزوۂ خیبر کے تذکرہ مین عموماً ذکر کیا ہے کہ اس موقع پر متعدد جدید فقہی احکام نازل ہوئے[1] اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انکی تبلیغ کی، انکی تفصیل یہ ہے؛

(۱) پنجہ دار پرند حرام ہو گئے،

(۲) درندہ جانور حرام کردیے گئے،

(۳) گدھا اور خچر حرام کردیا گیا،

(۴) ابتک معمول تھا کہ لونڈیون سے فوراً تمتع جائز سمجھا جاتا تھا، اب استبرا کی قید ہوگئی یعنی اگر وہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک، ورنہ تین مہینہ تک تمتع جائز نہین،

(۵) چاندی سونے کا بہ تفاضل خریدنا حرام ہوا،

(۶) بعض روایتون مین ہے کہ متعہ بھی اسی غزوہ مین حرام ہوا،

وادی القرٰے اور فدک

تیما، اور خیبر کے درمیان ایک وادی ہے جن مین بہت سی بستیان آباد ہین، ان کو وادی القریٰ کہتے ہین، قدیم زمانہ مین عاد و ثمود یہان آباد تھے، یاقوت نے معجم البلدان مین لکھا ہے کہ عاد و ثمود کے آثارات اب بھی باقی ہین، اسلام سے پہلے اِن بستیون مین یہود آ کر آباد ہوئے، اور زراعت اور آب رسانی کو بہت ترقی دی، اور اب یہ یہود کا مخصوص مرکز بنگیا تھا[2]،

خیبر کے بعد آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے وادی القرٰے کا رُخ کیا، لیکن لڑنا مقصود نہ تھا۔ مگر یہود پہلے سے طیار تھے، انھون نے فوراً تیراندازی شروع کردی، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا محمل آپکے غلام (مدعم) اُتار رہے تھے کہ ایک تیر آیا، اور وہ جان بحق ہوئے، عام مؤرخین نے یہود کی تیاری کا ذکر نہین کیا ہے، لیکن امام بیہقی نے

---

[1] یہان نزول سے وحی متلو یعنی قرآن مراد نہین ہے، [2] معجم البلدان لفظ قری،

صاف تصریح کی ہے،

وقد استقبلتنا یھود بالرمی ولم نکن علی تعبئیۃ[1]، — یہود ہمارے مقابلہ کو تیر چلاتے ہوئے نکلے اور ہم طیارنہ تھے،

بہرحال جنگ شروع ہوگئی، لیکن تھوڑے سے مقابلہ کے بعد یہود نے سپر ڈال دی اور خیبر کے شرائط کے موافق صلح ہوگئی،

ادائے عمرہ — صلح حدیبیہ مین قریش سے معاہدہ ہوا تھا کہ اگلے سال آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) مکہ مین آکر عمرہ ادا کرین گے، اور تین دن قیام کرکے واپس چلے جائین گے، اِس بنا پر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اس سال عمرہ ادا کرنا چاہا، اور اعلان کرادیا کہ جو لوگ واقعہ حدیبیہ مین شریک تھے ان مین سے کوئی نہ رہ جائے چنانچہ بجز ان لوگون کے جو اس اثنا مین مرچکے تھے، سبنے یہ سعادت حاصل کی،

معاہدہ مین شرط تھی کہ مسلمان مکہ مین آئین تو ہتیار ساتھ نہ لائین، اس لیے اسلحہ جنگ بطن یاجج مین جو مکہ سے آٹھ میل ادھر ہے چھوڑ دیئے گئے، اور دو سو سوارون کا ایک دستہ اسلحہ کی حفاظت کے لیے متعین کردیا گیا،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) لبیک کہتے ہوئے حرم کی طرف بڑھے، عبد اللہ بن رواحہ اونٹ کی مُہار تھامے ہوئے آگے آگے یہ رجز پڑھتے جاتے تھے[2]،

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ	کافرو! سامنے سے ہٹ جاؤ،
الیوم نضربکم علی تنزیلہ	آج جو تنے اُترنے سے روکا تو ہم تلوار کا وارکرینگے،
ضربا یزیل الہام عن مقیلہ	وہ وار جو سر کو خوابگاہ سے الگ کردے
ویذھل الخلیل عن خلیلہ	اور دوست کے دل سے دوست کی یاد بھلادے

صحابہ کا جم غفیر ساتھ تھا، اور برسون کی دیرینہ تمنا، اور فرض مذہبی بڑے جوش کے ساتھ ادا کر رہا تھا۔ اہلِ مکہ کا

---

[1] زرقانی، بر موطا، بہ حوالۂ بیہقی، باب الجہاد، ذکر غلول، [2] یہ اشعار اور یہ واقعہ ترمذی نے شمائل مین نقل کیا ہے،

خیال تھا کہ مسلمانون کو مدینہ کی آب وہوا نے کمزور کردیا ہے، اِس بنا پر آپنے حکم دیا کہ لوگ طواف کے تین پہلے پھیرون مین اکڑتے ہوئے چلین، عربی زبان مین اسکو "رمل" کہتے ہین، چنانچہ آجتک یہ سُنّت باقی ہے،

اہلِ مکّہ نے اگرچہ چار ناچار مسلمانون کو عمرۃ کی اجازت دیدی تھی، تاہم انکی آنکھین اس منظر کے دیکھنے کی تاب نہین لاسکتی تھین، روساے قریش نے عموماً شہر خالی کرلیا، اور پہاڑون پر چلے گئے، تین دن کے بعد حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا "محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے کہدو کہ شرط پوری ہوچکی اب مکّہ سے نکلجائین" حضرت علیؓ نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے عرض کی، آپ اسیوقت روانہ ہوگئے، چلتے وقت حضرت حمزہ کی صغیر السن صاحبزادی **امامتہ** جو مکّہ مین رہ گئی تھین، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس "چچا چچا"[1] کہتی دوڑی آئین، حضرت علیؓ نے ہاتون مین اُٹھالیا، لیکن حضرت جعفر (حضرت علیؓ کے بھائی) اور زید بن حارثہ نے اپنے دعوے پیش کئے، حضرت جعفر کہتے تھے کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے، زید کہتے تھے کہ حمزہ میرے مذہبی بھائی تھے، اس رشتہ سے یہ میری بھتیجی ہے، حضرت علیؓ کو دعوی تھا کہ میری ہمشیرہ بھی ہے اور پہلے میری ہی گود مین آئی ہے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے سب کے دعوی مساوی الدرجہ دیکھکر، انکو اسماء کی گود مین دیا، وہ امامتہ کی خالہ تھین، پھر فرمایا کہ "خالہ مان کے برابر ہوتی ہے"[2]۔

---

1. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رشتہ مین اُن کے بھائی تھے، لیکن اُنھون نے تعظیماً چچا کہا، (یا اسلیے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت حمزہ دونون رضاعی بھائی تھے)
2. اِس واقعہ کا بڑا حصّہ صحیح بخاری سے ماخوذ ہے بعض زائد تفصیلین زرقانی سے لیگئی ہین جو کتب حدیث کے حوالہ سے زرقانی نے نقل کی ہین۔

۸ھ

غزوۂ موتہ

جمادی الاولی ۸ھ

موتہ شام مین ایک مقام کا نام ہے جو بلقا سے اِس طرف ہی عرب مین جو مشرقی تلوارین مشہور ہین، وہ یہین بنتی تھین[1] کثیر مشہور شاعر کہتا ہے،

صوارم یجلوھا بموتہ صیقل (وہ تلوارین جنکو موتہ مین صیقل گر جلا دیتا ہی)

سلاطین اور رؤسا کو دعوت اسلام کے جو خطوط بھیجے گئے تھے، اُن مین ایک خط شرجیل بن عمرو کے نام تھا جو بصریٰ (حوران) کا بادشاہ اور قیصر کا ماتحت تھا، یہ عربی خاندان ایک مدت سے عیسائی تھا، اور شام کے سرحدی مقامات مین حکمران تھا، یہ خط حارث بن عمیر لیکر گئے تھے، شرجیل نے اُن کو قتل کر دیا اس کے قصاص کے لیے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے تین ہزار فوج طیار کر کے شام کی طرف روانہ کی، زید بن حارثہ کو جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آزاد کردہ غلام تھے، سپہ سالاری ملی، اور ارشاد ہوا کہ اگر ان کو دولتِ شہادت نصیب ہو تو جعفر طیارؓ اور وہ بھی شہید ہو جائین تو عبد اللہ بن رواحہ فوج کے سردار ہون[2]، حضرت زید غلام تھے گو آزاد ہو چکے تھے، حضرت جعفر طیار، حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے مُقرب خاص تھے، عبد اللہ بن رواحہ، معزز انصاری اور مشہور شاعر تھے، اِس بنا پر لوگون کو تعجب ہوا کہ جعفر و عبد اللہ بن رواحہ کے ہوتے، زید کو افسر کرنا کس بنا پر ہے؟ چنانچہ لوگون مین چرچے ہوئے لیکن اسلام جس مساوات عام کے قائم کرنے کے لیے آیا تھا، اُس کے لیے اِسی قسم کا ایثار درکار تھا، اسامہ کی مہم مین جس مین تمام مہاجرین کو شرکت کا حکم ہوا تھا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے انہی زید کے صاحبزادہ حضرت اسامہ کو فوج کا افسر مقرر کیا تھا اُس

---

[1] معجم البلدان لفظ موتہ، [2] صحیح بخاری غزوۂ موتہ،

وقت بھی لوگون مین چرچے ہوئے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے سُنا تو خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم لوگون نے انکے باپ کی افسری پر بھی اعتراض کیا تھا، حالانکہ یقیناً وہ افسری کے قابل تھے، چنانچہ صحیح بخاری، بعث اسامۃ (باب المغازی) مین بہ تفصیل یہ واقعہ منقول ہی،

گو یہ مہم قصاص لینے کی غرض سے تھی لیکن چونکہ تمام مہمات کا اصلی محور تبلیغ اسلام تھا، ارشاد ہوا کہ پہلے ان کو دعوت اسلام دیجائے، اگر وہ اسلام قبول کرلین تو جنگ کی ضرورت نہین، یہ بھی حکم ہوا کہ اظہار ہمدردی کے لیے اس مقام پر جانا جہان حارث بن عمیر نے اداے فرض مین جان دی ہے، ثنیۃ الوداع تک آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) خود فوج کی مشایعت کے لیے تشریف لے گئے، صحابہ نے پکار کر دعا کی کہ خدا سلامت اور کامیاب لائے،

فوج مدینہ سے روانہ ہوئی تو جاسوسون نے شرجیل کو خبر دی جس نے مقابلہ کے لیے کم و بیش لاکھ فوج طیار کی، اِدھر خود قیصر روم (ہرقل) قبائل عرب کی بے شمار فوج لیکر مآب مین خیمہ زن ہوا۔ جو بلقاء کے اضلاع مین ہے حضرت زید نے یہ حالات سنکر چاہا کہ ان واقعات سے دربار رسالت کو اطلاع دیجاے اور حکم کا انتظار کیا جائے، لیکن عبد اللہ بن رواحہ نے کہا، ہمارا اصل مقصد فتح نہین بلکہ دولتِ شہادت ہی جو ہر وقت حاصل ہوسکتی ہے غرض یہ مختصر گروہ آگے بڑھا اور ایک لاکھ فوج پر حملہ آور ہوا، حضرت زید برچھیان کھاکر شہید ہوئے، اُن کے بعد حضرت جعفر نے عَلَم ہات مین لیا، گھوڑے سے اُتر کر پہلے خود اپنے گھوڑے کے پاؤن پر تلوار ماری کہ اُسکی کونچین کٹ گئین، پھر اِس بے جگری سے لڑے کہ تلوارون سے چُور ہوکر گر پڑے، حضرت عبد اللہ بن عمر کا بیان ہی کہ مین نے انکی لاش دیکھی تھی، تلوارون اور برچھیون کے ۹۰ زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے، پشت نے یہ داغ نہین اُٹھایا تھا، حضرت جعفر کے بعد عبد اللہ بن رواحہ نے عَلَم ہات مین لیا، اور وہ بھی دادِ شجاعت دیکر شہید ہوئے، اب حضرت **خالد** سردار بنے اور نہایت بہادری سے لڑے صحیح بخاری مین ہی کہ آٹھ تلوارین انکے ہات سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرین، لیکن ایک لاکھ سے تین ہزار کا کیا مقابلہ تھا، بڑی کامیابی یہی تھی کہ فوجون کو دشمن کی زد سے بچالائے،

---

۱ طبقات ابن سعد، ۲ صحیح بخاری،

جب یہ شکست خوردہ فوج مدینہ کے قریب پہنچی اور اہل شہر ان کی مشایعت کو نکلے تو لوگ غمخواری کے بجائے اُنکے چہرون پر خاک پھینکتے تھے کہ اُو فرار یو! تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے،

رسُول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو اس واقعہ کا سخت صدمہ ہوا، حضرت جعفرؓ سے آپکو خاص محبت تھی، انکی شہادت کا نہایت قلق تھا، آپ مسجد مین جاکر غمزدہ بیٹھے، اِسی حالت مین ایک شخص نے آکر کہا کہ جعفر کی مستورات ماتم کر رہی ہین، اور رُو رہی ہین، آپنے منع کرا بھیجا، وہ گئے اور واپس آکر کہا کہ مین نے منع کیا، لیکن وہ باز نہین آتین، آپ نے دوبارہ بھیجا، وہ پھر گئے اور واپس آکر عرض کی کہ ہم لوگون کی نہین چلتی، آپنے ارشاد فرمایا کہ "تو انکے مُنہ مین خاک بھر دو"

یہ واقعہ حضرت عایشہؓ سے صحیح بخاری مین منقول ہی صحیح بخاری مین یہ بھی ہی کہ حضرت عایشہؓ نے اُس شخص سے کہا کہ "خدا کی قسم تم یہ نکرو گے (مُنہ مین خاک ڈالنا) اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو تکلیف سے نجات نہ ملے گی"

فتح مکّہ

رمضان ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا

جانشینِ ابراہیم (علیہما الصلوٰۃ والسلام) کا سب سے مقدم فرض، توحیدِ خالص کا احیا، اور حرم کعبہ کا آلایش سے پاک کرنا تھا لیکن قریش کے پے در پے حملون، اور عرب کی مخالفت عام نے پورے اکیس برس تک اِس فرض کو روک رکھا، صلح حدیبیہ کی بدولت اتنا ہوا کہ چند روز کے لیے امن و امان قائم ہوگیا، اور دلدادگانِ حرم، ایک دفعہ یادگار ابراہیمی کو غلط انداز نظر سے دیکھ آئے لیکن معاہدۂ حدیبیہ بھی قریش سے نبھ نہ سکا، حلم و عفو و تحمل کی حد ہو چکی، اب وقت آگیا کہ آفتاب حق، حجابہاے حائل کو چاک کر کے باہر نکل آئے،

صلح حدیبیہ کی بنا پر قبائل عرب مین سے خزاعہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے حلیف ہو گئے تھے، اور اُنکے حریف بنو بکر نے قریش سے مخالفت کا معاہدہ کر لیا تھا، اِن دونون حریفون مین مدت سے لڑائیان چلی آتی تھین، اِسلام کے ظہور نے عرب کو اِدھر متوجہ کیا تو وہ لڑائیان رُک گئین، اور اب تک رکی رہین، کیونکہ قریش اور عرب کا سارا زور، اِسلام کے مقابلہ مین صرف ہو رہا تھا صلح حدیبیہ نے لوگون کو مطمئن کیا تو بنو بکر سمجھے کہ اب انتقام کا وقت آگیا، دفعۃً وہ خزاعہ پر حملہ آور ہوے اور روساے قریش نے علانیہ ان کو مدد دی، عکرمۃ بن ابی جہل، صفوان بن امیّہ سہیل بن عمرو، وغیرہ نے راتون کو صورتین[1] بدلکر بنو بکر کے ساتھ تلوارین چلائین، خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم مین پناہ لی، بنو بکر رُک گئے کہ حرم کا احترام ضرور ہے، لیکن اُنکے رئیسِ اعظم **نوفل** نے کہا یہ موقع پھر کبھی ہات نہین آسکتا، غرض عین حدود حرم مین خزاعہ کا خون بہایا گیا،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) مسجد مین تشریف فرما تھے کہ دفعۃً یہ صدا بلند ہوئی،

---

[1] طبری صفحہ ۱۶۲۰،

لاھمراني ناشد محمدا	کچھ غم نہین، مین محمد کو وہ معاہدہ یاد دلاؤنگا
حلف ابینا وابیہ الاتلدا	جو ہمارے اور اُنکے قدیم خاندان مین ہوا ہے
فانصر رسول اللہ نصرا اعتدا	اے پیغمبرِ خدا! ہماری اعانت کر اور خدا
وادع عباد اللہ یاتوا مددا	کے بندون کو بُلا سب اعانت کے لیے حاضر ہونگے،

معلوم ہوا کہ خزاعہ کے چالیس ناقہ سوار جنکا پیشرو عمرو بن سالم ہے، فریاد لیکر آئے ہین، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے واقعات سُنے تو آپ کو سخت رنج ہوا، تاہم آپ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا، اور تین شرطین پیش کین کہ ان مین سے کوئی منظور کیجائے،

(۱) مقتولون کا خونبہا دیا جائے،

(۲) قریش، بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائین،

(۳) اعلان کردیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا،

قرطہ بن عمر نے قریش کی زبان سے کہا کہ "صرف تیسری شرط منظور ہے"[1] لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی، اُنھون نے ابوسفیان کو سفیر بناکر بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کرالائین، - ابوسفیان نے مدینہ آکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کیخدمت مین درخواست کی، بارگاہِ رسالت سے کچھ جواب نہ ملا، ابوسفیان نے حضرت ابوبکر و عمر کو بیچ مین ڈالنا چاہا، لیکن سب نے کانون پر ہاتھ رکھا، ہر طرف سے مجبور ہوکر جناب فاطمۃ زہرا کے پاس آیا، امام حسن (علیہ السلام) پانچ برس کے بچے تھے، ابوسفیان نے انکی طرف شارہ کرکے کہا، اگر یہ بچہ اتنا زبان سے کہدے کہ مین نے دونون فریقون مین بیچ بچاؤ کرادیا، تو آج سے عرب کا سردار پکارا جائیگا، جناب سیدہ نے فرمایا "بچون کو ان معاملات مین کیا دخل" بالآخر ابوسفیان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایما سے مسجد نبوی مین جاکر اعلان کردیا کہ "مین نے معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کردی"

---

[1] زرقانی نے یہ واقعہ مغازی ابن عائذ سے نقل کیا ہے، تعجب ہے کہ اور مورخین اور ارباب سیر ایسے ضروری واقعہ کو بالکل قلم انداز کر گئے،

ابوسفیان نے مکہ مین جاکر لوگون سے یہ واقعہ بیان کیا تو سب نے کہا یہ نہ صلح ہی کہ ہم اطمینان سے بیٹھ جائین، نہ جنگ ہی کہ لڑائی کا سامان کیا جائے؛

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مکہ کی تیاریان کین، اتحادی قبائل کے پاس قاصد بھیجے کہ طیار رہو کر آئین، احتیاط کی گئی کہ اہل مکہ کو خبر نہ ہونے پائے،

حاطب بن ابی بلتعہ، ایک معزز صحابی تھے، انھون نے قریش کو مخفی خط لکھ بھیجا کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) مکہ کی طیاریان کر رہے ہین، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو اس واقعہ کی اطلاع ہوگئی، حضرت علیؓ کو بھیجا کہ قاصد سے خط چھین لائین، خط آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین پیش ہوا تو تمام لوگون کو حاطب کے افشاے راز پر حیرت ہوئی، حضرت عمر بیتاب ہوگئے، اور عرض کی کہ حکم ہو تو انکی گردن اُڑا دون؟" لیکن جبینِ رحمت پر شکن نہ تھی، ارشاد ہوا، عمر! تم کو کیا معلوم ہے؛ ممکن ہے کہ خدا نے اہلِ بدر کو مخاطب کر کے کہہ دیا ہو کہ تم سے کچھ مواخذہ نہین [1] ہے؛

حاطب کے عزیز و اقارب ابتک مکہ مین تھے اور ان کا کوئی حامی نہ تھا، اِسلیے انھون نے قریش پر احسان رکھنا چاہا کہ اُسکے صلہ مین اُنکے عزیزون کو ضرر نہ پہنچائین گے، انھون نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے یہی عذر پیش کیا، اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے قبول فرمایا،

غرض ۱۰ رمضان ۸ھ ہجری کو کوکبۂ نبوی نہایت عظمت و شان سے مکہ معظمہ کی طرف بڑھا، دس ہزار آراستہ فوجین رکاب مین تھین، قبائل عرب راہ مین آآ کر ملتے جاتے تھے، مرّ الظہران پہنچکر لشکر نے پڑاو ڈالا، اور فوجین دور دور تک پھیل گئین، یہ مقام مکہ معظمہ سے ایک منزل، یا اس سے بھی کم فاصلہ پر ہے،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے حکم سے تمام فوج نے الگ الگ آگ روشن کی، جس سے تمام صحرا وادی ایمن

---

[1] اصل واقعہ صحیح بخاری مین کافی تفصیل کے ساتھ موجود ہے لیکن مزید تفصیل اور جزئیات حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح مین موسیٰ بن عقبۃ اور ابن عائذ وغیرہ سے نقل کئے ہین، مین نے انکو بھی لے لیا ہے، بعض واقعات طبری سے ماخوذ ہین،

بنگیا، فوج کی آمد کی بھنک قریش کے کانون مین پڑچکی تھی تحقیق کے لیے اُنھون نے حکیم بن حزام (حضرت خدیجہ کے بھتیجے) ابوسفیان اور بدیل بن ورقا، کو بھیجا، خیمۂ نبوی کی دربانی پر جو دستہ متیئن تھا، اُسنے ابوسفیان کو دیکھ لیا[۱]، حضرت عمرؓ جذبۂ انتقام کو ضبط نہ کرسکے، تیز قدمی سے آگے بڑھے، اور بارگاہِ رسالت مین آکر عرض کی کہ کفر کے استیصال کا وقت آگیا" لیکن حضرت عباسؓ نے جان بخشی کی درخواست کی، حضرت عمرؓ نے دوبارہ عرض کیا، حضرت عباس نے کہا "عمر! اگر یہ شخص تمھارے قبیلہ کا آدمی ہوتا تو تم اِس قدر سخت دلی نہ کرتے" حضرت عمرؓ نے کہا آپ یہ نہ فرمائین، آپ جس دن اسلام لائے تھے، مجھکو جو مسرّت ہوئی تھی، خود میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجھکو اسقدر خوشی نہ ہوتی،

ابوسفیان کے تمام پچھلے کارنامے، اب سب کے سامنے تھے، اور ایک ایک چیز اُس کے قتل کی دعویدار تھی، اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے خفیہ قتل کرانے کی سازش، ان مین سے ہر چیز اُس کے خون کی قیمت ہوسکتی تھی، لیکن اِن سب سے بالاتر ایک اور چیز (عفوِ نبوی) تھی اُسنے ابوسفیان کے کان مین آہستہ سے کہا کہ "خوف کا مقام نہین"،

صحیح بخاری مین ہی کہ گرفتار ہونے کے ساتھ، ابوسفیان نے اسلام قبول کرلیا، لیکن طبری وغیرہ مین اِس اجمال کی تفصیل مین حسب ذیل مکالمہ لکھا ہی،

رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کیون ابوسفیان، کیا اب بھی تمکو یقین نہین آیا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہین؟

ابوسفیان، کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا،

رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کیا اس مین کچھ شک ہے کہ مین خدا کا پیغمبر ہون؟

ابوسفیان، اس مین تو ذرا شبہہ ہے،

---

[۱] اصل واقعہ صحیح بخاری مین کافی تفصیل کے ساتھ موجود ہی، لیکن مزید تفصیل اور جزئیات حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح مین موسیٰ بن عقبہ اور ابن عائذ وغیرہ سے نقل کئے ہین، مین نے انکو بھی لے لیا ہے، بعض واقعات طبری سے ماخوذ ہین،

بہرحال، ابوسفیان نے اسلام کا اظہار کیا، اور اُسوقت گو اُنکا ایمان متزلزل تھا لیکن مورخین لکھتے ہین کہ بالآخر وہ سچے مسلمان بن گئے، چنانچہ غزوہ طائف مین اُنکی ایک آنکھ زخمی ہوئی اور یرموک مین وہ بھی جاتی رہی،

لشکرِ اسلام جب مکہ کی طرف بڑھا تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عباس ؓ سے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لیجاکر کھڑا کردو کہ افواجِ الٰہی کا جلال آنکھون سے دیکھے، کچھ دیر کے بعد دریاے اسلام مین تلاطم شروع ہوا، قبائل عرب کی موجین جوش مارتی ہوئی بڑھین، سب سے پہلے غفار کا پرچم نظر آیا، پھر جہینہ، ہُذیم، سُلیم، ہتیارون مین ڈوبے ہوئے تکبیر کے نعرے مارتے ہوے نکل گئے، ابوسفیان ہر دفعہ مرعوب ہو ہوجاتا تھا، سب کے بعد انصار کا قبیلہ اس سروسامان سے آیا کہ آنکھین خیرہ ہوگئین، ابوسفیان نے متحیر ہوکر پوچھا یہ کون لشکر ہے؟ حضرت عباس ؓ نے نام بتایا، دفعۃً سردارِ فوج حضرت سعد بن عبادہ ہات مین عَلَم لیے ہوے برابر سے گذرے اور ابوسفیان کو دیکھکر پکار اُٹھے،

الیوم یوم الملحمة الیوم	آج گھمسان کا دن ہے، آج کعبہ حلال
تستحل الکعبة[1]	کردیا جاے گا،

سب سے اخیر کوکبۂ نبوی نمایان ہوا، جس کے پرتوے سطح خاک پر نور کا فرش بچھتا جاتا تھا، حضرت زبیر بن العوام علمبردار تھے، ابوسفیان کی نظر جمالِ مبارک پر پڑی تو پکار اُٹھے کہ "حضور نے سُنا؟ عبادہ کیا کہتے ہوے گئے؟" ارشاد ہوا کہ "عبادہ نے غلط کہا، آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے" یہ کہکر حکم دیا کہ فوج کا عَلَم عبادہ سے لیکر اُن کے بیٹے کو دیدیا جائے،

مکہ پہنچکر آپ نے حکم دیا کہ علم نبوی مقام **حجون** پر نصب کیا جائے، حضرت خالد کو حکم ہوا کہ فوجون کے ساتھ بالائی حصّہ کی طرف سے آئین،

اعلان کردیا گیا تھا کہ جو شخص ہتیار ڈال دیگا، یا ابوسفیان کے ہان پناہ لے گا، یا دروازہ بند کرلے گا، اُسکو امن دیا جاے گا، تاہم قریش کے ایک گروہ نے مقابلہ کا قصد کیا، اور خالد کی فوج پر تیر برسائے، چنانچہ دو صاحب

---

[1] یہ خاص صحیح بخاری کی روایت ہے،

(یعنی کرز بن جابر فہری، اور حبیش بن اشعرؓ[1]) نے شہادت پائی، حضرت خالد نے مجبور ہو کر حملہ کیا، یہ لوگ ۱۲ لاشین چھوڑ کر بھاگ نکلے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے تلوارون کا چمکنا دیکھا تو خالد سے بازپرس کی لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ ابتدا مخالفین نے کی تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ "قضائے الٰہی یہی تھی"۔

لوگون نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کیا کہ حضورؐ قیام کہان فرمائین گے؟ کیا اپنے قدیم مکان مین؟ شریعت مین مسلمان، کافر کا وارث نہین ہوسکتا، ابوطالب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم) نے جب انتقال کیا تھا تو اُنکے صاحبزادے عقیل اُسوقت کافر تھے، اِس لیے وہی وارث ہوئے اُنھون نے یہ مکانات ابوسفیان کے ہات بیچ ڈالے تھے، اِس بنا پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ "عقیل نے گھر کہان چھوڑا کہ اُس مین اُترون"[2] اِسلیے مقام خیف مین[3] ٹھہرون گا، یہ وہ جگہ تھی جہان قریش نے ہجرت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندان ہاشم کو مکہ سے نکالکر محصور کیا تھا،

خدا کی شان، حرم محترم، جو خلیلِ بت شکن کی یادگار تھا، اُس کے آغوش مین ۳۶۰ بُت جاگزین تھے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) ایک ایک کو لکڑی کی نوک سے ٹہوکے دیتے جاتے اور یہ پڑھتے جاتے تھے[4]،

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ	حق آگیا اور باطل مٹ گیا، اور باطل مٹنے ہی
كَانَ زَهُوْقًا،	کی چیز تھی،

عین کعبہ کے اندر بہت سے بُت تھے، جنکو قریش خدا مانتے تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے کعبہ مین داخل ہونے سے پہلے حکم دیا کہ سب نکلوا دیے جائین[5]، حضرت عمرؓ نے اندر جاکر جسقدر تصویرین تھین وہ بھی مٹا دین، حرم اِن آلائشون سے پاک ہو چکا تو آپ نے عثمان بن طلحہ سے جو کعبہ کے کلید بردار تھے کُنجی طلب کی، اور دروازہ کُھلوایا، آپ حضرت بلال، اور طلحہؓ کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور نماز ادا کی، بخاری کی ایک روایت مین ہے کہ آپنے

---

[1] انکی شہادت کا ذکر صحیح بخاری مین بھی ہے، [2] صحیح بخاری فتح مکہ و کرمانی شرح صحیح بخاری، وصحیح مسلم، (ابن ماجہ باب دخول مکہ مین ہے کہ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے لیکن امام بخاری اور محدثین نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے) [3] صحیح بخاری فتح مکہ، [4] صحیح بخاری،

کعبہ کے اندر تکبیرین کہین لیکن نماز نہین ادا کی،

خطبۂ فتح — شاہنشاہی اسلام کا یہ پہلا دربار عام تھا، خطبۂ سلطنت یعنی بارگاہِ احدیت کی تقریر خلافت الٰہی کے منصب سے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ادا کی، جسکا خطاب صرف اہل مکہ سے نہین بلکہ تمام عالم سے تھا،

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ	ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہین ہے، اُسکا کوئی شریک نہین ہے،
وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ	اُسنے اپنا وعدہ سچا کیا، اُسنے اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھونکو تنہا توڑ دیا،
اَلَا كُلُّ مَاثَرَةٍ اَوْ دَمٍ اَوْ مَالٍ يُدْعٰى فَهُوَ تَحْتَ	ہان تمام مفاخر، تمام انتقامات، خونہائے قدیم، تمام خونبہا سب میرے
قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ اِلَّا سَدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ	قدمون کے نیچے ہین، صرف حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج کی
الْحَاجِّ ـ	آب رسانی اس سے مستثنے ہین،
يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ	اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا
الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَاءِ ـ اَلنَّاسُ مِنْ	نے مٹا دیا، تمام لوگ آدم کی نسل سے ہین، اور آدم مٹی
اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ	سے بنے تھے،

پھر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے،

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى	لوگو! ہمین نے تمکو مرد اور عورت سے پیدا کیا، اور تمھارے
وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ	قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپسمین ایکدوسرے کو پہچان لیے جاؤ،
عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (ابن ہشام)	لیکن خدا کے نزدیک شریف وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو، خدا بڑا دانا اور واقفکار ہے،
اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ (بخاری)	خدانے شراب کی خرید و فروخت حرام کردی،

تمام عقائد اور اعمال کا اصل الاصول، اور دعوت اسلام کا اصلی پیغام توحید ہے، اس لیے سب سے پہلے اسی سے ابتدا کی گئی،

خطبہ کے اصولی مطالب — عرب مین دستور تھا، کوئی شخص کسی کو قتل کردیتا تھا تو اُس کے خون کا انتقام لینا، خاندانی فرض

قرار پاجاتا تھا، یعنی اگر اُس وقت قاتل نہ ہات آسکا، تو خاندانی دفتر مین مقتول کا نام لکھ لیا جاتا، اور سیکڑون برس گذرنے کے بعد بھی انتقام کا فرض ادا کیا جاتا تھا، قاتل اگر مرچکا ہے تو اس کے خاندان یا قبیلے کے آدمی کو قتل کرتے تھے، اسی طرح خونبہا کا مطالبہ بھی اَبًا عَن جَدٍ چلا آتا تھا، یہ خون کا انتقام عرب مین سب سے بڑے فخر کی بات تھی، اس طرح اور اور بہت سی لغو باتین، مفاخر قومی مین داخل ہوگئی تھین، اسلام اِن سب کے مٹانے کے لیے آیا تھا، اور اس بناپر آپ نے انتقام، اور خونبہا، اور نیز اور تمام غلط مفاخرات کی نسبت فرمایا کہ "مین نے انکو پاؤن سے کچلدیا"

عرب، اور تمام دنیا مین نسل، اور قوم وخاندان کے امتیاز کی بناپر، ہر قوم مین فرق مراتب قائم کیے گئے تھے، جسطرح ہندوؤن نے چار ذاتین قائم کین، اور شودر کو وہ درجہ دیا جو جانورون کا درجہ ہے، اسکے ساتھ یہ بندش کردی کہ وہ کبھی اپنے رتبہ سے ایک ذرہ آگے نہ بڑھنے پائے،

اسلام کا سب سے بڑا احسان، جو اُسنے تمام دنیا پر کیا، مساوات عام کا قائم کرنا تھا، یعنی عرب عجم، شریف ورذیل، شاہ وگدا سب برابر ہین، ہر شخص ترقی کے ہر انتہائی درجہ تک پہنچ سکتا ہے، اِس بناپر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے قرآن مجید کی آیت پڑھی، اور پھر توضیح فرمائی کہ "تم سب اولاد آدم ہو، اور آدم مٹی سے بنے تھے"

خطبہ کے بعد آپ نے مجمع کیطرف دیکھا تو جبّارانِ قریش سامنے تھے، اِن مین وہ حوصلہ مند بھی تھے، جو اسلام کے مٹانے مین سب کے پیشرو تھے، وہ بھی تھے جنکی زبانین رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) پر گالیون کے بادل برسایا کرتی تھین، وہ بھی تھے جنکی تیغ وسنان نے پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیان کین تھین، وہ بھی تھے جنھون نے آنحضرت صلعم کے راستہ مین کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ایڑیون کو لہولہان کردیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جنکی تشنہ لبی، خون نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہین سکتی تھی، وہ بھی تھے جنکے حملون کا سیلاب مدینہ کی دیوارون سے آآ کر ٹکراتا تھا، وہ بھی تھے جو مسلمانون کو جلتی ہوئی ریگ پر لٹا کر اُن کے سینون پر آتشین مہرین لگایا کرتے تھے،

رحمتِ عالم نے اُنکی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ مین پوچھا "تم کو کچھ معلوم ہے؟ مین تم سے کیا معاملہ

کرنے والا ہون"

یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، بیرحم تھے، لیکن مزاج شناس تھے، پکار اُٹھے کہ

أَخٌ كَرِيمٌ وَابْنُ أَخٍ كَرِيمٍ — تو شریف بھائی ہے، اور شریف برادرزادہ ہے،

ارشاد ہوا،

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ — تم پر کچھ الزام نہین، جاؤ تم سب آزاد ہو،[1]

کفار مکہ نے تمام مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کرلیا تھا، اب وقت تھا کہ اُن کو اُن کے حقوق دلائے جاتے لیکن آپ نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی مملوکات سے دست بردار ہوجائین،

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ نے بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی، وہی سرکش جو ابھی رام ہو چکے تھے، اُنکی آتشِ غیرت پھر مشتعل تھی، عتاب بن اسید نے کہا خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز سننے سے پہلے اُسکو دنیا سے اُٹھا لیا[2]، ایک اور سردار قریش نے کہا "اب جینا بیکار ہے[3]"

مقام صفا مین آپ ایک بلند مقام پر بیٹھے، جو لوگ اسلام قبول کرنے آتے تھے آپ کے ہات پر بیعت کرتے تھے، مردون کی باری ہوچکی تو مستورات آئین، عورتون سے بیعت لینے کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے اُن سے ارکان اسلام اور محاسنِ اخلاق کا اقرار لیا جاتا تھا، پھر پانی کے ایک لبریز پیالہ مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) دستِ مبارک ڈبو کر نکال لیتے تھے، آپکے بعد عورتین اسی پیالہ مین ہات ڈالتی تھین، اور بیعت کا معاہدہ پختہ ہوجاتا تھا،

ان مستورات مین ہند بھی آئی، یہ وہی ہند ہے جو رئیس العرب عتبہ کی بیٹی، اور امیر معاویہ کی مان تھی، حضرت حمزہؓ کو اسی نے قتل کرایا تھا اور ان کا سینہ چاک کرکے کلیجہ چبا گئی تھی، وہ نقاب پہنکر آئی، شریف عورتین عموماً نقاب پہنتی تھین، لیکن اُسوقت یہ غرض بھی تھی کہ کوئی اُسکو پہچاننے نپائے، بیعت کے وقت اُسنے (نہایت دلیری بلکہ گستاخی

---

[1] طبری بروایت محمد بن اسحاق، یہ لوگ تاریخ اسلام مین اسی لفظ (طلقاء) سے پکارے جاتے ہین، صحیح بخاری غزوۂ حنین مین مذکور ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طلقاء بھی شریک تھے، کتب سیر مین مذکور ہے کہ انکی تعداد دو ہزار تھی، [2] ابن ہشام،
[3] اصابہ تذکرہ عتاب بن اسید،

سے) باتین کین جو حسب ذیل ہین،

ہند	یارسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ ہمسے کن باتون کا اقرار لیتے ہین؟
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)	خدا کے ساتھ کسی کو شریک نکرنا،
ہند	یہ اقرار آپنے مردون سے تو نہین لیا، لیکن بہر حال ہمکو منظور ہے،
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)	چوری نہ کرنا،
ہند	مین اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال مین سے دو چار آنے کبھی لے لیا کرتی ہون، معلوم نہین یہ بھی جائز ہے یا نہین،
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)	اولاد کو قتل نہ کرنا،
ہند	رَبَّیْنَاهُمْ صِغَارًا وَقَتَلْتَهُمْ كِبَارًا فَأَنْتَ وَهُمْ أَعْلَمُ ہمنے تو اپنے بچونکو پالا تھا، بڑے ہوے تو جنگ[1] بدر مین آپنے اُنکو مار ڈالا، اب آپ اور وہ باہم سمجھ لین،

روسائے عرب مین دس شخص تھے، جو قریش کے سرتاج تھے، ان مین صفوان بن امیۃ جدہ بھاگ گئے، عمیر بن وہب نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین آکر عرض کی کہ رئیس عرب مکہ سے جلاوطن ہوا جاتا ہے، آپ نے علامت امان کے طور پر اپنا عمامہ عنایت کیا، عمیر جدہ پہنچکر انکو واپس لائے، حُنین کے معرکہ تک یہ اسلام نہین لائے[2]،

عبد اللہ بن زبعری، عرب کا مشہور شاعر جو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ہجوین کہا کرتا، اور قرآن مجید پر نکتہ چینیان کرتا تھا، نجران بھاگ گیا، لیکن پھر آکر اسلام لایا،

ابوجہل کا بیٹا عکرمہ یمن چلا گیا، لیکن اسکی حرم (ام حکیم) نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے امان لی اور

---

[1] جنگ بدر مین ہند کے لڑکے کافرون کے ساتھ شریک ہوکر لڑے تھے، اور لڑکر مارے گئے تھے، [2] طبری و اصابہ ذکر صفوان بن اُمیۃ،

جا کر بمن سے لائین، یہ واقعہ ابوجہل سے کہنے کے قابل نہین کہ اُسکا جگر بند کفر کی گود سے نکلکر اسلام کی آغوش مین آگیا، اور اب ہم اسکو عکرمہ کے بجائے حضرت عکرمہ کہتے ہین،

اشتہار یافتہ قتل ارباب سیر کا بیان ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے گو اہلِ مکہ کو امن عطا کیا تھا، تاہم دس شخصون[1] کی نسبت حکم دیا کہ جہان ملین قتل کر دیے جائین، ان مین سے بعض مثلاً عبد اللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ، خونی مجرم تھے اور قصاص مین قتل کئے گئے، لیکن متعدد ایسے تھے کہ اُنکا صرف یہ جرم تھا کہ وہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو مکہ مین ستایا کرتے تھے، یا آپ کی ہجو مین اشعار کہا کرتے تھے، ان مین سے ایک عورت اِس جرم پر قتل کی گئی کہ وہ آپ کی ہجویہ اشعار گایا کرتی تھی،

لیکن محدثانہ تنقید کی رُو سے یہ بیان صحیح نہین، اس جُرم کا مجرم تو سارا مکہ تھا، کفارِ قریش مین سے (بجز دو چار کے) کون تھا جسنے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو سخت سے سخت ایذائین نہین دین، باانیہمہ انہی لوگون کو یہ مژدہ سنا دیا گیا کہ انتم الطلقاء، جن لوگون کا قتل بیان کیا جاتا ہے وہ تو نسبتہً بہت کم درجہ کے مجرم تھے، حضرت عائشہ صدیقہ کی یہ روایت صحاح ستہ مین موجود ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے کسی سے ذاتی انتقام نہین لیا، خیبر

---

[1] (حافظ مغلطائی نے پندرہ نام مختلف حوالون سے جمع کئے ہین، جو خود محدثین کے نزدیک غیر محتاطانہ ہین، عام ارباب سیرت نے دس شخصون کے نام لیے ہین، ابن اسحاق نے ۸ نام گنائے ہین، ابوداؤد، اور دارقطنی کی روایت مین صرف چھ (۶) ہین، بخاری مین صرف ابن خطل کے قتل کا واقعہ مذکور ہے، اس سے ظاہر ہو گا کہ تحقیق کا دائرہ جسقدر وسیع ہوتا جاتا ہے، اُسی قدر تعداد کم ہوتی جاتی ہے،

عام روایت کے رو سے جن دس شخصون کی سزاے موت کا اعلان کیا گیا تھا، اُنکا حال یہ ہے کہ وہ شدید مجرم تھے، تاہم سات اشخاص خلوص سے ایمان لائے اور انکو معافی دیدی گئی، صرف تین شخص قتل ہوئے، دو مرد، اور ایک عورت، عبد اللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ، اور قریبہ ابن خطل کی لونڈی، ابن خطل اور ابن صبابہ دونون خونی مجرم تھے، ابن خطل نے جو اسلام لا چکا تھا، اپنے ایک مسلمان خادم کو قتل کر کے مرتد ہو گیا تھا، مقیس بن صبابہ کا واقعہ یہ ہے کہ اس کا ایک بھائی ایک انصاری کے ہات سے غلطی سے مارا گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکی دیت ادا کر دی تھی، تاہم مقیس منافقانہ اسلام لایا اور غدر سے اِس انصاری کو قتل کر دیا، قریبہ جو ابن خطل کی لونڈی تھی، مکہ کی ایک مغنیہ تھی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجو مین گیت گایا کرتی تھی[2])

([2] دیکھو زرقانی اور ابن ہشام ذکر فتح مکہ)

مین جس یہودی عورت نے آپ کو زہر دیا، اسکی نسبت لوگون نے دریافت بھی کیا کہ اُسکے قتل کا حکم ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ نہین، خیبر کے کفرستان مین اگر ایک یہودیہ زہر دیکر رحمتِ عالم کے طفیل سے جانبر ہوسکتی ہی تو حرم مین اِس سے کم درجہ کے مجرم عفوِ نبوی سے کیونکر محروم رہ سکتے ہین،

اگر درایت پر قناعت نہ کی جائے تو روایت کے لحاظ سے بھی یہ واقعہ بالکل ناقابل اعتبار رہ جاتا ہی صحیح بخاری مین صرف ابن خطل کا قتل مذکور ہے، اور یہ عموماً مسلّم ہی کہ وہ قصاص مین قتل کیا گیا، مقیس کا قتل بھی شرعی قصاص تھا باقی جن لوگون کی نسبت حکم قتل کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ کسی زمانہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا کرتے تھے، وہ روایتین صرف ابن اسحاق تک پہنچکر ختم ہوجاتی ہین، یعنی اصول حدیث کی رو سے وہ روایت منقطع ہے جو قابلِ اعتبار نہین، ابن اسحاق کا فی نفسہٖ جو درجہ ہے، وہ ہم کتاب کے دیباچہ مین لکھ آئے ہین،

سب سے زیادہ معتبر روایت جو اس بارہ مین پیش کیجاسکتی ہے وہ ابوداؤد کی روایت[1] ہی جسمین مذکور ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ چار شخصون کو کہین امن نہین دیا جاسکتا، لیکن خود ابوداؤد نے اِس حدیث کو نقل کرکے لکھا ہی کہ اِس روایت کی سند جیسی چاہیے مجھکو نہین ملی، پھر اس کے بعد ابن خطل کی روایت[2] نقل کی ہے ایک اور روایت ابوداؤد نے اِس سے اوپر اسی مضمون کی نقل کی ہے اُس کا ایک راوی احمد بن المفضل ہی جسکو ازدی نے منکر الحدیث لکھا ہے، اور ایک راوی اسباط بن نصر ہے جسکی نسبت نسائی کا قول ہے کہ "قوی نہین ہے"

اگرچہ صرف اسقدر جرح کسی روایت کے نامعتبر ہونے کے لیے کافی نہین[3] لیکن واقعہ جس درجہ اہم ہے اُسکے لحاظ سے

---

[1] (یہ روایت دارقطنی اوخر کتاب الحج مین بھی مذکور ہی، لیکن اوپر کے رواۃ دونون کے ہان ایک ہی ہین، اگر اختلاف ہے تو یہ ہے کہ ابوداؤد مین اخیر راوی عمر بن عثمان اپنے دادا سے اور وہ اپنے باپ یعنی عمر کے پردادا سے روایت کرتا ہے اور دارقطنی مین عمر اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتا ہے، علمائے رجال جانتے ہین کہ دارقطنی نے غلطی کی ہی اسلیے اسکا پایہ اور بھی گرجاتا ہے، اسکے بعد متن حدیث بھی دونو نکے ہان مختلف ہی)

[2] ابوداؤد باب قتل الاسیر[3] (اس روایت کی نامعتبری کی شہادتین صرف اسی قدر نہین ہین، بلکہ اس سے بہت زیادہ ہین اصل سلسلۂ روایت یہ ہے حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ، حدثنا احمد بن المفضل، حدثنا اسباط بن نصر قال زعم السدی عن مصعب بن سعید، اخیر راوی تابعی ہی جو شریک واقعہ نہ تھا، اس کے بعد کا راوی سدی ہی جو مشہور دروغگو اور کاذب ہی اور لطف یہ ہے کہ اُس کے بعد کا راوی اسباط بن نصر اُسکو "زعم" گمان سے تعبیر کرتا ہے، واقعہ کی قطعیت کا دعوے نہین کرتا، اسلیے اس قدر جرح واقعۂ نامعتبری کے لیے بالکل کافی ہے)

راوی کی اسقدر جرح بھی روایت کے مشکوک ہونے کے لیے کافی ہے،

اِس مین شبہہ نہین کہ بعض سردارانِ قریش، جو مخالفینِ اسلام کے پیشرو تھے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تشریف آوری کی خبر سنکر مکہ سے بھاگ گئے، لیکن یہ صرف ابنِ اسحاق کا قیاس ہو کہ وہ اِس وجہ سے بھاگ گئے تھے کہ اُن کے قتل کا حکم دیا گیا تھا، اِن اشتہاری مفرورین مین ابن اسحاق نے عکرمہ کو بھی شمار کیا ہو جو ابوجہل کے فرزند تھے، لیکن موطائے امام مالک مین جسکی نسبت امام شافعی کا قول ہے کہ آسمان کے نیچے (قرآن کے علاوہ) کوئی کتاب اِس سے زیادہ صحیح نہین، یہ واقعہ جس طرح منقول ہے اُس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے:-

"حارث بن ہشام کی صاحبزادی، ام حکیم، عکرمہ بن ابی جہل کی زوجہ تھین، وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائین لیکن ان کے شوہر عکرمہ بن ابوجہل اسلام سے بھاگ کر یمن چلے گئے، ام حکیم یمن گئین اور ان کو اسلام کی دعوت دی، اور وہ مسلمان ہو گئے، اور مکہ مین آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُنکو دیکھا تو فرطِ مسرت سے فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے انکی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی، پھر ان سے بیعت لی" (کتاب النکاح)

یہ بات بھی اِس موقع پر خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگون کو امن دیا جاتا تھا، وہ اسلام پر مجبور نہین کیے جاتے تھے، تمام مورخین اور ارباب سیر نے تصریح کی ہے کہ حُنین کی لڑائی مین جو فتح مکہ کے بعد پیش آئی لشکرِ اسلام مین مکہ کے بہت سے کفار بھی شامل تھے جو اُس وقت تک کافر تھے اور شکست بھی زیادہ تر اِسی وجہ سے ہوئی کہ پہلے حملہ مین انھین کافرون کے قدم اُکھڑے، اور اِس ابتری کی وجہ سے مسلمانون کے قدم بھی نہ ٹھہر سکے،

خزائن حرم حرم مین نذور اور ہدایا کا خزانہ ایک مدت سے جمع ہوتا چلا آتا تھا، وہ محفوظ رکھا گیا، لیکن مجسمہ جات اور تصویرین برباد کردی گئین، انمین حضرت ابراہیم، اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے مجسمے بھی تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر بھی تھی[۱] جس سے لوگون نے قیاس کیا کہ کسی زمانہ مین عیسائیت کا اثر زیادہ غالب ہوگیا تھا۔ رنگین تصویرین جو دیوارون پر

---

[۱] فتح الباری ذکر فتح مکہ،

تھین، مٹانے پر بھی اُن کے دُھندلے نشان رہ گئے تھے۔ اور حضرت عبد اللہ بن زبیر کی تعمیر تک باقی رہے ہے

مکہ معظمہ مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا قیام پندرہ دن تک رہا، جب یہان سے روانہ ہوئے تو حضرت معاذ بن جبل کو اس خدمت پر مقرر کرتے گئے کہ لوگون کو اسلام کے مسائل اور احکام سکھائین،

فتح مکہ اور بت شکنی

فتح مکہ کا اصلی مقصد اشاعتِ توحید اور اعلاءِ کلمۃ اللہ تھا، کعبہ مین سیکڑون بت تھے، جنمین ہُبل بھی تھا، جو بُت پرستون کا خداے اعظم تھا، یہ انسان کی صورت کا تھا، اور یاقوتِ احمر سے بنا تھا، سب سے پہلے جس نے اس کو کعبہ مین لاکر رکھا تھا، خزیمۃ بن مدرکہ تھا، جو مُضر کا پوتا، اور عدنان کا پرپوتا تھا، ہبل کے سامنے سات تیر رہتے تھے، جن پر "لا" و "نعم" لکھا ہوتا تھا، عرب جب کوئی کام کرنا چاہتے تھے تو ان تیرون پر قرعہ ڈالتے، اور "ہان" یا "نان" جو کچھ نکلتا اُس پر عمل کرتے[1]، جنگ اُحد مین ابوسفیان نے اِسی ہُبل کی جے پکاری تھی، وہ عین کعبہ کے اندر تھا، چنانچہ جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کعبہ مین داخل ہوئے تو اور بتون کے ساتھ وہ بھی برباد کر دیا گیا،

مکہ کے اطراف مین اور بہت سے بڑے بڑے بُت تھے، جنکے لیے حج کی رسمین ادا کی جاتی تھین، ان مین سب سے بڑے لات، مناۃ، اور عُزّیٰ تھے، عُزّیٰ قریش کا، اور لات اہلِ طائف کا معبود تھا، مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر نخلہ ایک مقام ہے عُزّےٰ یہین منصوب تھا، بنو شیبان اُسکے متولّی تھے، اہلِ عرب کا اعتقاد تھا کہ خدا جاڑون مین "لات" کے ہان، اور گرمیون مین "عُزّیٰ" کے ہان بسر کرتا ہے، عُزّیٰ کے سامنے عرب وہ تمام مناسک اور رسوم بجالاتے تھے جو کعبہ مین بجالاتے تھے، اُس کا طواف کرتے اور اُسپر قربانیان چڑھاتے[2]۔

مناۃ کا تخت گاہ مُشلّل تھا، جو قدید کے پاس، مدینہ منورہ سے سات میل ادھر ہے، وہ ایک بن گھڑا پتھر تھا، ازد، غسان، اوس، اور خزرج، اُس کا حج کرتے تھے، عمرو بن لحی نے جو اصنام قائم کئے تھے، یہ اُن سب مین بالاتر تھا، اوس، اور خزرج، جب کعبہ کا حج کرتے تو احرام اُتارنے کی رسم (بال منڈانا) اِسی کے پاس

---

[1] فتح الباری ذکر فتح مکہ (اخبار مکہ ازرقی مین بہ تفصیل یہ واقعات مذکور ہین) [2] معجم البلدان ذکر ہبل بحوالہٴ ہشام بن محمد کلبی [3] یہ تمام تفصیل زرقانی جلد دوم صفحہ ۴۰۰ مین ہے،

آگر ادا کرتے تھے[1]،

قبیلۂ ہذیل کا بت سواع تھا، جو ینبع کے اطراف رہاط مین تھا، یہ ایک پتھر تھا، اُس کے متولی بنولحیان تھے،

بُت پرستی کے یہ وہ طلسم تھے جن مین سارا عرب گرفتار تھا، اب اُن کی بربادی کا وقت آچکا تھا، اور دفعتہ ہر جگہ خاک اُڑنے لگی،

---

[1] معجم البلدان ذکر مناة،

ہوازن وثقیف

غزوۂ حُنین، واوطاس، وطائف

شوال ۸ھ

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ

حنین — حُنین، مکّہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے، ذوالمجاز عرب کا مشہور بازار اور عرفہ سے تین میل ہے، یہ اُس کے دامن میں ہے، اِس مقام کو اوطاس بھی کہتے ہین، ہوازن ایک بڑے قبیلہ کا نام ہے جسکی بہت سی شاخین ہین،

اسلام کی فتوحات کا دائرہ گو وسیع ہوتا جاتا تھا لیکن اہلِ عرب یہ دیکھ رہے تھے کہ اُنکا قبلۂ اعظم یعنی مکّہ ابتک محفوظ ہے ان کا خیال تھا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اگر قریش پر غالب آ گئے اور مکّہ فتح ہو گیا، تو بے شبہہ وہ سچے پیغمبر ہین، مکّہ جب فتح ہوا تو تمام قبائل نے خود پیشقدمی کی اور اسلام قبول کرنا شروع کیا[۱] لیکن ہوازن اور ثقیف پر اس کا اُلٹا اثر ہوا، یہ قبیلے نہایت جنگجو اور فنون جنگ سے واقف تھے، اِسلام کو جسقدر غلبہ ہوتا جاتا تھا یہ زیادہ مضطر ہوتے[۲] تھے کہ اُنکی ریاست اور امتیاز کا خاتمہ ہوا جاتا ہے اِس بنا پر فتح مکّہ سے پہلے ہوازن کے روسا نے عرب کا دورہ کیا اور ہر جگہ مخالفتِ اسلام کا جوش پھیلایا، پورے سال بھر تک اُنکی یہ کوشش جاری رہی[۳]، اور تمام قبائل عرب سے قرار داد ہو گئی کہ ایک عام حملہ کیا جائے، مکّہ فتح ہوا تو ان کو یقین ہو گیا کہ اب جلد تدارک نہ کیا گیا تو پھر کوئی طاقت اسلام کو زیر نہ کر سکے گی،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی روانگی کے وقت ان کو یہ غلط خبر پہنچی تھی کہ حملہ کا رُخ اِنہی کی طرف ہے، اِسلیے

---

[۱] صحیح بخاری، ذکر فتح مکّہ، باب مقام النبی بمکّہ، [۲] مارگولیس صاحب لکھتے ہین حکومت اسلامی کی وسعت اور استحکام سے بدوی قبائل جنکو ریگستان کی آزادی بہت عزیز تھی نہایت خائف تھے، [۳] زرقانی بر مواہب لدنیہ،

اب انتظار کی حاجت بھی نہین رہی، دفعۃً بڑے زور شور کے ساتھ خود حملہ کے لیے بڑھے، جوش کا یہ عالم تھا کہ ہر قبیلہ اپنا تمام اہل وعیال لیکر آیا کہ بچے اور عورتین ساتھ ہونگی تو انکی حفاظت کی غرض سے لوگ جانین دیدین گے،

اِس معرکہ مین اگرچہ ثقیف اور ہوازن کی تمام شاخین شریک تھین، تاہم کعب اور کلاب الگ رہے، فوج کی سرداری کے لیے، دو شخص انتخاب کیے گئے، مالک بن عوف، اور درید بن الصمۃ، اوّل الذکر قبیلۂ ہوازن کا رئیس اعظم تھا، درید بن الصمۃ، عرب کا مشہور شاعر اور قبیلۂ جشم کا سردار تھا، اسکی شاعری اور بہادری کے معرکے ابتک عرب کی تاریخ مین یادگار ہین، لیکن اسکی عمر سو برس سے زیادہ ہو چکی تھی، اور صرف ہڈیون کا ڈھانچہ رہ گیا تھا تاہم چونکہ عرب اس کو مانتا تھا اور اسکی راے وتدبیر پر تمام ملک کو اعتماد تھا، خود مالک بن عوف نے اِس سے شرکت کی درخواست کی، پلنگ پر اُٹھا کر اُس کو میدان جنگ مین لاے، اُسنے پوچھا کہ یہ کونسا مقام ہے، لوگون نے کہا "اوطاس" بولا کہ "ہان یہ مقام جنگ کے لیے موزون ہے، اسکی زمین نہ بہت سخت ہے، نہ اسقدر نرم کہ پانون دھنس جائین" پھر پوچھا کہ "یہ بچون کے رونے کی آوازین کیسی آرہی ہین"؟ لوگون نے کہا "بچے اور عورتین ساتھ آئی ہین کہ کوئی شخص پانون پیچھے نہ ہٹاے" بولا کہ "جب پانون اُکھڑ جاتے ہین تو کوئی چیز روک نہین سکتی، میدان جنگ مین صرف تلوار کام دیتی ہے، بدقسمتی سے اگر شکست ہوئی تو عورتون کی وجہ سے اور بھی ذلت ہوگی"

پھر پوچھا کہ کعب، اور کلاب بھی شریک ہین یا نہین" اور جب یہ معلوم ہوا کہ اِن معزز قبیلون کا ایک شخص بھی میدان جنگ مین نہین، تو کہا "اگر آج کا دن عزت وشرف کا دن ہوتا تو کعب وکلاب غیر حاضر نہوتے" اسکی راے تھی کہ میدان سے ہٹ کر کسی محفوظ مقام مین فوجین جمع کیجائین اور وہین اعلان جنگ کیا جاے، لیکن مالک بن عوف نے جو سی سالہ نوجوان تھا، جوش شباب مین اِس راے کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ آپ خرف ہو چکے، آپ کی عقل بے کار ہو چکی،[1]

رسول اللہ (صلے اللہ علیہ) کو ان واقعات کی خبر پہنچی تو آپ نے تصدیق کے لیے عبد اللہ بن ابی حدرد کو

[1] یہ تمام تفصیل طبری مین ہے،

بھیجا، وہ جاسوس بنکر حنین مین آئے اور کئی دن تک فوج مین رہ کر تمام حالات تحقیق کیے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجبوراً مقابلہ کی طیاریان کین، رسد اور سامان جنگ کے لیے قرض کی ضرورت پیش آئی، عبداللہ بن ربیعہ جو ابوجہل کے ماں بھائی تھے، نہایت دولتمند تھے، اُن سے تیس ہزار درہم قرض لیے[1]، صفوان بن امیہ جو مکہ کا رئیس اعظم اور مہمان نوازی مین مشہور تھا لیکن ابتک اسلام نہین لایا تھا، اُس سے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اسلحۂ جنگ مستعار مانگے، اُسنے سو زرہین اور اُن کے لوازمات پیش کیے[2]،

شوال سنہ ۸ھ مطابق جنوری فروری سنہ ۶۳۰ء اسلامی فوجین جنکی تعداد بارہ ہزار تھی، اِس سرو سامان سے حنین پر بڑھین کہ صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکلگیا کہ آج ہمپر کون غالب آسکتا ہے، لیکن بارگاہ ایزدی مین یہ نازش پسندیدہ نہ تھی،

وَیوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم	اور حنین کا دن یاد کرو، جب تم اپنی کثرت پر نازان تھے
شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت	لیکن وہ کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے
ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ	تم پر تنگی کرنے لگی، پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے، پھر اللہ نے
علی رسولہ وعلی المومنین وانزل جنوداً لم	اپنے رسول پر اور مسلمانون پر تسلّی نازل کی، اور ایسی فوجین
تروھا وعذب الذین کفروا وذلک	بھیجین جو تمنے نہین دیکھین، اور کافرون کو عذاب دیا
جزاء الکفرین (توبہ)	اور کافرون کی یہی سزا ہے،

فتح کے بجائے وہلۂ اوّل مین مطلع صاف تھا، رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو رفقائے خاص مین سے بھی کوئی پہلو مین نہ تھا[3]، حضرت ابوقتادہؓ جو شریک جنگ تھے ان کا بیان ہے کہ جب لوگ بھاگ نکلے تو مین نے ایک کافر کو دیکھا کہ ایک مسلمان کے سینہ پر سوار ہے، مین نے عقب سے اُسکے شانہ پر تلوار ماری، جو زرہ کو کاٹ کر اندر

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۶۵، اصابہ مین امام بخاری سے بھی یہ روایت نقل کی ہے، لیکن اُسمین دس ہزار کی تعداد ہے، ....

[2] موطا مین ہے کہ جب آپنے اس سے ہتیار مانگے تو اس نے کہا جبراً یا طوعاً (یعنی جبراً مانگتے ہو تو مین نہین دیتا) آپنے فرمایا جبراً نہین طوعاً (ابوداؤد باب العاریۃ مین بھی اسی قسم کی روایت ہے)

[3] لیکن اور روایتون مین چند صحابہ کا ثابت قدم رہنا مذکور ہے، ان دونون روایتون کی تطبیق یہ ہے کہ یہ دو مختلف وقتون کے حالات ہین، راوی نے اپنا مشاہدہ لکھا ہے تفصیل آگے آئے گی،

اتر گئی، اُسنے مڑ کر مجھکو اس زور سے دبوچا کہ میری جان پر بن گئی، لیکن پھر وہ ٹھنڈا ہو کر گر پڑا، اِسی اثنا میں مین نے عمرؓ کو دیکھا، پوچھا کہ مسلمانون کا کیا حال ہے، بولے کہ قضاے الٰہی یہی تھی[1]،

شکست کے مختلف اسباب تھے، مقدمۃ الجیش مین، جو حضرت خالدؓ کی افسری مین تھا، زیادہ تر فتح مکہ کے جدید الاسلام نوجوان تھے، وہ جوانی کے غرور مین اسلحۂ جنگ پہنکر بھی نہین گئے تھے[2]، فوج مین دو ہزار طلقا یعنی وہ لوگ تھے جو اب تک اسلام نہین لائے تھے، ہوازن تیراندازی مین تمام عرب مین اپنا جواب نہین رکھتے تھے، میدان جنگ مین انکا ایک تیر بھی خالی نہین جاتا تھا[3]، کفار نے معرکہ گاہ مین پہلے پہنچکر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا تھا، اور تیراندازون کے دستے پہاڑ کی گھاٹیون، کھوُون، اور درون مین جابجا جما دیے تھے، فوج اسلام نے صبح کے وقت جب کہ خوب اجالا ابھی نہین ہوا تھا، حملہ کیا، میدان جنگ اِس قدر نشیب مین تھا کہ پانون جم نہین سکتے تھے، حملہ آورون کا بڑھنا تھا کہ سامنے سے ہزارون فوجین ٹوٹ پڑین، ادھر کمین گاہون سے تیراندازون کے دستے نکل آئے اور تیرون کا مینھ برسا دیا، مقدمۃ الجیش ابتری کے ساتھ بیقابو ہو کر پیچھے ہٹا، اور پھر تمام فوج کے پانون اُکھڑ گئے صحیح بخاری مین ہے فادبروحتی بقی وحدہ، یعنی سب لوگ ٹل گئے، اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اکیلے رہ گئے،

تیرون کا مینھ برس رہا تھا، بارہ ہزار فوجین ہوا ہو گئی تھین، لیکن ایک پیکر مقدس پا بر جا تھا، جو تنہا ایک فوج ایک ملک، ایک اقلیم، ایک عالم، بلکہ مجموعۂ کائنات تھا،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا، یا معشر الانصار! آواز کے ساتھ صدا آئی "ہم حاضر ہین" پھر آپنے بائین جانب مڑ کر پکارا، اب بھی وہی آواز آئی، آپ سواری سے اُتر پڑے اور جلال نبوت کے لہجہ مین فرمایا "مین خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہون[4]"

بخاری کی دوسری روایت مین ہے کہ یہ رجز آپ کی زبان پر تھا،

انا النبی لا کذب — مین پیغمبر ہون، یہ جھوٹ نہین ہے،

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ حنین، [2] بخاری باب الجہاد، [3] بخاری باب الجہاد، [4] صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۲۱، غزوۂ حنین،

انا ابن عبد المطلب   مین عبد المطلب کا بیٹا ہون،

حضرت عباس نہایت بلند آواز تھے، آپنے اُن کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو، اُنھون نے نعرہ مارا،

یا معشر الانصار   او گروہ انصار

یا اصحاب الشجرۃ   او اصحاب الشجرۃ (بیعت رضوان والے)

اِس پُر اثر آواز کا کانون مین پڑنا تھا کہ تمام فوج دفعۃً پلٹ پڑی، جن لوگون کے گھوڑے کشمکش اور گھسان کیوجہ سے مڑ نہ سکے، اُنھون نے زرہین پھینکدین، اور گھوڑون سے کود پڑے، دفعۃً لڑائی کا رنگ بدل گیا، کُفّار بھاگ نکلے، اور جو رہ گئے اُنکے ہاتھون مین ہتکڑیان تھین، بنو مالک (ثقیف کی ایک شاخ تھی) جمکر لڑے لیکن اُنکے ستّر آدمی مارے گئے، اور جب اُنکا علمبردار، عثمان بن عبد اللہ بھی مارا گیا تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہسکے،

شکست خوردہ فوج ٹوٹ پھوٹ کر (کچھ) اوطاس مین جمع ہوئی اور کچھ) طائف مین جاکر پناہ گزین ہوئی جسکے ساتھ سپہ سالار لشکر (مالک بن عوف) بھی تھا،

اوطاس دُرید بن الصمۃ، کئی ہزار کی جمعیت لیکر اوطاس مین آیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (ابو عامر اشعری کے ماتحت) تھوڑی سی فوج اُسکے استیصال کے لیے بھیجدی (ابو عامر، دُرید کے بیٹے کے ہات سے مارے گئے اور علم اسلام اُسکے ہات مین تھا، یہ حالت دیکھکر حضرت ابو موسیٰ اشعری نے آگے بڑھکر حملہ کیا، دشمن کو قتل کرکے علم اُسکے ہاتھ سے چھین لیا[1]) ابن دُرید ایک شتر پر ہودج مین سوار تھا، ربیعۃ بن رفیع نے اُسپر تلوار کا وار کیا لیکن اُچٹ کر رہگئی، اُسنے کہا "تیری مان نے تجھکو اچھے ہتیار نہین دیے" پھر کہا کہ "میرے محمل مین تلوار ہے" نکال لو، اور جب مان کے پاس واپس جانا تو کہنا کہ مین نے درید کو قتل کردیا" ربیعہ نے جاکر مان کو اُسکے قتل کی خبر دی تو اُسنے کہا "خدا کی قسم، درید نے تیری تین ماؤن کو آزاد کرایا تھا[2]"

اسیران جنگ کی تعداد ہزارون سے زیادہ تھی، ان مین حضرت شیما بھی تھین جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

---

(1) مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۹۹ (2) طبری، صفحہ ۱۶۶۷ مطبوعہ یورپ،

کی رضاعی بہن تھین، لوگون نے جب اُنکو گرفتار کیا تو اُنھون نے کہا "مین تمھارے پیغمبر کی بہن ہون" لوگ تصدیق کے لیے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس لائے، اُنھون نے پیٹھ کھولکر دکھائی کہ ایک دفعہ بچپن مین آپنے دانت سے کاٹا تھا، یہ اُس کا نشان ہے، فرطِ محبت سے آپکی آنکھون مین آنسو بھر آئے، اُنکے بیٹھنے کے لیے خود ردائے مُبارک بچھائی، مُحبّت کی باتین کین، چند شتر اور بکریان عنایت فرمائین، اور ارشاد کیا کہ جی چاہے تو میرے گھر چلکر رہو، اور اگر گھر جا ہو تو وہان پونچا دیا جائے[1]، اُنھون نے خاندان کی مُحبّت سے وطن جانا چاہا، چنانچہ عزّت اور احترام کے ساتھ بھنچا دی گئین،

محاصرۂ طائف حُنین کی بقیہ شکست خوردہ فوج، طائف مین جاکر پناہ گزین ہوئی، اور جنگ کی طیّاریان شروع کین، طائف نہایت محفوظ مقام تھا، طائف اُسکو اِس لیے کہتے ہین کہ اُسکے گرد، شہر پناہ کے طور پر چار دیواری تھی، یہان ثقیف کا جو قبیلہ آباد تھا، نہایت شجاع، تمام عرب مین ممتاز، اور قریش کا گویا ہمسر تھا، عروۃ بن مسعود، جو یہان کا رئیس تھا، ابو سفیان، (امیر معاویہ کے باپ) کی لڑکی اُسکو بیاہی تھی، کفّار مکّہ کہتے تھے کہ قرآن اگر اترتا تو مکّہ یا طائف کے روسا پر اُترتا، یہان کے لوگ فنِ جنگ سے بھی واقف تھے، طبری اور ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ عروۃ بن مسعود، اور غیلان بن سلمۃ نے جرش (یمن کا ایک ضلع) مین جاکر قلعہ شکن آلات، یعنی دبابۃ، ضبوّر، اور منجنیق کے بنانے اور استعمال کرنے کا فن سیکھا تھا[2]،

یہان ایک محفوظ قلعہ تھا، اہلِ شہر، اور حنین کی شکست خوردہ فوج نے اُسکی مرمّت کی، سال بھر کا رسد کا سامان جمع کیا، چارون طرف منجنیقین اور جا بجا قدر انداز متعین[3] کیے،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے حنین کے مالِ غنیمت اور اسیرانِ جنگ کے متعلق حکم دیا کہ جعرانہ مین محفوظ رکھے جائین، اور خود طائف کا عزم کیا، حضرت خالدؓ مقدمۃ الجیش کے طور پر پہلے روانہ کردیے گئے تھے، غرض محاصرہ ہوا، اور اسلام مین یہ پہلا موقع تھا کہ قلعہ شکن آلات، یعنی دبابۃ، اور منجنیق استعمال کیے گئے، دبابۃ پر اہلِ قلعہ

---

[1] طبقات ابن سعد، و اصابہ، و طبری، [2] طبری، صفحہ ۱۶۶۹، مطبوعہ یورپ، [3] تاریخ خمیس جلد دوم صفحہ ۱۲۲، و ابن سعد

نے لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں، اور اس شدت کی تیر باری کی کہ حملہ آوروں کو ہٹنا پڑا، بہت سے لوگ زخمی ہوئے، بیس دن تک محاصرہ رہا لیکن شہر فتح نہ ہو سکا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے نوفل بن معاویہ کو بلا کر پوچھا کہ تمھاری کیا رائے ہے؟ اُنھوں نے کہا، لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے اگر کوشش جاری رہی تو پکڑی جائیگی لیکن چھوڑ دی جائے تب بھی کچھ اندیشہ نہین،

چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے حکم دیا کہ محاصرہ اُٹھا لیا جائے، صحابہؓ نے عرض کی کہ آپ انکو بددُعا دین، آپنے یہ دعا دی[1]،

اَللّٰھُمَّ اھدِ ثقیفا وائت بھم — اے خدا ثقیف کو ہدایت کر اور توفیق دے کہ میرے پاس حاضر ہو جائیں،

تقسیم غنائم محاصرہ چھوڑ کر آپ جعرانہ مین تشریف لائے، غنیمت کا بیشمار ذخیرہ تھا، چھ ہزار اسیران جنگ، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریان، اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی[2]، اسیران جنگ کے متعلق آپ نے انتظار کیا کہ اُنکے عزیز و اقارب آئین تو اُن سے گفتگو کی جائے لیکن کئی دن گذرنے پر کوئی نہ آیا، مالِ غنیمت کے پانچ حصے کیے گئے، چار حصے حسب قاعدہ اہلِ فوج کو تقسیم کیے گئے خمس بیت المال اور غربا و مساکین کے لیے رکھا گیا،

مکہ کے اکثر رؤسا جنھون نے حال مین اسلام قبول کیا تھا، ابھی تک مذبذب الاعتقاد تھے، اِنہی کو قرآن مجید مین مولفۃ القلوب کہا ہے، قرآن مجید مین جہان غنیمت کے مصارف بیان کئے ہین، ان لوگون کا نام بھی ہے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اِن لوگون کو نہایت فیاضانہ انعامات دیے جنکی تفصیل یہ ہے،

ابوسفیان، مع اولاد،	۳۰۰، اونٹ، اور ۱۲۰، اوقیہ چاندی،
حکیم بن حزام،	۲۰۰، اونٹ،
نضر بن حارث بن کلدہ ثقفی	۱۰۰، اونٹ
صفوان بن امیہ	۱۰۰، اونٹ

[1] ابن سعد، [2] طبقات ابن سعد،

قیس بن عدی،	۱۰۰	اونٹ
سہیل بن عمرو،	۱۰۰	اونٹ
حویطب بن عبدالعزیٰ،	۱۰۰	اونٹ
اقرع بن حابس،	۱۰۰	اونٹ
عُیینہ بن حصین،	۱۰۰	اونٹ
مالک بن عوف	۱۰۰	اونٹ

انکے سوا، بہت سے لوگون کو پچاس پچاس اونٹ عطا فرمائے، عام تقسیم کی روسے فوج کے حصّہ مین جو آیا، وہ فی کس چار اونٹ، اور چالیس بکریان تھین لیکن چونکہ سوارون کو تگنا حصّہ ملتا تھا، اسلیے ہر سوار کے حصّہ مین بارہ اونٹ، اور ایک سو بیس بکریان آئین،[1]

جن لوگون پر انعام کی بارش ہوئی، عموماً اہلِ مکّہ اور اکثر جدید الاسلام تھے، اِس پر انصار کو رنج ہوا بعضون نے کہا، رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے قریش کو انعام دیا، اور ہم کو محروم رکھا، حالانکہ ہماری تلوارون سے ابتک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں[2]، بعض بولے کہ مشکلات مین ہماری یاد ہوتی ہے، اور غنیمت اورون کو ملتی ہے[3]؛

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے یہ چرچے سُنے تو انصار کو طلب فرمایا، ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا جس مین لوگ جمع ہوے، آپنے انصار کی طرف خطاب کیا کہ کیا تمنے ایسا کہا؟ لوگون نے عرض کی کہ حضور! ہمارے سرآوردہ لوگون مین سے کسی نے یہ نہین کہا، نوخیز نوجوانون نے یہ فقرے کہے تھے[3] صحیح بخاری، باب مناقب الانصار مین حضرت انس رض سے روایت ہے کہ جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے انصار کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے؟ تو چونکہ انصار جھوٹ نہین بولتے تھے، اُنھون نے کہا آپنے جو سنا صحیح ہے،

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ طائف، [2] صحیح بخاری مطبوعہ مطبع نظامی، صفحہ ۶۲۰، [3] صحیح بخاری صفحہ ۶۲۰،

آپ نے ایک خطبہ دیا جسکی نظیر فن بلاغت مین نہین ملسکتی، انصار کیطرف خطاب فرماکر کہا،

"کیا یہ سچ نہین ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے، خدانے میرے ذریعہ سے تمکو ہدایت کی تم منتشر اور پراگندہ تھے،

خدانے میرے ذریعہ سے تم مین اتفاق پیدا کیا، تم مفلس تھے، خدانے میرے ذریعہ سے تمکو

دولتمند کیا"

آپ یہ فرماتے جاتے تھے، اور ہر فقرہ پر انصار کہتے جاتے تھے کہ "خدا اور رسول کا احسان سب سے بڑھکر ہے"[1]

آپنے فرمایا، نہین تم یہ جواب دو کہ "اے محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) تجھکو جب لوگون نے جھٹلایا، تو ہم نے تیری تصدیق

کی، تجھکو جب لوگون نے چھوڑدیا تو ہم نے پناہ دی، تو مفلس آیا تھا، ہم نے ہر طرح کی مدد کی"،

یہکر آپ نے فرمایا تم یہ جواب دیتے جاؤ، اور مین یہ کہتا جاؤن گا کہ تم سچ کہتے ہو، لیکن، اے انصار!

کیا تمکو یہ پسند نہین کہ اور لوگ اونٹ اور بکریان لیکر جائین اور تم محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لیکر اپنے گھر آؤ"[2]

انصار بے اختیار چیخ اُٹھے کہ "ہمکو صرف محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) درکار ہے" اکثرون کا یہ حال ہوا کہ روتے

روتے ڈاڑھیان تر ہوگئین، آپنے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہین، مین نے انکو جو کچھ دیا، حق

کی بنا پر نہین، بلکہ تالیف قلب کے لیے دیا،

حنین کے اسیران جنگ ابتک جعرانہ مین محفوظ تھے، ایک معزز سفارت آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم)

کی خدمت مین حاضر ہوئی کہ اسیران جنگ رہا کردیے جائین یہ قبیلہ وہ تھا کہ آپ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ

اسی قبیلہ کی تھین، رئیس قبیلہ (زہیر بن صرد) نے کھڑے ہوکر تقریر کی، اور آنحضرتؐ کی طرف مخاطب ہوکر کہا "جو عورتین

چھپرون مین محبوس ہین، انہی مین تیری پھوپھیان، اور تیری خالائین ہین، خدا کی قسم اگر سلاطینِ عرب مین سے

کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو اُن سے بہت کچھ اُمیدین ہوتین، اور تجھ سے تو اور بھی زیادہ

توقعات ہین" آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ "خاندان عبد المطلب کا جسقدر حصّہ ہے وہ تمھارا ہے، لیکن عام

[1] صحیح بخاری صفحہ ۶۲۰، [2] صحیح بخاری و فتح الباری، پوری تفصیل فتح الباری مین ہے،

رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے بعد جب مجمع ہو تو سب کے سامنے "یہ درخواست پیش کرو" نماز ظہر کے بعد ان لوگون نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی، آپ نے فرمایا "مجھکو صرف اپنے خاندان پر اختیار ہی لیکن مین تمام مسلمانون سے اُن کے لیے سفارش کرتا ہون" مہاجرین، اور انصار، فوراً بول اُٹھے "ہمارا حصہ بھی حاضر ہی" اسطرح چھ ہزار دفعتہ آزاد تھے۔

واقعاتِ متفرقہ

(اس سال جبکہ اسلام اپنا نظام حکومت قائم کر رہا تھا، بعض قوانین ملکی خدا نے نافذ فرمائے، چوری جو بدترین فعل انسانی ہے، اُسکے لیے قطع ید کی سزا قرآن مین نازل ہوئی اور اس مساوات کے ساتھ کہ آپ نے فرمایا کہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے تو اُسکے ہات کاٹے جائین،

شراب عرب کی گھٹی مین تھی، اُسکے متعلق تنبیہی احکام اِس سے پہلے نازل ہو چکے تھے، اِس سال قطعی حرمت نازل ہوئی، شراب کے ساتھ قماربازی بھی عرب کا خاص مشغلہ تھا، شراب پیکر جوا کھیلنا، اور تمام مال و متاع اِس لہو و لعب مین لٹا دینا ایک عرب فیاض کی بہترین مدح تھی، اِس سال قرآن نے اِس فعل کو نجاستِ شیطانی قرار دیا،

جاہلیت مین عرب کی قسمت کے مالک "ازلام" یعنی فال کے پانسے تھے، پانسون پر لکھا ہوتا تھا "یہ کام کرو" "یہ کام مت کرو" کسی کام کو کرنا چاہتے تو پانسہ پھینک کر پہلے دریافت کر لیتے کہ اُنکا کیا حکم ہی، اور پھر اسی کے مطابق عمل کرتے، اِس عقیدۂ فاسد کی اصلاح بھی اِسی سال قرار پائی،

حضرت ماریہ کے بطن سے اِسی سال ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ابراہیم رکھا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو اس بچہ سے نہایت محبت تھی لیکن ایکسال سے زیادہ زندہ نہ رہا، جسدن ابراہیم نے وفات پائی، سورج گرہن ہوا، عرب کا عقیدہ تھا کہ سورج گرہن کسی عظیم الشان انسان کی موت کی علامت ہے، لوگون نے سمجھا کہ یہ **ابراہیم** کی موت کا نتیجہ ہی، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے لوگونکو جمع کر کے خطبہ دیا کہ سورج اور چاند خدا کی قدرت ہین کسی کے مرنے اور جینے سے اُن مین گرہن نہین لگتا، اسکے بعد آپ نے کسوف کی نماز باجماعت ادا فرمائی[1]،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی صاحبزادی زینبؓ کا بھی اسی سال انتقال ہوا)

---

[1] بخاری باب کسوف،

۹ ھ

ایلاء اور تخییر
۹ ھ[1]

رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) زاہدانہ اور تمام زخارفِ دنیوی سے بیگانہ زندگی بسر کرتے تھے، دو دو مہینے گھر مین آگ نہین جلتی تھی، آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے، مدۃ العمر دو وقت برابر سیر ہو کر کھانا نصیب نہین ہوا،

ازواج مطہرات اس جنس لطیف مین شامل تھین جنکی مرغوب ترین چیز عموماً زیب وزینت اور ناز ونعمت ہی، اور گو شرفِ صحبت نے انکو تمام ابنائے جنس سے ممتاز کر دیا تھا، تاہم بشریت بالکل معدوم نہین ہوسکتی تھی خصوصاً وہ دیکھتی تھین کہ فتوحات اسلام کا دائرہ بڑھتا جاتا ہی، اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچگیا ہی کہ اس کا ادنی حصہ بھی انکی راحت وآرام کے لیے کافی ہوسکتا ہے، ان واقعات کا اقتضا تھا کہ انکے صبر وقناعت کا جام لبریز ہوجاتا تھا،

ازواج مطہرات مین بڑے بڑے گھرانون کی خاتونین تھین، حضرت اُم حبیبہؓ تھین جو رئیس قریش کی صاحبزادی تھین، حضرت جویریہؓ تھین جو قبیلہ بنی المصطلق کے رئیس کی بیٹی تھین، حضرت صفیہؓ تھین جنکا باپ خیبر کا رئیسِ اعظم تھا، حضرت عائشہؓ تھین جو حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھین، حضرت حفصہؓ تھین جنکے والد فاروقِ اعظم تھے، بشریت کی اقتضاء سے ان مین منافست بھی تھی، اور حریف کے مقابلہ مین اپنے رتبہ اور شان کا خیال رہتا تھا،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے ہر ایک کو جو شدید محبت تھی وہ ع باسایہ ترانمی پسندم، کی حد تک تھی،

ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے جسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینبؓ کے پاس کہین سے شہد آگیا تھا، اُنھون نے آنکے سامنے پیش کیا، آپ کو شہد بہت

---

(۱) بعض محدثین کی راے ہے کہ یہ ذوالحجہ ۵ھ کا واقعہ ہے، اس اشتباہ کا سبب یہ ہی کہ بعض روایتون مین یہ مذکور ہوا ہے کہ یہ نزول حجاب سے پہلے کا واقعہ ہے، لیکن آگے چلکر حضرت عمرؓ کی روایت مین مذکور ہے کہ جب اس حادثہ کی مبہم خبر سے مسلمانون مین اضطراب دیکھا تو سمجھے کہ غسان کا بادشاہ حملہ آور ہوا جسکی اطلاع پہلے معلوم ہوچکی تھی، غسان کا حملہ ۹ھ مین ہونے والا تھا۔ حافظ ابن حجر اور محدث دمیاطی نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ یہ اوائل ۹ھ کا واقعہ ہی، دیکھو فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۵۰)

مرغوب تھا آپ نے نوش فرمایا، اس مین وقت مقررہ سے دیر ہوگئی، حضرت عائشہ کو رشک ہوا، حضرت حفصہ سے کہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب ہمارے یا تمھارے گھر مین آئین تو کہنا چاہیے کہ آپکے مونھ سے مغافیر کی بو آتی ہے (مغافیر کے پھولون سے شہد کی مکھیان رس چوستی ہین) آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قسم کھائی کہ مین شہد نہ کھاؤنگا، اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اُتری،

يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ	اے پیغمبر! اپنی بیویون کی خوشی کیلیے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیون کرتے ہو،

علامہ عینی نے بخاری کی شرح مین لکھا ہے،

فان قلت کیف جاز لعایشه وحفصه الکذب والمواطاة التی فیها ایذاء رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قلت کانت عایشه صغیرة مع انها وقعت منها من غیر قصد الایذاء بل علی ماهو من حیلة النساء فی الغیرة علی الضرات، (تفسیر سورۂ تحریم)	اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عائشہ اور حفصہ کو جھوٹ بولنا اور آنحضرت کے خلاف سازش کرنا کیونکر جائز تھا تو جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ کم سن تھین، اسکے علاوہ ان کا مقصود آنحضرت کو ایذا دینا نہین تھا بلکہ جیسا کہ عورتین اپنی سوکنون کے مقابلہ مین رشک سے تدبیرین اختیار کرتی ہین اسطرح کی ایک تدبیر تھی،

لیکن علامۂ موصوف کا جواب تسلیم کرنا مشکل ہے، اوّل تو یہ واقعہ ایلاء کے واقعہ کے سلسلہ مین ہے جو ۹ھ مین واقع ہوا تھا، اس وقت حضرت عائشہ (۱۷) برس کی ہوچکی تھین، دوسرے حضرت عائشہ کمسن تھین لیکن اور ازواج مطہرات جو اس مین شریک ہوئین، وہ تو پوری عمر کی تھین، خود حضرت حفصہ کی عمر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شادی کے وقت (۳۵) برس کی تھی،

۱؎ صحیح بخاری تفسیر سورۂ تحریم، اُس واقعہ کو بخاری کتاب الطلاق مین زیادہ تفصیل سے لکھا ہے جس مین یہ بھی ہے کہ اس تدبیر مین اور ازواج مطہرات بھی شریک کرلی گئین، اور جس نے اوّل اس کا اظہار کیا وہ حضرت سودہ تھین،

ہمارے نزدیک مغافیر کی بو کا اظہار کرنا، کوئی جھوٹ بات نہ تھی، تمام روایتون سے ثابت ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) لطیف المزاج تھے، اور رائحہ کی ذراسی ناگواری کو برداشت نہین فرما سکتے تھے، مغافیر کے پھولون مین اگر کسی قسم کی کرختگی ہو تو تعجب کی بات نہین، البتہ ازواج کا ایکا کرنا، بظاہر محل اعتراض ہو سکتا ہے، لیکن یہ کسی کا اعتقاد نہین کہ ازواج مطہرات معصوم تھین، یا اپنے انجاح مقصد کے لیے جائز وسائل نہین اختیار کرتی تھین، اسی زمانہ مین یہ واقعہ پیش آیا کہ آنحضرت (صلّی اللہ علیہ وسلم) نے کوئی راز کی بات حضرت حفصہؓ سے فرمائی، اور تاکید کردی کہ کسی سے نہ کہنا، لیکن اُنھون نے حضرت عائشہؓ سے کہدیا، اُسپر یہ آیت اتری،

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا	اور جب کہ پیغمبر نے اپنی بعض بیویون سے راز کی بات
نَبَّأَتْ بِہٖ وَاَظْہَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ عَرَّفَ بَعْضَہٗ	کہی، اور انھون نے فاش کردی، اور خدانے پیغمبر کو اُسکی
وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَہَا بِہٖ	خبر کردی تو پیغمبر نے اس کا کچھ حصہ انسے کہا اور کچھ چھوڑ دیا
قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَکَ ھٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ	پھر جب انسے کہا تو انھون نے کہا کہ آپ کو کس نے خبر دی،
الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ، (تحریم)	پیغمبر نے کہا مجھکو خدائے عالم خبیر نے خبردی،

شکر رنجیان بڑھتی گئین، اور حضرت عائشہ و حفصہ نے باہم مظاہرہ کیا، یعنی دونون نے اس پر اتفاق کیا کہ دونون ملکر زور ڈالین، اس پر حضرت عائشہ و حفصہ کی شان مین یہ آیتین اُترین،

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا وَاِنْ	اگر تم دونون خدا کی طرف رجوع کرو تو تمھارے دل مائل
تَظَاہَرَا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ	ہو چکے ہین، اور اگر انکے (یعنی رسول اللہ) مقابلہ مین ایکا
وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ	کرو تو خدا اور جبرئیل اور نیک مسلمان اور سب کے بعد فرشتے
ظَہِیْرٌ، (سورہ تحریم)	رسول اللہ کے مددگار ہین،

حضرت عائشہؓ اور حفصہ نے جن معاملات کیوجہ سے ایکا کیا تھا، وہ خاص تھے، لیکن توسیع نفقہ کے تقاضے مین تمام ازواج مطہرات شریک تھین، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے سکون خاطر مین یہ تنگ طلبی اسقدر خلل انداز ہوئی

کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملینگے، اتفاق یہ کہ اسی زمانہ مین آپ گھوڑے سے گر پڑے، اور ساق مبارک پر زخم آیا، آپ نے بالاخانہ[1] پر تنہا نشینی اختیار کی، واقعات کے قرینہ سے لوگون نے خیال کیا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دی، اُس کے بعد جو واقعات پیش آئے انکو ہم حضرت عمرؓ کی زبان سے نقل کرتے ہین کہ اُنھون نے دلچسپ اور پُر اثر تفصیل کے ساتھ اِس واقعہ کو بیان کیا ہے، اِس بیان مین کچھ ابتدائی واقعات بھی آگئے ہین جن سے اصل معاملہ پر زیادہ روشنی پڑتی ہے[2]،

حضرت عمرؓ فرماتے ہین کہ "مین اور ایک انصاری (اوس بن خولی یا عتبان بن مالک) ہمسایہ تھے اور معمول تھا کہ باری باری سے ایک دن بیچ دیکر ہم دونون خدمتِ اقدس مین حاضر ہوا کرتے تھے"

"قریش کے لوگ، عورتون پر قابو رکھتے تھے، اور اُن پر غالب رہتے تھے، لیکن جب مدینہ مین آئے تو یہان انصار کی عورتین مردون پر غالب تھین، اُن کا انداز دیکھکر ہماری عورتون نے بھی انکی تقلید شروع کی، ایک دن مین نے کسی بات پر اپنی بیوی کو ڈانٹا، اُنھون نے الٹ کر جواب دیا، مین نے کہا، تم میری بات کا جواب دیتی ہو، بولین، تم کیا ہو، رسُول اللہ کی بیویان انکو برابر کا جواب دیتی ہین، یہان تک کہ دن بھر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے روٹھی رہتی ہین، مین نے دل مین کہا، غضب ہوگیا، اُٹھکر حفصۃ (حضرت عمرؓ کی صاحبزادی، اور رسول اللہ کی زوجہ مطہرہ) کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا تو واقعی آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے رات بھر روٹھی رہتی ہے حفصۃ نے اقرار کیا، مین نے کہا تجھکو یہ خیال نہین کہ رسُول اللہ کی ناراضی خدا کی ناراضی ہے، بخدا رسولُ اللہ میرا خیال

---

(۱) بالاخانہ کے لیے احادیث مین مشربہ کا لفظ آیا ہے، مشربہ کے نام سے زیادہ تر مشربہ ام ابراہیم (ماریہ) مشہور ہے، اسی لیے بعض لوگون کو یہ شبہہ ہوا ہے کہ یہ وہی بالاخانہ تھا، لیکن یہ قطعاً غلط ہے، مشربہ ام ابراہیم مدینہ سے باہر واقع تھا، حضرت عمرؓ کی جو روایت تمام صحاح مین موجود ہے، اور جسکو مصنف نے آگے نقل کیا ہے، اس سے بھی متبادر ہوتا ہے کہ یہ وہ مقام تھا جو حضرت حفصۃ کے گھر اور مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا کہ حضرت عمر دوڑ دوڑ کر جلدی جلدی کبھی اِدھر کبھی اُدھر جاتے تھے، ابوداؤد مین تصریح ہے کہ یہ مشربہ حضرت عائشہ کے حجرہ کا بالاخانہ تھا، جو مسجد نبوی ہی سے متصل دیگر ازواجِ مطہرات کے حجرون کے برابر تھا، ابوداؤد باب الامام یصلی من قعود)

(۲) یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب یعنی کتاب النکاح، طلاق، کتاب العلم مین باختلاف عبارت منقول ہے، صحیح مسلم باب النکاح مین بھی کئی طریق سے مذکور ہے، ان روایتون مین باہم جزئیات مین اختلاف ہے ہمنے تا امکان سب روایتون کو جمع کیا ہے۔

فرماتے ہین ورنہ تجھکو طلاق دے چکے ہوتے، پھر ام سلمہ کے پاس گیا، اور اُن سے بھی یہی شکایت کی، بولین کہ عمر! تم ہر معاملہ مین دخل دینے لگے، یہانتک کہ اب رسول اللہ اور انکی ازواج کے معاملات مین بھی دخل دیتے ہو، مین چپ رہ گیا اور اُٹھکر چلا آیا"

"کچھ رات گئی، میرے ہمسایہ انصاری باہر سے آئے، اور بڑے زور سے دروازہ کھٹ کھٹایا، مین گھبرا کر اُٹھا اور دروازہ کھولکر پوچھا خیر ہے؟ اُنھون نے کہا، غضب ہوگیا، مین نے کہا کیا غسانی[1] مدینہ پر چڑھ آئے، بولے کہ نہین، اس سے بھی بڑھکر یعنی رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ازواج کو طلاق دیدی، مین صبح کو مدینہ مین آیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ نماز فجر ادا کی، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نماز سے فارغ ہوکر، بالاخانہ مین تنہا جا کر بیٹھ گئے، مین حفصہ کے پاس آیا تو وہ بیٹھی رُو رہی ہے، مین نے کہا "مین نے تجھ سے پہلے ہی کہا تھا" حفصہ کے پاس سے اُٹھکر مسجد نبوی مین آیا، دیکھا تو صحابہ ممبر کے پاس بیٹھے رُو رہے ہین، مین اُنکے پاس بیٹھ گیا، لیکن طبیعت کو سکون نہین ہوتا تھا، اُٹھ کر بالاخانہ کے پاس آیا، اور رباح (خادم خاص) سے کہا اطلاع کرو لیکن آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے کچھ جواب نہین دیا، مین اُٹھکر پھر مسجد مین چلا آیا، اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بیتاب ہوکر بالاخانہ کے نیچے آیا، اور دربان سے دوبارہ اذن طلبی کی درخواست کی، جب کچھ جواب نہین ملا، تو مین نے پکار کر کہا، رباح! میرے لیے اذن مانگ، شاید رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو یہ خیال ہو کہ مین حفصہ کی سفارش کرنے آیا ہون، خدا کی قسم، رسول اللہ فرمائین، تو حفصہ کی گردن اُڑا دون، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اجازت دی، اندر گیا تو دیکھا کہ آپ کھری چارپائی[2] پر لیٹے ہین اور جسم مبارک پر بانون کے نشان پڑ گئے ہین ادھر اُدھر نظر اُٹھا کر دیکھا تو ایک طرف مٹھی بھر جَو رکھے ہوئے تھے، ایک کونے مین کسی جانور کی تھی، ایک کھال کھونٹی پر لٹکی ہی

---

[1] غسانی عرب کا ایک خاندان تھا، جو شام مین رومیون کے ماتحت بادشاہی کرتا تھا، وہ رومیون کی تحریک سے مدینہ پر حملہ کی طیاریان کر رہا تھا،

[2] بعض روایتون مین حصیر (چٹائی) کا لفظ آیا ہے، اور بعض مین سریر (چارپائی) ابن حجر نے یہ تطبیق دی ہو کہ وہ تھی چارپائی لیکن چٹائی جس سے بُنی جاتی ہے اُس سے بُنی ہوئی تھی (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۲۵۱)

تھی، میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے سبب پوچھا، مین نے عرض کی اس سے بڑھکر رونے کا اور کیا موقع ہوگا؟ قیصر وکسرے باغ وبہار کے مزے لوٹ رہے ہین، اور آپ پیغمبر ہوکر آپ کی یہ حالت ہے! آپ نے ارشاد فرمایا کیا تم اس پر راضی نہین کہ قیصر وکسرے دُنیا لین، اور ہم آخرت"،

مین نے عرض کی، کیا آپ نے ازواج کو طلاق دیدی ؟ آپ نے فرمایا "نہین" مین اللہ اکبر پکار اُٹھا، پھر عرض کی کہ مسجد مین تمام صحابہ مغموم بیٹھے ہین، اجازت ہو تو جاکر خبر کردون کہ واقعہ غلط ہے" چونکہ ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گزرچکا تھا[1] آپ بالاخانہ سے اُتر آئے، اور عام باریابی کی اجازت ہوگئی، اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی،

یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ	(اے پیغمبر اپنی بیویون سے کہدے کہ اگر تمکو دنیا کی
الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَ	زندگی اور دنیا کا زیب وآرائش مطلوب ہے تو آؤ
اُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا وَاِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللہَ	مین تمکو رخصتی جوڑے دیکر بطریق احسن رخصت کردون
وَرَسُوْلَہٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَۃَ فَاِنَّ اللہَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ	اور اگر خدا، خدا کا رسول اور آخرت مطلوب ہے تو خدا
اَجْرًا عَظِیْمًا، (احزاب)	نے اپنے نیکوکار بندون کے لیے بڑا ثواب مُہیّا کر رکھا ہے)

اس آیت کی رُو سے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حکم دیا گیا کہ ازواج مُطہرات کو مُطلع فرمادین کہ دو چیزین تمھارے سامنے ہین، دُنیا، اور آخرت، اگر تم دنیا چاہتی ہو تو آؤ مین تم رخصتی جوڑے دیکر عزت واحترام کے ساتھ

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق ۲۹ روز بالاخانہ پر تشریف فرمارہے، حضرت عمرؓ کا یہ مکالمہ پہلے روز کا واقعہ ہے یا آخر روز کا، اس روایت کے جتنے طرق ہین انکا ابتدائی حصہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ پہلے ہی دن کا واقعہ ہے، اور آخر کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انتیسوین روز کا واقعہ ہے، مصنف مرحوم نے آخری فقرون کا لحاظ کیا ہے اور بظاہر اسکو انتیسوین روز کا واقعہ سمجھا ہے، لیکن اس بنا پر لازم آتا ہے کہ ۲۸ دن تک گویا حضرت عمرؓ اور عام صحابہ کو واقعہ ایلاء کی اطلاع ہی نہ تھی، حالانکہ اسکو کوئی تسلیم نہین کرسکتا، اس بنا پر محدثین نے یہ تاویل کی ہے کہ اس مکالمہ کا اکثر حصہ پہلے روز کا واقعہ ہے لیکن صرف اُترنے کا بیان آخر روز کا واقعہ ہے، راوی نے بیچ کا سلسلہ چھوڑدیا، بخاری کی اُس روایت سے جو کتاب النکاح باب موعظۃ الرجل ابنتہ لحال زوجھا اور کتاب اللباس باب ما کان یتجوز رسول اللہ صلعم ۔ ۔ ۔ اللباس مین مذکور ہے یہ صاف تصریح موجود ہے، اس بنا پر اس فقرہ کو یون پڑھنا چاہئے، "جب ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گزرچکا"،

رخصت کر دون، اور اگر تم خدا اور رسول، اور زندگانی ابدی کی طلبگار رہو تو خدا نے نکوکار دن کیلیے بڑا اجر مہیّا کر رکھا ہی؛

مہینہ ختم ہو چکا تھا، آپ بالاخانہ سے اُترے، اور چونکہ ان تمام معاملات مین حضرت عائشہؓ پیش پیش تھین اِنکے پاس تشریف لیگئے، اور ارشاد آلٰہی سے مطلع فرمایا، اُنھون نے کہا مین سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول کو لیتی ہون، تمام اور ازواج مطہرات نے بھی یہی جواب دیا،

ایلار، تخیر، مظاہرہ حفصہؓ و عایشہؓ یہ واقعات عام طور پر اسطرح بیان کیے گئے ہین کہ گویا مختلف زمانون کے واقعات ہین، اور اُن سے ایک ظاہر بین یہ دھوکا کھا سکتا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ازواج مطہرات کے ساتھ ہمیشہ ناگواری کے ساتھ بسر کرتے تھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تینون واقعے ہم زمان، اور ایک ہی سلسلہ کی کڑیان ہین، صحیح بخاری باب النکاح، (باب موعظۃ الرجل ابنتہ) مین حضرت ابن عباسؓ کی زبانی جو نہایت تفصیلی روایت ہی اس مین صاف تصریح ہے کہ مظاہرہ، ازواج مُطہرات سے انعزال، افشائے راز، آیت تخیر کا نزول، سب ایک ہی سلسلہ کے واقعات ہین،

حافظ ابن حجر انعزال کے متعدد اسباب لکھ کر لکھتے ہین۔

وھذا ھو اللائق بمکارم اخلاقہ صلی اللہ	(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے مکارم اخلاق، کشادہ دلی
علیہ وسعۃ صدرہ وکثرۃ صفحہ وانّ	اور کثرتِ عفو کے یہی مناسب ہی، اور آپنے اُس وقت تک
ذلک لم یقع منہ حتی تکرر موجبہ منھن،	ایسا نہین کیا ہوگا، جب تک اُن سے اِس قسم کی
(فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۵۴)	حرکتین متعدد بار ظہور پذیر ہوئین)،

مظاہرہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی اُس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہی کہ کوئی بہت بڑی ضرر رسان سازش تھی جسکا اثر بہت پُر خطر تھا، آیت مذکور یہ ہے،

وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَ	اور اگر وہ دونون (حضرت عائشہ وحفصہ) رسول کے برخلاف

جِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَہِیْرٌ، ایکا کرین گے تو خدا اس کا مولےٰ ہی اور جبریل اور نیک مسلمان، اور ان سب کے ساتھ فرشتے بھی مددگار ہین،

اس آیت مین تصریح ہے کہ اگر ان دونون کا ایکا قایم رہا تو رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی مدد کو خدا، اور جبریل اور نیک مُسلمان موجود ہین، اور اسی پر بس نہین، بلکہ فرشتے بھی اعانت کے لیے تیار ہین،

روایتون سے مظاہرہ کا جو سبب معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہی کہ اسکے ذریعہ سے وہ نفقہ کی توسیع چاہتی تھین، یا اگر ماریہ قبطیہ کی روایت تسلیم کر لیجاے تو صرف یہ کہ وہ الگ کر دی جائین، لیکن یہ ایسی کیا اہم باتین ہین، اور حضرت عایشہ وحفصہ کی کسی قسم کی سازش، ایسی کیا پُرخطر ہوسکتی ہے جسکی مدافعت کے لیے، ملاء اعلےٰ کی اعانت کی ضرورت ہو؛

اس بنا پر بعضون نے قیاس کیا ہے کہ یہ مظاہرہ کوئی معمولی معاملہ نہ تھا، مدینہ منورہ مین منافقین کا ایک گروہ کثیر موجود تھا، جنکی تعداد (۴۰۰ تک بیان کیگئی ہی) یہ شریر النفس ہمیشہ اس تاک مین رہتے تھے کہ کسی تدبیر سے خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان، اور رفقاے خاص مین پھوٹ ڈلوادین، (ابن حجر نے اصابہ مین ام جلیح کے حال مین لکھا ہی، وکانت تحرش بین ازواج النبی صلعم، وہ ازواج مطہرات کو باہم بھڑکایا کرتی تھین) افک کے واقعہ مین انکو کامیابی کی جھلک نظر آچکی تھی، رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) پندرہ دن تک حضرت عایشہ سے کبیدہ خاطر رہے، حضرت حسان افک مین شریک ہوگئے تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سالی حمنہ جو حضرت زینبؓ کی بہن تھین، سازش مین آگئی تھین، چنانچہ اس روایت کو علانیہ شہرت دیتی تھین، حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ایک قریبی عزیز (مسطح) کو جو شریک تہمت تھے، مالی اعانت سے محروم کر دیا تھا، غرض اگر حضرت عائشہ کی برات پر وحی نہ آجاتی تو ایک فتنۂ عظیم برپا ہوچکا تھا،

معلوم ہوتا ہے کہ جب ازواج مطہرات کی کشش خاطر اور کبیدگی وتنگ طلبی کا حال منافقون کو معلوم ہوا تو ان بدنفسون نے اشتعال دیکر بھڑکانا چاہا ہوگا، اور چونکہ مظاہرہ کے ارکان اعظم، حضرت عائشہ وحفصہ تھین،

انکو خیال ہوا ہوگا کہ اُنکے ذریعہ سے اُنکے والدین (حضرت ابوبکر وعمر) کو اس سازش مین شریک کرلینا ممکن ہے، لیکن انکو یہ علوم نہ تھا کہ ابوبکر وعمر، حضرت عایشہ اور حفصہ کو رسُول کی خاک پا پر قربان کرسکتے تھے، چنانچہ جب حضرت عمرؓ کو اذن نہ ملا تو انھون نے پکار کر کہا کہ ارشاد ہو تو حفصہ کا سر لیکر آؤن،

آیت مین روئے سخن منافقین کی طرف ہی یعنی اگر عایشہ وحفصہ سازش بھی کرینگی اور منافقین اُس سے کام لینگے تو خدا پیغمبر کی اعانت کے لیے موجود ہے اور خدا کے ساتھ جبریل وملائکہ بلکہ تمام عالم ہی؛

روایاتِ کاذبہ

ان واقعات مین کذابین رواۃ نے اِسقدر تلبیسات اور خداعیان کی ہین کہ بڑے بڑے مورخین وارباب سیر نے روائتین اپنی تصانیف مین استناداً درج کردین، اِسلیے ہم اس بحث کو کسیقدر تفصیل سے کہنا چاہتے ہین،

اس قدر عموماً مسلّم ہی اور خود قرآن مجید مین مذکور ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ازواج مطہرات کی خاطر سے کوئی چیز اپنے اوپر حرام کرلی تھی، اختلاف اس مین ہے کہ وہ کیا چیز تھی؟ بہت سی روایتون مین ہے کہ وہ ماریہ قبطیہ ایک کنیز تھین، جنکو عزیز مصر نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کیخدمت مین تحفتہً بھیجا تھا، ماریہ قبطیہ کی روایت تفصیل کے ساتھ مختلف طریقون سے بیان کی گئی ہے جن مین یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا راز جو حضرت حفصہؓ نے فاش کیا تھا انہی ماریہ قبطیہ کا راز تھا،

اگرچہ یہ روائتین بالکل موضوع اور ناقابل ذکر ہین، لیکن چونکہ یورپ کے اکثر مورخون نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معیار اخلاق پر حرف گیریان کی ہین، ان کا گلِ سرسبد یہی ہین، اس لیے اُن سے تعرض کرنا ضروری ہے،

اِن روایتون مین واقعہ کی تفصیل کے متعلق اگرچہ نہایت اختلاف ہی لیکن اسقدر سب کا قدر مشترک ہے کہ ماریہ قبطیہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی موطوءۃ کنیزون مین تھین، اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت حفصہ کی ناراضی کیوجہ سے انکو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا؛

حافظ ابن حجر شرح صحیح بخاری تفسیر سورۂ تحریم مین لکھتے ہین :-

ووقع عند سعید بن منصور باسناد صحیح الی مسروق قال حلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحفصۃ لایقرب امتہ (صفحہ ۵۰۳)،

اور سعید بن منصور نے سند صحیح کے ساتھ جو مسروق تک منتہی ہوتی ہے، یہ روایت کی ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کے سامنے قسم کھائی کہ اپنی کنیز سے مقاربت نہ کرینگے،

اسکے بعد حافظ موصوف نے مسند ہثیم اور طبرانی سے متعدد روائتین نقل کی ہین جن مین سے ایک یہ ہی،

وللطبرانی من طریق الضحاک عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ دَخَلَتْ حَفْصَۃ بیتہا فوجدہ یطأ ماریہ فعاتبہ، (فتح الباری مطبوعۂ مصر جلد ۸ صفحہ ۵۰۳)

اور طبرانی نے ضحاک کے سلسلہ سے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہی کہ حضرت حفصہ اپنے گھر مین گئین تو آنحضرت کو حضرت ماریہ کیساتھ ہم بستر دیکھا، اسپر انھون نے آنحضرت کو معاتب کیا،

ابن سعد اور واقدی نے اِس روایت کو زیادہ بدنما پیرایون مین نقل کیا ہی، ہم انکو قلم انداز کرتے ہین لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام روائتین محض افترا، اور بہتان ہین،

علامۂ عینی شرح صحیح بخاری، باب النکاح جلد ۹ صفحہ ۵۴۸ مین لکھتے ہین،

والصحیح فی سبب نزول الایۃ انہ فی قصۃ العسل لا فی قصۃ ماریۃ المروی فی غیر الصحیحین وقال النووی ولم یات قصۃ ماریہ من طریق صحیح،

اور آیت کی شان نزول کے باب مین صحیح روایت یہ ہے کہ وہ شہد کے واقعہ مین ہی، ماریہ کے قصہ کے باب مین نہین ہے جو صحیحین کے سوا اور کتابون مین مذکور ہے نووی نے کہا ہی کہ ماریہ کا واقعہ کسی صحیح طریقہ سے مروی نہین ہے،

یہ حدیث، تفسیر ابن جریر، طبرانی مسند ہثیم مین مختلف طریقون سے مروی ہے، ان کتابون مین عموماً جس قسم کی رطب یابس روائتین مذکور ہین اسکے لحاظ سے جب تک انکی صحت کے متعلق کوئی خاص تصریح نہو لائق التفات نہین، حافظ ابن حجر نے ان مین ایک طریقہ کی توثیق کی ہی، یعنی وہ روایت جسکے راوی اخیر مسروق ہین،

لیکن اوّلاً تو اس روایت مین ماریہ قبطیہ کا نام مطلق نہین، صرف اِس قدر ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے حضرت حفصہ کے سامنے قسم کھائی تھی کہ مین اپنی کنیز کے پاس نہ جاؤنگا، اور وہ مجھپر حرام ہے، اسکے علاوہ مسروق تابعی ہین، یعنی آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو نہین دیکھا تھا، اس لیے یہ روایت اصول حدیث کی روسے منقطع ہے یعنی اس کا سلسلہ سند صحابی تک نہین پہنچتا،

اس حدیث کے ایک اور طریقہ کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر مین صحیح کہا ہے لیکن اس طریقہ کے ایک اور راوی عبد الملک رقاشی ہین جنکی نسبت دارقطنی نے لکھا ہی:-

کثیر الخطاء فی الاسانید والمتون	سندون مین اور اصل الفاظ حدیث مین بہت
یحدث عن حفظه،	خطا کرتے ہین،

یہ امر مُسلّم ہی کہ ماریہ کی روایت صحاح ستہ کی کسی کتاب مین مذکور[1] نہین، یہ بھی تسلیم ہی کہ سورہ تحریم کا شان نزول جو صحیح بخاری اور مُسلم مین مذکور ہے (یعنی شہد کا واقعہ) قطعی طریقہ سے ثابت ہے، امام نووی نے جو ائمہ محدثین مین سے ہین، صاف تصریح کی ہے کہ ماریہ کے باب مین کوئی صحیح روایت موجود نہین، حافظ ابن حجر اور ابن کثیر نے جن طریقون کو صحیح کہا ان مین سے ایک منقطع، اور دوسرے کا راوی کثیر الخطاء ہے، اِن واقعات کے بعد کون کہسکتا ہے کہ یہ روایت استناد کے قابل ہی؛

یہ بحث اصولِ روایت کی بنا پر تھی، درایت کا لحاظ کیا جائے تو مُطلق کد و کاوش کی حاجت نہین، جو رکیک واقعہ اِن روایتون مین بیان کیا گیا ہی اور خصوصًا طبری وغیرہ مین جو جزئیات مذکور ہین وہ ایک معمولی آدمی کیطرف منسوب نہین کیے جا سکتے نہ کہ اُس ذات پاک کی طرف جو تقدس و نزاہت کا پیکر تھا؛

---

[1] (یعنی ماریہ کے نام سے اور مشہور لغو واقعات کے شمول کیساتھ نہین، ورنہ نسائی باب الغیرۃ مین اس قدر مذکور ہے کہ عائشہ اور حفصہ کے اصرار سے آنحضرت صلعم نے ایک لونڈی کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، لیکن اس کا ایک راوی مجروح ہے؛)

غزوۂ تبوک

رجب سنہ ۹ھ مطابق اکتوبر و نومبر سنہ ۶۳۵ع

تبوک ایک مشہور مقام ہے، جو مدینہ اور دمشق کے وسط مین نصف راہ پر مدینہ سے چودہ منزل ہر[1]

جنگ موتہ کے بعد سے رومی سلطنت نے عرب پر حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا، غسانی خاندان جو شام مین رومیون کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا، مذہبًا عیسائی تھا، اس لیے قیصر روم نے اُسی کو اس مہم پر متعین کیا، مدینہ مین یہ خبرین اکثر مشہور ہوتی رہتی تھین، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ایلاء کے واقعہ مین حضرت عمرؓ سے جب عتبان بن مالک نے دفعۃً آکر یہ کہا کہ "غضب ہوگیا" تو اُنھون نے کہا کیون خیر ہے؟ کیا غسانی آگئے؟[1]

شام کے نبطی سوداگر مدینہ مین روغن زیتون بیچنے آیا کرتے تھے، انھون نے خبر دی، کہ رومیون نے شام مین لشکر گران جمع کیا ہے، اور فوج کو سال بھر کی تنخواہین تقسیم کردی ہین، اس فوج مین لخم، جذام، اور غسان کے تمام عرب شامل ہین، اور مقدمۃ الجیش بلقاء تک آگیا ہے،[2] مواہب لدنیہ مین طبرانی سے روایت نقل کی ہر کہ عرب کے عیسائیون نے **ہرقل** کو لکھ بھیجا تھا کہ "محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے انتقال کیا، اور عرب سخت قحط کی وجہ سے بھوکون مر رہے ہین" اس بنا پر ہرقل نے چالیس ہزار فوجین روانہ کین،

بہرحال یہ خبرین تمام عرب مین پھیل گئین، اور قرائن اِسقدر قوی تھے کہ غلط ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی، اس بنا پر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فوج کی تیاری کا حکم دیا، سوء اتفاق یہ کہ سخت قحط، اور شدت کی گرمیان تھین، ان اسباب سے لوگون کو گھر سے نکلنا نہایت شاق تھا،[3] منافقین جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے انکا پردہ فاش ہوچلا، وہ خود بھی جی چُراتے تھے اور دوسرون کو بھی منع کرتے تھے کہ

---

[1] (بخاری ذکر واقعہ ایلاء) [2] مواہب لدنیہ، [3] مارگولیس صاحب فرماتے ہین کہ "چونکہ حنین مین انصار مال غنیمت سے محروم رہے تھے اِسلیے وہ بیدل ہوگئے تھے کہ ہم کیا لڑین جب فوائد جنگ دوسرون کو حاصل ہوگئے" لیکن یہ مارگولیس کا حسن ظن ہے، جب قرآن نے خود سبب بتادیا ہے تو قیاس کی کیا حاجت ہے؟) [4] ابن ہشام،

لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ، گرمی مین نہ نکلو،

سویلم ایک یہودی تھا، اُس کے گھر پر منافقین جمع ہوتے، اور لوگون کو لڑائی پر جانے سے روکتے، چونکہ ملک پر رومیون کے حملہ کا اندیشہ تھا، اِسلیے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے تمام قبائل عرب سے فوجین اور مالی اعانت طلب کی، صحابہ مین سے حضرت عثمان نے تین سو اونٹ پیش کیے، اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمین لا کر حاضر کین، تاہم بہت سے مسلمان اس بنا پر جانے سے رہ گئے کہ سفر کا سامان نہین رکھتے تھے، یہ لوگ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین آئے اور اس درد سے روئے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ان پر رحم آیا، تاہم اُنکے چلنے کا کچھ سامان نہ ہوسکا، انہی کی شان مین سورۂ توبہ کی یہ آیتین اُتری ہین :-

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا	اور نہ ان لوگون پر کچھ اعتراض ہو کہ جب تمھارے پاس آئے کہ ہمکو
اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ	سواری دیجیے اور تمنے کہا کہ میرے پاس سواری کہان ہے جسپر تمکو سوار کرسکون
مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ٥	تو وہ واپس گئے اور انکی آنکھون سے آنسو جاری تھے کہ افسوس ہمارے پاس خرچ نہین ہے،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معمول تھا، جب آپ مدینہ سے تشریف لیجاتے تو کسی کو شہر کا حاکم مقرر فرما کر جاتے، چونکہ اس غزوہ مین بخلاف اور معرکون کے ازواج مطہرات ساتھ نہین گئین تھین، اہل حرم کی حفاظت کے لیے کسی عزیز خاص کا رہنا ضرور تھا، اِس لیے اِبکی یہ منصب جناب امیرؓ کو ملا، لیکن انھون نے شکایت کی کہ آپ مجھکو بچون اور عورتون مین چھوڑے جاتے ہین، آپنے ارشاد فرمایا کہ تم اس پر راضی نہین ہو کہ تم کو مجھسے وہ نسبت ہو جو ہارون کو موسےٰ کے ساتھ تھی؟[1]

غرض آپ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے جسمین دس ہزار گھوڑے تھے،[2] راہ مین وہ عبرتناک مقامات تھے جن کا ذکر قرآن مجید مین آیا ہی، یعنی قوم ثمود کے مکانات جو پہاڑون مین تراش کر بنائے گئے تھے، چونکہ اس مقام پر عذاب الٰہی نازل ہوچکا تھا، آپنے حکم دیا کہ کوئی شخص یہان نہ قیام کرے، نہ پانی پیے، نہ اور کسی کام مین لائے،

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ تبوک، [2] طبقات ابن سعد،

تبوک پہنچکر معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی، لیکن اصلیت سے بالکل خالی بھی نہ تھی، غسانی رئیس عرب مین ریشہ دوانیان کر رہا تھا، صحیح بخاری (غزوۂ تبوک) مین جہان کعب بن مالک کا واقعہ مذکور ہے لکھا ہے کہ شام سے ایک قاصد آیا اور کعب بن مالک کو رئیس غسان کا ایک خط دیا جس مین لکھا تھا کہ مین نے سنا ہے کہ محمدؐ نے تمھاری قدر نہ کی، اس لیے تم میرے پاس چلے آؤ، مین تمھاری شان کے موافق تم سے برتاؤ کرونگا، کعب گو معتوب نبوی تھے، لیکن اُنھون نے اس خط کو تنور مین ڈال دیا،

تبوک پہنچکر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے بیس دن تک قیام کیا، ایلہ کا سردار جسکا نام یوحنا تھا، حاضر خدمت ہو کر جزیہ دینا منظور کیا، ایک سفید خچر بھی نذر مین پیش کیا، جسکے صلہ مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اسکو ردائے مبارک عنایت فرمائی، جربا اور اذرح کے عیسائی بھی حاضر ہوئے، اور جزیہ پر رضامندی ظاہر کی، دومۃ الجندل جو دمشق سے پانچ منزل پر ہے، وہان ایک عربی سردار جسکا نام اکیدر تھا، قیصر کے زیر اثر تھا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے خالدؓ کو چار سو کی جمعیت کے ساتھ اُسکے مقابلہ کیلیے بھیجا، خالدؓ نے اُس کو گرفتار کیا، اور اس شرط پر رہائی دی کہ خود دربار رسالت مین حاضر ہو کر شرائط صلح پیش کرے، چنانچہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ مین آیا۔ آپنے اسکو امان دی،

تبوک سے جب آپ واپس پھرے، اور مدینہ کے قریب پہنچے تو لوگ عالم شوق مین استقبال کو نکلے، یہانتک کہ پردہ نشینانِ حرم بھی جوش مین گھرون سے نکل پڑین، اور لڑکیان یہ اشعار گاتی نکلین،

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وداع کی گھاٹیون سے ہم پر چاند طلوع ہوا،

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

جب تک خدا کا پکارنے والا دنیا مین کوئی باقی ہے، ہمپر خدا کا شکر فرض ہے،

مسجد ضرار منافقین ہمیشہ اس فکر مین رہتے تھے کہ مسلمانون مین کسی طرح پھوٹ ڈال دین، ایک مُدت سے وہ

۱؎ یہ مقام خلیج عقبہ کے پاس ہے، (مارگولس) ۲؎ زرقانی بحوالہ ابن ابی شیبہ،

اِس خیال مین تھے کہ مسجدِ قبا کے توڑ پر وہین ایک اور مسجد اس حیلہ سے بنائین کہ جو لوگ ضعف یا کسی اور وجہ سے مسجد نبوی مین نہ پہونچ سکین، یہان آ کر نماز ادا کر لیا کرین، ابو عامر جو انصار مین سے عیسائی ہو گیا تھا اُس نے منافقین سے کہا کہ تم سامان کرو مین قیصر کے پاس جا کر وہان سے فوجین لاتا ہون کہ اس ملک کو اسلام سے پاک کر دے[1]،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) جب تبوک تشریف لیجانے لگے، تو منافقین نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین آ کر عرض کی کہ ہم نے بیمارون اور معذورون کیلیے ایک مسجد تیار کی ہی آپ چلکر اُس مین ایک دفعہ نماز پڑھا دین تو مقبول ہو جائے، آپ نے فرمایا اس وقت مین مہم پر جا رہا ہون، جب تبوک سے واپس پھرے تو مالک اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ جا کر مسجد مین آگ لگا دین، اِسی مسجد کی شان مین یہ آیتین اُتری ہین،

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا	وہ لوگ جنھون نے ایک مسجد ضرر اور پھوٹ ڈالنے اور کفر
وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ	کی غرض سے طیار کی، اور اس غرض سے کہ لوگ پہلے سے خدا
حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ	اور رسول سے لڑتے ہین انکو ایک کمینگاہ ہات آئے، اور
اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّھُمْ	وہ قسم کھاتے ہین کہ ہم نے صرف بھلائی کے لحاظ سے ایسا کیا
لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۭ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ	اور خدا گواہی دیتا ہی کہ یہ جھوٹ کہتے ہین، محمدؐ تو کبھی اس مسجد
عَلَي التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ	مین جا کر نہ کھڑا ہو، وہ مسجد جسکی بنیاد پہلے ہی دن سے پرہیزگاری پر
فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ	رکھی گئی ہی، وہ اسبات کی زیادہ مستحق ہی کہ تو اُسمین نماز پڑھے، وہان ایسے
الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝	لوگ ہین جنکو صفائی محبوب ہے اور خدا صفائی پسند کرنیوالونکو چاہتا ہی،

حج اسلام اور اعلان برات

(مکہ ۸ھ مین فتح ہوا، لیکن چونکہ ابھی تک ملک مین اچھی طرح امن وامان نہین قائم ہوا تھا، اس لیے اس سال مشرکین ہی کے اہتمام سے ارکان حج انجام پائے، مسلمانون نے عتاب بن اسید کے ساتھ جو مکہ کے

---

[1] زرقانی بحوالہ ابن جریر،

اسیر ستقر ہوئے تھے، فریضۂ حج ادا کیا، اب ۹ھ میں پہلا موقع ہے کہ کعبہ غبار شرک کی ظلمت سے پاک ہوکر عبادت ابراہیمی کا مرکز قرار پاتا ہے، غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ یا ذوالحجہ ۹ھ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینۂ منورہ سے حج کے لیے روانہ فرمایا، ان میں حضرت ابوبکرؓ قافلہ سالار، حضرت علیؓ نقیب اسلام، اور حضرت سعد بن وقاص، جابرؓ، ابوہریرہؓ وغیرہ معلم تھے، قربانی کے لیے بیس اونٹ ساتھ تھے،

قرآن نے اس حج کو حج اکبر کہا ہے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ رسم حج اصل ابراہیمی سنت میں جلوہ گر ہوئی، اس حج کا مقصد یہ تھا کہ خانۂ خلیل میں عہد جاہلیت کے اختتام، اور حکومت اسلام کی ابتدا کا اعلان کیا جائے، مناسک و رسوم حج کی عام طور سے تعلیم دیجائے، زمانۂ جاہلیت کے رسوم وعادات کا ابطال کیا جائے،

حضرت ابوبکرؓ نے مناسک حج کی لوگوں کو تعلیم دی، یوم النحر میں خطبہ دیا جس میں حج کے مسائل بیان کئے اسکے بعد حضرت علیؓ کھڑے ہوئے، سورۂ برأت کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں، اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانۂ کعبہ میں نہ داخل ہو سکے گا، نہ کوئی برہنہ اب حج کرنے پائے گا، اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے تھے ان کے نقض عہد کے سبب سے آج سے چار مہینہ کے بعد ٹوٹ جائینگے، حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ نے اس اعلان کی اس زور زور سے منادی کی کہ گلا پڑ گیا۔[۱][۲]

سورۂ برأت کی ابتدائی آیتیں جس میں خدا نے اس اعلان کا حکم فرمایا یہ ہیں:۔[۳]

بَرَاۗءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ	اے مسلمانو! جن مشرکین سے تمنے معاہدہ کیا تھا
مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ	(اور انہوں نے اپنا معاہدہ توڑ دیا) انکی خدا اور خدا کے

---

[۱] بخاری کتاب المناسک، باب لایطوف عریان، وباب حج ابی بکر بالناس، وتفسیر سورۃ البراءۃ، [۲] ابن حنبل صفحہ ۲۹۹ جلد ۲، عام تفصیل زرقانی وغیرہ میں موجود ہے، [۳] ان آیات میں یہ بیان ہے کہ مسجد حرام کے پاس (صلح حدیبیہ میں) جو معاہدے ہوئے تھے وہ ٹوٹ گئے لیکن وہ معاہدے تو فتح مکہ سے پہلے ہی ٹوٹ گئے تھے، اور اس کے بعد کفار سے کوئی معاہدہ نہ ہوا، مصنف نے اس بنا پر اپنے ایک مکتوب ۲۰۳، ۲۰۴ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ آیتیں ۸ھ میں فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی ہونگی اور شاید اسی لیے مصنف نے یہ واقعات قلم انداز کر دیئے ہیں لیکن میری رائے یہ ہے کہ ممکن ہے کہ معاہدہ کے متعلق یہ آیتیں گوشتہ میں نازل ہوئی ہوں لیکن انکا عام اعلان مع دیگر ضروری احکام کے جیسا کہ صحاح کے مستند روایات میں مذکور ہے ۹ھ کے موسم حج میں ہوا،)

واعلموا انكم غير معجزي الله	رسول کی طرف سے کوئی ذمہ داری نہین ہے، اب
وان الله مخزي الكفرين	(اے معاہدہ شکن شرکو!) چار مہینے کی تم کو مہلت
واذان من الله ورسوله الى	ہے، اس مین تم ملک مین چلو پھرو، اور جان لو کہ
الناس يوم الحج الاكبر ان الله بريء	تم خدا کو عاجز نہ کر سکو گے، حج اکبر کے دن لوگون کو
من المشركين ورسوله فان	اعلان عام ہے کہ خدا اور اس کا رسول ان مشرکین کا
تبتم فهو خير لكم وان توليتم	اب ذمہ دار نہین، اگر تم نے اے مشرکین!) توبہ کرلی
فاعلموا انكم غير معجزي الله	تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اور اگر اب بھی پھرے رہو تو
وبشر الذين كفروا بعذاب اليم	یقین کرو کہ تم خدا کو ہرا نہ سکو گے، اے پیغمبر! تو کافرون کو
الا الذين عاهدتم من المشركين	دردناک عذاب کی خوشخبری سُنا دے، لیکن وہ مشرکین
ثم لم ينقصوكم شيئا ولم يظاهروا	جن سے تم نے معاہدہ کیا، اور اُنہون نے اسکی کچھ خلاف
عليكم احدا فاتموا اليهم	ورزی نہ کی، اور نہ تمہارے مقابلہ مین اُنھون نے
عهدهم الى مدتهم ان الله يحب	تمہارے دشمنون کی مدد کی، تو زمانۂ معاہدہ کو تم پورا
المتقين (رکوع ۱)	کرو، خدا پرہیزگارون کو دوست رکھتا ہے،
يا ايها الذين امنوا انما المشركون نجس	اے مسلمانو! مشرکین تو ناپاک ہین، اب وہ
فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا (رکوع ۴)	اس سال کے بعد کعبہ کے قریب نہ آئین،

طبری نے بواسطۂ سدی روایت کی ہے کہ اس اعلان کے بعد عام طور سے کُفار مسلمان ہوگئے"،

واقعات متفرقہ نو سال کے بعد اب ملک مین امن وامان کا دور شروع ہوا، اب حصول دولت کے مواقع حاصل تھے، اس بنا پر زکوۃ کا حکم اس سال نازل ہوا، اور تحصیل زکوۃ کے لیے عُمال قبائل مین مقرر ہوئے، اسلام کے سایہ مین بعض غیر مسلم قومین بھی داخل ہو چکی تھین، اُنکے لیے جزیہ کی یہ آیت اُتری،

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ   تاآنکہ چھوٹے بنکر وہ جزیہ ادا کرین،

سود کی تحریم بھی اسی سال نازل ہوئی، اور اس کے ایک سال کے بعد سنہ۱۰ھ حجۃ الوداع مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اس کا اعلان عام فرمایا،

نجاشی جس کے ظلّ حمایت مین مسلمانون نے چند سال کے حبشہ مین بسر کیے، اس نے اِسال انتقال کیا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُسکی وفات کا خود اعلان فرمایا کہ "مسلمانو! آج تمھارے برادر صالح **اصحمہ** نے وفات پائی، اُس کے لیے دُعائے مغفرت مانگو" اس کے بعد نجاشی کے لیے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی،

غزوات پر دوبارہ نظر

کتاب کا یہ حصّہ سادہ سوانح زندگی پر محدود ہے، بحث و تدقیقات اور رفع شکوک کے لیے دوسرے حصّے ہین، اِس بنا پر مناسب یہ تھا کہ غزوات کے متعلق جو مباحث ہین انہی حصّون مین لکھے جاتے، لیکن کتب سیر مین کثرت اور اہمیت دونون حیثیتون سے جو واقعات زیادہ ترنمایان ہین، صرف غزوات ہین، اگر صرف تصانیف سیرت کو پیش نظر رکھا جائے، تو نظر آتا ہے کہ رسُول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تمامتر سوانح عمری غزوات ہی کا نام ہے، چنانچہ پہلے سیرت پر جو کتابین لکھی گئین، وہ سیرت نہین، بلکہ مغازی ہی کے نام سے مشہور ہین، مثلاً مغازی ابن عقبہ، مغازی ابن اسحاق، مغازی واقدی، یہ انداز تحریر آج تک چلا آیا، اِس لیے اب اگر یہ طرز بالکل بدل دیا جائے تو جو شخص کوئی قدیم تصنیف پہلے پڑھ چکا ہوگا، وہ اِس جدید تصنیف کو پڑھ کر سمجھے گا کہ سیرت کے بجائے کوئی اور چیز پڑھ رہا ہے،

اِن اسباب سے ہمکو بھی غزوات کو تفصیل سے لکھنا پڑا، لیکن غزوات کو پڑھ کر جو سوالات دلون مین پیدا ہو جاتے ہین، انکو دوسرے موقع کے لیے اُٹھا رکھنا ناظرین کے اضطراب کا باعث ہوگا،

غیر مذہب والون نے غزوات کے مقاصد اور اسباب کے سمجھنے مین سخت غلطیان کی ہین، نہ صرف بدنیتون نے، بلکہ نیک دلون نے بھی، لیکن یہ تعجب کی بات نہین، اسباب ایسے جمع ہین کہ اِس قسم کی غلطیوں پر نہ صرف دوستون کو بلکہ دشمنون کو بھی معذور رکھ سکتے ہین،

عرب اور جنگ و غارتگری اس باب مین سب سے مقدم اور سب سے اہم اِس حقیقت کا معلوم کرنا ہے کہ عرب کی قومیت کو "جنگ و غارتگری" سے کیا تعلق ہے؟ ہر قوم کے اخلاق و عادات، رسوم و معاملات، محاسن و اوصاف، معائب و مثالب، غرض اُسکی کل قومی زندگی کا ایک خاص اساس الامر ہوتا ہے کہ سب چیزین اُسی سے بنتی اور اُسی سے نشو و نما پاتی ہین، عرب مین یہ چیز جنگ و غارتگری تھی، اُسکی ابتدا یون ہوئی کہ عرب ایک ویران ملک تھا، کسی

قسم کی پیداوار وہان نہین ہوتی تھی، لوگ اَن پڑھ اور جاہل تھے، خورش اور پوشش کا قدرتی سامان صرف بھیڑ، بکریان، اور اونٹ تھے، کہ اُنکا دُودھ اور گوشت کھاتے، اور بالون کو بُن کر کمل بناتے تھے، لیکن یہ جائداد بھی ہر شخص کو نصیب نہ تھی، یا تھی تو بقدر ضرورت نہ تھی، اِس لیے حملہ اور غارتگری شروع ہوئی، اور معاش کا سب سے بڑا، بلکہ تنہا ذریعہ غارتگری قرار پایا، ابوقالی نے کتاب الامالی مین لکھا ہی،

(" وذلک انهم کانوا یکرهون ان تتوالی علیهم ثلاثة اشهر لا تمکنهم الاغارة فیها لان معاشهم کان من الاغارة[1] " (یہ اسلیے کہ وہ ناپسند کرتے تھے کہ اُن پر تین متواتر اسطرح گذر جائین کہ اُن مین وہ غارتگری نہ کر سکین، کیونکہ اُنکی معاش کا ذریعہ یہی تھا)

چونکہ لوٹ مین زیادہ تر بکریان ہاتھ آتی تھین، اور بکری کو عربی مین "غنم" کہتے ہین، اِس لیے لُوٹ کے مال کو عربی مین "غنیمت" کہنے لگے، اِس لفظ نے پھر یہ وسعت حاصل کی کہ قیصر و کسریٰ کا تاج و تخت لُٹ کر آیا تو اسی نام سے پکارا گیا،

رفتہ رفتہ یہی لفظ عربی قوم، عربی زبان، عربی تاریخ کا سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ نمایان، سب سے زیادہ وسیع الاثر لفظ بنگیا، آج بھی ایک سلطان، ایک رئیس، ایک شیخ القبائل اپنے عزیز و اقارب کو سفر کے وقت رخصت کرتا ہی تو کہتا ہی سالماً غانماً، یعنی "سلامت آنا اور لُوٹ کر لانا"، ہماری زبان مین سب سے عزیز چیز کو جو "غنیمت" کہتے ہین، (مثلاً آپ کا تشریف لانا نہایت غنیمت ہی) یہ وہی لفظ ہی اور عربی زبان سے آیا ہی،

ضرورت معاش کی وجہ سے تمام عرب مین غارتگری اور جنگ عام ہوگئی تھی، تمام قبائل ایک دوسرے پر ڈاکہ ڈالتے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے، صرف حج کے زمانہ مین مذہبی خیال سے چار مہینے مخصوص کر دیے تھے جنکو "اشہر حرم" کہتے تھے، اِن مہینون مین لڑائیان بند ہوجاتی تھین لیکن متصل تین تین مہینہ تک معاش کا مُعطل رہنا سخت گران تھا، اِس لیے نسیٔ ایک رسم ایجاد کرتی تھی یعنی ان مہینون کو حسب ضرورت دوسرے مہینون سے

[1] کتاب الامالی جلد اول صفحہ ۴، مطبوعہ مصر،

بدل لیتے تھے،

حافظ ابن حجر صحیح بخاری کی شرح (تفسیر سورۂ توبہ) مین لکھتے ہین،

کانوا یجعلون المحرم صفراً و یجعلون صفراً	وہ محرم کو صفر، اور صفر کو محرم کر دیا کرتے تھے، تاکہ
المحرم لئلا یتوالی علیھم ثلاثۃ اشھر	پے در پے تین مہینہ تک لڑائی سے محروم
لا یتعاطون فیھا القتال ۔	نہ ہو جائین،

ثار کا عقیدہ

لڑائی کا اصلی ابتدائی سبب یہ تھا لیکن جب یہ سلسلہ چھڑا تو اور اور اسباب بھی پیدا ہو گئے، اور یہ اسباب اہمیت اور وسعت کے لحاظ سے اصلی سبب سے کم نہ تھے، ان مین سب سے مقدم اور شدید الاثر ثار کا قانون تھا، یعنی جب کسی قبیلہ کا کوئی شخص کسی موقع پر قتل ہو جاتا تھا، تو مقتول کے قبیلہ کو اُس کا انتقام لینا فرض ہو جاتا تھا، گو سیکڑون برس گزر جاتے تھے، اور قاتل بلکہ اُس کے خاندان کا نام و نشان مٹ جاتا تھا، تاہم جب تک قاتل کے قبیلہ کے ایک آدمی کو قتل نہین کر لیتا تھا، قومی فرض سے ادا نہین ہو سکتا تھا، اِسی کو ثار کہتے ہین، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک معمولی قتل پر سیکڑون بلکہ ہزارون برس تک مسلسل لڑائیان قائم ہو جاتی تھین، اسی طریقہ کے ابطال کا آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے حجۃ الوداع مین اعلان کیا تھا، اور اپنے قبیلہ کے قاتل کا خون معاف کر دیا تھا لیکن صحرا نشین عربون مین آج تک یہ طریقہ قایم اور اُنکے قومی خصائص کا جزو اعظم ہی،

ثار کے متعلق عجیب عجیب قسم کے معتقدات پیدا ہو گئے تھے، مثلاً یہ کہ مقتول جب مرجاتا ہے تو اُسکی روح پرند بنجاتی ہے اور جب تک اِس کا انتقام نہین لیا جاتا مقام قتل پر شور کرتی رہتی ہے کہ "مجھکو پلاؤ مین پیاسی ہون" اِس پرند کو صدیٰ یا ہامۃ کہتے تھے،

ابو داؤد ایادی کہتا ہے،

یا عمرو ان لا تدع شتمی و منقصتی	اضربک حیث تقول الھامۃ اسقونی
اے عمرو! اگر تو مجھکو گالی دینا اور میری تحقیر کرنا نہ چھوڑیگا	تو مین تجھکو اسطرح مارون گاکہ ہامہ کہیگی کہ مجھکو سیراب کرو

ایک یہ خیال تھا کہ جس مقتول کا انتقام نہین لیا جاتا اس کی قبر مین ہمیشہ اندھیرا رہتا ہے، عمرو بن معدی کرب کی بہن مقتول کی زبان سے کہتی ہے،

واترك فی قبر بصعدة مظلم — خون بہا نہ لوگے تو مین اندھیری قبر مین پڑا رہونگا،

اسی بنا پر خون بہا نہ لینے کو عیب سمجھتے تھے، اسی شاعرہ کا مصرع ہے،

ومشوا باذن النعام المصّلم — اور خون بہا لینا ہی تو بچے شترمرغ کا کان پکڑ کر لیجاؤ،

غیرت اور حمیت کی بنا پر اس بات کو عیب سمجھتے تھے کہ مقتول پر نوحہ کیا جائے،

ولا تراهم وان جلّت مصیبتهم — مع البکاة علی من مات یبکونا

گو کتنی ہی بڑی مصیبت ہو لیکن اُن کو مرنے والے پر روتا ہوا نہ دیکھو گے،

عمرو بن کلثوم،

معاذ الاله ان ینوح نساءنا — علی هالك او ان نضجّ من القتل

خدا نہ کرے کہ ہماری عورتین مقتول پر نوحہ کرین یا ہم قتل سے گھبرا جائین،

مقتول پر نوحہ کرتے تھے تو اُس وقت کرتے تھے جب خون کا انتقام لے لیتے تھے،

من کان مسرورا بمقتل مالكٍ — فلیات نسوتنا بوجه نهار

جو شخص مالک کے قتل سے خوش تھا — وہ دن کو ہماری عورتون کے پاس آئے

یجد النساء حواسرا یندبنه — یلطمن اوجههن بالاسحار

وہ دیکھے گا کہ عورتین ننگے سر نوحہ کر رہی ہین — اور صبح کو اپنے چہرون پر دوہتڑ مار رہی ہین،

ایک خیال یہ تھا کہ جو شخص زخم کھا کر مرتا ہے اُسکی روح زخم کی راہ سے نکلتی ہے، ورنہ ناک کی راہ سے نکلتی ہے اور یہ نہایت عیب سمجھا جاتا تھا، اسی بنا پر بیماری سے مرنے کو "حتف انفہ" کہتے تھے، یعنی "ناک کی موت" اور ایسے مرنے کو نہایت عار سمجھتے تھے،

وما مات منّا سید حتف انفہ   ولا طل منا حیث کان قتیل

رفتہ رفتہ عرب کے تمام قومی مفاخر اور اخلاق و عادات کا اصلی محور جنگ بنگیا تھا، یعنی انکے اوصاف اخلاق مین جس چیز کا اصلی سبب تلاش کیا جائے یہی چیز نکلتی تھی، یہی چیز تھی جنے ایک مدت تک قبائل عرب کو اسلام کو لانے سے باز رکھا، عمرو بن مالک جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین اسلام لاکر اپنے قبیلہ مین واپس گئے، اور اسلام کی دعوت دی تو انہون نے کہا بنو عقیل پر ہمارا انتقام باقی ہے وہ لے لین تو اسلام لائین، چنانچہ اُسوقت بنو عقیل پر جو اسلام قبول کر چکے تھے حملہ آور ہوئے، اور خود عمرو بن مالک نے اس مین شرکت کی، گو پھر انکو بہت ندامت ہوئی کہ اُنکے ہات سے ایک مسلمان مارا گیا،

لوٹ کا مال چونکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین، لڑائیونکی اصلی بنیاد ضرورت معاش سے شروع ہوئی تھی، اس لیے عرب کے نزدیک، مال غنیمت سے زیادہ کوئی شے محبوب نہ تھی، اور ذرائع معاش مین سب سے زیادہ حلال وطیّب اسی کو سمجھتے تھے، یہ خیال اسقدر دلون مین راسخ اور رگ وپے مین سرایت کر گیا تھا کہ اسلام کے بعد بھی ایک مُدّت تک قائم رہا اور جسطرح شارع نے ممنوعات شرعیہ کو بہ تدریج حرام، اور ممنوع کیا تھا، غنیمت کے متعلق نہایت تدریج اور آہستگی سے کام لینا پڑا،

شراب کو جب شارع نے حرام کرنا چاہا تو پہلے یہ آیت اُتری،

یَسْأَلُونَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ ہ (بقرہ)	لوگ تجھ سے شراب اور قمار کی بابت پوچھتے ہین، کہدے کہ دونون مین بڑا گناہ ہے،

اس پر حضرت عمرؓ نے کہا،

اللّٰھم بین لنا فی الخمر بیانا شافیا	اے خدا شراب کے متعلق ہم کو صاف احکام بتا،

پھر یہ آیت اُتری،

۱؎ اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر عمرو بن مالک،

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى — نشہ کی حالت مین نماز نہ پڑھو،

چنانچہ نماز کا وقت آتا تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے حکم سے ایک شخص منادی پکارتا کہ کوئی شخص نشہ مین نماز کو نہ آئے، پھر یہ آیت اُتری،

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ	مسلمانو! شراب، جوا، انصاب، فال کے تیر، یہ سب
وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ	ناپاک، اور شیطان کے کام ہین، تو ان سے بچو کہ غالباً
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ	تم فلاح پاؤ گے، شیطان تو صرف یہ چاہتا ہو کہ شراب
بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ	اور قمار کے ذریعہ سے تم لوگون مین عداوت اور بغض
عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ	ڈالے، اور تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے روکے،
(مائدہ)	تو تم باز آؤ گے؟

باوجود اس کے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شراب کی حرمت کے متعلق اسقدر تاکید و تصریح کی ضرورت خیال کی کہ جس قسم کے برتنون مین شراب پیتے تھے تڑوا دیے، لوگون نے عرض کی کہ شراب کا سرکہ بنالین، اسے بھی منع فرمایا، اِن سب باتون پر بھی حضرت عمرؓ کے زمانہ مین بعض لوگون نے شرابین پین، اور جب اُن سے باز پُرس کی گئی تو اُنھون نے نیک نیتی سے کہا کہ نیک اور اچھے آدمیون کے لیے شراب کہان حرام ہی؟ قرآن مجید مین خود شراب کی حرمت کے بعد یہ تصریح موجود ہے،

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ	جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے اُنھون نے
فِيْمَا طَعِمُوْٓا (مایدہ)	جو کچھ کھایا (یعنی شراب پی) ان پر کچھ الزام نہین،

اس موقع پر بہت سے صحابہ موجود تھے، حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کی طرف دیکھا کہ اس آیت سے کیا مراد ہی، انھون نے کہا یہ اُن صحابہ کی نسبت ہی جو شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے مر گئے، حضرت

۱؎ مسند امام احمد ابن حنبل مطبوعہ مصر صفحہ ۵۳، و ابوداؤد کتاب الاشربۃ،

عمرؓ نے تصدیق کی، اور ان لوگون کو سزا دی، چنانچہ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ تاریخ طبری مین مذکور ہی،

اس تفصیل سے مقصود یہ ہی کہ جب کوئی چیز زمانۂ دراز سے رسم وعادت مین داخل ہو جاتی ہی تو اس کے آثار اور مخفی نتائج مدتون تک قائم رہتے ہین، اور غنیمت کا بھی یہی حال ہی،

سب سے پہلے جنگِ بدر مین قبل اسکے کہ مالِ غنیمت یکجا جمع کیا جاتا، لوگ غنیمت مین مصروف ہو گئے، اسپر یہ آیت اُتری،

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ	اگر خدا کی طرف سے پہلے سے حکم نہو چکا ہوتا، تو
عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝	جو کچھ لیا اسپر تم کو عذاب ہوتا،

چنانچہ صحیح ترمذی تفسیر انفال مین یہ واقعہ بتصریح مذکور ہی، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اعلان فرمایا تھا کہ جو شخص کسی کافر کو قتل کریگا اس کا مال و اسباب قاتل کو ملے گا، اس بنا پر لوگون نے مسلوبہ مال کا دعویٰ کیا، جو صحابہؓ خود لڑے نہ تھے بلکہ علم اور رایت کے محافظ تھے، ان کا دعویٰ تھا کہ اس مین ہمارا بھی حق ہی، اُس پر یہ آیت اتری،

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنفَالِ قُلِ الْأَنفَالُ لِلّٰهِ	لوگ تجھ سے غنیمت کے متعلق پوچھتے ہین، کہدے
وَالرَّسُولِ ۝ (انفال)	غنیمت خدا اور رسول کی ہی،

اس آیت سے یہ مقصود ہی کہ مجاہدین مالِ غنیمت کا خود دعویٰ نہین کر سکتے، اسکی تقسیم آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اختیار مین ہی، جسطرح آپ چاہین تقسیم فرمائین، اس سے اتنا ہوا کہ لڑائیون مین جو ہر شخص خود لوٹ کر جو چیز چاہتا تھا لیتا تھا، بند ہو گیا، لیکن میدان جنگ کے علاوہ اور موقعون پر لوٹنا مدتون موقوف نہین ہوا، سنن ابی داؤد[1] مین ایک انصاری سے روایت ہی کہ ہم لوگ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ایک سفر مین شریک تھے بھوک کی سخت تکلیف ہوئی، اتفاقاً سامنے بکریان نظر پڑین انکو لوٹ لائے اور ذبح کر کے ہانڈیان چڑھا دین، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو خبر ہوئی تو آپ تشریف لائے اور کمان جو ہاتھ مین تھی اُس سے دیگچیان اُلٹ

---

[1] سنن ابی داود، باب النفل، ص ۲ کتاب الجہاد باب فی النہی عن النہبی،

دین اور فرمایا کہ لوٹ کی چیز مُردہ سے بڑھ کر حلال نہین"

خیبر کی لڑائی ۷ھ مین ہوئی اسوقت تک یہ حال تھا کہ اُس کے بعد لوگون نے یہودیون کے جانور اور پھل لوٹ لیے' اس پر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو نہایت غصہ آیا آپنے تمام صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا'

ان اللہ تعالی لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت	خدا نے تم لوگون کے لیے یہ نہین جائز کیا ہے کہ اہلِ
اهل الکتاب الا باذن ولا ضرب نسائهم	کتاب کے گھرون مین گھس جاؤ (مگر بہ اجازت) اور نہ یہ کہ
ولا اکل ثمارهم اذا اعطوکم الذی علیهم	انکی عورتون کو مارو، نہ یہ کہ اُن کے پھل کھا جاؤ جبکہ
(سنن ابی داؤد باب فی تعشیر اهل الذمة اذا اختلفوا فی التجارة)	وہ تم کو وہ ادا کرین جو ان پر فرض ہے'

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) چاہتے تھے کہ غنیمت کے ساتھ لوگون کا جو شغف ہے کم ہوجائے لیکن مُدت تک غنیمت کی محبت اور وارفتگی نہ گئی، غزوۂ اُحد مین صرف اِس وجہ سے شکست ہوئی کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اگرچہ تیراندازون کو سخت تاکید فرمادی تھی کہ گو لڑائی کی کچھ حالت ہو تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، تاہم جب فتح ہوئی تو لوگ بے اختیار لوٹ مین مصروف ہوگئے، ان کا ہٹنا تھا کہ دشمن نے موقع پاکر پشت کی طرف سے حملہ کردیا، حنین مین بھی شکست کی اصلی وجہ یہی تھی کہ قبل از وقت لوگون نے غنیمت لوٹنی شروع کردی تھی'

"غنیمت" اس قدر محبوب تھی کہ بعض صاحبون کو کسی کافر کے مسلمان ہونے پر اِس بنا پر رنج ہوا کہ اسلام لانے کی وجہ سے اس کا مال نہ مِل سکا، سُنن ابی داؤد مین ہے کہ ایک صحابی نے ایک سریہ مین حملہ کرنا چاہا، قبیلہ والے روتے ہوئے آئے' انہون نے کہا لا الٰہ الا اللہ کہو تو تمھاری جان اور مال بچ جائےگا' اُنہون نے لا الٰہ الا اللہ کہا، اور اُن کو امن دیدیا گیا، جب یہ اپنے ساتھیون مین آئے تو لوگون نے انکو ملامت کی کہ

احرمتنا الغنیمة	تم نے ہم کو غنیمت سے محروم کردیا'

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جب یہ لوگ گئے تو آپنے اُن صحابی کی تحسین کی اور فرمایا کہ "تمکو ایک

---

۱ سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۳۴۵ باب التسبیح'

ایک آدمی کے بدلے (جسکو تم نے چھوڑ دیا) اِس اِس قدر ثواب ملے گا"

سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ تھی کہ مُدّت تک لوگ یہ سمجھا کئے کہ غنیمت حاصل کرنا ثواب کا کام ہی، سنن ابی داؤد مین ہی کہ ایک صحابی نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے پوچھا کہ "یا رسول اللہ! ایک شخص جہاد پر جانا چاہتا ہے اور چاہتا ہی کہ کچھ مال ہات آئے" آپ نے فرمایا کہ "اُسکو کچھ ثواب نہین ملے گا" یہ جواب انہون نے آکر لوگون سے بیان کیا، تو لوگون کو بہت تعجب ہوا، اور اُن سے کہا تم نے آنحضرت صلعم کا مطلب نہین سمجھا، پھر جاکر پوچھو، انہون نے دوبارہ پوچھا اور وہی جواب ملا، لوگون نے پھر اُن کو بھیجا، اور پھر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے یہی فرمایا کہ "اُس کو کچھ ثواب نہین ملے گا"[۱]

اِس قسم کے اور بہت سے واقعات ہین،

وحشیانہ افعال عرب مین لڑائیون کی شدّت اور وسعت نے نہایت وحشیانہ رسمین قائم کردی تھین جن مین سے چند کی یہ تفصیل ہے،

(۱) اسیران جنگ کو جب قتل کرتے تھے تو چھوٹے چھوٹے بچّون اور عورتون کو بھی قتل کرتے تھے بلکہ آگ مین جلا دیتے[۲] تھے،

(۲) غفلت یا نیند کی حالت مین دفعتہً دشمن پر جا پڑتے تھے، اور قتل و غارتگری شروع کر دیتے تھے، یہ طریقہ عام اور کثرت سے رائج تھا، بہت سے بہادر اِس خاص طریقہ مین زیادہ ممتاز تھے اور اُنکو "فاتک" یا "فتّاک" کہتے تھے، تابّط شرا، سلیک بن السلکۃ، اسی قسم کے لوگ تھے،

(۳) زندون کو آگ مین جلا دیتے تھے، عمرو بن ہند (عرب کا ایک بادشاہ تھا) کے بھائی کو جب بنو تمیم نے قتل کر دیا تو اُس نے مَنّت مانی کہ ایک کے بدلے سَو آدمیون کو قتل کرون گا، چنانچہ بنو تمیم پر حملہ کیا وہ لوگ بھاگ گئے، صرف ایک بڑھیا رہ گئی تھی جس کا نام حمرا، تھا اُسکو گرفتار کرکے زندہ آگ مین ڈالدیا،

---

[۱] سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی من یغزو ویلتمس الدنیا، [۲] مجمع الامثال کرمانی مطبوعہ ایران، صفحہ ۲۴۲

اتفاق یہ کہ ایک سوار جس کا نام عمّار تھا آنکلا، عمرو نے پوچھا تو کیون آیا، اُسنے کہا مین کئی دن کا بھوکا تھا، دھوان اُٹھتے دیکھا تو سمجھا کھانا ہوگا، عمرو نے حکم دیا کہ وہ بھی آگ مین ڈال دیا جاے چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی، جریر نے اپنے شعر مین اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہی،

واخزاکم عمرو کما قد خزیتھم   وادرک عمارا شقی البراجم

(۴) بچّون کو نشانہ بناکر تیرون سے مارتے تھے، داحس اور غبرا کی لڑائیون مین قیس نے بنو ذبیان کے پاس اپنے بچے ضمانت کے طور پر رکھے تھے، حذیفہ نے جو بنو ذبیان کا رئیس تھا ان بچّون کو لیجا کر ایک وادی مین کھڑا کیا، اور اُن کو نشانہ بناکر قدر اندازی کرتا تھا، اتفاق سے کوئی لڑکا نہ مرا تو دوسرے دن پر اُٹھا رکھا جاتا تھا، چنانچہ دُوسرے دن یہ تفریح انگیز چاندماری پھر شروع ہوتی تھی، اور لوگ یہ تماشا دیکھتے تھے،

(۵) قتل کا ایک طریقہ تھا کہ ہات پاؤن اور دیگر اعضا کاٹ کر چھوڑ دیتے تھے کہ وہ تڑپ تڑپ کر مرجاتا، غطفان اور عامر کی لڑائی مین اِسی خوف سے حکم بن الطفیل نے اپنے آپ کو خود گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا جیسا کہ عقد الفرید مین یہ تفصیل مذکور ہے،

عرنیہ کے لوگ جو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین بظاہر اسلام لاکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے غلام کو پکڑ لے گئے تو اس کے ہات پانون کاٹ ڈالے، پھر ان کی آنکھون اور زبان مین کانٹے چبھوے یہان تک کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر گئے،

(۶) مرنے کے بعد بھی انتقام کا جوش طرح طرح کی نفرت انگیز صورتون مین ظاہر ہوتا تھا، مُردون کے ہاتھ پاؤن، کان، ناک وغیرہ کاٹ لیتے تھے، ہند نے جنگ اُحد مین اسی رسم کے موافق حضرت حمزہؓ اور دیگر شہدا کے اعضا کاٹ کر ہار بنایا اور گلے مین پہنا تھا،

۱؎ یہ پوری تفصیل مجمع الامثال کرمانی مین ہی، دیکھو کتاب مذکور مطبوعۂ ایران صفحہ ۲۴۳، ۲؎ مجمع الامثال صفحہ ۷۴، ۳؎ یہ واقعہ تمام کتب حدیث مین مذکور ہی لیکن یہ تفصیل طبقات ابن سعد صفحہ ۷۰ سے ماخوذ ہی، مسلم مین صرف آنکھو کا اندھا کرنا مذکور ہے،

(۷) منّت مانتے تھے کہ دشمن پر قابو ہات آئے گا تو اسکی کھوپڑی مین شراب پئین گے، سلافہ کے دو بیٹے جنگ اُحد مین عاصمؓ کے ہات سے مارے گئے تھے، اِس بنا پر سلافہ نے منّت مانی کہ عاصمؓ کی کھوپری مین شراب ڈال کر پیے گی، یہ بھی معمول تھا کہ مقتول کا کلیجہ نکالکر کھا جاتے تھے، ہند نے حضرت حمزہ کا کلیجہ جو نکالکر چبالیا تھا، اُس کا حال اوپر گذر چکا ہی،

(۸) حاملہ عورتون کا پیٹ چاک کرڈالتے اور اُس پر فخر کرتے تھے، عامر بن طفیل، عرب کا مشہور بہادر اور رئیس ہوازن کہتا ہی،

بقرنا الحبالیٰ من شنوءۃ بعد ما خبطن بفیف الرحم نہدا وختعما

غزوات نبوی کے اسباب[1] اور انواع

تفصیل مذکورۂ بالا کے بعد اب ہم اِس واقعہ کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے ہین کہ غزوات نبوی کن اسباب سے وجود مین آئے اور شارع علیہ السّلام نے طریقۂ قدیم مین کیا اصلاحین فرمائین، مورخین نے "غزوہ" کے لفظ کو اِسقدر وسعت دی ہی کہ امن و امان قائم رکھنے کے لیے دو چار آدمی بھی کہین بھیجدیے گئے تو اُسکو بھی انھون نے غزوہ مین شمار کرلیا، غزوہ کے علاوہ ایک اور لفظ ہی یعنی "سریّہ"، "غزوہ"، اور سریّہ مین لوگون کے نزدیک یہ فرق ہی کہ غزوہ مین کم سے کم آدمیون کی ایک خاص تعداد ضروری ہے، سریّہ مین کوئی قید نہین، ایک آدمی بھی کہین لڑائی کی دیکھ بھال کو بھیجدیا گیا تو یہ بھی سریّہ ہے، بعضون کے نزدیک غزوہ کے لیے یہ شرط ہی کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے خود بہ نفس نفیس اس مین شرکت کی ہو،

حقیقت یہ ہی کہ جن واقعات کو مورخین سریّہ کہتے ہین وہ چند قسمون پر منقسم ہین،

(۱) محکمۂ تفتیش یعنی دشمنون کی نقل و حرکت کی خبر رسانی،

(۲) دشمنون کے حملہ کی خبر سنکر مدافعت کے لیے پیشقدمی کرنا،

(۳) قریش کی تجارت کی روک ٹوک تاکہ وہ مجبور ہو کر مسلمانون کو حج وعمرہ کی اجازت دین،

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۰۔ [2] یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ یہ بحث تمامتر تاریخی حیثیت سے ہی، جہاد کی اصل حقیقت پر بحث کتاب کی دوسری جلد دون مین آئیگی،

(۴) امن وامان قائم کرنے کے لیے تعزیری فوجین بھیجنا،

(۵) اشاعت اسلام کے لیے لوگ بھیجے گئے، اور حفاظت کے خیال سے کچھ فوج ساتھ کر دی گئی، اِس صورت مین تاکید کر دی جاتی تھی کہ تلوار سے کام نہ لیا جائے،

غزوہ کی صرف دو صورتین تھین،

(۱) دشمنون نے دار الاسلام پر حملہ کیا اور اُن کا مقابلہ کیا گیا،

(۲) یہ معلوم ہوا کہ دشمن مدینہ پر حملہ کی طیاری کر رہے ہین، اور پیشقدمی کی گئی،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ مین جو لڑائیان واقع ہوئین یا اس قسم کے جو واقعات پیش آئے، انہی مختلف اغراض سے تھے،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) جب مکہ سے چلے آئے تو قریش نے فیصلہ کر لیا کہ اسلام کو مٹا دیا جائے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر اسلامی تحریک قائم رہی تو ایک طرف اُنکے مذہب کو صدمہ پہنچیگا، دوسری طرف تمام عرب مین ان کا جو تفوق اور اثر اور مرجعیت عام ہے سب جاتا رہیگا، اس بنا پر ایک طرف تو قریش نے خود مدینہ پر حملہ کی طیاریان شروع کین، دوسری طرف تمام قبائل عرب کو بھڑکایا کہ یہ نیا گروہ اگر کامیاب ہو گیا تو تمھاری آزادی بلکہ ہستی بھی فنا ہو جائیگی،

بیعت عقبہ مین جب انصار آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ہات پر بیعت کر رہے تھے، تو ایک انصاری نے کہا کہ برادران مین! جانتے ہو کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب وعجم سے اعلان جنگ ہے!! اوپر ہم مسند دارمی وغیرہ کے حوالہ سے نقل کر آئے ہین، کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) جب مدینہ مین تشریف لائے تو تمام عرب مدینہ پر حملہ کے لیے طیار ہو گیا، نوبت یہان تک پہنچی کہ مدینہ مین مہاجرین اور انصار رات کو سوتے تھے تو ہتیار باندہ کر سوتے تھے، اوپر گذر چکا ہے (بحوالۂ[۱] ابوداود) کہ قریش نے عبد اللہ بن ابی کو پیغام بھیجا تھا کہ محمد کو وہان سے نکالدو

[۱] باب فی جزء النضیر،

ورنہ ہم خود مدینہ آکر تمہارا اور محمدؐ دونون کا فیصلہ کردین گے،

محکمۂ تفتیش

اِن واقعات کی بنا پر ضرور تھا کہ اسلام اور دارالاسلام کی حفاظت کے لیے ضروری تدبیرین اختیار کی جائین، اِس سلسلہ کا سب سے پہلا کام یہ تھا کہ خبر رسانی اور جاسوسی کا انتظام وسیع پیمانہ پر کیا جائے، چنانچہ ابتدا ہی سے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اِس انتظام پر توجہ کی، وقتاً فوقتاً کثرت سے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیان بناکر مختلف مقامات پر بھیجتے رہتے تھے، یہ ٹکڑیان گو محض خبر رسانی کے لیے جاتی تھین، لیکن حفاظت کی غرض سے مسلح اور جمعیت کی صورت مین جاتی تھین،

یہی واقعات ہین جنکو مورخین "سرایا" سے تعبیر کرتے ہین اور اُنکے نزدیک اس کا مقصد کسی قافلہ کا لوٹنا یا کسی جماعت پر بیخبری کی حالت مین جا پڑنا ہوتا تھا،

ایک بڑا قرینہ اس بات کا کہ ان دستون کے بھیجنے سے حملہ کرنا مقصود نہین ہوتا تھا، یہ ہے کہ دستے اکثر دس دس بارہ بارہ آدمیون سے زیادہ نہین ہوتے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ اتنے تھوڑے سے آدمی لڑنے کے لیے نہین بھیجے جاسکتے تھے، مثلاً ۲ھ مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے عبداللہ بن جحش کو بارہ آدمیون کے ساتھ مکہ کی طرف بھیجا اور ایک سربمُہر تحریر دی کہ دو دن کے بعد اس خط کو کھولنا، دو دن کے بعد اُنھون نے کھولا تو اُس مین یہ الفاظ تھے،

سریۂ ابن جحش

فسر حتی تنزل نخلۃ بین مکۃ والطائف	برابر چلے جاؤ یہان تک کہ نخلہ مین جاکر ٹھہرو جو مکہ
فترصد بہا قریشاً وتعلم من اخبارھم	اور طایف کے بیچ مین ہے، اور قریش کی دیکھ بھال کرتے
(طبری صفحہ ۱۲۷۴)	رہو اور انکی خبرین دریافت کرو،

مدافعت

اِس انتظام کا یہ نتیجہ تھا کہ جب کوئی مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتا تو فوراً خبر ہو جاتی اور پیشدستی کر کے فوجین بھیجدیجاتین، اکثر سرایا اسی قسم کے تھے، اور چونکہ ہم سرایا کا ذکر زیادہ تر قلم انداز کرآئے ہین اس لیے مثال کے طور پر چند سرایا کا ذکر کرتے ہین، اور قدمائے اہلِ سیر کی تصریحات سے ثابت کرتے ہین کہ یہ مُہمین مدافعت کی غرض

سے تھیں،

سریۂ غطفان

سریۂ غطفان سنہ ۳ھ

وذلك انه بلغ رسول الله صلعم ان جمعا من بنی ثعلبة ومحارب بذی امر قد تجمعوا يريدون ان يصيبوا من اطراف رسول الله صلعم جمعهم رجل منهم يقال له دعثور بن الحارث الخ (طبقات صفحہ ۴۴)

اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ قبیلہ بنو ثعلبۃ اور محارب کی ایک فوج ذوامر میں اس غرض سے جمع ہوئی ہے کہ آنحضرت کی طرف حملہ کرے اس فوج کو ایک شخص نے فراہم کیا جسکا نام دعثور ہے،

سریۂ ابوسلمہ

سریۂ ابوسلمہ سنہ ۳ھ،

وذلك بلغ رسول الله ان طلحة وسلمة ابنی خويلد قد سارا فی قومهما ومن اطاعهما يدعوهم الی حرب رسول الله الخ (ابن سعد صفحہ ۳)

اس سریہ کی یہ وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر لگی کہ طلحہ اور سلمۃ (پسران خویلد) دونوں اپنی قوم اور اپنے پیروں کو لیکر آنحضرت صلعم سے لڑنے کے لیے روانہ ہوئے ہیں،

سریۂ عبداللہ بن انیس

سریۂ عبداللہ بن انیس بغرض قتل سفیان بن خالد سنہ ۴ھ

وذلك انه بلغ رسول الله صلعم ان سفيان بن خالد فی ناس من قومه وغيرهم قد جمع الجموع لرسول الله

ابن انیس اسلئے بھیجے گئے تھے کہ آنحضرت صلعم کو خبر لگی کہ سفیان بن خالد اپنے قبیلہ کو اور باہر کے لوگوں کو آنحضرت صلعم سے لڑنے کے لیے جمع کر رہا ہے،

غزوۂ ذات الرقاع

غزوۂ ذات الرقاع سنہ ۵ھ

فاخبر اصحاب رسول الله صلعم ان انمار و ثعلبة قد جمعوا لهم الجموع ... فمضى)

ایک جاسوس نے آکر صحابہ کو اطلاع کی کہ انمار اور ثعلبۃ وغیرہ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے فوجیں جمع کر رہے ہیں آپ چل کھڑے ہوئے

غزوۂ دومۃ الجندل

غزوۂ دومۃ الجندل سنہ ۵ھ

قالوا بلغ رسول الله صلعم ان بدومة الجندل

رواۃ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو خبر لگی کہ دومۃ الجندل

جمعاً کثیرا ... وانھم یریدون ان یدنوا من المدینة (ابن سعد صفحہ ۴۴)

میں ایک گروہ کثیر جمع ہے اور وہ مدینہ پر بڑھنا چاہتا ہے لوگ چاہتے ہیں کہ مدینہ کی طرف بڑھیں،

غزوۂ مریسیع

غزوۂ مریسیع ۵ھ،

ان بلمصطلق من خزاعة وھم حلفاء بنی مدلج وکان راسھم وسیدھم الحارث بن ابی ضرار فسار فی قومہ ومن قدر علیہ من العرب فدعاھم الی حرب رسول اللہ فاجابوہ (ابن سعد صفحہ ۴۵)

قبیلہ بنو مصطلق خزاعہ کی شاخ ہے، اور یہ لوگ بنو مدلج کے حلیف ہیں، اور ان کا سردار حارث بن ابی ضرار تھا، وہ اپنی قوم کو اور نیز اور لوگوں کو جو اُسکے قابو میں تھے لیکر چلا، اور لوگوں کو رسول اللہ سے لڑنے کی دعوت دی اور لوگوں نے منظور کی،

سریۂ فدک

سریۂ علی ابن ابی طالب، بطرف فدک ۶ھ،

بلغ رسول اللہ صلعم ان لھم جمعاً یریدون ان یمدوا یھود خیبر،

آنحضرت ؐ کو معلوم ہوا کہ بنو سعد فدک میں یہود خیبر کی کمک کے لیے فوج جمع کر رہے ہیں،

سریۂ بشیر بن سعد

سریۂ بشیر بن سعد شوال ۷ھ

بلغ رسول اللہ صلعم ان جمعا من غطفان بالجناب قد واعدھم عیینة بن حصن لیکون معھم لیزحفوا الی رسول اللہ

آنحضرت کو خبر پہنچی کہ غطفان کا ایک گروہ مقام جناب میں جمع ہے اور اُن سے عیینہ بن حصن نے وعدہ کیا ہے کہ اُنکے ساتھ ملکر رسول اللہ پر حملہ آور ہوگا،

سریۂ عمرو بن العاص

سریۂ عمرو بن العاص، ذات سلاسل ۸ھ، یہ مقام مدینہ سے ۱۰ منزل ہے،

بلغ رسول اللہ صلعم ان جمعا من قضاعة قد تجمعوا یریدون ان یدنوا من اطراف رسول اللہ

آنحضرت صلعم کو خبر پہنچی کہ قضاعہ کا ایک گروہ جمع ہوا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف بڑھے،

قریش کی تجارت کی روک ٹوک

بخاری کے حوالہ سے ہم اوپر نقل کر آئے ہین کہ (قریش اور مسلمانون مین جنگ چھڑنے سے پہلے) ابوجہل نے حضرت معاذ انصاری سے کعبہ مین یہ کہا تھا کہ "اگر تم لوگ محمدؐ کو نکال نہ دوگے تو تم کعبہ کا طواف نہین کرسکتے" انھون نے جواب دیا تھا کہ "تم نے اگر ہمکو کعبہ مین آنے سے روکا تو ہم تمھاری شام کی تجارت روک دینگے" (مکہ سے شام کو جو قافلہ جاتا تھا، مدینہ اسکی راہ مین پڑتا تھا) کعبہ مسلمانون کی خاص چیز تھی، کیونکہ کعبہ جس نے تعمیر کیا تھا، مسلمان اُسی کے دین (ابراہیمی) کے پیرو تھے، باوجود اسکے قریش نے مسلمانون کو عموماً حج اور عمرہ سے روک دیا اور اسکے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا کاروانِ تجارت روک دیا جاے کہ وہ مجبور ہو کر مسلمانون کو کعبہ کے جانے کی اجازت دین،

بعض سرایا قبل حدیبیہ

سرایا کے ذکر مین اکثر جگہ اہل سیر لکھتے ہین کہ یتعوض لعیر قریش، یعنی "اس لیے فوجین بھیجی گیٔین یا خود آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) تشریف لے گئے کہ کاروان قریش کی روک ٹوک کیجائے" یہ تمام مہمات اسی غرض کے لیے تھین، لیکن چونکہ قریش تجارت کے لیے بھی ہتیار بند ہو کر نکلتے تھے اور کم از کم سو دو سو کی جمعیت ساتھ لیکر جاتے تھے اس لیے روک ٹوک مین کبھی کبھی مقابلہ پیش آجاتا تھا اور جب قریش شکست کھا کر بھاگ جاتے تھے تو مالِ تجارت غنیمت مین ہات آتا تھا اہل سیر غلطی سے ان واقعات کو اس پیرایہ مین لکھتے ہین کہ قافلہ کا لوٹنا ہی اصلی مقصد تھا، یہی روک ٹوک تھی جسکی بنا پر قریش نے بالآخر حدیبیہ کی صلح کرلی جسکے رو سے مسلمانون کو چند خاص پابندیون کے ساتھ حج کی اجازت مل گئی، قریش پر کاروانِ تجارت کی روک ٹوک کا اسقدر اثر پڑتا تھا کہ (حضرت ابوذر غفاری نے مکہ مین جب اپنے اسلام کا اعلان کیا اور قریش نے اس جرم مین اُنکو مارنا پیٹنا شروع کیا اور حضرت عباسؓ نے کہا کہ غفار کا قبیلہ تمہارے کاروان تجارت کے سرراہ واقع ہے، تمھاری اس حرکت سے برہم ہو کر وہ راستہ نہ روکدے تو یہ تدبیر پوری کارگر ہوئی، اور انہون نے ڈر کر حضرت ابوذر کو چھوڑ دیا) صلح حدیبیہ کے بعد قریش کی خواہش کے مطابق جب یہ طے ہوا کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) مکہ کے نومسلمون کو واپس دیدینگے، اور ان نومسلمون) نے مکہ سے بھاگ کر شام کی راہ مین اپنا ایک مستقر قائم کرلیا (اور قریش کی تجارت کی راہ کو غیر مامون کردیا) تو قریش نے بالآخر

اجازت دیدی کہ جو مسلمان چاہے مکہ سے مدینہ چلا جائے، انکی طرف سے کوئی روک ٹوک نہوگی (پھر آیندہ سال انھون نے مسلمانون کو حج وعمرہ کی بھی اجازت دیدی اس کے بعد پھر کبھی مسلمانون نے قریش کے کاروان تجارت سے تعرض نہین کیا، بلکہ خود انکی حفاظت کے لیے فوج بھیجتے تھے)

امن وامان قائم کرنا اوپر گذر چکا ہے کہ عرب مین اس سرے سے اس سرے تک مطلق امن وامان نہ تھا، تمام قبائل باہم لڑتے رہتے تھے، یہان تک کہ محترم مہینون مین بھی بہانے نکالکر مہینون کے نام بدل دیتے تھے، اور لڑتے تھے تجارت بالکل غیر محفوظ تھی، قافلون کا لوٹ لینا عام بات تھی، جیسا کہ بدقسمتی سے آج بھی بدو قافلون کو لوٹتے رہتے ہین، رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو خدا نے اسلیے بھیجا تھا کہ نہ صرف وعظ وپند بلکہ دست وبازو سے بھی تمام عرب بلکہ تمام دنیا مین امن وامان قائم کرین، کیونکہ خونریزی اور قتل سے زیادہ کوئی چیز خدا کو ناپسند نہین،

مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّہٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا (مائدہ)

اسی لیے ہم نے بنی اسرائیل کو لکھدیا تھا کہ جس شخص نے ایک جان کو بغیر معاوضہ کے قتل کردیا، اُس نے تمام عالم کو قتل کردیا،

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ۔ (سیقول)

اور جب وہ پھر کر جاتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین مین فساد برپا کرے اور کھیتی اور نسل کو برباد کرے اور اللہ فساد کو پسند نہین کرتا،

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (مائدہ ۔۴)

جو لوگ خدا اور رسول سے لڑتے ہین اور زمین مین فساد مچاتے ہین انکی سزا یہ ہو کہ وہ قتل کردیے جائین، یا پھانسی دیے جائین، یا ان کا ایک ہاتھ اور دوسرے طرف کا پانون کاٹ ڈالا جائے، یا جلاوطن کردیے جائین،

احادیث مین ہو کہ جب عدی (حاتم طائی کے بیٹے) اسلام لائے تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُن سے

۱؎ فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۱۶،

ارشاد فرمایا کہ خدا اس کام کو اسطرح پورا کرے گا کہ ایک شتر سوار صنعاء سے لیکر حضر موت تک سفر کریگا اور اُسکو خدا کے سوا یا بھیڑیے کے سوا (کہ اُسکی بکریاں نہ اٹھالیجائے) اور کسی کا ڈر نہ ہوگا" یہ ابو داؤد کے الفاظ ہین صحیح بخاری[1] مین ہی کہ خدا اس کام کو اسطرح پورا کریگا کہ ایک عورت قادسیہ سے چلیگی اور آکر کعبہ کی زیارت کریگی، اور اُسکو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا" عدی کہتے ہین کہ مین نے اپنی آنکھون سے دیکھ لیا کہ ایک عورت قادسیہ سے سفر کرکے حرم تک آتی ہے اور اسکو کسی کا ڈر نہین ہوتا،

بہت سے واقعات ہین جنکو اہل سیر سرایا مین شمار کرتے ہین، وہ محض تجارت کی آزادی اور عام امن و امان قائم کرنے کی غرض سے تھے، دو تین مثالین ہم درج کرتے ہین،

سریۂ زید بن حارثہ

سنہ ۶ھ مین حضرت زید مال تجارت لیکر شام گئے، واپس آتے ہوئے جب وادی قریٰ کے قریب پہنچے تو بنو فزارہ کے لوگون نے آکر اُنکو مارا پیٹا اور تمام مال و اسباب چھین لیگئے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُسکے تدارک کے لیے تھوڑی سی فوج بھیجی جسنے ان لوگون کو سزا دی[2]،

اسی سنہ مین اس سے پہلے دحیہ کلبی جنکو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے خط دیکر قیصر کے پاس بھیجا تھا، شام سے واپس آرہے تھے، جب حمی پہنچے تو ہنید نے چند آدمیون کے ساتھ اُن پر ڈاکہ ڈالا، اور جو کچھ اُن کے پاس تھا سب چھین لیا، یہانتک کہ بدن کے کپڑے (وہ بھی جو پُرانے اور پھٹے تھے) چھوڑ دیے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُسکے تدارک کے لیے زید کو بھیجا[2]،

سریۂ دومۃ الجندل

سنہ ۵ھ مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو خبر لگی کہ دومۃ الجندل مین جو مدینۂ منورہ سے شام کی جانب پندرہ منزل پر ہے، ایک بڑا گروہ جمع ہوگیا ہے جو تاجرون کو ستاتا ہی، اسکے تدارک کے لیے آپ خود تشریف لے گئے، مجمع منتشر ہوچکا تھا، لیکن آپ نے چند روز تک وہان قیام کیا، اور انتظام کے لیے تمام اطراف مین فوج کی چھوٹی ٹکڑیان بھیجدین[3]،

---

[1] باب علامات النبوۃ، [2] طبقات ابن سعد صفحہ ۶۵، جلد غزوات، [3] ابن سعد صفحہ ۴۴،

یہ حالت کچھ مسلمان تاجرون کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ صلح حدیبیہ کے بعد کفار قریش کے کاروان تجارت کی

سریہ خبط یا سیف البحر

بھی اسیطرح حفاظت کیجاتی تھی، ۸ھ مین قریش کا کاروان تجارت شام سے واپس آرہا تھا، قبیلہ جہینہ کی طرف سے اطمینان نہ تھا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے عبیدہ بن جراح کی سرداری مین تین سو مسلمانون کی جمعیت جس مین حضرت عمرؓ بھی داخل تھے، مدینہ سے پانچ دن کی مسافت پر روانہ فرمایا، مسلمانون نے اس فرض کو اسطرح انجام دیا کہ کھانے کو کچھ نہ رہا تو ایک ایک چھوہارے پرون دن بھر گذار دیا،

صحیح مسلم[1] مین یہ واقعہ مفصل مذکور ہے، لیکن اس سریہ کی غرض مختلف راویون نے مختلف بیان کی ہے اصل راوی حضرت جابرؓ ہین جو اس واقعہ مین شریک تھے، ایک روایت مین ہو کہ جہینہ سے لڑنے کو یہ مہم بھیجی گئی تھی کتب مغازی مین بھی یہی مذکور ہے، دوسری روایتون کے الفاظ یہ ہین،

۱ نتلقی عیر قریش قافلۂ قریش سے ملنے کے لیے، ۲ نرصد عیر قریش قافلۂ قریش کی دیکھ بھال کیلیے

اس سے مقصود عام طور سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ قافلۂ قریش کے لوٹنے کے لیے، لیکن یہ صریح غلطی ہی کیونکہ یہ زمانہ تو صلح حدیبیہ کا تھا، اس بنا پر ان الفاظ کے صاف معنی یہ ہین کہ یہ مہم قافلہ قریش کی حفاظت اور جہینہ کو روکنے کے لیے بھیجی گئی تھی، حافظ ابن حجر کی بھی یہی تحقیق ہے[3]،

عرب کی جسارت اور رہزنی کی عادت کا یہ حال تھا کہ اگرچہ ہر دفعہ انکو سخت سے سخت سزا مین ملتی تھین

غزوہ غابہ

تاہم وہ کسی طرح جرائم سے باز نہین آتے تھے، یہانتک کہ غابہ پر جو مدینہ کا چراگاہ تھا، ڈاکے ڈالتے تھے، ۶ھ مین قبیلہ فزارہ کی آبادی مین قحط پڑا، عیینہ بن حصن جو یہان کا رئیس تھا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرط کرم سے اسکو اجازت دی کہ اسلامی حدود مین جو سیراب تھے مویشی چرائے لیکن ۶ھ مین اسی عیینہ نے غابہ پر جو مدینہ کا چراگاہ تھا، حملہ کیا، اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی بیس اونٹنیان لوٹ لین، حضرت ابوذرؓ کے بیٹے جو چراگاہ کے محافظ تھے ان کو قتل کر دیا، چنانچہ ارباب سیر اس واقعہ کو غزوۂ غابہ سے تعبیر کرتے ہین

(۱) صحیح مسلم باب اباحۃ میتۃ البحر، صحیح بخاری باب غزوہ سیف البحر مین بھی یہ روایتین ہین (۲) ابن سعد جز مغازی سریہ خبط (۳) فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۶۲

عرب کا تمام ملک جو اسلام کا دشمن ہو گیا اور اخیر فتح مکہ تک کفّار سے جو لڑائیان جاری رہین اسکی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ عرب کی معاش کا بڑا ذریعہ رہزنی، قطّاع الطریقی اور قتل و تاراج تھا۔ اسلام اِن چیزون کو مٹاتا تھا اسلیے عرب، اِسلام سے بڑھکر کسی کو اپنا دشمن نہین سمجھ سکتے تھے،

بےخبری مین حملہ کرنیکا سبب

عرب کے قبائل دو قسم کے تھے، ایک وہ جو کسی خاص مقام پر مستقل سکونت رکھتے تھے، دوسرے وہ جو خیمہ نشین اور بادیہ گرد تھے، ان کا کوئی خاص مستقر نہ تھا، جہان چشمہ یا سبزہ زار دیکھا خیمے ڈال دیے، جب وہان بھی پانی نہ رہا تو خبر رسان کسی اور مقام کی خبر لائے اور وہان چلے گئے، ان قبائل کو عربی مین اصحاب الوبر کہتے ہین، زیادہ تر جو قبائل ڈاکے ڈالا کرتے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے، اسی قسم کے قبائل تھے، ان کا انتظام، اور انکی روک ٹوک سخت مشکل تھی، انکی تعزیر کے لیے فوجین جاتی تھین تو یہ پہاڑون پر بھاگ جاتے تھے، اور قابو مین نہین آتے تھے، اس لیے مجبوراً جو فوجین اُن پر بھیجی جاتی تھین غفلت مین بھیجی جاتی تھین کہ وہ بھاگ نہ جانے پائین،

اکثر سرایا کے بیان مین اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے کچھ فوجین بھیجین جو راتون کو چلتی تھین اور بےخبری کی حالت مین موقع پر پہنچکر حملہ کرتی تھین، اور قبائل کو لوٹ لیتی تھین، اِس قسم کے واقعات تمام کتابون مین کثرت سے منقول ہین اور اِنہی واقعات سے یورپ کے لوگون نے یہ خیال قائم کیا ہے کہ اسلام نے دشمن پر ڈاکہ ڈالنا اور لوٹ مار کرنا جائز رکھا ہے، اسی بنا پر **مارگولیوس** نے یہ استدلال کیا ہے کہ "چونکہ بہت دنون تک مسلمانون کے پاس **معاش** کا کوئی ذریعہ نہ تھا اس لیے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ قبائل پر بےخبری مین حملہ کرکے مال اور اسباب لوٹ لایا کرتے تھے،"

لیکن جب زیادہ تفحص اور استقرار اور کد و کاوش سے تمام واقعات بہم پہنچائے جائین تو ثابت ہوگا کہ جناگ حملہ اُنھی قومون پر کیا جاتا تھا جنکی نسبت یہ احتمال ہوتا تھا کہ انکو خبر ہوگی تو پہاڑون کی چوٹیون پر یا کسی اور مقام پر بھاگ جائین گے، چنانچہ اکثر ایسا ہوا کہ ان لوگون کو خبر ہوئی اور وہ کسی طرف چلدیے، اِس قسم کے چند واقعات ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین، ان مین سے بعض مین آپ خود تشریف لے گئے، اور بعض مین کچھ دستے بھیجدیے

غزوۂ بنوسلیم

غزوۂ بنو سلیم ۳ھ (ابن سعد صفحہ ۲۴)

داغذ السیر... فوجدھم قد تفرقوا فی میاھھم فرجع،	اور بہت تیزی سے بگ ٹٹ گئے، لیکن وہ لوگ اپنے چشمون کی طرف چلدیے تھے،

غزوۂ ذات الرقاع

غزوۂ ذات الرقاع ۵ھ

وھربت الاعراب الی رؤس الجبال	اور اعراب پہاڑون کی چوٹیون پر بھاگ گئے،

سریہ عکاشہ

سریہ عکاشہ ۶ھ

وجہ رسول اللہ صلعم عکاشۃ بن محصن الی الغمر فی اربعین رجلا فخرج سریعا یغذ السیر... فھربوا،	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاشہ بن محصن کو ۴۰ آدمیون کے ساتھ بھیجا، وہ بگ ٹٹ گئے... لیکن وہ لوگ بھاگ گئے،

سریہ علی ابن ابی طالب

سریہ علی ابن ابی طالب، الی بنی سعد ۶ھ

فبعث الیھم علی ابن ابی طالب فی مائۃ رجل فسار اللیل وکمن النہار حتی انتہی الی الھجر... فاغاروا علیھم فاخذ خمس مئۃ بعیر و الفی شاۃ وھربت بنو سعد بالظعن،	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو سو آدمیون کے ساتھ بھیجا، وہ راتون کو چلتے تھے اور دن کو چھپ رہتے تھے، یہان تک کہ مقام ہجر پہنچگئے، پھر ان لوگون پر حملہ کیا اور پانسو اونٹ اور دو ہزار بکریان لوٹین اور . بنو سعد عورتون کو لیکر بھاگ گئے

غزوۂ بنولحیان

(غزوۂ بنولحیان، ۶ھ

فسمعت بھم بنولحیان فھربوا فی رؤس الجبال	بنولحیان نے انکی آمدسنی تو پہاڑون کی چوٹیون پر بھاگ گئے،

سریہ عمر بن خطاب

سریہ عمر بن خطاب بطرف تربہ، ۷ھ

فکان یسیر اللیل ویکمن النہار فاتی الخبر ھوازن فھربوا، وجاء عمر بن الخطاب محالھم	راتون کو چلتے تھے اور دن کو چھپ جاتے تھے ہوازن کو خبر لگ گئی تو وہ فرار ہوگئے، حضرت عمرؓ

فلم یلق منھم احدا | اُنکے پڑاؤ پر پہنچے توکسی کو نپایا،

سریہ کعب بن عمیر، ربیع اوّل ۸ھ

سریہ کعب بن عمیر

اِس سریہ کا یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے پندرہ شخصون کو شام کی طرف بھیجا، ذات اطلاح پہنچکر ان لوگون کو ایک بڑی جماعت نظر آئی، ان لوگون نے انکو اسلام کی دعوت دی، انھون نے انکار کیا، اور انپر تیر اندازی شروع کی، مجبور ہوکر یہ لوگ بھی لڑے، اور بالآخر سب شہید ہوے، صرف ایک صاحب بچے، اُنھون نے آکر خبر کی، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُن سے انتقام لینا چاہا لیکن وہ لوگ یہ مقام چھوڑ کہین اور چلے گئے، ابن سعد مین یہ الفاظ ہین،

وھم بالبعث الیھم فبلغہ انھم قد ساروا	ان پر فوج بھیجنے کا ارادہ کیا، پھر معلوم ہوا کہ وہ اور کہین
الی موضع آخر	چلے گئے تو یہ خیال چھوڑ دیا،

اشاعت اسلام

ان اغراض کے علاوہ اور جو سرایا بھیجے گئے، انکی غرض اشاعت اسلام ہوتی تھی، لیکن چونکہ ملک مین امن وامان نہ تھا اور نیز دشمنون نے اِس سرے سے اُس سرے تک آگ لگا رکھی تھی، دعوت اسلام کے لیے جو سرایا جاتے تھے انکی زندگی ہمیشہ معرض خطر مین رہتی تھی،

سریہ بئرمعونہ

صفر ۴ھ مین ستر داعیانِ اسلام کی جماعت قبیلۂ کلاب مین رئیس قبیلہ کی دعوت پر اشاعت اسلام کی غرض سے بھیجی گئی، لیکن بئر معونہ کے قریب قبائل رعل وذکوان کے ہاتھ سے کُل کی کل شہید ہوئی، صرف ایک صاحب بچ گئے تھے جنھون نے مدینہ مین آکر خبر کی،

سریہ مرثد

اسی زمانہ مین یعنی صفر ۴ھ مین قبیلۂ عضل وقارہ نے تعلیم وارشاد کے لیے دعاۃ اسلام کے بھیجنے کی درخواست کی، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے عاصمؓ، خبیبؓ، مرثد بن ابی مرثدؓ وغیرہ دس صاحبون کو اس غرض کے لیے روانہ فرمایا، مقام رجیع مین پہنچکر بنو لحیان نے اُن پر حملہ کیا، اور ایک کے سوا کُل صاحب شہید کر دیے گئے،

غزوۂ بنی لحیان،

۶ھ مین بنو لحیان کی تعزیر کے لیے مہم گئی، لیکن کامیابی نہ ہوئی، وہ سُن گُن پاکر بھاگ گئے تھے،

سریۂ ابن ابی العوجار

سنہ ۷ھ مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے داعیون کی ایک جماعت جس مین پچاس آدمی شامل تھے، قبیلۂ بنی سلیم کے پاس بھیجی، اِس گروہ کے سردار ابن ابی العوجار تھے، اُنھون نے بنوسلیم کو دعوت دی لیکن ان لوگون نے انکار کیا اور تیراندازی شروع کی، یہ لوگ بھی لڑے لیکن پچاس آدمی قبیلہ کے قبیلہ کا کیا مقابلہ کرسکتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ رئیس فوج یعنی ابن ابی العوجار کے سوا سب شہید ہوئے،

سریۂ کعب بن عمیر

ربیع اوّل سنہ ۸ھ مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے کعب بن عمر غفاری کو پندرہ آدمیونکی جمعیت کے ساتھ دعوت اسلام کیلیے ذات اطلاح کیطرف روانہ کیا، یہ مقام شام کے حدود مین وادی قری سے اسطرف ہی، ان لوگون نے اسلام کی تبلیغ کی، لیکن جواب وہی تیغ وسنان تھا، یہان تک کہ یہ جماعت بھی کل کی کل شہید ہوئی صرف ایک صاحب بچگئے جنھون نے آکر مدینہ مین خبر کی،

(اس بناپر اکثر دعوتِ اسلام کے لیے جو سرایا بھیجے جاتے تھے اُن کے ساتھ حفاظت کی غرض سے کچھ فوج بھی ساتھ کردی جاتی تھی لیکن اس صورت مین تصریح افسرون کو کہدیا جاتا تھا کہ صرف اشاعت اسلام مقصود ہی لڑائی بھڑائی کی اجازت نہین، مثلاً فتح مکہ کے بعد جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے خالدؓ بن ولید کو بنوخذیمہ کی طرف بھیجا اور ۳۰۰ آدمیون کی جمعیت) ساتھ کردی تو صاف فرمادیا کہ صرف دعوت اسلام مقصود ہی لڑائی مقصود نہین، چنانچہ ابن سعد لکھتے ہین،

بعثہ الی بنی جذیمۃ داعیًا الی الاسلام ولم یبعثہ مقاتلاً (صفحہ ۱۰۶)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد کو بنوجذیمہ کی طرف بھیجا، دعوت اسلام کے لیے نہ لڑنے کے لیے،

علامہ طبری اس موقع پر لکھتے ہین،

قد کان رسول اللہ صلعم بعث فیما حول مکۃ السرایا یاتدعو الی اللہ عزوجل ولم یامرھم بقتال	آنحضرت صلعم نے مکہ کے اطراف مین سرایا بھیجے، دعوتِ اسلام کے لیے اور انکو لڑائی کا حکم نہین دیا،

باوجود اس کے بھی حضرت خالدؓ نے تلوار سے کام لیا اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے سنا تو آپ کھڑے

ہوگئے، اور قبلہ رو ہو کر کہا "اے خدا خالدؓ نے جو کچھ کیا مین اس سے بری ہون" تین دفعہ اسیطرح یہ الفاظ فرمائے، پھر حضرت علیؓ کو بھیجا کہ جنھون نے ایک ایک بچہ کا، یہان تک کہ کُتون کا خون بہا ادا کیا، اور اُس پر مزید رقم دی، یہ واقعہ باختلاف الفاظ حدیث کی کتابون مین بھی مذکور ہی،

(اسیطرح سنہ ھ مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے حضرت علیؓ کو جب ۳۰۰ سوارون کے ساتھ یمن بھیجا تو آپ نے فرمایا،

فاذا نزلت بساحتھم فلا تقاتلھم حتی یقاتلوك (ابن سعد مغازی، صفحہ ۱۲۲)	جب تم وہان پہنچ جاؤ تو جب تک تم پر کوئی حملہ نہ کرے تم نہ لڑنا

اسی سلسلہ مین وہ سرایا بھی داخل ہین جو فتح مکہ کے بعد بت شکنی کے لیے اطراف ملک مین روانہ کیے گئے اسکی تفصیل یہ ہے کہ تمام عرب مین مختلف قبیلون کے الگ الگ بتخانے تھے، فتح مکہ کے بعد جب عام طور سے قبائل نے اسلام قبول کرلیا تو بتون کی عظمت اور جباری کا جاہلانہ اور وہم پرستانہ تخیل بعض قبائل سے دفعتہً نہ مٹ سکا، اب گو وہ انکو لائق پرستش نہین سمجھتے تھے، تاہم اُنکے دلون پر ان اصنام کی وراثتہً ایک مُدت سے جو ہیبت بیٹھی ہوئی تھی، اُس سے یہ ہمت نہین پڑتی تھی کہ ان باطل پرستیون کے مرکز کو خود اپنے ہات سے مٹا دین، جاہلون کو یقین تھا کہ اِن مقدس پتھرون کا ایک ریزہ بھی اپنی جگہ سے ہٹا تو آسمان ٹوٹ پڑیگا، زمین پھٹ جائے گی، مصائب اور بلاؤن کا ایک طوفان برپا ہو جائیگا۔

اہل طائف نے بیعت کرتے ہوئے شرط پیش کی تھی کہ ان کا بتخانہ ایک سال تک ڈھایا نہ جائے اور جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے یہ منظور نہ فرمایا تو دوسری شرط یہ پیش کی کہ ہم اُن کو اپنے ہاتھ سے نہ توڑینگے بعض اور نو مسلم قبائل بھی اس اداے فرض مین جھجکتے تھے، اس بنا پر ان مقامات مین چند راسخ العقیدہ اور صحیح الفہم مسلمان بھیجے گئے کہ وہ انکی طرف سے اس فرض کو انجام دین، چنانچہ سریہ خالد بن ولید، بتخانہ عزیٰ

لہ تاریخ طبری، صفحہ ۱۶۵۱،

سریہ عمرو بن العاص، بتخانہ سواع، سریہ سعد بن زید اشہلی بتخانہ مناۃ، سریہ ابوسفیان و مغیرہ بن شیبہ بتخانہ لات، سریہ جریر، بتخانہ ذی الخلصۃ[1]، سریہ طفیل بن عمرو دوسی، بتخانہ ذی الکفین اور سریہ علی بن ابی طالب، بتخانہ فلس کے توڑنے کو روانہ کیے گئے[2]،

جنگی اصلاحات جنگ، افعال انسانی کا بدترین منظر ہے، اور عرب کی جنگ تو ظلم، توحش، قساوت، سفاکی، بیدردی اور درندہ پن کا تماشا گاہ تھی، لیکن اعجاز نبوت سے یہی چیز تمام نقائص سے پاک ہو کر ایک مقدس فرض انسانی بن گئی،

کسی ملک مین جب ہزارون برس سے ظلم و غارتگری متوارث چلی آتی ہے تو شروع شروع مین مہذب سے مہذب حکومت کو بھی چند روز قدیم اصول اور طرز عمل کو اختیار کرنا پڑتا ہے جسکو طبی اصطلاح مین علاج بالمثل کہہ سکتے ہین آغاز اسلام مین حملہ اور جنگ کے متعلق بعض واقعات اس قسم کے ملتے ہین، جو پہلے سے رائج تھے، مثلاً جاہلیت مین دستور تھا کہ دشمن پر بیخبری کی حالت مین جا پڑتے تھے، اور قتل و قید کرتے تھے، اسلام نے اس طریقہ کو مٹایا لیکن ابتداہی مین اگر اسپر عمل کیا جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ دشمن ہمیشہ دفعتہً حملہ آور ہو کر مسلمانون کو قتل کیا کرتے اور مسلمان اسکے مقابلہ مین کچھ نہ کر سکتے یا کرتے تو پہلے انکو خبر کرتے، جسکے بعد وہ کہین ٹلجاتے، یا اپنی حفاظت کا سامان کر لیتے، لیکن جسقدر اسلام کو زور و قوت حاصل ہوتی گئی، اُسیقدر وہ قدیم طریقے مٹتے گئے، یہان تک کہ ایک ایک کر کے سب کا خاتمہ ہو گیا،

اسلام سے پہلے جنگ کا جو طریقہ تھا اور جس قسم کے وحشیانہ افعال عمل مین آتے تھے اُن کو ہم تفصیل سے اوپر لکھ آئے ہین، ان صفحات کو دوبارہ سامنے رکھ لو اور اسکے مقابلہ مین دیکھو اسلام نے کیا کیا اصلاحین کین؟

اس بات کو قطعاً روک دیا کہ عورتین، بوڑھے، بچے، صغیر السن، نوکر، خادم، لڑائیون مین قتل کیے جائین، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دستور تھا جب کسی مہم پر فوج بھیجی جاتی تو سردار فوج کو جو احکام دیے جاتے اُنمین ایک یہ لازمی حکم بھی ہوتا[3]، ابوداؤد مین یہ حکم ان الفاظ مین مذکور ہے،

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ ذی الخلصۃ، [2] اس باب مین تمام تر واقعات ابن سعد جز مغازی سے ماخوذ ہین، [3] صحیح مسلم باب الجہاد،

لا تقتلوا شیخاً فانیا ولا طفلا ولا صغیرا — کسی کہن سال کو، بچے کو کم سن کو، عورت کو قتل

ولا امرءۃ — نہ کرو،

غزوات مین کبھی کسی عورت کی لاش آپکی نظر سے گذرتی تو آپ نہایت سختی کے ساتھ منع فرماتے، صحیح مسلم مین متعدد حدیثین اس کے متعلق مذکور ہین،

اسلام سے پہلے معمول تھا، کہ دشمن کو گرفتار کر لیتے تو کسی چیز سے باندھ کر اُسکو تیرون کا نشانہ بناتے، یا تلوار سے قتل کرتے، اس طریقہ کو عربی مین صبر کہتے تھے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے نہایت سختی سے اس کو روکدیا ایک دفعہ حضرت خالد کے صاحبزادے (عبد الرحمن) نے ایک لڑائی مین چند آدمیون کو گرفتار کر کے اسیطرح قتل کرایا تھا، حضرت ابو ایوب انصاری نے سنا تو کہا "مین نے رسول اللہ کو وہ اس کو منع کرتے تھے، "خدا کی قسم مین مُرغ کو بھی اسطرح مارنا جائز نہین رکھتا، عبد الرحمن نے اُسیوقت کفارہ گناہ کے طور پر چار غلام آزاد کیے[1]،

لڑائیون مین عہد کی کچھ پابندی نہ تھی، جنگ موتہ وغیرہ مین کفار نے مسلمانون کے ساتھ یہی معاملہ کیا، یعنی قول و قسم لیکر مسلمانون کو ساتھ لوا گئے، اور گھر لیجا کر قتل کرڈالا، قرآن مجید مین انہی واقعات کی طرف اشارہ ہی،

لَا یَرْقُبُونَ فِی مُؤْمِنٍ اِلًّا وَلَا ذِمَّۃً اِنَّہُمْ لَا اَیْمَانَ لَہُمْ، — کسی مسلمان کے متعلق وہ نہ قسم کا لحاظ رکھتے ہین نہ ذمہ داری کا "ان کی قسم قسم نہین،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے سخت تاکید کی کہ جو عہد کیا جائے، ہر حال مین اسکی پابندی کیجاے، قرآن مجید مین اسکے متعلق جابجا تاکیدی اور صاف احکام ہین، عہد نبوت اور خلفائے راشدین کے زمانہ مین پابندی عہد کی حیرت انگیز مثالین ملتی ہین،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) جب ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے، تو بہت سے صحابہ مجبوریون کی وجہ سے مکہ ہی مین رہ گئے تھے، ان مین حذیفہ بن یمان اور انکے والد بھی تھے، جنگ بدر سے کچھ پہلے وہ مکہ سے روانہ

---

[1] ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۰،

ہوے کفار نے انکو پکڑ لیا، کہ تم مدینہ جاکر پھر ہمارے مقابلہ کو آؤ گے، انہون نے کہا ہمارا مقصد صرف انتقال مکان ہے، کفار نے ان سے عہد لیکر چھوڑ دیا، یہ لوگ مقام بدر مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کیخدمت مین پہنچے اور یہ دیکھکر کہ رسول اللہ کفار سے مصروف جنگ ہین خود بھی اِس سعادت کی آرزو کی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو باز رکھا کہ تم معاہدہ کر چکے ہو،

ابو رافع کو قریش نے قاصد بناکر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین بھیجا تھا، بارگاہ نبوت مین آکر اُن پر یہ اثر ہوا کہ مسلمان ہو گئے اور عرض کی کہ اب مین کافرون مین واپس نہ جاؤنگا، آپنے فرمایا تم قاصد ہو، اور قاصد کو رُوک لینا عہد کے خلاف ہے، اس وقت واپس جاؤ، پھر آجانا[۱]،

صلح حدیبیہ مین جب **ابوجندل** پابہ زنجیر آے، اور بدن کے داغ دکھاے کہ قریش مجھکو قید کرکے اس اس طرح ستاتے ہین آپنے فرمایا ہان لیکن قریش سے معاہدہ ہوچکا ہے کہ کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ آئیگا توہم اُسکو قریش کے پاس بھیجدین گے، اِس پر ابوجندل نے روکر تمام مسلمانون کو مخاطب کیا، لوگ جوشِ رقت سے بیقرار ہو گئے، اور قریب تھا کہ قابو سے باہر ہو جائین، حضرت عمرؓ بیتاب ہو گئے، حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ کی خدمت مین بار بار جاتے تھے، یہ سب کچھ تھا لیکن پابندی عہد کی قیمت اِن سب خطرات سے زیادہ تھی، ابوجندل کو پابہ زنجیر واپس جانا پڑا،

اسلام سے پہلے قاصدون کا قتل کر دینا ممنوع نہ تھا، صلح حدیبیہ سے پہلے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قریش کے پاس جو قاصد بھیجا تھا، قریش نے اُسکی سواری کے اونٹ کو مار ڈالا، اور قاصد کو بھی قتل کر دینا چاہا لیکن باہر والون نے بچا لیا،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے حکم دیا کہ قاصد کبھی قتل نہ کیے جائین مسیلمہ نے جب قاصد بھیجا اور اُس نے گستاخانہ گفتگو کی تو آپ نے فرمایا کہ "قاصد کا قتل کرنا دستور نہین ورنہ تو قتل کر دیا جاتا"، مورخین اس واقعہ کو لکھکر

---

[۱] ابوداود جلد ۲ صفحہ ۲۳،

لکھتے ہین کہ اُس دن سے یہ ایک قاعدہ بنگیا کہ قاصد قتل نہین کیے جاتے تھے،

اسیرانِ جنگ کے ساتھ عرب نہایت بُرا سلوک کرتے تھے، اور تمام قومون مین بھی یہی طریقہ جاری تھا، جنگ صلیبی مین یورپین سلطنتین، جب سلمانون کو لڑائیون مین گرفتار کرتی تھین، تو اُن سے جانورون کی طرح کام لیتی تھین، علامہ ابن جبیر، جب حروب صلیبیہ کے زمانہ مین سسلی مین گذرے ہین، تو یہ حالت دیکھکر تڑپ گئے چنانچہ لکھتے ہین،

ومن الفجائع التی یعاینہا من حل بلادھم اسری	اور منجملہ ان دردانگیز حالات کے جوان شہرون مین نظر آتے
المسلمین یرسفون فی القیود و یصرفون فی الخدمۃ	ہین اسیران اسلام ہین جو بیڑیان پہنے نظر آتے ہین اور جن سخت
الشاقۃ والاسیرات المسلمات کذلک فی	محنت شاقہ لیجاتی ہے، اور اسیطرح سلمان عورتین بندیوںمین لوہے کے
اسوقھن خلاخیل الحدید فتفطر لھم الافئدۃ[1]	کڑے پہنے سخت محنت شاقہ سے کام کرتی ہین جنکو دیکھکر دل پھٹا جاتا ہے،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اسیران جنگ کی نسبت تاکید کی کہ انکو کسی طرح کی تکلیف نہ پہونچنے پائے، اسیرانِ بدر کو جب آپ نے صحابہ کے حوالہ کیا تو تاکید کی کہ کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے پائے، چنانچہ صحابہ خود کھجور وغیرہ کھاکر بسر کرلیتے تھے، اور قیدیون کو کھانا کھلاتے تھے، غزوۂ حنین مین چھ ہزار اسیر تھے، سب چھوڑدیے گئے، اور آپ نے اُن کے پہننے کے لیے چھ ہزار جوڑے (مصر کے کپڑے کے) عنایت فرمائے، چنانچہ ابن سعد نے اس واقعہ کی تصریح کی ہے،

حاتم طائی کی بیٹی جب گرفتار ہوکر آئی تو آپ نے عزت و حرمت سے مسجد کے ایک گوشہ مین اُسکو مقیم کیا اور فرمایا کہ کوئی تمھارے شہر کا آجائے تو مین اُسکے ساتھ تم کو رخصت کردون، چنانچہ چند روز کے بعد سفر کا ساز و سامان کرکے ایک شخص کے ساتھ یمن بھجوادیا،

قرآن مجید مین جہان خدا نے بندگانِ خاص کے اوصاف بتائے ہین، وہان فرمایا ہے :-

[1] رحلہ ابن جبیر مطبوعہ لیڈن ۱۹۰۷ء صفحہ ۳۰۷،

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا	اور یہ لوگ خدا کی محبت مین سکین کو، یتیم کو اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہین،

معمول تھا کہ جب کسی قوم پر حملہ ہوتا تو اہل فوج چارون طرف دُور دور پھیل جاتے، جس سے راستے بند ہو جاتے گھرون مین آنا جانا مشکل ہو جاتا، راہگیرون کا مال و متاع لٹ جاتا، یہ طریقہ ایک مدت سے چلا آتا تھا، ایک لڑائی مین قدیم دستور کے مطابق یہی حرکتین لوگون سے سرزد ہوئین، آپ نے منادی کرا دی کہ جو شخص ایسا کریگا اُس کا جہاد جہاد نہین،

ابو داؤد مین انس جہنی سے روایت ہے،

غزوت مع نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ کذا وکذا فضیق الناس المنازل وقطعوا الطریق فبعث نبی اللہ منادیا ینادی الناس ان من ضیق منزلا او قطع طریقا فلا جہاد لہ[1]	مین فلان غزوہ مین آپکے ساتھ تھا، لوگون نے دوسرون کے پڑاو پر جاکر انکو تنگ کیا، لوٹا مارا، آپ نے ایک شخص کو بھیجا جسنے منادی کی کہ جو دوسرون کو گھر مین تنگ کرے یا لوٹے مارے اُسکا جہاد مقبول نہین،

ابو داؤد مین ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے جب یہ حکم دیا کہ لوگ اِدھر اُدھر پھیل نہ جایا کرین تو لوگ اس طرح سمٹ کر پڑاو ڈالتے تھے کہ ایک چادر تان دی جاتی تو سب اسکے نیچے آجاتے[1]،

سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ مال غنیمت کے ساتھ لوگون کو اس قدر شغف تھا کہ لڑائیون کا بہت بڑا سبب یہی ہوتا تھا اسکی اصلاح مین نہایت تدریج سے کام لینا پڑا، جاہلیت مین تو غنیمت محبوب ترین چیز تھی تعجب یہ ہی کہ اسلام مین بھی ایک مدت تک اسکو ثواب کی چیز سمجھتے تھے، ابو داؤد مین ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے پوچھا،

رجل یرید الجہاد فی سبیل اللہ وھو یبتغی عرضا من اعراض الدنیا فقال النبی لا اجر لہ فاعظم ذلک الناس وقالوا للرجل عد لرسول اللہ	ایک شخص خدا کی راہ مین جہاد کرنا چاہتا ہے لیکن کچھ دنیاوی فائدہ بھی چاہتا ہے آپ نے فرمایا اُسکو کچھ ثواب نہین ملیگا، یہ امر لوگون کو بہت عجب معلوم ہوا اور لوگون نے

[1] ابو داؤد کتاب الجہاد جلد اول صفحہ ۳۰، [2] ابو داؤد کتاب الجہاد،

فلعلک لم تفهمه، اُس شخص سے کہاکہ پھر جاکر پوچھو غالباً تنے آنحضرت صلعم کا

(ابوداؤد جلد اصفحہ ۳۴۸) مطلب نہین سمجھا،

باربار لوگ دوبارہ دریافت کرنے کے لیے بھیجتے تھے اور اُن کو یقین نہین آتا تھا کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ایسا فرمایا ہوگا، بالآخر جب آپ نے تیسری دفعہ بھی یہی فرمایا کہ لا اجرلہ یعنی اس کو کچھ ثواب نہین ملے گا تب لوگونکو یقین آیا،

ایک دفعہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے چند صحابہ کو ایک قبیلہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا، اُن مین سے ایک صاحب صف سے آگے نکل گئے۔ قبیلہ والے روتے ہوئے آئے، اُنھون نے کہا کہ لا الہ الا اللہ کہو تو بچ جاؤ گے ان لوگون نے اسلام قبول کرلیا اور حملہ سے بچ گئے، اس پر ساتھیون نے ان کو ملامت کی کہ تم نے ہم لوگون کو غنیمت سے محروم کردیا، ابوداؤد مین صحابی کا قول ان الفاظ مین مذکور ہے،

فلامنی اصحابی وقالوا حرمتنا الغنیمۃ، مجھکو میرے ساتھیون نے ملامت کی تم نے ہلوگون کو

(ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۴۵) غنیمت سے محروم کردیا،

جب لوگون نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے آکر انکی شکایت کی تو آپ نے اُنکی تحسین کی اور فرمایا کہ تمکو ایک ایک آدمی (جو چھوڑ دیے گئے) کے بدلے اتنا اتنا ثواب ملے گا، (ابوداؤد)

قرآن مجید مین غنیمت کی نسبت "متاع دنیوی" کا لفظ آتا تھا اور اُسکی طرف انہماک اور وارفتگی پر ملامت کی جاتی تھی، جنگ احد مین جب اس بناپر شکست ہوئی کہ کچھ لوگ کفار کا مقابلہ چھوڑکر غنیمت مین مصروف ہوگئے تو یہ آیت اُتری،

مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ تم مین سے کچھ لوگ دنیا کے طلبگار تھے اور کچھ آخرت کے،

جنگ بدر مین لوگون نے جب اجازت سے پہلے غنیمت لوٹنی شروع کردی (یا) بقول بعض مفسرین فدیہ کی خواہش سے لوگون کو گرفتار کیا تو یہ آیت اتری،

يُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ، — تم لوگ دنیا کی پونجی چاہتے ہو اور خدا آخرت چاہتا ہے،

باوجود ان تمام تصریحات اور بار بار کی تاکید کے غزوۂ حنین مین جو شکست واقع ہوا تھا اِس وجہ سے شکست ہوئی کہ لوگ غنیمت کے لوٹنے مین مصروف ہوگئے، صحیح بخاری غزوۂ حنین کے ذکر مین ہے،

فاقبل المسلمون علی الغنائم واستقبلونا بالسهام، — تو مسلمان غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور کافرون نے ہم کو تیرون پر رکھ لیا،

اس بنا پر موقع بہ موقع آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اِس مسئلہ کو زیادہ تر تصریح سے بیان فرماتے تھے، ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "کوئی شخص غنیمت کے لیے، کوئی نام کے لیے، کوئی اظہار شجاعت کے لیے جہاد کرتا ہے کس کا جہاد خدا کی راہ مین سمجھا جائے گا" آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا — جو شخص اسلیے لڑتا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو،

بالآخر آپ نے یہ فرما دیا کہ گو جہاد کسی نیت سے کیا جائے لیکن اگر مجاہد، مال غنیمت قبول کرتا ہے تو دو تہائی ثواب کم ہو جاتا ہے، پورا ثواب اسیوقت ملتا ہے جب غنیمت کو مطلق ہات نہ لگائے، صحیح مسلم مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے خاص الفاظ یہ ہین،

ما من غازية تغزو في سبيل الله فيصيبون الغنيمة الا تعجلوا ثلثي اجرهم من الآخرة ويبقى لهم الثلث وان لم يصيبوا غنيمة تم لهم اجرهم — جو غازی خدا کی راہ مین لڑتا ہے اور مال غنیمت لیتا ہے وہ آخرت کے ثواب کا دو ثلث یہین لے لیتا ہے اور آخرت مین اسکا حصہ صرف ایک تہائی رہجاتا ہے البتہ اگر غنیمت مطلق نہ لے تو اسکو آخرت مین پورا اجر ملیگا،

ان تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ غنیمت جو سب سے محبوب چیز تھی، دلون سے اتر گئی، اور جہاد سے صرف اعلاے کلمۃ اللہ مقصود رہ گیا، واقعۂ ذیل سے اُس کا اندازہ ہوسکیگا،

واثلۃ بن الاسقع، ایک صحابی تھے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب تبوک کی مہم پر روانہ ہوئے تو اُن کے پاس

سامان نہ تھا، مدینہ مین آواز دیتے پھرے کہ کوئی ہے جو ایسے شخص کو سواری دے، کہ جو کچھ مال غنیمت ہات آے گا اُس مین وہ برابر کا شریک ہوگا، ایک انصاری نے سواری اور خوراک سب اپنے ذمہ لی، اس مہم مین کئی اونٹ ہات آئے، واثلہ واپس آکر انصاری کے پاس سب اونٹ لیگئے اور کہا یہ وہ اونٹ ہین جنکی نسبت مین نے شرط کی تھی کہ آپ بھی اُس مین حصہ دار ہون گے، اُنہون نے کہا "انکو تم ہی لو، میرا شرکت سے کچھ اور ارادہ تھا" (یعنی اونٹ مین نہین، بلکہ جہاد کے ثواب مین شرکت مقصود تھی)[1]

دورانِ جنگ مین دشمن کے مال اور جائداد کا لوٹنا بھی عام رواج تھا، خصوصًا جب کہ رسد ٹھر جاتی تھی اور کھانے پینے کا انتظام نہین ہوسکتا تھا تو ہر حال مین یہ فعل جائز سمجھا جاتا تھا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اسکی سخت ممانعت کی اور سرے سے اِس طریقہ کو روک دیا، ابوداؤد مین ایک انصاری سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ ایک مہم پر گئے اور غایت تنگ حالی اور مصیبت پیش آئی اتفاق سے بکریون کا ریوڑ نظر آیا، سب ٹوٹ پڑے، اور بکریان لوٹ لین، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو خبر ہوئی آپ موقع پر تشریف لائے تو گوشت پک رہا تھا، اور ہانڈیان اُبال کھا رہی تھین، آپکے ہات مین کمان تھی آپنے اُس سے ہانڈیان الٹ دین، اور سارا گوشت خاک مین ملگیا، پھر فرمایا "لوٹ کا مال مردار گوشت کے برابر ہے"[2]

لڑائی عبادت بن گئی اسلام نے جہاد کو، جو بظاہر ایک ظالمانہ کام ہے اسقدر پاک اور منزہ کردیا کہ وہ افضل ترین عبادت بنگئی، جہاد کا مقصد یہ قرار دیا کہ مظلومون کو ظلم سے بچائے، جابر اور ظالم کمزور آدمیون پر دست ستم دراز نہ کرنے پائیں۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (حج)	جن لوگون سے لوگ لڑائی کرتے ہین انکو اس بنا پر لڑنے کی اجازت دیگئی کہ ان پر ظلم کیا گیا، اور خدا انکی مدد پر قادر ہے، وہ لوگ جو اپنے گھرون سے صرف اس بنا پر نکالدئے گئے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب خدا ہے،

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد، جلد ثانی، [2] ابوداؤد کتاب الجہاد جلد ثانی،

ملک مین جو ہمیشہ فتنہ و فساد برپا رہتا تھا اور لوگ امن و امان سے بسر نہین کر سکتے تھے، جہاد اس غرض سے تھا کہ فساد کو مٹا دے اور امن قائم کر دے،

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ (انفال) — اور اُن سے لڑو تاکہ فتنہ نہ رہے،

جو لوگ خدا پر اور جزا و سزا پر اعتقاد نہین رکھتے تھے، اور اس وجہ سے اُن کے نزدیک ہر قسم کے ظلم و ستم جائز تھے اور انکو جائز و ناجائز کی کچھ تمیز نہ تھی، جہاد سے انکا زیر کرنا، اور اُن لوگون کو اُن کے ظلم سے بچانا مقصود قرار دیا گیا،

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ — ان لوگون سے لڑو جو نہ خدا پر اعتقاد رکھتے ہین نہ قیامت پر اور

وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ (براءۃ) — جن کامونکو خدا اور رسول نے حرام قرار دیا ہے اسکو حرام نہین سمجھتے

جہاد مین فتح پانے اور زمین پر قبضہ حاصل کرنے کا مقصد یہ نہین قرار دیا گیا کہ فاتح دولت و مال اور حکومت کا لطف اُٹھائین بلکہ یہ غرض دی گئی کہ لوگون کو عبادت و ریاضت اور فقرا کی دستگیری کی تلقین کرین اور اچھی باتین پھیلائین اور بُرے کامون سے لوگون کو روکدین،

اَلَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ — وہ لوگ کہ اگر ہم انکو زمین پر قبضہ دین تو وہ نماز کے پابند ہونگے

وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ — زکوٰۃ ادا کرین گے اچھی باتونکا حکم دینگے اور بُری باتون سے روکینگے،

کسی ملک کی فتح سے جو دولت و مال ہات آتا تھا وہ فاتح کا خاص حصہ ہوتا تھا جسکو وہ اپنے مصارف عیش مین استعمال کرتا تھا، اور دربار کے امرا درجہ بدرجہ اُس سے مستفید ہوتے تھے لیکن اسکا مصرف یہ قرار دیا،

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ — اور جان لو کہ تم کو جو کچھ مال غنیمت ملے تو اُس کا پانچوان[۱]

خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى — حصہ خدا کا ہے اور رسول کا اور رشتہ دارون کا اور یتیمونکا

وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ، (انفال) — اور غریبون کا اور مسافرون کا،

جہاد نہ صرف حقیقت کے لحاظ سے بلکہ صورۃً بھی عبادت بنا دیا گیا، مجاہدین کو تاکید تھی کہ عین جنگ کے وقت بھی

---

[۱] اس پانچوین حصہ کے سوا باقی تمام مال غنیمت مجاہدین کا حق تھا،

خدا کا نام لیتے رہین،

یا ایہا الذین آمنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا و اذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون، (انفال)

مسلمانو! جب کسی گروہ سے مٹ بھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور بار بار خدا کا نام لیتے جاؤ، تم کامیاب ہوگے،

نماز مین جسطرح اُٹھتے بیٹھتے تکبیر و تسبیح یعنی اللہ اکبر اور سبحان ربی الاعلیٰ کہتے ہین، جہاد مین بھی یہی حکم تھا، حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہین کہ ہم جب کسی بلندی پر چڑھتے تھے تو اللہ اکبر کہتے تھے اور جب نیچے اُترتے تھے تو سبحان اللہ کہتے تھے، بخاری مین روایت ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) جہاد مین جب کسی ٹیکرے پر چڑھتے تھے تو تین دفعہ اللہ اکبر کہتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) جہاد پر جا رہے تھے، اصحابہ زور زور سے تہلیل و تکبیر کرتے تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا "اسقدر شور سے نہین کہنا چاہیے، کیونکہ خدا جسکو تم پکارتے ہو وہ بہرا نہین ہے" بعینہ اسیطرح ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو نماز مین پکار کر قرآن پڑھنے سے منع فرمایا تھا،

نکتہ، ابو داؤد مین حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے[1] کہ جہاد مین دستور تھا کہ چڑھائیان آتی تھین تو تکبیر کہتے تھے، اور اُتار آتا تھا تو تسبیح پڑھتے تھے، نماز بھی اِسی اصول پر قائم کیگئی، یعنی سر اُٹھاتے ہین تو اللہ اکبر اور سجدہ مین جاتے ہین تو سبحان اللہ کہتے ہین، اِس روایت مین اوائے مطلب مین ذرا فرق آگیا ہے، جہاد کے اصول پر نماز نہین قائم کیگئی بلکہ جہاد مین نماز کا طریقہ ملحوظ رکھا گیا ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ نماز ابتداے اسلام سے وجود مین آئی اور جہاد کی تاریخ ہجرت کے بعد سے شروع ہوتی ہی، بہر حال اس روایت سے اسقدر قطعی ثابت ہوتا ہی کہ نماز اور جہاد دونون مین ایسی مشابہت تھی کہ ایک کو اصل اور دوسرے کو اسکی نقل سمجھتے تھے،

غرض وہی جنگ جو ہر طرح کے ظلم و ستم اور جہالت و وحشت کا مجموعہ تھی، اسلام کی تعلیم ربانی نے اُسکو اعلاے کلمۃ اللہ، قیام امن، رفع مفاسد نصرتِ مظلوم، اور تسبیح و تہلیل کی صورت مین بدل دیا،

---

[1] کتاب الجہاد باب التکبیر عند الحرب، [2] ابو داؤد کتاب الجہاد جلد ا صفحہ ۳۵۰، مطبوعہ مجتبائی، اصل عبارت یہ ہے، النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجیوشہ اذا علوا الثنایا کبروا و اذا ھبطوا سبحوا فوضعت الصلواۃ علی ذلک،

فاتح وپیغمبر کا امتیاز جہاد کے معرکون مین آپکے ہات مین گو تیغ وسپر اور جسم مبارک پر خود ومغفر ہوتا تھا، لیکن اُسوقت بھی پیغمبر اور سپہ سالار کا فرق صاف نظر آتا تھا،

عین اُسوقت جب کہ معرکہ کارزار گرم ہی، تیرون کا مینہ برس رہا ہی، تمام میدان لالہ زار بنگیا ہی، ہات اور پاؤن اسطرح کٹ کٹ کر گر رہے ہین جسطرح موسم خزان مین پتے جھڑتے ہین، دشمنون کی فوجین سیلاب کی طرح بڑھی آرہی ہین، عین اس حالت مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا دستِ دعا آسمان کی طرف بلند ہے، جنگ آور باہم نبرد آزما ہین، اور سرِ مبارک سجدۂ نیاز مین ہی، معرکۂ بدر مین حضرت علی عین شدت جنگ مین تین بار خبر لینے آئے اور ہر دفعہ دیکھا کہ وہ مقدس پیشانی خاک پر ہے، فوجین تیرون کا مینہ برسا رہی ہین، اور لڑائی کا فیصلہ نہین ہوتا فاتح بے سلاح زمین سے مُٹھی بھر خاک اُٹھالیتا ہی اور دشمن کی طرف پھینکتا ہی، دفعۃً فوجون کا بادل پھٹ کر مطلع صاف ہو جاتا ہے،

حنین مین دشمن نے دفعۃً اس زور سے حملہ کیا کہ تمام فوج کے پاؤن اکھڑ گئے، ۱۲۰۰۰ ہزار آدمیون مین سے ایک بھی پہلو مین نہین، سامنے سے دس ہزار قدر انداز تیر برساتے آرہے ہین، لیکن مرکز حق اپنی جگہ پر قائم ہی، اور ایک پُر جلال آواز آرہی ہے،

انا النبی لا کذب، مین پیغمبر ہون، اور جھوٹا پیغمبر نہین ہون،

عین اسوقت جبکہ صفین باہم معرکہ آرا ہین، ہر طرف تلوارین برس رہی ہین، ہات پاؤن کٹ کٹ کر زمین پر بچھے جاتے ہین، موت کی تصویرین ہر طرف نظر آرہی ہین، اتفاق سے نماز کا وقت آجاتا ہی، دفعۃً نماز کی صفین قائم ہو جاتی ہین، سپہ سالار، امام نماز ہی، فوجین صفوف نماز ہین، رجز کے بجائے اللہ اکبر کی صدائین بلند ہین، جوش وخروش، تہور وجانبازی، غیظ وغضب، اب عجز ونیاز، تضرع وزاری اور خضوع وخشوع بنجاتا ہے، صفین دو دو رکعتین ادا کر کے دشمن کے مقابلہ پر چلی جاتی ہین، انکے بجائے لڑنے والے نماز مین شامل ہو جاتے ہین، یہ دو رکعتین ادا کر کے پھر اپنی پہلی خدمت پر واپس چلے جاتے ہین، اور مشغولین جنگ آکر بقیہ نماز پوری

کرلیتے ہین، لیکن یہ تبدیلیان فوجون مین ہوتی ہین، امام (رسول) اوّل سے آخر تک عبادت الٰہی مین مصروف ہے، تعلیم وارشاد، ہدایت وتلقین، تہذیب وتزکیہ کا کام ہر وقت جاری ہے، عین فتح کے وقت جبکہ مجاہدین فتح کے نشہ مین چور ہین، مالِ غنیمت فروخت ہو رہا ہے، ایک ایک کو ہزارون کی رقمین وصول ہو رہی ہین، ایک صحابی خوش خوش آتے ہین اور جوشِ مسرت مین کہتے ہین، "یارسول اللہ! آج مین نے مالِ غنیمت سے جسقدر نفع اُٹھایا، کبھی نہین اُٹھایا تھا، پورے تین سو اوقیہ ہات آئے" (اوقیہ دس روپیہ کے برابر ہوتا ہے،) آپ فرماتے ہین کہ "مین اِس سے بھی زیادہ نفع بتاؤن؟" وہ بڑے شوق سے پوچھتے ہین کیا؟ ارشاد ہوتا ہے "نماز فرض کے بعد دو رکعتین[۱]"۔

تمّ المجلّد الاوّل من السیرة النبویّه

علےٰ صاحبها الصّلوة والتحیّة

اشتیاق حسن مارہروی تلمیذ حضرت اعجاز رقم لکھنوی تحریر نمود

---

[۱] ابوداؤد باب التجارة فی الغزو،


خريطة بلاد العرب
تركستان
بلاد فارس
البحر الابيض المتوسط
البحر الاسود
بحر الخزر
بادية الشام
الخليج الفارسي
بحر عمان
الربع الخالي
حضرموت
الاحقاف
البحر الاحمر
السودان
الحبشة
مصر
البحر الهندي
بغداد
طهران
كرمان
مسقط
عمان

رفع اغلاط

الکمال للّٰہ وحدہٖ

سیرۃ النبی صلعم جس سروسامان کے ساتھ لکھی اور چھاپی گئی اُسکا اقتضایہ تھاکہ یہ اغلاط سے یکسر پاک ہوتی، لیکن جو کام کہ انسانونکے ہاتھ سے انجام پائے اُسکی برارت عن الخطاء والنسیان کا دعویٰ، انسان کی خود فراموشی ہی، چونکہ اس بات کی کوشش کیگئی ہی کہ یہ کتاب معیار استناد کے مطابق ہو اس لیے مسامحات کا ظاہر کردینا ضروری ہے،

۱۔ مقدمہ صفحہ ۴، مین مصنف نے لکھا ہی کہ معراج کا واقعہ اسی حصہ کے واقعات نبین مین مذکور ہوگا، لیکن سنہ نبوی جو معراج کا سنہ ہی (صفحہ ۱۸۰) مصنف نے اسقدر لکھا ہی کہ اسی سال معراج واقع ہوئی، اور وعدہ کیا کہ اسکی تفصیل تیسرے حصہ مین آئیگی، تیسرا حصہ قرآن مجید کا ہی، اسمین کوئی خاص موقع اسکے ذکر کا نہین ہی، مولانا حمیدالدین صاحب کے مشورہ کے مطابق حصہ معجزات وآثار علامات نبوت مین یہ واقعہ مع اختلافات و تحقیقات مفصل مذکور ہوگا۔

۲۔ مصنف نے صفحہ ۲۱۰ کے حاشیہ ۳ مین بحوالہ بخاری لکھا ہی کہ "ایک دفعہ حضرت علی نے باربرداری کے لیے اونٹ خریدے" لیکن بخاری (غزوۂ بدر و خمس و مسلم کتاب الاشربہ) مین یہ ہی کہ "ایک اونٹ جنگ بدر کی غنیمت سے انکو ہاتھ آیا تھا، اور دوسرا آنحضرت صلعم نے خمس سے عنایت فرمایا تھا" یہ بالکل سہو قلم ہی، چنانچہ دوسرے حصہ مین صحیح روایت نقل کی ہے۔

۳۔ مصنف نے پہلے کتاب کو واقعات کے تسلسل پر مرتب کیا تھا، بعد کو سنہ وار کا خیال آیا۔ اس بنا پر ۲ھ اور ۳ھ کے واقعات متفرقہ مین تقدیم وتاخیر ہوگئی ہی، ۲ و ۳ھ کے عنوان کے نیچے صفحہ ۳۰۲ مین جو واقعات متفرقہ ہین وہ ۳ھ سے متعلق ہین، جو غلطی سے موخر ہوگئے ہین اور ان سے پہلے ۲ھ کے نیچے صفحہ ۲۸۰ مین جو واقعات متفرقہ ہین اور جو ۳ھ سے متعلق ہین وہ مقدم ہوگئے ہین۔

۴۔ صفحہ ۲۰۳ مین میرے قلم کی عبارت ہی کہ "یہ تاریخ اسلام مین سب سے پہلی نماز جمعہ ہی" اسمین بعض مورخین کی پیروی مین نے کی ہی لیکن بعد کو صحیح روایات سے ثابت ہوگیا کہ مدینہ مین جمعہ کی نماز اس سے پہلے قائم ہوچکی تھی، البتہ آنحضرت صلعم کی یہ پہلی نماز جمعہ تھی، تفصیل دوسری جلد مین آئیگی۔

۵۔ لیتھو مین غلطیون کا رہجانا ناگزیر امر ہی، کاتب سے زیادہ اسکا ذمہ دار مصلح سنگ ہے، جسکے حرف گیر کے نیچے نقطہ داغ بنکر اوبھر جاتا ہی، اور داغ نقطہ بنجاتا ہی، یا حرف چھنکر اپنی جگہ سے اُڑ جاتا ہی، انہین تین غلطیان سہو قلم ہین صفحہ ۱۰۵ مین ھُوَالَّذِیْ کو ھُوَ، صفحہ ۲۰۹ مین اُولُوالْاَرْحَامِ کو اَدُلُوالْاَرْحَامِ، اور صفحہ ۳۴۶ مین فَاشْهَدُ وَا کو فَقُوْلُوااشْهَدُ وَا بنا دیجیے، دیگر قابل اصلاح اغلاط پر ہمنے خط کھینچدیا ہی، بقیہ غلطیان زیادہ تر زیر زبر یا نقطون کی ہین۔ اور معمولی ہین

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶	۱۹	بن	ابن	۱۰۹	۴	آیتین	آیتین ہین	۱۵۹	۳	محالفت	مخالفت
۱۳	۱۶	الماضئین	الماضیین	۱۱۲	۳	آوز	آواز	۱۶۰	۱۵	کی	کے
۳۶	۱۷	کتاب	کتاب کو	۱۱۴	۵	کہ	×	۱۶۵	۹	مرغوب	مرعوب
۳۷	۱۶	عمال	اَعمال	۱۳۰	۱۷	عیسائیون کا	عیسائیون کے	″	۱۰	محمد	محمدًا
۳۸	۹	مسندرک	مستدرک	۱۳۱	۱۹	الابن	لابن	۱۷۳	۸	کی	کے
۴۴	۱	شفقہ	شقہ	۱۳۵	۹	ہوسکی	ہوسکتی	۱۸۱	۱۲	خیر	خیز
۴۶	۱۱	رایون	راویون	۱۳۶	۲	تمادی	تمادی	″	۴	انگیر	انگیز
۸۵	۸	گلازی	گلازر	۱۴۱	۱۴	الضوا	ارضوا	۲۰۲	۱۹	سشتبہ	سشیبہ
۸۷	۳	انشأھا	انشأھا	۱۵۱	۱۵	شدت	شدت سے	۲۰۳	۷	نہائی	نہالی
۹۶	۱۴	جغرافیہ دان	جغرافیہ دانان	۱۵۳	۷	بادیٔ	بادیَ	۲۰۴	۱۲	صابہ	اصابہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۱۰	۹	والظرف	وانصرف
۲۲۷	۱۲،۱۸، ۱۹	حمزه	ضمره
۲۲۹	۷	الناس	الزبیر
۲۳۱	۱۸	خبررسالون	خبررسانون
۲۳۳	۱۳	واعمره	واعمراه
۲۳۶	۱۹	بعض	کبعض
〃	〃	عقراء	عفراء
۲۴۳	۱۵	بھا	لھا
〃	۱۶	الشهود	السهود
۲۵۴	۱۲	یُصدّ ون	یَصدّ ون
۲۵۵	۱۴	لماتغلف	لمراتخلف
〃	۱۹	غلر	غیر
۲۵۶	۶	یغیضتها	یغیضها
〃	۶،۷	لاحتضاها	لاخضناها
〃	۱۳	ابی	بابی
۲۶۰	۵	غیرقریش	عیرقریش
〃	۱۶	پنده	پندره
۲۶۲	۱۸	الدی	الذی
〃	〃	جوآنحضرت	×
۲۶۳	۹	سعین	سبعین
〃	۱۴	مه	به
〃	۱۵	مخرح	مخرج
۲۶۴	۱۸	واعمرالا	واعمراه
۲۶۵	۱۳	برید	یرید
۲۷۰	۱۳	انداره	اندازه
۲۷۳	۶	حمز	حمزه
〃	۱۱	تیرانداسون	تیراندازون
۲۷۴	۷	مسلمانوں	مسلمانو
۲۷۶	۳	حنظله	خنظله
〃	۱۸	مسلمانون	مسلمانو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۸۰	۱۱	مسلمانون	مسلمانو
۲۸۵	۵	قوم	قوم کو
〃	۱۶	بدعا	بددعا
۲۸۶	۱۴	اتفا	اتفاقاً
۲۸۷	۳	ممن	ممزّ
۲۹۱	۵	سے	نے
〃	۸	لَتَسْمَعَنَّ	لَتَسْمَعُنَّ
〃	۱۵	کبجتو	کبختو
〃	۳	لتعلن	لتقعلن
۲۹۷	۱۳	السه	الیه
۳۰۰	۹	ینغام	پیغام
۳۰۱	۱۲	چھنڈ	جھنڈ
۳۰۳	۹	ابرہیم	ابراہیم
۳۰۸	۱	احراب	احزاب
〃	۱۵	قبل	قیل
〃	۱۸	یخصهم	یخضهم
۳۲۱	۱۴	محالفت	مخالفت
۳۲۵	۶	می	فی
۳۲۶	۱۷	زوز	زور
۳۲۹	۴	تعلعات	تعلقات
〃	۸	لواد	بواد
۳۳۱	۱۰	یشں	یشں
۳۳۲	۱۷	امال	ابان
۳۳۳	۱۵	ھا	تھا
۳۳۶	۱	صحابی	صحابه
〃	۸	رنجیر	زنجیر
〃	۱۷	نعجب	تعجب
〃	۲۰	ماخود	ماخوذ
۳۴۶	۱	کت	کنت
〃	۱۰	سلام	اسلام

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۴۸	۶	مضبوظ	مضبوط
۳۵۴	۱	عنیمت	غنیمت
۳۵۵	۴	نسلک	نسلك
۳۶۰	۱	لالق	لائق
〃	۲	او دونون	اور دونون
۳۶۲	۶	تم	ثم
۳۶۵	۱۳	خین	حنین
۳۶۶	۱۹	کهم	کسهم
۳۶۷	۱	ہو	ہوا
۳۶۹	۱۲	الحمر	الخمر
۳۹۰	۱۱	تمر	ثمر
〃	〃	سکینة	سکینه
۳۹۲	۱۴	ابن درید	درید
۳۹۳	۱۵	جابچا	جابجا
〃	۱۹	کسفوف	کسوف
۴۰۰	۱۴	صفت	صغت
۴۱۱	۱۴	ثیتبات	ثنیات
〃	۱۲	الله	لله
۴۱۳	۱۴	فیحوُ	فسیحُوا
۴۱۴	۵	فانّ	فَانّ
۴۱۵	۴	سال کے	سال
۴۱۷	۶	الاعارة	الاغارة
۴۱۸	۱۷	داؤد	دواد
۴۱۹	۱۵	یندبنه	یندبنه
۴۲۹	۱۰	ای	الی
۴۳۳	۱۲	ہنید	ہُنید
۴۳۴	۱۹	اصاحة	اصابة
۴۴۵	۱	فلعک	فلعلک
۴۴۸	۱	تتنه	فتنه
۴۴۸	۱۱	اقامو	اقاموا